ترجمۂ قرآن "کنز الایمان"
کی توضیحات بنام
تفسیر جواہر الایقان
المعروف بہ
تفسیر رضوی
مصنف
خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ حشمت علی صاحب بریلوی
ناشر
امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف
1

بموقع جشن صد سالہ عرس رضوی ۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء

سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی کے

ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' کی توضیحات بنام

تفسیر جوہر الایقان

المعروف بہ

تفسیر رضوی

جلد اول

مصنف

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

علامہ حشمت علی صاحب بریلوی علیہ الرحمہ

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف

سلسلہ اشاعت..............۳۰۸

نام کتاب..............تفسیر جوہر الایقان (جلد اول)
مصنف..............علامہ حشمت علی بریلوی
تصحیح..............مولانا عبد السلام رضوی، مولانا اویس قرنی
نظر ثانی..............مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
سیٹنگ..............مولوی سکندر عالم رضوی
کمپوزنگ..............مولوی محمد منیف رضا برکاتی مرحوم ومغفور
مولوی محمد عفیف رضا برکاتی، محمد مشتاق نعمانی، مولوی زاہد علی شاہدی
سال اشاعت..............۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء
تعداد اشاعت..............چھ سو (۶۰۰)

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر

بریلی شریف، (243502)

E-MAIL: MUNIFKHAN1456@GMAIL.COM
WWW.IMAMAHMADRAZAACADEMY.COM
MOB:9412489368

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

زیر مطالعہ کتاب ''جوہر الایقان فی توضیح کنز الایمان'' کے نام سے قرآن کریم کی ایک نہایت آسان اور عام فہم تفسیر ہے جس کا عرفی نام ہم نے بعض احباب کے مشورے سے ''تفسیر رضوی'' رکھا ہے۔

اولاً: اس لیے کہ مصنف رضوی اور اعلیٰ حضرت کے مرید وخلیفہ ہیں۔

ثانیاً: اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی وضاحت حسین پیرائے میں کرتے ہیں۔

ثالثاً: اعلیٰ حضرت کی تصانیف سے خوب خوب استفادہ کرتے ہیں۔

یہ تفسیر راقم نے از اول تا آخر ایک مرتبہ بالاستیعاب پڑھی ہے، میں نے اس میں جو خوبیاں دیکھیں وہ اس طرح ہیں۔

(۱) ایک آیت یا چند آیتوں کے لیے ایک توضیح نمبر لکھتے ہیں اور پھر اس توضیح وتشریح میں آیات کا شان نزول اور مفہوم مختصر اور جامع انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔

(۲) پوری تفسیر میں شان نزول بیان کرنے کا التزام کیا ہے اور حتیٰ الامکان ہر سورت اور آیت کا شان نزول بیان کر دیا ہے۔

(۳) پوری تفسیر میں جہاں جو بیان کرتے ہیں اس کو حوالے سے ضرور مزین کرتے ہیں، چنانچہ احادیث وتفاسیر کی درجنوں کتابوں کے نام آپ کو اس کتاب میں ملیں گے بلکہ حق بات یہ ہے کہ جو بات لکھی ہے اس کا کوئی حوالہ ضرور ہے۔

(۴) سیدنا اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے استناد آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

(۵) انداز ایسا عام فہم اختیار فرمایا ہے کہ معمولی اردو خواں بھی آسانی سے مقصد تک پہنچ سکیں۔

یہ تفسیر کیسے دستیاب ہوئی:

یہ تفسیر مسودہ اور مبیضہ دونوں شکلوں میں حضرت صوفی محمد اقبال صاحب رضوی مرحوم ومغفور کے کتب خانہ میں عرصہ دراز سے موجود تھی، آپ نے اس کے غالباً دو پارے ۱۹۷۰ اور ۸۰ء کے درمیان اپنے کتب خانے سے شائع بھی کیے تھے، راقم کو اتنا یاد ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں ایک پارہ مطبوعہ ہمارے ساتھیوں کے درمیان تقسیم ہوا تھا تو مجھے بھی ملا تھا لیکن بعد میں وہ میرے پاس محفوظ نہ رہ سکا۔

صوفی صاحب موصوف ہماری اکیڈمی کے مداح اور نہایت خیر خواہ تھے کہ جب انہوں نے اپنا آخری وقت محسوس کیا تو اپنا ذاتی کتب خانہ اکیڈمی کو سونپ دیا، ساتھ ہی اس تفسیر کا مسودہ بھی، اس کتاب کا مسودہ اور مبیضہ دونوں بوسیدہ حالت کو پہنچ چکے تھے

، چنانچہ یہ ہماری اکیڈمی میں آکر محفوظ ہو گئے۔

اکیڈمی کے آغاز قیام ہی سے اتنے کام ہمارے ذمہ آگئے تھے کہ اس کتاب کی طرف توجہ ہی نہ ہو سکی حالانکہ بار بار اس طرف نگاہ جاتی لیکن مجبوراً صرف نظر کرنا پڑتی۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن میں اس خیال سے لے کر بیٹھا کہ صوفی صاحب نے ہم پر اعتماد کر کے یہ مسودہ و مبیضہ ہمیں دیا تھا، لہٰذا اس احساس کے پیش نظر یہ فیصلہ کر لیا کہ کام شروع کر دیا جائے، میں نے کچھ بغور پڑھنے کے بعد پروگرام بنایا کہ اسی طرح اس کو پہلے کمپوز کرا لیا جائے، چنانچہ اس کی فوٹو کاپی کرانے کے بعد کمپوزنگ شروع کرا دی، ایک سال سے زیادہ عرصہ اس کی کمپوزنگ میں خرچ ہو گیا، کمپوزنگ کرنے والوں میں عزیزم مولوی محمد منیف رضا مرحوم و مغفور بھی تھے، اگرچہ ان کو کتابوں کی سیٹنگ سے فرصت نہیں ملتی تھی لیکن اپنے شوق سے قرآن کریم کی خدمت و اشاعت میں میں حصہ لینا باعث سعادت جان کر مصروف ہو گئے اور کافی حصہ لیا (مولیٰ تبارک وتعالیٰ ان کی مرقد پر اس خدمت کے صلہ میں رحمت و غفران کی سدا بارش فرماتا رہے۔ آمین۔) باقی دوسرے حضرات بھی اس میں شامل تھے، ادھر کمپوزنگ کا عمل جاری تھا اور دوسری طرف عزیز القدر ولوی محمد اویس قرنی اس کی پروف ریڈنگ کرتے کرتے جا رہے تھے، جیسے ہی کمپوزنگ کا مرحلہ مکمل ہوا پہلا پروف بھی مکمل ہو گیا۔ دوسرے پروف کے لیے فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لہٰذا آپ نے اس کو دیکھنا شروع کیا اور کثیر مقامات پر آپ کو تحقیق کی ضرورت پیش آئی۔ غرض کہ آپ نے پروف کے ساتھ تحقیق بھی فرمائی۔ یہ مرحلہ بھی مکمل ہوا، مگر یہاں آکر ایک مشکل یہ درپیش آئی کہ تفسیر کل ۲۸ پاروں کی ہی نکلی، ۲؍ پارے یعنی پہلا اور دوسرا اس میں موجود نہیں۔

پہلے تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ کتاب کے نہج کو سمجھ کر ان دو پاروں کی تفسیر خود لکھ دی جائے لیکن اس کے لیے کافی وقت درکار تھا اور فرصت معدوم مگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام جلد مکمل کرانا منظور تھا اس کا ویسا ہی انتظام فرما دیا۔ ۱۴۳۸ھ میں ۱۳؍ ربیع الاول کو ممبئی رضا اکیڈمی حاضری ہوئی، اس وقت عزیز القدر مولوی محمد منیف رضا مرحوم و مغفور میرے ساتھ تھے، آفس میں بیٹھے ہوئے مجھے یاد آیا کہ عالی مرتبت جناب محمد سعید بھائی صاحب نوری نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اس تفسیر کے کچھ پارے ہمارے یہاں بہت پہلے آئے تھے لیکن نہیں معلوم کہاں ہیں، میں نے کہا: سعید بھائی اس وقت تلاش کرا کے دیکھیے ہو سکتا ہے مل جائیں، سعیدی بھائی نے ناظم کو آواز دی اور تلاش کرنے کی ہدایت کی، انہوں نے جیسے ہی مسودات کی الماری میں ہاتھ ڈالا اور تھیلی نکالی تو اس میں ان دونوں پاروں کی تفسیر موجود تھی جو ہمیں مطلوب تھی، فالحمد للہ علی ذالک۔

اس طرح یہ مشکل بھی حل ہو گئی۔ لیکن واپسی پر ۱۴؍ دن کے اندر حادثہ فاجعہ رونما ہو گیا یعنی مولوی محمد منیف رضا کا انتقال ہو گیا جس نے تمام پروگراموں کو معطل کر دیا اور پھر میں ایسا علیل ہوا کہ اس کے اثرات آج بھی میرے وجود میں سمائے ہوئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ سکون و اطمینان اور صحت و سلامتی سے نوازے، آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

ان مراحل کے بعد بعض احباب کی جستہ جستہ نظر پڑی تو بتایا کہ ابھی اس میں غلطیاں مزید باقی ہے، چنانچہ اب میں نے اس کو از سر نو پڑھا اور آخر تک پڑھا، یہ میری علالت کا زمانہ تھا یا پھر سفر کا، لیکن بحمدہ تعالیٰ لگن تھی، لہٰذا سفر و حضر میں یہی مشغلہ رہا اور

جلد ہی یہ مرحلہ مکمل ہو گیا۔

لیکن مطالعہ کے درمیان مجھے جہاں کچھ خوبیوں کا ادراک ہوا وہیں کچھ ایسی چیزیں بھی سامنے آئیں کہ ان کے بغیر تو یہ تفسیر قرآن کریم اور کنزالایمان کے ساتھ لگائی ہی نہیں جا سکتی۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ صاحب تفسیر علیہ الرحمہ نے ہر پارے کی تفسیر میں یہ نہج اختیار فرمایا ہے کہ توضیح نمبر (۱) سے ۲۰ / ۳۰ رجہاں تک بھی نمبر جائیں وہاں تک نمبر شمار رکھے ہیں۔ اور دوسرا پارہ شروع کرنے پر پھر نمبر (۱) سے شروع کرتے ہیں۔ لیکن کسی بھی مقام پر آپ نے نہ تو آیت نمبر کا حوالہ دیا ہے اور نہ آیت کا اول آخر لفظ تحریر کیا ہے۔ اس نہج کے پیش نظر بہت بڑی دشواری پیش آگئی کہ ہمیں ہر صفحہ معروف طریقے کے مطابق قرآنی آیات اور ان کا ترجمہ اوپر دینا ہے اور نیچے ان کی صفحہ بہ صفحہ تفسیر، مگر یہ تو اب ممکن ہی نہیں جب تک کہ کنزل الایمان میں آپ کے توضیح نمبر لگانے کے ساتھ آپ کی تفسیر میں آیت نمبر نہ لگائیں۔ چونکہ آپ تفسیر کے دوران ایک توضیح میں کہیں ایک آیت لیتے ہیں تو کہیں دو تین بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مفہوم ایک ساتھ بیان کر دیتے ہیں لہذا توضیحات میں ان کے مطابق نمبر لگانا لازمی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورے قرآن کا مع ترجمہ مطالعہ اور تفسیر کا از سر نو مطالعہ ناگزیر ہے جبھی یہ مطابقت ہو سکتی ہے اور نمبر ڈالے جا سکتے ہیں۔ لہذا اس طرح کام شروع کیا اور کچھ کام کرنے کے بعد مولانا اویس قرنی کو اچھی طرح سمجھا دیا اور انہوں نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ذریعہ اس کام کو مکمل کر دیا۔

اب ایک مرحلہ یہ باقی رہا کہ کمپیوٹر کے ذریعہ قرآنی آیات اور ترجمہ کنزالایمان کے ساتھ تفسیر کو صفحہ بہ صفحہ لگانا اور تمام نمبرات کو قائم کرنا۔ یہ کام ہمارے یہاں نہایت مشکل تھا کہ اس کی سیٹنگ کورل ڈرا میں ہو سکتی تھی اور اس کی مشق ہمارے یہاں کسی کو نہیں تھی، منیف رضا مرحوم ہمارا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے ہم نے کمپیوٹر کی کسی مشکل کو مشکل جانا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ ہوتے تو پھر بے فکری رہتی۔ لیکن اللہ رب العزت مسبب الاسباب ہے اور سچی طلب میں غیب سے مدد فرماتا ہے۔ ہوا یہ کہ ممبئی کے ہمارے خاص احباب میں ایک نام ہے محمد عمران صاحب دادانی کا، جنہوں نے قرآن کریم کے متعدد نسخے کنزالایمان اور خزائن العرفان کے ساتھ خوبصورت انداز میں نہایت اعلیٰ تصحیح کے ساتھ اپنے ادارے "نشان اختر" سے شائع کیے ہیں، ان سے ہم نے گزارش کی تھی کہ اس نسخہ کی کمپیوٹر سے کاپی کر کے ہمیں بھی عنایت کر دیں تا کہ ہم بھی اسی کنزالایمان کے ساتھ اس تفسیر کو لاحق کر دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ خود اپنے کمپوزر کو لے کر آئے اور ایک پارے کی سٹنگ کر کے یہاں چند لڑکوں کو سکھا گئے اور پھر یہ کام ان کی رہنمائی کے مطابق عزیزم مولوی محمد سکندر عالم نے نہایت جانفشانی کے ساتھ انجام دیا، اس کے بعد پرنٹ نکال کر ایک مرتبہ پھر اس کو دیکھا گیا اور کچھ خامیاں نمبرات میں نظر آئیں تو ان کو درست کر کے آخری مرحلے سے گزار دیا گیا۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے تمام مراحل کی تکمیل کرا دی اور اب ہم یہ علمی سرمایہ جو تقریباً اسی (۸۰) سال سے کنز مکنون کی شکل میں موجود تھا اب قارئین کی ضیافت طبع کے لیے ان کے سامنے ہے۔

اس مقام پر ہم اپنے ان تمام معاونین کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتاب کو تمام مراحل سے گزار کر طباعت کے

مرحلے میں اور اشاعت کے منازل سے ہمکنار کیا۔ آئندہ صفحات میں حضرت مولانا عبد السلام صاحب کے قلم سے حضرت مفسر علیہ الرحمہ کی مختصر سوانح بھی ملاحظہ کریں جو کافی جد وجہد کے بعد تیار کی گئی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اس تفسیر سے عوام وخواص بھر پور استفادہ کر سکیں گے کیوں کہ اس کا انداز نہایت سادہ اور عام فہم ہے اور ساتھ ہی اختصار بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس دینی خدمت کے صلہ میں حضرت مفسر علیہ الرحمہ کو اجر جزیل سے نوازے اور ہم سب کے مقاصد حسنہ میں بھی کامیابی وکامرانی عطا فرمائے، نیک اعمال کی توفیق بخشے اور اسی طرح اپنے دین کی ترویج واشاعت سے سرفراز فرماتا رہے اور ہم سب کو ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

یا رب العالمین بجاه النبی الکریم، علیه التحیة والتسلیم و صلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و اله و اصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین.

راقم الحروف

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف

۱۵ ررمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

یکم جون ۲۰۱۸ء

بروز جمعۃ المبارکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف "تفسیر جوہر الایقان"

حضرت مولانا حشمت علی صاحب بریلوی

مولانا عبدالسلام رضوی مہوا کھیڑوی

خادم تدریس امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف

نوٹ: یہ مضمون ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ میں ترتیب دیا گیا تھا اس کو من وعن شائع کیا جا رہا ہے البتہ ایک دو مقام پر کچھ اضافہ کیا گیا ہے جو قوسین کے درمیان ہے۔

نام ونسب:

آپ کا اسم گرامی محمد حشمت علی اور تخلص فائق ہے۔ نسلاً صدیقی اور مشرباً قادری تھے، حضرت صوفی مولانا اقبال احمد صاحب نوری مصنف "شمع شبستان رضا" کی روایت کے مطابق بیعت کا شرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے حاصل تھا۔ حاجی مطلوب علی خاں صاحب خطیب مسجد محلہ گڑھی متصل پنجابیان اسکول بریلی شریف جن کی والدہ محترمہ صاحب تذکرہ علیہ الرحمہ کی خاندانی بھتیجی تھیں ان کے بقول آپ سرکار اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے۔ آپ کی ایک تصنیف "نصرۃ الواعظین"، پر آپ کا اسم گرامی اس طرح مرقوم ہے۔ "از تالیف لطیف، تصنیف منیف، مولانا مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب فائق، سنی حنفی قادری بریلوی۔

غالباً ۱۸۸۲ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مولد ومسکن بریلی شریف ہے اور یہی آخری آرام گاہ بھی ہے۔ محلہ گڑھیا میں "مسجد زیبا"، کے قریب آج بھی آپ کا مکان موجود ہے جس میں ذکاوت علی عرف عتیق اور جاوید احمد اقامت پذیر ہیں۔ ذکاوت علی آپ کی بڑی صاحبزادی نفیسہ بیگم کے بیٹے ہیں۔ اور جاوید احمد آپ کی پوتی غزالہ بنتِ عفت علی ابن مولانا حشمت علی کے شوہر ہیں۔ حضرت موصوف کے حالات کی فراہمی کے سلسلے میں مجھے بھی اس مکان میں کچھ ساعتیں گزارنے کا موقع میسر آیا۔

تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا حشمت علی صاحب نے قرآن مجید ناظرہ اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ اس کے بعد اردو فارسی ہی کی تعلیم

حاصل کی تھی کہ والدہ داغ مفارقت دے گئیں۔ والد کا سایہ پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا جبکہ آپ چار سال کے تھے۔ کوئی سرپرست نہ رہنے کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا اور آپ دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔

جاوید صاحب نے بتایا کہ غزالہ عفت اپنی والدہ [یعنی مولانا موصوف کی بہو] کے بتائے ہوئے حالات کی روشنی میں بیان کرتی ہیں کہ: کہ دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع ہونے کا باعث یہ ہوا کہ دادا مرحوم سات آٹھ سال کی عمر میں لڑکوں کے ساتھ محلّہ خواجہ قطب سے گزر رہے تھے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آپ پر نظر پڑی، اپنے پاس بلایا اور شفقت ومحبت سے قریب بٹھا کر تحصیل علم کی طرف رغبت دلائی۔

حاضرین نے دریافت کیا آپ نے اس بچہ پر بڑی شفقت اور توجہ فرمائی؟ ارشاد فرمایا: یہ بچہ اپنے وقت کا بڑا عالم بنے گا۔ اور جو بات اعلیٰ حضرت نے اپنی فراست مومنانہ اور نور ولایت سے دیکھ کر فرمائی تھی وہ چند ہی سالوں کے بعد ایک ناقابل انکار حقیقت کے لباس میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر تھی۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کے زیر سایۂ کرم منظر اسلام میں تعلیم شروع کر دی۔ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ ودیگر مدرسین سے علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل فرما کر سندِ فراغت حاصل کی۔ اور ایک جید عالم دین بن گئے۔

تصنیف وتالیف:

مولانا محمد حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ کو تصنیف وتالیف سے گہرا شغف تھا۔ اپنے فنائے خانہ میں ایک چوکی پر بیٹھ کر تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہتے تھے، اور چونکہ صاحب جائیداد ہونے کی وجہ سے فکر معاش سے آزاد اور فطرۃً گوشہ نشین تھے، اس لیے ان کے شب وروز کا اکثر حصہ اسی امر اہم میں صرف ہوتا تھا حتی کہ کبرسنی کا ضعف بھی ان کے قلم کی رفتار کے واسطے رکاوٹ نہ بن سکا۔ حضرت صوفی اقبال احمد صاحب نوری کا بیان ہے کہ ضعف ونقاہت کی وجہ سے ان کی پشت پر اور دائیں بائیں گاؤ تکیے لگے رہتے، اور وہ ان کے سہارے بیٹھ کر کار تصنیف میں مشغول رہتے۔ حاجی مطلوب خاں صاحب بتاتے ہیں کہ: جب دار فانی سے دار باقی کی طرف ان کا بلاوا آیا اس وقت بھی وہ لوگوں کے لیے لسان قلم سے علم وفضل کی امانت سپرد قرطاس کر رہے تھے۔ آپ نے متعدد تصنیفی کارنامے یادگار چھوڑے۔

جاوید احمد صاحب کے ذریعہ ایک مطبوعہ شجرۂ خاندان دستیاب ہوا جو حضرت ممدوح کا مرتب کردہ ہے۔ اس کی شاہ سرخی ہے "شجرہ خاندان عالیہ مجیدیہ وحلیمیہ" اور ذیلی سرخی اس طرح ہے "اولاد عمدۃ الملک شیخ حمید الدین سبزواری، از نسل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ" اس میں آپ نے اپنا شجرہ نسب حضرت ابو بکر صدیق تک، پھر حضرت عدنان اور حضرت آدم علیہ السلام تک بیان فرمایا ہے۔ حواشی میں کچھ حضرات کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ اپنے نام پر جو حاشیہ دیا ہے اس میں مختصر حالات اور اپنی تصنیفات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے: [مختصر حالات میں مرتب نے اپنے لیے متکلم کے صیغوں کے بجائے غائب کے صیغے استعمال کیے ہیں]

حالات بقلم خود:

چار سال کی عمر میں والد نے انتقال کیا۔ والدہ نے پرورش کیا۔ قرآنِ عظیم خود پڑھایا۔ پھر مولوی محسن علی و میر فضل حسین سے اردو فارسی پڑھوائی۔ بعد مرنے والدہ کے کوئی سرپرست نہ رہنے کے سبب کچھ روز آوارہ پھرے۔ پڑھنے کی طرف توجہ نہ کی۔ جب اعلیٰ حضرت کی نظر پڑی تو شوق علم ہوا۔ مدرسہ اہل سنت منظر اسلام بریلی میں داخل ہوکر، خلفِ اکبر اعلیٰ حضرت و دیگر مدرسین مدرسہ سے علم معقول ومنقول حاصل کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جلسۂ عام میں مشاہیر علماو مشائخ کرام کے روبرو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت حضرت مولانا مولوی مفتی حاجی محمد احمد رضا خانصاحب قدس سرہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دستار فضیلت باندھی۔ مدرسہ سے سند تحصیل ملی۔ بعدہ کئی سال خدمت اعلیٰ حضرت میں رہ کر دارالافتا کا کام کیا۔ جواہر علمی سے بہرہ یاب ہوئے۔ پھر مدرسہ مذکور میں تعلیم دیتے رہے۔ کاٹھیاواڑ، بنگال، کلکتہ، سفارت پر گئے۔ مزید وقت میں دیگر امور دینیہ انجام دئے۔ قلمی جہاد کیا۔ تصنیف وتالیف سے مسلمانوں کو نفع پہنچایا۔ نصرۃ الواعظین، وتذکرۂ حسنین، واصلاحِ بہشتی زیور، وشمع ہدایت ،واسوۂ حسنہ وغیرہ کتب ورسائل لکھے جو بحمدہ تعالیٰ مقبول انام ہوئے۔ اخیر عمر میں اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن مسمیٰ بہ ''کنز الایمان'' کی توضیح کرنے کا اتفاق ہوا جو قریب الختم ہے، پچیس پارے ہو گئے ہیں۔ اس کا نام ''جوہر الایقان فی توضیح کنز الایمان'' ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی مثل دوسری تصانیف کے قبول فرمائے۔ اسی زمانے میں عالیجناب حکیم عبدالمجید خانصاحب افغانی سے طب پڑھی۔ ان کے مطب میں بیٹھ کر نسخہ نویسی کی۔ ان کے ساتھ مریضوں کو دیکھا۔ پھر کچھ دنوں علاحدہ مطب کیا۔ مگر شوقِ درس وتدریس نے مطب نہ کرنے دیا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد تک مدرسۂ مذکورہ میں خدمت کرتے رہے۔ پھر مدرسہ سے علاحدہ ہوگئے۔ شروع میں جائیداد موروثی سے گزر کی۔ پھر دختر اسلم علی وکیل سے عقد ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے نکاح پڑھایا۔ برکت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔ اپنے فضل سے غنی کیا کسی کا محتاج نہ رکھا۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

تصنیفات:

صوفی اقبال احمد صاحب قبلہ نے آپ کی تصنیفات میں ''احسانات اسلام برخواتین انام'' کی بھی نشان دہی فرمائی۔ اور جاوید احمد صاحب نے ایک مختصر رسالے ''آوازِ حق'' کا بھی ذکر کیا۔

ان میں سے بعض کا مختصر تعارف اس طرح ہے:

(۱) نصرۃ الواعظین باوصاف سید المرسلین۔ یہ تین حصص پر مشتمل ہے اور تینوں ایک ہی جلد میں ہیں جس میں متوسط سائز کے تین سو چوہتر صفحات ہیں۔ بہت پہلے صوفی اقبال احمد صاحب نے اپنے رضوی کتب خانہ، صندل خان بازار، بریلی شریف سے شائع کی تھی۔ راقم کے پاس ہے۔

آپ نے یہ کتاب جامعہ منظر اسلام کے طلبہ کے لئے ۱۳۳۴ھ میں تصنیف فرمائی تھی، آغاز کتاب میں وجہ تصنیف کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

بعد حمد متوافر خالق انس وجان، ونعت متکاثر باعث وجود کون ومکان، اولوالاحلام والنہیٰ پر واضح ولائح ہو کہ آج کل بعض مدارس اسلامیہ میں دیکھا گیا ہے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بغرض مہارت طلبہ سے وعظ کہلایا جاتا ہے اور اس کی جانب انہیں توجہ اور ترغیب دلائی جاتی ہے۔ خصوصاً مدرسہ منظر اسلام بریلی میں تو اسی لیے ایک انجمن وعظ ونصائح قائم ہے۔ جس میں ہر جمعہ کو طلبہ جمع ہو کر تقریر کرتے ہیں۔ مگر چونکہ منتہی وذی لیاقت طلبہ تو کتب متداولہ سے اخذ بیان اور تقریر پر قادر ہوتے ہیں اور مبتدی بے چارے بوجہ کم علمی اس سے عاجز رہتے ہیں، اور اردو میں انہیں کوئی کتاب ایسی دستیاب نہیں ہوتی جس میں ایک آیت کے متعلق مسلسل تقریر گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کے قابل ہو۔ اور ازانجا کہ حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وفضائل، خصائل وشمائل، بیان کرنا اور حضور کے ذکر سے رطب اللسان رہنا، لوگوں کو اس طرف مائل کرنا، اور حضور کی تعظیم وتوقیر، محبت والفت، اتباع واطاعت کی طرف ہدایت کرنا اصل وعظ وتذکیر ہے۔ لہٰذا مجھ بے بضاعت وبدلیاقت نے ان کی خاطر چند بیانات ایام برکت التیام یعنی ماہ پیدائش سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۳۳۴ھ میں کتب معتمدہ ومستندہ سے اخذ کیے۔ اور تطویل لاطائل اور اختصار مخل کو مد نظر رکھ کر معرض تحریر میں لایا۔ امید کہ اصحاب علم وحلم اگر انہیں ملاحظہ فرمائیں تو بندے کی خطاؤنسیان کو بذیل عفو وکرم پوشیدہ فرما کر اصلاح فرمائیں۔

(۲) شمع ہدایت: یہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ مکاتب اسلامیہ کے نونہالوں کے لئے سادہ زبان اور سہل پیرایۂ بیان میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب آج بھی بعض مکاتب میں پڑھائی جاتی ہے، اس میں عقائد، اعمال، آداب، نصائح اور دیگر ضروری امور بیان کئے گئے ہیں۔

(۳) تذکرہ حسنین (۴) اصلاح بہشتی زیور (۵) اسوہ حسنہ (۶) احسانات اسلام (۷) آواز حق۔ یہ سب کتابیں مصنف کی حیات میں طبع ہو چکی ہیں جیسا کہ خودنوشت حالات سے معلوم ہوا۔ لیکن شمع ہدایت کے علاوہ سب کتابیں نایاب ہیں۔

(۸) ''جوہر الایقان فی توضیح کنز الایمان'' یہ تفسیر آپ نے عمر کے آخری دور میں تصنیف فرمائی۔ ۱۳۸۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ آپ تفسیر کے اختتام پر لکھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھ حقیر فقیر سراپا تقصیر، کو اپنے کلام کے ترجمے ''کنز الایمان'' کی توضیح کرنے کی اخیر عمر میں توفیق عطا فرمائی۔ اور اسے بخیر وخوبی وخوش اسلوبی اختتام کو پہنچایا۔ اگرچہ اس میں باتیں لکھنے سے رہ گئیں ہیں، اور کچھ خامیاں ہوگئی ہیں۔ لیکن وہ مخل مقصود نہیں۔ اللہ اسے میری دیگر تصانیف کی طرح قبول فرمائے۔ اور اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا کر مجھے زمرۂ مفسرین ومترجمین میں شامل فرمائے آمین۔ یارب العالمین۔ بجاہ سید المرسلین۔ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ فرغت عن تسویدہ۔ بماہ جمادی الاولی ۱۳۸۰ھ۔

تفسیر ہذا کا مبیضہ باریک قلم سے فل اسکیپ سائز کے آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ جبکہ اس میں قرآن مجید کا متن اور ترجمہ کنز الایمان مکتوب نہیں ہے۔ یہ تفسیر ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ ماہنامہ نوری کرن میں اس کے صرف دو یا تین پارے قسط وار شائع ہوئے تھے۔ مسودہ اور مبیضہ دونوں صوفی اقبال احمد صاحب نوری کے پاس محفوظ ہیں انہی کی عنایت سے

راقم کو بھی اس کا دیدار نصیب ہوا اور یہ تفصیلات حاصل کیں۔(اب یہ تفسیر بحمدہ تعالیٰ امام احمد رضا اکیڈمی واقع محلہ صالح نگر بریلی شریف کی طرف سے بڑے اہتمام کے ساتھ ۴ جلدوں میں طبع کی جا رہی ہے اور انشاء اللہ العزیز سنہ ۱۴۴۰ھ میں صد سالہ عرس رضوی شریف کے موقع پر منظر عام پر آجائے گی)[13-07-2018]

تصدیقات:

اکابر علمائے اہل سنت کی بعض کتابوں پر آپ کی تصدیقات بھی ملتی ہیں۔الصوارم الہندیہ‘‘میں حسام الحرمین پر علمائے بریلی کی جو تصدیقات ہیں ان میں ص ۹۶ پر آپ کی تصدیق بھی اس طرح ہے’’بے شک حسام الحرمین حق ہے۔اور اس میں جن اشخاص کی بابت فتوائے کفر ہے وہ صحیح ہے۔مسلمانوں پر فرض ہے کہ اسے مانیں۔اور اس پر عمل کریں۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ الفقیر حشمت علی السنی ،الحنفی ،القادری ،البریلوی ،غفرلہ القوی

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے’’طرق الہدیٰ والرشاد‘‘مشمولہ رسائل نوریہ ص ۶۰ پر بھی آپ کی تصدیق ہے۔الفاظ تصدیق اس طرح ہیں’’صح الجواب‘‘واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔محمد حشمت علی غفرلہ بریلوی

شعروسخن:

حضرت مولانا محمد حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ بلند پایہ عالم ومفتی،عظیم مصنف اور حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے شاعر بھی تھے۔مجموعۂ کلام کا سراغ نہ لگ سکا۔البتہ نصرۃ الواعظین میں چند نعتیں ملتی ہیں۔کلام شعری لوازمات ومحاسن کا جامع ہے۔نمونہ کے طور پر چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

حشر کی صبح کا جب چاک گریباں ہوگا
اور سوا نیزے پہ جب مہر درخشاں ہوگا
ساری خلقت کا عجب حال پریشاں ہوگا
ہول محشر سے ہر اک خائف و ترساں ہوگا
اونچے اونچے ہیں وہاں،اور ہے نفسی نفسی
کون پرسندۂ احوال غریباں ہوگا
حشر کے روز یہ مخلوق کی حالت ہوگی
اک فقط حفظ واماں میں وہی ذیشاں ہوگا
حلۂ نور بھی اور تاج شفاعت بھی شہا
حشر کے دن تمہیں زیبا تمہیں شایاں ہوگا

پڑتے ہی مہر شفاعت کی شعائیں فائق
سنگ عصیاں کا ترے لعل بدخشاں ہوگا

(حصہ اول ص ۸۳)

لائی یہ مژدۂ جاں بخش صبا آج کے دن
جلوہ فرما ہوئے محبوب خدا آج کے دن
تابشوں سے رخِ پرنور کی وقتِ مولد
خانۂ آمنہ معمور ہوا آج کے دن
دونوں ہاتھوں سے لٹائیں گے جومال ودولت
جلوہ فرما ہوئے وہ بحرِ سخا آج کے دنِ
اِس دور ہوئیں کلفتیں کافور ہوئیں
خلق پر چھاگئی رحمت کی گھٹا آج کے دن
اپنے محبوب کے صدقے میں خدا نے فائق
ساری مخلوق پہ احسان کیا آج کے دن

(حصہ دوم ص ۲۷)

اعلیٰ حضرت سے عقیدت:

مولانا حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے خودنوشت حالات میں جن کو گزشتہ صفحات میں نقل کیا گیا، اپنے شوق علم کو اعلیٰ حضرت کی نظر کیمیا اثر کا فیضان قرار دیا ہے۔ اور اپنے حق میں برکات خداوندی اور غناؤ تونگری کو بھی آپ کی دعائے برکت کا ثمرہ سمجھا ہے۔ نیز اعلیٰ حضرت کا اسم گرامی بڑے احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے سچے محبّ اور بڑے عقیدت مند تھے۔ نصرۃ الواعظین میں جگہ جگہ اعلیٰ حضرت کی نعتیں اور اشعار تحریر کرتے ہیں۔ اور آپ کی کتابوں کے اقتباس بھی نقل کرتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند سے بھی آپ کے بڑے مخلصانہ اور عقیدت مندانہ تعلقات تھے۔ جاوید احمد صاحب کا بیان ہے کہ ان کی خوش دامن یعنی مولانا موصوف کی بہو بیان کرتی تھیں کہ کبھی کبھی مولانا صاحب سے ملنے کے لئے حضرت ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔ اور مولانا صاحب کے بارے میں فرماتے تھے: انہیں یہ عظیم اعزاز حاصل ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ان کی دستار بندی خود اپنے دستِ اقدس سے فرمائی تھی۔

مولانا حشمت علی صاحب نے کتابوں کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑا تھا۔ لیکن افسوس کہ سب ضائع ہوگیا۔ آپ

…کے وصال کے بعد یہ کتابیں ایک کمرے میں لکڑی کی چوکیوں پر چنی ہوئی تھیں کہ دیمک لگ گئی اور اندر رہی اندر اپنا کام کرتی رہی جب کتابوں کو دیکھا گیا تو اوپر سے جلدیں صحیح وسالم تھیں لیکن اندر سے بالکل نا قابل استعمال ہو چکی تھیں۔ گھر والوں کو بہت افسوس ہوا۔ اور اب افسوس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

اولاد:

حضرت مولانا حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ کی اولاد کے بارے میں تذکرہ نگار کو جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ نفیسہ بیگم، انیسہ بیگم، رئیسہ بیگم اور جلیسہ بیگم اور ایک صاحبزادے تھے جن کا نام عفت علی تھا۔

موجودہ لوگوں میں جن کا علم ہو سکا وہ یہ ہیں۔

شفقت علی، عصمت علی، غزالہ عفت۔ یہ عفت علی مرحوم کی اولاد ہیں اور بریلی شریف میں رہتے ہیں۔ جلیسہ بیگم۔ کراچی پاکستان میں مقیم ہیں۔ ذکاوت علی، نصرت علی نفیسہ بیگم کی اولاد ہیں۔ اول بریلی میں اور دوم کراچی پاکستان میں ہیں۔ مطلوب علی ابن انیسہ بیگم لکھنؤ میں مقیم ہیں۔

ضروری آگاہی:

''حشمت علی'' نام حضور شیر بیشۂ اہل سنت اور صاحب تذکرہ کے مابین مشترک ہے۔ لیکن ہر ایک کے نام کے ساتھ کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن کی مدد سے مسمیٰ کی تعیین ہو جاتی ہے۔ اول کے نام کے ساتھ اولاً تو شیر بیشۂ اہل سنت استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ نہ بھی ہو تو لفظ خان تو بالالتزام لکھا جاتا ہے اور یہی معاملہ لفظ ''لکھنوی'' کا بھی ہے۔ چنانچہ جماعت رضائے مصطفےٰ کی رودادوں میں جہاں بھی آپ کا نام ہے اس طرح ہے ''مولانا حشمت علی خاں لکھنوی رضوی۔

(تاریخ جماعت رضائے مصطفےٰ ص ۱۴۱ ص ۴۹)

سوانح اعلیٰ حضرت میں ہے ''حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی خاں لکھنوی (ص ۲۴۳ ص ۲۴۴)۔ الصوارم الہندیہ کے سرورق پر ہے ''مناظر اسلام مولانا حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی۔ آپ خود بھی دستخط میں لکھنوی لکھتے ہیں: الصوارم الہندیہ ص ۱۵۴ میں اپنے فتوے پر اس طرح دستخط کئے ہیں، کتبہ الفقیر ابوالفتح، عبید الرضا محمد المدعو بحشمت علی القادری الرضوی الکھنوی۔ رسالہ طرق الہدیٰ والرشاد مشمولہ رسائل نوریہ ص ۶۱ پر آپ کی اس طرح تصدیق ہے: الاجوبة کلها صحیحة فقیر عبید الرضا محمد حشمت علی قادری رضوی لکھنوی غفرلہ القوی، آپ کو بریلوی نہیں لکھا جاتا۔

اور صاحب تذکرہ کے نام کے ساتھ بریلوی لکھا جاتا ہے، چنانچہ شمع ہدایت پر آپ کا نام اس طرح ہے: حضرت مولانا مولوی محمد حشمت علی صاحب سنی، حنفی، قادری رضوی بریلوی۔ نصرۃ الواعظین پر اس طرح ہے: مولانا مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب فائق، سنی، حنفی قادری بریلوی، وہ خود بھی اپنے نام کے ساتھ بریلوی لکھتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں منقول ان کی تصدیقات سے ظاہر ہے۔

اس تفصیل کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ بعض لوگ شمع ہدایت کا مصنف حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو سمجھتے ہیں۔اور نام کے ساتھ لفظ بریلوی سے بھی امتیاز نہیں کر پاتے۔میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ شمع ہدایت کے مصنف کون ہیں؟ جواب ملا مولانا حشمت علی صاحب۔دریافت کیا کہاں کے رہنے والے ہیں؟ بولے پیلی بھیت کے۔اور جب میں نے ان کی غلط فہمی کا ازالہ کیا تو کہنے لگے ہم تو آج تک یہی سمجھتے تھے اور بھی بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے۔اور نام کے ساتھ جو بریلوی مرقوم ہے اس کے بارے میں یہ خیال تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ محبت وعقیدت کی بنا پر یا وضاحت مسلک کے لئے لکھا جاتا ہے۔دوسرے دو تین اشخاص نے بھی میرے دریافت کرنے پر ایسا ہی خیال ظاہر کیا۔اس تفصیل کے علم کے بعد امید ہے التباس نہ ہوگا۔

ان دونوں حضرات کے مابین دوسرے امتیازی امور بھی اگر لکھدئے جائیں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔حضور شیر بیشۂ اہل سنت لکھنوی ثم پیلی بھیتی ہیں اور صاحب تذکرہ اول وآخر بریلوی ہیں۔اول پٹھان ہیں۔اور یہ صدیقی ہیں۔بعض مکتبوں کی مطبوعہ شمع ہدایت پر مصنف کا نام محمد حشمت علی خاں لکھا ہے یہ غلط ہے۔ان کا مزار پاک پیلی بھیت میں ہے۔اور یہ بریلی شریف میں مدفون ہیں۔وہ شیر بیشۂ اہل سنت کے لقب کے ساتھ ملقب ہیں اور ان کے بارے میں کوئی لقب معلوم نہیں ہوا۔اُن کا تخلص عبید ہے۔

اے عبید قادری محشر میں تجھ کو خوف کیا
جب شفاعت کرنے والے ہیں حبیب کبریا
سگ ہوں عبید رضوی غوث و رضا کا
ہیں بھاگتے آگے سے میرے شیر ببر بھی

اور اِن کا تخلص فائق ہے۔

پڑتے ہی مہرِ شفاعت کی شعاعیں فائق
سنگ عصیاں کا ترا لعلِ بدخشاں ہوگا

وصال:

حضرت مولانا حشمت علی صاحب کی عمر غالباً اسی سال ہوئی۔اور پھر وہ دن آیا جو سب کے لئے آتا ہے اور جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔یعنی زندگی کی اسی بہاریں دیکھنے کے بعد گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر علم وحکمت کے گوہر آبدار لٹانے والا یہ عالم دین، اپنی صحت بخش تحریروں سے ضلالت ومعصیت کے روحانی بیماروں کی مسیحائی کرنے والا یہ حکیم ۱۹۶۲ء میں جمعرات کی صبح کاذب کے وقت سفرِ آخرت کے لئے روانہ ہوگیا۔

یہ حاجی مطلوب خاں صاحب اور ان کے اقربا کی روایت ہے۔سن وصال تو یقینی ہے لیکن مدت عمر گمان غالب کی بنیاد پر ہے۔اسی کی روشنی میں آپ کا سن ولادت غالباً ۱۸۸۲ء قرار دیا گیا ہے۔

نماز جنازہ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے پڑھائی۔ محلہ باقر گنج کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ وصیت کے بموجب قبر خام رکھی گئی۔ میں محلّہ باقر گنج کے اس قبرستان میں حاضر ہوا۔ اور مولانا صاحب کے بعض اعزہ کی نشان دہی کے مطابق قبر کو تلاش کیا لیکن وہاں قبر کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ بالآخر میں بتائے ہوئے مقام کے قریب فاتحہ خوانی کر کے یہ عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہوا واپس آیا۔

فرق شاہی و بندگی برخاست
چوں قضائے نبشتہ آمد پیش
گر کسے خاکِ مردہ باز کند
نشنا سد توانگر از درویش
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
گیا حسن خوبان دل خواہ کا
سدا نام رہ جائے اللہ کا

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۸ جولائی ۲۰۰۰ء

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

چونکہ اکابرین مفسرین نے بسم اللہ کو اشرع فعل محذوف کے متعلق مانا ہے اور اس کی مثل ہر جگہ موافق موضوع ومحل مقدر کرنے کو کہا ہے، بسم اللہ اور اس کے مابعد کو آخر سورت تک بندوں کی زبان سے کہا جانا لکھا ہے تا کہ وہ جان لیں کہ اس طرح اللہ کے نام سے برکت حاصل کی جائے اور اس طرح سے اس کی حمد کی جائے اور اس سے دعا کی جائے (کمافی السراج و البیضاوی وغیرھما)

فائدہ: قرآن مجید بسم اللہ سے اس لیے شروع کیا گیا ہے کہ ہم اس کی اتباع کریں اور اپنے کلام بلکہ ہر جائز کام کو خواہ دینی ہو یا دنیوی برکت حاصل کرنے کے لئے خدا کے نام سے شروع کیا کریں تا کہ وہ بسم اللہ کی برکت سے پورا ہو ناقص ونا تمام نہ رہے جیسا کہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ جو کام بسم اللہ سے شروع نہیں کیا جاتا ہے وہ ناقص و بے برکت ہوتا ہے اگر چہ اسباب ظاہری مہیا ہونے سے پورا ہو جائے مگر جو نام الٰہی لینے کی وجہ سے برکت ہوتی وہ نہ ہوگی۔ دوسری یہ کہ اس وقت کے لوگ اپنے کام شروع کرتے وقت بسم اللات و العزی کہا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں بتایا کہ وہ اپنے کاموں میں بجائے لات وعزی کے نام لینے کے اللہ کا نام لیا کریں اور خداوند عالم کو ہر کام میں فاعل وموثر حقیقی جان کر اس کے نام سے برکت حاصل کیا کریں کہ لات وعزی کسی قسم کی برکت نہیں رکھتے، ہر قسم کی قدرت رکھنے والا خدا ہی ہے، چنانچہ نبی کریم علیہ الصلاۃ و التسلیم نے مسلمانوں کو ہر کام کو کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سکھایا۔ (حقانی) بسم اللہ قرآن عظیم کی مستقل ایک آیت ہے، سورۂ فاتحہ یا کسی سورت کا جز نہیں ہے سوائے سورہ نمل کے، کہ وہ اس کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے، یہ ہر سورت کو دوسری سورت سے جدا وممتاز کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے سوائے سورۂ برائت کے جیسا کہ حدیث ابوداؤد میں آیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورتوں میں فصل نہیں فرماتے یہاں تک کہ بسم اللہ نازل ہوئی، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، سورۂ فاتحہ کا ''سبع مثانی'' ہونا ہی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب مہذب کی دلیل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے جز فاتحہ فرماتے ہیں اس لیے ان کے مذہب والے بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں۔ بسم اللہ کے فضائل وفوائد کتب تفاسیر واحادیث میں بہت آئے من جملہ ان کے یہ ہے: بسم اللہ کے ذریعہ کام شروع کرنے سے کام میں برکت ہوتی ہے، سنت ادا ہوتی ہے، قرآن عظیم کا اتباع ہوتا ہے، کام بخیر وخوبی پورا ہوتا ہے، اس کا پڑھنے والا ضرر ونقصان سے محفوظ رہتا ہے اور شیاطین اور ارواح خبیثہ کے اثر سے بچا رہتا ہے، رات کو مکان کا دروازہ بند کرنے سے شیاطین داخل نہیں ہوتے اور بسم اللہ کہہ کر کھانا کھانے والوں کو کھانا نقصان نہیں دیتا جیسا کہ ایک بار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معترضین ومنکرین اسلام کو اسلام

پر مضبوطی سے قیام دکھانے کے لئے ان کے کہنے سے ان کے سامنے دیا ہوا زہر بسم اللہ پڑھ کر پی لیا اور اس نے کچھ نقصان نہیں دیا۔ (حقانی مختصراً) رات کو بسم اللہ کہہ کر لیٹنے والا رات بھر امن وچین سے رہتا ہے، شیاطین کے پریشان کرنے سے بچتا ہے، اور پاخانے جاتے وقت دروازہ پر بسم اللہ پڑھنے سے وہ اس کے ستر اور جنات کی آنکھوں کے سامنے پردہ ہوجاتا ہے، اور بسم اللہ کہہ کر صحبت کرنے سے بچہ مسان وشیاطین کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بغیر بسم اللہ کہے روٹی کھائی جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو اس نے بسم اللہ علی اولہ وآخرہ کہہ کر اسے کھالیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اس کے ساتھ شیطان کھاتا تھا جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ بھی کھایا تھا قے کر دیا۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جو بغیر بسم اللہ کہے کھانا کھاتا ہے اس کے ساتھ شیطان کھاتا ہے۔ بعض صحابہ کرام نے بسم اللہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایا: وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی سفیدی سے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی نبی پر نہیں نازل ہوئی اور وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہے کہ جو انیس زبانیہ یعنی عذاب کے فرشتوں سے بچنا چاہتا ہے وہ بسم اللہ پڑھا کرے تاکہ وہ بسم اللہ کے ہر حرف سے ایک عذاب کے فرشتہ سے محفوظ رہے (ابن کثیر) بسم اللہ میں تین لفظ ہیں: اللہ، رحمٰن، رحیم، ان میں اللہ کی ذات واجب الوجود ہے جو قرب اسم اعظم کی ہے اور بعض محققین کے نزدیک وہی اسم اعظم ہے (سراج) اس لئے اسے رحمٰن ورحیم سے مقدم لایا گیا ہے اور رحمٰن ورحیم اس کے اسمائے صفات میں سے ہیں مگر اللہ سے پہلے اسم کا لانا اور اس پر ''با'' داخل کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قدر پردۂ خفا میں تھا کہ اس کے دربار تک بندوں کی رسائی محال تھی بلکہ کسی کی عقل کسی کا وہم بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا ایسی مخفی ذات تک پہنچنے کے لیے کوئی علامت ہونی چاہیے تھی جس کے ذریعہ بندہ اس تک پہنچے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ میں اپنے بندوں کو اپنے دربار تک پہنچنے کا طریقہ بتایا، اور علم ذات سے یعنی اللہ سے پہلے اسم لایا اور اس پر ''با'' داخل فرمائی کہ اسم کے معنی علامت ونشانی کے ہیں جو اس کی طرف دلالت کرے اور دلالت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تین چیزیں ہوں: ایک ذات ہو دوسرا اس کا غیر ہو تیسرا کوئی بیچ میں واسطہ ہو کہ غیر ذات کی طرف دلالت کرے، تو وہ ذات ذات الٰہی ہے اور وہ غیر تمام مخلوقات ہے اور اسم کہ اللہ پر دلالت کرنے والا ہے محمد رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، گویا قرآن عظیم کی ابتدا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے فرمائی جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کا وہی ذریعہ ہیں، وہی تمام مخلوقات کے ذات الٰہی تک پہنچنے پر دلالت کرتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (افادہ شیخنا اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ فی بیانہ)

مسائل متعلقہ: بسم اللہ سے متعلق مسائل جاننا بھی ضروری ہے، حلال چیز کھانے پینے، لیٹنے بیٹھنے کھڑے ہونے وغیرہ معمولات اور روزمرہ کے جائز کام کرتے وقت اس کو کہنا مستحب ہے، وضو کرتے وقت بسم اللہ کہنا سنت ہے اور ہر عضو کے دھوتے وقت پڑھنا مندوب ہے (رد المحتار) حدیث میں ہے کہ بسم اللہ پڑھنے والے کا سر سے پاؤں تک تمام بدن پاک ہوجاتا ہے اور بغیر بسم اللہ پڑھے وضو کرنے سے اتنا ہی بدن پاک ہوتا ہے جتنے پر پانی بہا (طحطاوی علی مراقی) اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اگرچہ سنت ادا نہ ہوئی (ردالمحتار) ناپاک آدمی کو بقصد تلاوت بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں کہ وہ آیت کریمہ ہے (رد المحتار) کھانا کھاتے وقت یا کوئی اور کام کرتے وقت اسے بسم اللہ کہنا جائز ہے۔

سُورَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اٰيَاتُهَا ٧ رُكُوْعُهَا ١

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحمت والا۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ‏ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ‏ مٰلِكِ

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔ ف۲ بہت مہربان رحمت والا۔ ف۳ روز

يَوۡمِ الدِّيۡنِؕ‏ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُؕ‏

جزا کا مالک۔ ف۴ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ ف۵

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَۙ‏ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ف۶ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان

عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ‏

کیا۔ ف۷ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔ ف۸

ع ۱

توضیح سورۂ فاتحہ: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی، اس میں ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں، اس کا مشہور نام سورۂ فاتحہ ہے کہ قرآن کریم کو اس سے فتح یعنی شروع کیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے وہ اسی نام سے صحابہ کرام میں مشہور تھی علاوہ اس کے اور بھی نام ہیں۔ فضائل: بخاری کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں قرآن کریم کی بزرگ ترین سورت بتاؤں گا وہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ہے۔ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا: تم نماز میں کیسے پڑھتے ہو پس انہوں نے ام القرآن پڑھی، فرمایا: اس کے مثل تورات وانجیل وزبور اور فرقان میں کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدۡ آتَيۡنَاكَ سَبۡعاً مِّنَ الۡمَثَانِي وَالۡقُرۡآنَ الۡعَظِيۡمَ﴾ [الحجر: ۸۷] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فرشتہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آکر کہا: میں دو نوروں کی آپ کو خوش خبری دیتا ہوں جو آپ کو دیے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیے گئے، وہ فاتحۃ الکتاب اور آخر سورۂ بقرہ کی آیات ہیں، (مسلم) امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھے قرآن عظیم کی بزرگ ترین سورت بتاؤں، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ پڑھا کرو۔ دارمی وبیہقی کی روایت میں ہے: سورہ فاتحہ ہر مرض کی شفا ہے۔

شان نزول: اس سورت پاک کا شان نزول یہ ہے کہ شروع میں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحرا کی طرف جاتے تو یا محمد کی آواز کان میں آتی جس سے آپ بتقاضائے بشریت خوف زدہ ہوتے، کئی بار ایسا ہی اتفاق ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ورقہ بن نوفل سے جو عالم تورات تھے جا کر ذکر کیا تو انہوں نے تسلی دے کر کہا کہ اے محمد تم خوف نہ کرو بلکہ کان لگا کر سنو کہ وہ کیا کہتا ہے، پس حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صحرا میں تشریف لے گئے اور جب یا محمد کی آواز کان میں آئی تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لبیک کہا اور اس کو سنا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ آواز آئی میں جبریل خدا کا فرشتہ ہوں اور آپ اس امت کے نبی ہیں کہو اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله پھر پڑھو الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (مختصراً از اتقان وحقانی وغیرہ)

(۲) ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ [الفاتحہ:۱] چونکہ ''خوبیوں'' کا لفظ تعریف کے لفظ سے زیادہ عام فہم اور اس کے معنی کو شامل تھا اس لیے اس ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا بخلاف دوسرے ترجموں کے کہ ان میں حمد کے معنی ''تعریف'' کے کیے ہیں، اس سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو خوبیوں کے لفظ سے ہوتا ہے۔ اور رب کے معنی اگرچہ مربی پالنے و پرورش کرنے والے کے ہیں جیسا کہ عام ترجموں میں ہیں مگر آیت میں اس سے مالک مراد ہے کہ مالک اپنے مملوک کی حفاظت و تربیت کرتا ہے اور یہ ہر قسم کی تربیت کو شامل ہے، سراج وجلالین و بیضاوی وغیرہ میں رب سے مالک ہی مراد لیا ہے، اس لیے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا، بہر حال رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اللہ کی دلیل نما پہلی صفت ہے، یعنی تمام خوبیاں اللہ ہی کو ہیں اس لیے کہ وہ مالک و مربی ہے تمام مخلوقات کا، تو جس وقت جہاں کہیں جس کسی کی جو تعریف کی جائے گی وہ اسی کی تعریف ہوگی کہ حقیقت میں مصنوعات کی تعریف صانع کی تعریف ہے۔

(۳) ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ [الفاتحہ:۲] یہ دوسری صفت اللہ تبارک تعالیٰ کی ہے اور پہلی صفت کا ثبوت ہے، یہ دونوں نام اسمائے صفات باری تعالیٰ سے ہیں اور مبالغہ کے صیغہ کے ہیں اور رحمٰن، رحیم سے ابلغ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی دوسرے پر اس کا اطلاق نہیں آیا، رحیم کا اطلاق غیر اللہ پر بھی آتا ہے اس وجہ سے وہ رحیم سے پہلے لایا گیا، تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالی تمام عالم کا مربی ہے، اس لیے کہ وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے جس کا ہونا مربی میں ضروری ہے، تمام مخلوق اس کے ظل عاطفت میں پرورش پاتی ہے، اس کی مہربانی و رحمت ان کے حال پر برابر رہتی ہے اور سب اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

(۴) ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [الفاتحہ:۳] روز جزا قیامت کے دن کو کہتے ہیں، اس روز ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائیگی، اور روز جزا کے مالک ہونے کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے حالانکہ سارے جہاں اور ان کے ایام کا وہی مالک اور بادشاہ ہے کہ دنیا میں کروڑوں بادشاہ مجازی ہوئے ہیں اور دنیا کی چیزوں کے مالک مجازاً کہے جاتے ہیں مگر اس روز سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی نہ ہوگا سب فنا ہو جائیں گے، صرف اسی کی ذات باقی رہے گی اور تنہا اس کی بادشاہت ہوگی تو وہ خود ہی فرمائے گا اور خود ہی جواب دے گا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [غافر:۱۶] آج کس کی بادشاہت ہے، اللہ واحد قہار کی۔

(۵) ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحہ:۴] عبادت کے معنی ہیں کسی کے سامنے نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ اعضائے ظاہری و باطنی بدن سے ایسے افعال کرنا جو اس کی تعظیم وتکریم پر دلالت کریں جیسے نماز وغیرہا عبادت میں کیے جاتے ہیں اور ذکر و فکر سری و جہری میں اولیائے کرام کی روح و قلب و نفس سے سرزد ہوتے ہیں ایسے افعال اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں اور وہی ان کا مستحق ہے اس کے سوا کوئی دوسرا ان کا مستحق نہیں ہے کہ وہ مستقل بالذات اور واجب الوجود اور مستحق عبادت ہے نہ غیر اس کا، اگر کوئی غیر کے لیے مستحق عبادت سمجھ کر ایسے افعال کرے گا تو وہ ضرور عبادت غیر اللہ ہوگی اور شرک ہوگا۔ انبیا و اولیا کے دربار میں ان کی تعظیم کے لیے جو افعال کیے جاتے ہے وہ نہ بہ نیت عبادت کیے جاتے ہیں اور نہ ان میں بوئے عبادت پائی جاتی ہے بلکہ وہ دراصل خدا ہی کے لیے کیے جاتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج:۳۲] اور جو تعظیم کرتا ہے اللہ کی نشانیوں کی پس وہ قلوب کی پرہیزگاری ہے۔ اور انبیا و اولیا یقیناً شعائر اللہ ہیں تو ان کی تعظیم و توقیر اللہ ہی کی تعظیم و توقیر ہوئی۔ وہابیہ کا یہ خبط ہے کہ وہ اسے عبادت غیر اللہ کہتے ہیں البتہ ان میں افراط و تفریط سے بچنا ضروری ہے، افراط یہ ہے کہ انبیا کو خدا کے برابر یا اولیا کو انبیا کے برابر سمجھا

جائے، اور تفریط یہ کہ انبیا و اولیا کا لحاظ نہ کیا جائے، ان کی شان میں الفاظ گستاخانہ کہے جائیں جن سے ان کی توہین و تنقیص ہو اور ان کو بڑے بھائی کے برابر خیال کیا جائے جیسا کہ سرگروہ وہابیہ اور ان کے متبعین نے تقویۃ الایمان وغیرہا کتابوں میں جابجا ان کی شان میں کلمات گستاخانہ کہے ہیں اور تشبیہات بے ادبانہ دی ہیں جن سے ان کی توہین و تنقیص ہوتی ہے اور کفر لازم آتا ہے، لہذا مجبوراً صاحب تفسیر حقانی کو لکھنا ہی پڑا کہ افراط یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایسا بڑھا دے کہ درجۂ خدا تک پہنچ جائے، اور تفریط یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو ریفارمر یعنی ناصح و واعظ جانے، نہ ان کے انکشافات کا معتقد ہو نہ ان کے خرق عادات و معجزات و کرامات کا قائل ہو، یا انبیا علیہم السلام کو معصوم نہ جانے، یا انبیا علیہم السلام کے رتبے کا لحاظ نہ کرے، یا ان کو بڑے بھائی کی برابر قرار دیا جائے وغیر ذلک من العقائد الفاسدۃ (ملخصاً تفسیر حقانی جلد دوم) اسی میں صفحہ ۴۳ پر ہے: انبیا و اولیا اور صلحا سے محبت رکھنا ان کی تعظیم کرنا عبادت غیر اللہ نہیں (وھو المقصود) اور استعانت کے معنی مدد چاہنے کے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ مدد اسی سے چاہی جاتی ہے جو مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اور وہ حقیقۃً اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے، اسی کے قبضہ وقدرت میں ہر قسم کی مدد کرنا اور دوسروں کو مدد کرنے کی توفیق و طاقت بخشنا ہے، اسی کا اقرار بندہ کی زبان سے ان آیات میں کرایا گیا ہے، انبیا و اولیا وغیرہ محبوبان خدا اس کے وسائل ہیں، تو ان سے جو امداد چاہی جاتی ہے وہ حقیقۃً خدا ہی سے مدد چاہنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَابْتَغُوٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ﴾ [المائدة: ۳۵] اللہ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔ اور وہ وسیلہ یہی انبیا و اولیا و صلحا اور نماز وغیرہ اعمال صالحہ ہیں جن کے ذریعہ سے بندے کی دعا دربار الٰہی تک پہنچتی ہے اور اس کا مدعا بر آتا ہے، اسی لیے بندے کو گناہ کرنے کے بعد اپنے محبوب کے دربار میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے اور گناہ کی معافی چاہنے کا حکم دیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ﴾ [النسآء: ۶۴] یعنی اگر وہ لوگ جب اپنے نفس پر ظلم کریں یعنی گناہ کریں تو اے نبی تیری بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گے۔ ابو جعفر نے مسجد نبوی میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا میں قبلہ کی طرف منھ کر کے دعا مانگوں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب، تو امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کی جانب سے کیوں منھ پھیرتے ہو وہ تو تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت تک اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ ہیں، انھیں کی طرف توجہ کرو اور انہیں سے اپنی حاجت و مراد میں شفاعت چاہو، پس اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے لیے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (شرح شفا لعلی القاری) اور اسی لیے صبر و صلوۃ سے استعانت کرنے کا حکم دیا گیا ﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ [البقرة: ۴۵] فرمایا گیا ہے بلکہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے تعاون کرنے اور مدد لینے کا حکم دیا گیا ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدة: ۲] فرمایا گیا ہے، تو اگر کسی سے مدد چاہنا اور کسی کی مدد کرنا مطلقاً ممنوع یا ناجائز ہوتا تو آیت مذکورہ میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو وسیلہ بنانے اور وسیلہ تلاش کرنے اور صبر و صلوۃ سے استعانت کرنے اور آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور مدد کرنے کا حکم نہ فرمایا جاتا، اور طبرانی وغیرہ کی احادیث میں "اعینونی یا عباد اللہ" نہ وارد ہوتا اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نابینا کو دعا میں یہ الفاظ تعلیم نہ فرماتے: "اللّٰھم انی اسئلك و اتوجه الیك بنبیك محمد الخ" یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی کے توسل سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں (ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ) بلکہ بندوں تک اپنے احکام پہنچانے کے لیے حضرت جبرئیل اور انبیا علیہم السلام کو واسطہ و ذریعہ نہ بناتا، گویا اسی نے ہمیں وسیلہ اور ذریعہ بنانا سکھایا، اس سے معلوم ہوا کہ دراصل استعانت حقیقی اللہ عز وجل ہی سے ہے اور انبیا و اولیا ان سے مدد چاہنے کا وسیلہ ہیں، ان کی طرف استعانت کی نسبت مجازاً کی جاتی ہے، اس قدر کے تو وہابیہ بھی قائل ہیں تو اصاغر کو بھی اس پر ایمان لانا چاہیے، دیکھو شیخ محمود الحسن صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے فوائد میں لکھتے ہیں "اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی

مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ ہی سے استعانت ہے"۔ (مطبوعہ مدینہ پریس بجنور) اور صاحب تفسیر حقانی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ استمداد کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ جس سے مدد چاہتا ہے اس کو عالم اسباب میں ایک حیلہ اور امداد الٰہی کا مظہر جانتا ہے اور در اصل مدد کرنے والا خدا ہی کو سمجھتا ہے، دوسرا یہ کہ اس غیر کو مستقل جانتا ہے، قسم اول سے استمداد در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استمداد ہے نہ اس کے غیر سے، اور دوسری قسم غیر سے ہے، اس لیے کہ قسم اول مباح ہے اور دوسری حرام ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے، فقیر نے اصلاح بہشتی زیور اول میں استعانت ونداو غیرہ باتوں کا جن کو وہابیہ شرک کہتے ہیں مفصل ذکر اور معقول رد کیا ہے، اس کو دیکھنا چاہیے۔

توضیح: (٦) (اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ) چونکہ گذشتہ آیت میں اقرار عبادت واستعانت کیا گیا تھا یہ اس کا بیان اور اظہار مدعا ہے کہ کس طرح استعانت کی جائے۔ ہدایت کے معنی راہ دکھانے یا مطلوب تک پہنچانے کے ہیں، عرف میں اُس کا استعمال نیک کاموں کی طرف راہ دکھانے میں ہوتا ہے نہ برے کاموں کی طرف رہنمائی کرنے میں، اس لیے چوری اور بدکاری کی راہ دکھانے کو ہدایت نہیں کہا جائے گا۔ ہدایت کرنے کے مختلف طریقے ہیں: مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کا کسی کے دل میں نیک بات کا ارادہ پیدا کرنا، اور اسے حواس ظاہری و باطنی اور عقل وشعور اور قوتِ ادراک وتمیز عطا کرنا جس سے وہ سیدھی راہ چلے اور بری راہ سے بچے، انبیا و اولیا و ائمہ علیہم السلام کو ذریعہ بندوں کو ہدایت کرنا اور کتابیں نازل کر کے ہدایت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور صراط کے معنی راستہ اور مستقیم کے معنی سیدھے اور درمیان کے ہیں، تو آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اے اللہ تو ہم کو سیدھا اور درمیانی راستہ چلا جس پر ہم چل کر تجھ تک پہنچیں، اِدھر اُدھر نہ بھٹکیں، اور وہ راستہ حدیث میں اس طرح بتایا گیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچ کر فرمایا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں چند خط کھینچے اور پھر فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن کے ہر راستہ پر شیطان ہے کہ لوگوں کو ان کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آیت ﴿أَنَّ هَـذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ﴾ الخ [الانعام: ١٥٣] پڑھی، یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اس کی اتباع کرو اور اس پر چلو (مشکوۃ باب الاعتصام بالسنہ) گویا سیدھا خط جو ہے وہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اس کے داہنے بائیں جو خطوط ہیں وہ شیطانی راستے ہیں، بندہ ان پر چل کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ مفسرین کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں، ابن کثیر نے بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا کہ صراط مستقیم سے قرآن عظیم مراد ہے، ترمذی و دارمی کی حدیث میں بھی کتاب اللہ کو صراط مستقیم فرمایا گیا ہے، اور ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کیا کہ صراط مستقیم سے دین اسلام مراد ہے، یہی قول بعض دیگر صحابہ و تابعین کا ہے۔ اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جس پر حضور اور آپ کے خلفائے راشدین ہیں (علیہ وعلیهم الصلوة والسلام) حدیث ما انا علیہ و اصحابی اسی پر دلالت کرتی ہے، بہر حال ان سب اقوال کا مفہوم ایک ہے، کیوں کہ جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اتباع کیا وہ اسلام کا تابع ہوا، اور جو اسلام کا تابع ہوا وہ قرآن کا تابع ہوا، حاصل ان اقوال کا یہ ہے کہ صراط مستقیم طریق اہل سنت و جماعت ہے کہ یہ اسلام کی تمام ضروریات کو مانتے اور قرآن عظیم کی اتباع کرتے اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اور ان کی آل واصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سنت کی پیروی کرتے ہیں۔

توضیح: (٧) (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ) یہ صراط مستقیم سے بدل ہے اور اس کی توضیح و بیان ہے، چوں کہ ہر مذہب والا یہ کہہ سکتا تھا کہ ہم راہ راست پر ہیں، اس لیے اس کی توضیح کر دی گئی، یعنی ہمیں تو ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ اور نعمت راحت کی چیزوں کو کہتے ہیں، خدا کی نعمت اور راحت و آرام کی پیدا کی ہوئی چیزیں بیشمار ہیں کوئی ان کا شمار نہیں کر سکتا ہے، ﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا﴾ [ابراهیم: ٣٤]، اور جن کو خدا نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں انہیں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء

وَالصَّالِحِيْنَ﴾[النساء:٦٩]، یعنی جس نے اطاعت کی رسول کی پس یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔

توضیح:(۸)(غَیْرِ المَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ) یہ﴿الَّذِیْنَ أَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ سے بدل ہے اور اس کی توضیح ہے، بعض نے اسے صفت قرار دیا ہے جو تکلف سے خالی نہیں، اور غضب کے یہاں مجازی معنی مراد ہوں گے یعنی غایت اور اثر غضب، نہ حقیقی معنی کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا محال ہے، اور ضلال کے معنی گمراہی کے ہیں، یعنی سیدھے راستے سے بھٹک جانا، تو جس طرح ہدایت میں مراتب ہیں اسی طرح ضلالت میں بھی مراتب ہیں جو بڑی تفاسیر میں بیان کئے گئے ہیں، پس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام واحسان فرمایا ہے، نہ ان لوگوں کی راہ پر جن پر غضب ہوا، اور نہ ان لوگون کی راہ پر جو سیدھی راہ سے بہک گئے۔ اور وہ لوگ کون ہیں ان کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، آیات قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغضوب علیہم سے یہود مراد ہیں جیسا کہ اس آیت میں ان کے حق میں فرمایا گیا ہے:﴿مَن لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ۔ سورۂ مائدہ، آیت ۶۰﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اور غضب فرمایا ہے، اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:﴿قَدْ ضَلُّوْا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوْا کَثِیْرًا﴾ الخ [المائدة:۷۷] یعنی تحقیق پہلے سے وہ گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا۔ اسی کی تائید احادیث سے ہوتی ہے جیسا کہ ابن حبان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مغضوب علیہم یہود ہیں اور ضالین نصاریٰ ہیں، اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن عدی سے ارشاد فرمائے ہیں اور یہی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو ابن العاص ، حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال سے ثابت ہے۔ اور بعض نے کہا: ضالین سے مراد منافقین ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ مغضوب سے مراد گنہگار ہیں اور ضال سے جاہل اللہ تعالیٰ کو نہ جاننے ولے مراد ہیں (سراج) حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں قرآن عظیم کے تمام معانی ومطالب ظاہری وباطنی جمع فرمائے ہیں گویا دریا کو کوزہ میں بھرا گیا ہے، جن کا علم سوائے خواص کے عوام کو نہیں، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو ایک سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھردوں (از افادات اعلیٰ حضرت قدس سرہ) غور تو کیجئے کہ ستر اونٹ پر کس قدر کاغذ آئے گا، اس میں کیا کیا علوم ظاہری وباطنی درج ہوں گے، تو جن غلاموں کے علم کا یہ حال ہے ان کے آقا جن پر قرآن نازل ہوا یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم کیسا اور کس قدر وسیع ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہارم را۔ بظاہر اس سورت میں بسم اللہ سے لے کر ولا الضالین تک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ اس طرح میرے نام سے برکت حاصل کیا کریں اور اس طرح میری حمد وثنا بیان کیا کریں۔ اور نہایت لطیف پیرائے میں بعض باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مثلاً ایاك نعبد کے بعد وایاك نستعین لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادت بھی بغیر اعانت وتوفیق الٰہی کے ممکن نہیں ہے اس کے لئے بھی اللہ ہی سے مدد چاہی جائے، اور استعانت بھی اسی سے کرنا چاہیے جس کی عبادت کی جائے، گویا دونوں لفظ لازم وملزوم ہیں پھر اس کے بعد اهدِنَــا الخ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دعا مانگنا عبادت ہے (ترمذی) بندوں کو عبادت کے بعد دعا کرنا چاہیے جیسا کہ احادیث میں بتایا گیا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہے اور دعا ایسی مانگنی چاہیے جو جملہ دینی ودنیوی چیزوں کے لیے کافی ہو، اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ بندے کو نیک بندوں کے طریقہ پر چلنا اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونا اور بروں کی صحبت اور ان کے طرز وطریقہ سے بچنا چاہیے، کہ نیکوں کی صحبت مفید اور بروں کی صحبت مضر ہوتی ہے، اور غَیْرِ المَغْضُوبِ الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ مستشرقین ومنافقین سے اور گمراہ فرقوں کے عقائد اور طریقوں سے بچنا اور ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ علاوہ اس کے سورۂ فاتحہ کے متعلق چند باتیں اور بھی ضروری ہیں: (۱) پہلا یہ کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد آہستہ آمین کہنا سنت ہے امام کو اور تنہا نماز پڑھنے والے کو، اور مقتدی

کو بلند آواز سے کہنا مسنون ہے (در مختار) مسلم کی حدیث میں ہے: اذا قال الامام ولا الضالین ، فقولو اٰمین۔ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ بیہقی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب میں الحمد کی قرات سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے مجھے آمین کی تعلیم فرمائی، اور آمین کتاب پر مہر کرنے کے مثل ہے جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا ہے کہ آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے کہ اس نے اپنے بندہ کی دعا کو اس پر ختم فرمایا ہے (طبرانی وسراج و بیضاوی) (۲) دوسرا یہ کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا بلکہ قرآن عظیم پڑھتے وقت بسم اللہ سے پہلے اعوذ باللہ باتفاق علما سنت ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ﴾ [النحل:۹۸] استعاذہ کے الفاظ حدیثوں میں مختلف آئے ہیں مگر ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مذکورہ بالا الفاظ سے استعاذہ کیا جائے۔ (۳) تیسرا یہ کہ نماز میں الحمد للہ کا پڑھنا واجب ہے بغیر اس کے پڑھے ہوئے نماز ناقص واجب الاعادہ ہوگی، جیسا کہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے مگر مقتدی کو امام کے پیچھے نہ پڑھنا چاہیے کہ امام کا پڑھنا اس کے لئے کافی ہے خواہ آواز سے پڑھے یا آہستہ سے، یہی مذہب ہمارے امام اعظم اور ان کے شاگردوں امام ابی یوسف وامام محمد اور بڑے بڑے صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ (۴) چوتھا یہ کہ حدیثوں میں بعض جگہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہنے کو فرمایا گیا ہے، وہاں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہنا چاہیے جیسے کسی بڑے کام کو شروع کرتے وقت بسم اللہ کے ساتھ الحمد للہ کہنا اور خطبہ جُمعہ وعیدین ونکاح ووعظ ودعا شروع کرتے وقت اور کوئی چیز ملنے یا کوئی خوش خبری سننے یا کوئی حاجت پوری ہونے کے بعد، اور پاخانہ سے باہر آکر، سوکر اٹھنے کے بعد، کپڑا پہن کر اور کھانا کھانے کے بعد اور چھینکنے کے بعد اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہنا۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٢٨٦ رُكُوْعَاتُهَا ٤٠

الله کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ف١

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿٢﴾

ف١ وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں ف٢ اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو ف٣

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں ف٤ اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ﴿٤﴾

اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں ف٥

توضیح سورہ بقرہ: اس سورت کا نام سورۂ بقرہ ہے، مدینے میں نازل ہوئی، اس میں دوسو چھیاسی آیتیں اور چالس رکوع ہیں، بقر گائے کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت موسی علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کو ایک واقعہ میں گائے ذبح کرنے کا حکم کیا گیا تھا وہ اس میں بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کا نام سورۂ بقرہ رکھا گیا ہے، اور اسی نام سے یہ زمانہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں مشہور تھی اور قرآن عظیم کی سب سورتوں سے بڑی ہے، اور جس قدر احکام شرعیہ اس سے مستفاد ہیں اور کسی سورت سے نہیں، یہ مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں آخری سورت ہے۔ صحیح ترجمہ یہی ہے جو مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے، بات یہ ہے کہ ذلك دور کی چیزوں کی طرف اور هذا قریب کی چیزوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور اردو میں ذلك کا ترجمہ وہ ہوتا ہے اور هذا کا ترجمہ یہ ہوتا ہے، چونکہ یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ محل هذا لانے کا تھا ذلك کیوں لایا گیا، اس کے دفع کرنے کے لیے اکثر مترجمین نے ذلك کو بمعنی هذا مان کر اس کا ترجمہ "یہ کتاب" کیا جس سے ذلک کے اصلی معنی فوت ہو گئے اور اشارہ بھی صحیح نہ ہوا، اور مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذلک کو اصلی معنی پر مان کر اور بے ضرورت تأویل سے بچ کر اور دور سے بلند رتبہ قرار دیکر ترجمہ کیا (وہ بلند رتبہ کتاب) کہ جب کوئی شئی حد کمال کو پہنچ جاتی ہے وہ نہایت بلند رتبہ اور بہت دور شمار کی جاتی ہے، گویا هذا کی جگہ ذلك لانے میں قرآن عظیم کی عظمتِ شان و بلندیِ مکان کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ بلند رتبہ والی کتاب جو لوح محفوظ میں ہے اور اس کے اتارنے کا وعدہ کیا گیا تھا اور کتب سابقہ میں اس نزول کی خبر دی گئی تھی، اس ترجمہ میں جو خوبی ہے اہل علم ہی جانتے ہیں کہ لفظ اس کی حقیقی معنی پر رکھا ہے اور بے ضرورت تاویل نہ کی اور جو اعتراض اس پر واقع ہوتا تھا اسے دفع کیا، فتح المنان میں بھی ذٰلِكَ الْكِتَاب کا ترجمہ وہ کتاب ہے۔ واضح رہے کہ اس کی دو تین آیتیں مدنی نہیں ہیں۔ اور اس کو سورۂ فاتحہ کے بعد اس مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو معانی و مضامین اجمالی طور سے ذکر کیے گئے ہیں ان کی تفصیل اس

سورت میں کی گئی ہے۔

شان نزول: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرما کر آئے تو یہاں یہود اور عیسائیوں کا بہت زور تھا، تمام لوگ انہیں بزرگ جانتے تھے، ان کی عزت کرتے تھے، جب اسلام نے اپنی ضیاؤں سے مدینہ کو روشن کیا اور لوگ اس میں داخل ہونے لگے تو انہیں اسلام کی ترقی بہت ناگوار گذری کہ اس سے ان کی وجاہت میں فرق نظر آیا اور آمدنی میں کمی واقع ہوئی، اس لیے وہ اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور اسے مٹانے کا تہیہ کر لیا، ان سب کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا جو بظاہر مع اپنے ساتھیوں کے مسلمان ہو گیا تھا اور باطن میں کافر تھا، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے منافق کہا، اسی وجہ سے انہیں مسلمانوں کو ستانے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کا سہل موقع مل جاتا تھا کہ وہ بظاہر مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے اور باطن میں کافر تھے اور نئے مسلمانوں کے دل میں نئے نئے شک وشبہات ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ وہ کتاب نہیں ہے جس کی خبر آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے اور اس قسم کے شبہات پیدا کرنے والا مالک ابن صیف یہودی تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کو ان کے ضرر ونقصان سے بچانے اور ان کے شکوک وشبہات کو دور اور اعتراضات کو دفع کرنے کے لیے یہ سورت نازل فرمائی اور پہلے ان کے شک کو الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ الخ سے دور کیا، چار آیتیں مسلمانوں کی تعریف میں اور دو آیتیں کافروں کی مذمت میں اور نو آیتیں منافقوں کے حال میں نازل فرمائیں کہ اس وقت یہی دو گروہ اسلام و مسلمین کے دشمن تھے، فضل وشرف اس سورۂ پاک کا احادیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جس گھر میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس سے شیطان بھاگتا ہے (مسلم) انہیں کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ وسورۂ آل عمران پڑھو کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے سر پر سایہ کیے ہوں گی اور ان کی شفاعت میں جھگڑا کریں گی، سورہ بقرہ کو پڑھو کہ اس کو پڑھنا برکت ہے اور نہ پڑھنا حسرت ہے، ہر شی کے لیے رفعت وبلندی ہوتی ہے اور رفعت وبلندی قرآن کی سورۂ بقرہ ہے (دارمی) بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ اسید بن حضیر ایک رات سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے، ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا تھا کہ یکا یک وہ بھڑکا، اس کے دیکھنے کے لیے خاموش ہوئے تو وہ بھی خاموش ہو گیا، تین بار ایسا ہی ہوا کہ جب وہ پڑھتے گھوڑا بھڑکتا اور جب وہ چپ ہو جاتے تو وہ بھی چپ ہو جاتا، آخر میں وہ باہر نکلے اور آسمان کی طرف نظر کی دیکھا کہ سائبان کی طرح بہت سے چراغ ڈھانکے ہوئے ہیں پھر وہ غائب ہو گئے، صبح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آکر واقعہ عرض کیا فرمایا یہ فرشتے تھے تیری آواز سن کر آئے تھے اگر تو صبح تک پڑھے جاتا تو وہ بھی صبح تک رہتے اور لوگ انہیں دیکھتے، پڑھا کر اے ابن حضیر! پڑھا کر اے ابن حضیر! اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس کے سننے کو فرشتے آتے ہیں اور اسے ڈھانک لیتے ہیں۔ الٓمّٓ، الف، لام، میم، جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے کتاب اللہ تعالیٰ سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی اور اس کی نیکی کا ثواب دس گنا ہے، لیکن میری مراد یہ نہیں ہے کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے (مشکوۃ) الم اور اس کے مثل جو حروف سورتوں کے اول میں آئے ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں، یہ انتیس سورتوں میں آئے ہیں، بتکرار حذف کرنے کے بعد وہ چودہ رہتے ہیں، یہ متشابہات قرآنی ہیں ان کے معنی ومراد سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ خدا اور سول کے درمیان رموز واسرار ہیں، ان سے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہو وہ حق ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے، اسی لئے اوائل سور میں لایا گیا ہے کہ ہم ان پر ایمان لائیں اور ان کے معنی کی ٹٹول نہ کریں کہ احادیث میں ان کی ممانعت آئی ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر کتاب میں سر ہے اور اللہ کے سر قرآن میں اوائل سور ہیں، داؤد ابن ابی الہند نے شعبی سے سورتوں کے شروع کے حرفوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: اے داؤد ہر کتاب کے لئے سر ہے اور قرآن عظیم کے سر شروع سورتوں کے حروف ہیں انہیں چھوڑ دے اور ان کے سوائے اور باتیں پوچھ (سراج) علاوہ ان کے قرآن عظیم میں

اور بھی متشابہات ہیں، اور عذاب قبر کی کیفیت، شہیدوں کے حیات، جنت ودوزخ وغیرہ کا حال بھی متشابہات سے ہے وہ سب حق ہیں اور مسلمانوں کو ان پر ایمان لانا واجب ہے، اگرچہ الم حروف مقطعات سے ہے اور اس کے معنی میں اقوال علماء مختلف ہیں مگر محققین اس پر متفق ہیں کہ یہ حروف تہجی کے اسما ہیں جن سے کلام مرتب ہوتا ہے، انہیں سورتوں کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جن حروف سے ہمارا کلام مرکب ہے یہی تمہارے کلام کا مادہ ہے اور تم انہیں سے اپنا کلام مرکب کرتے ہو باوجود اس کے تم اس کی مثل لانے سے عاجز رہے تو یقیناً یہ معجزہ اور کلام الہی ہے (حقانی وبیضاوی) حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی کہ متشابہات سے بعض امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ الم میں الف سے آلاء اللہ، لام سے لطف، اور میم سے ملک اللہ کی طرف اشارہ ہے اور انہیں سے ہے کہ الف سے اللہ، لام سے جبرائیل اور میم سے محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، یعنی قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور انہیں سے ہے کہ الف سے انا لام سے اللہ میم سے اعلم کی طرف اشارہ ہے یعنی (انا اللہ اعلم ،کذا فی تفسیرہ وغیرہ) بعض کہتے ہیں کہ وہ اسمائے قرآن ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اسمائے سور ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے مبارکہ ہیں (بیضاوی) واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

(۲) یعنی اس بلند مرتبہ والی کتاب میں کوئی شک کی جگہ نہیں ہے، آیت میں ھذا کی جگہ ذالك لانے میں قرآن عظیم کی عظمت و بلندی کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی شے حد کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ نہایت بلند مرتبہ اور بہت دور شمار کی جاتی ہے، اور الف لام کتاب پر عہدی ہے اور اس کا اطلاق لکھے ہوئے پر آتا ہے اور جو ذہن میں حاضر ومرتب ہو اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ اس میں صلاحیت لکھے جانے کی ہوتی ہے، اس لیے قرآن عظیم پر کتاب کا اطلاق کیا گیا ہے اگرچہ وہ اس وقت لکھا ہوا نہ تھا، اور عرف شرع میں کتاب سے مطلقاً قرآن عظیم مراد ہوتا ہے، اور ریب کے معنی شک وشبہہ کے ہیں وہ ذلک کی خبر ہے، اس میں جو شک وشبہہ کی نفی کی گئی ہے اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ کسی کو اس میں شک وشبہ نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ قرآن عظیم اپنے مضامین واضحہ اور دلائل وبراہین ساطعہ کی وجہ سے محل شک وشبہہ نہیں ہے اور کوئی عقل سلیم رکھنے والا ان میں غور وتامل کرنے کے بعد اس میں شک نہیں کرسکتا سوائے معاند ومتعصب کے یا ضدی و ہٹ دھرم کے، تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس کا ذکر کتب سابقہ میں آیا ہے اور آیت ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ [المزمل:۵] میں جس کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے سچا اور من جانب اللہ ہونے میں عقل سلیم رکھنے والوں کو کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳) یعنی ہدایت ہے وہ کتاب خدا سے ڈرنے والوں کو، یہ ذلک کی دوسری خبر ہے، اور متقی وہ لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے اور اس کے اوامر پر عمل کرتے اور نواہی سے بچتے ہیں بلکہ شبہات سے بھی پرہیز کرتے ہیں جن کو عرف میں پرہیز گار کہا جاتا ہے، اور ہدایت کو ان کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ وہ قرآن عظیم سے زیادہ تر نفع اٹھاتے ہیں اگرچہ قرآن عظیم ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ [البقرة:۱۸۵] سب کو ہدایت کرنے والا ہے، انہیں خاص طور پر ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ قرآن عظیم سے ہر شخص مستفیض ہوسکتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے وہی لوگ مستفیض ہوتے ہیں جو سعید ازلی ہیں اور استعداد وصلاحیت اس سے مستفیض ہونے کی رکھتے ہیں، نہ بد بخت ازلی جن میں استعداد وقابلیت اس سے مستفیض ہونے کی نہیں ہے تو یہ ان کی استعداد کا قصور ہے نہ کہ کتاب کا (حقانی) متقین کے معنی مختلف طور سے بیان کیے گئے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ متقی سے مراد وہ مومن ہیں جو شرک سے بچتے ہیں اور اطاعت الہی کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ تقوی یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو کسی سے اچھا نہ جانے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہیں جو حرام سے بچتے اور فرائض ادا کرتے ہیں یہی قول عمر ابن عبد العزیز کا ہے، حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو شرک وبت پرستی سے بچتے اور خالص خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں، حضرت ابی ابن کعب فرماتے تھے کہ

متقی کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی شخص دامن سمیٹ کر کسی خاردار راستہ سے نکل جائے، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کامل تقوی یہ ہے کہ بندہ خدا کے خوف سے ان چیزوں کو بھی ترک کردے جن میں حرام ہونے کا شبہہ ہو کہ شاید یہ چیزیں اس کے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان حجاب ہوجائیں، یہی معنی ایک جماعت علمائے تابعین سے مروی ہیں، ان کے علاوہ تقوی کے معنی اور بھی آئے ہیں مآل کار سب کا ایک ہی نکلتا ہے۔ درحقیقت عرف شرع میں تقوئی کے معنی یہ ہیں کہ بندہ دنیا میں ان چیزوں کو ترک کردے جو اس کے لیے آخرت میں مضر ہوں اور اس کے تین درجے ہیں: اول شرک وکفر سے بچنا کہ دائمی عذاب سے محفوظ رہے، اس اعتبار سے ہر مومن غیر شرک کو متقی کہا جاسکتا ہے۔ دوسرا ہر صغیرہ کبیرہ گناہ سے بچنا، تیسرا سوائے خدا کے کسی کا خیال دل میں نہ لانا۔ یہ حقیقی تقوی ہے، اور انبیا واولیا وغیرہ خاصان خدا کے ساتھ خاص ہے۔ آیت سے یہ تینوں معنی مراد ہوسکتے ہیں اور قرآن عظیم ان سب باتوں کا ہادی ہے۔ (سراج وبیضاوی)

توضیح (۴): یہ متقیوں کا بیان ہے، یعنی متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، اپنے عقائد درست رکھتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو دیا ہے وہ اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، آیت کریمہ کے تین جز ہیں، ان کی تفصیل بھی کرنا ضروری ہے تاکہ اچھی طرح آیت کا مطلب سمجھ میں آجائے، اس کا اول جز یومنون بالغیب ہے اور یہ متقیوں کی پہلی صفت ہے اور ایمان کے معنی صرف تصدیق قلبی کے ہیں، یعنی کسی چیز کو دل سے سچا جاننا اور اس کا یقین کرنا ہے جن کا دینی ہونا قطعی طور سے ثابت ہو قرآن عظیم سے، حدیث متواترہ سے یا اجماع سے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، انبیا کی بعثت، آسمانی کتابوں کا نزول، ملائکہ کا وجود، اور حشر ونشر، حساب وکتاب، جزا وسزا، اور ایمان ایک نور ہے جو دل میں واقع ہوتا ہے۔ پھر اس کے دو درجے ہیں: ایک ایمان اجمالی، دوسرا ایمان تفصیلی، ایمان اجمالی یہ ہے کہ مجمل طور سے بلا تفصیل دین محمدی کی باتوں کو حق جاننا اور صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھنا۔ اور ایمان تفصیلی یہ ہے کہ جس قدر باتیں شرع سے یقیناً ثابت ہیں اور اللہ ورسول نے انہیں بتایا ہے ان کو تفصیل وار سچا جاننا اور ان پر ایمان لانا، تو جو ان پر ایمان نہ لائے، ان کا انکار یا تکذیب کرے وہ مومن نہیں کافر ہے، پس ایمان کی ماہیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے جیسا کہ آیت: ﴿وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ [النحل: ۱۰۶] وغیرہ سے معلوم ہورہا ہے، خواہ یہ تصدیق اس کی ماں باپ وغیرہ کی تقلید سے ہو یا اپنی تحقیق سے استدلالی ہو یا کشفی، یہ سب محققین کے نزدیک معتبر ہے، البتہ احکام شرعی جاری کرنے کے لیے زبان سے اقرار کرنا بھی شرط ہے، اور ایمان کو کامل کرنے کے لیے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں، تو جو کوئی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرے اور اس کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کرے وہ بالاتفاق کامل مومن ہے۔ اور جو دل سے تصدیق زبان سے اقرار کرے مگر اعمال صالحہ نہ کرے وہ جمہور اہل سنت کے نزدیک فاسق مومن ہے مومن کامل نہیں، اور جو صرف زبان سے اقرار کرے کلمہ پڑھے مگر دل سے تصدیق نہ کرے وہ کافر منافق ہے۔ اور جو نہ دل سے تصدیق نہ زبان سے اقرار کرے بلکہ تکذیب وانکار کرے وہ کافر مجاہر ہے۔ اور غیب مصدر ہے، یہاں اس کو مبالغہ کے طور پر بمعنی غائب استعمال کیا گیا ہے، اور اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو بداہت عقل وحواس سے معلوم نہ ہوسکیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ ان پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جیسا کہ آیت ﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ [الانعام: ۵۹] سے مراد ہے۔ جس کی تصدیق اجمالی طور سے کی جائے اسے تصدیق اجمالی کہا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ اس پر دلائل موجود ہوں لیکن وہ مشاہدے میں نہ آتی ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور روز جزا وغیرہ جن پر اللہ ورسول کے فرمانے پر ایمان لایا جاتا ہے، اگر یہ چیزیں کسی مشاہدہ میں آجائیں تو وہ غائب نہ رہیں۔ (بیضاوی) اسی لیے جان نکلتے وقت کا ایمان معتبر نہیں کہ اس وقت ملائکہ اور جنت ودوزخ جو آنکھوں سے غائب ہیں دکھائی دیتے ہیں انہیں دیکھ کر وہ ایمان لاتا ہے تو وہ ایمان یاس ہوا نہ ایمان بالغیب، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے لوگوں کے ایمان کی قدر کی ہے اور ان کے ایمان کو اپنے دیکھنے والوں کے ایمان پر ترجیح دی ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لائے اور یہ بغیر دیکھے ایمان لائے جیسا کہ امام احمد وطبرانی وبزار وابویعلی کی احادیث میں آیا ہے، اور ابوداؤد

طیالسی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص سے کہا کہ میں تجھے خوش خبری سناتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خوش حالی ہے اس کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے خوش حالی ہے جو مجھ کو بغیر دیکھے ایمان لایا (تفسیر عزیزی وحقانی) تو اس وجہ سے ہمارا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا بالغیب ہوا، اور جس کے مشاہدہ میں وہ چیز ہوگی اور وہ اس کا یقین کرے گا اس کو ایمان بالغیب نہیں کہا جائے گا، اسی لئے غیب کی تعریف ماغاب عن الناس کی گئی ہے، یعنی جو شی لوگوں سے غائب ہو وہ غیب ہے اور جو غائب نہ ہو وہ غیب نہیں تو جو چیزیں ہماری عقل وحواس سے پوشیدہ ہوں اور ہم ان کا ادراک نہ کرسکیں اور دوسرا ان کو اپنے عقل وحواس سے درک کرسکے وہ چیزیں بہ نسبت اس دوسرے کے علی حسب مراتب غیب نہ ہوں گی۔

﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾[البقرة:۳]: یہ آیت کا دوسرا جز ہے اور متقیوں کی دوسری صفت ہے، اور نماز قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی مداومت وحفاظت کی جائے مع اس کے شرائط وارکان وفرائض وواجبات وسنن ومستحبات کے اور ہمیشہ اسے پورے طور سے باطمینان خشوع وخضوع اور ذوق وشوق سے پڑھا جائے، اور اس سے پانچوں وقت کی نماز مراد ہے نہ ایک وقت کی جیسا کہ ﴿أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ﴾[البقرة:۲۱۳] میں کتاب سے کتب مراد ہیں، اور اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ تقوی کسی کی میراث نہیں ہے بلکہ وہ کسبی ہے جو ایسے کام کرے گا وہ متقی ہوگا اور جو نہ کرے گا وہ متقی نہ ہوگا خواہ وہ کوئی ہو، دوسرا یہ کہ صرف ایک بار ایسے کام کرنے سے بھی متقی نہ ہوگا بلکہ عمر بھر انہیں کرنے سے متقی ہوگا کہ اس کے تجدد وحدوث پر جملہ فعلیہ لانا دلالت کرتا ہے، چونکہ نماز تمام اعمال صالحہ سے مقدم ہے اور اس میں دوسری عبادت کے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں امیر وغریب اور مرد وعورت شریک ہیں اس لیے اسے مقدم کیا، اور ایمان تمام اعمال کی جڑ ہے بغیر ایمان کے کوئی عمل کارآمد نہیں۔(حقانی)

﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾[البقرة:۳] یہ آیت کا تیسرا جز ہے اور متقیوں کی تیسری صفت ہے، اور رزق عرف عام میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے نفع اٹھایا جائے، اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے یا تو زکوۃ دینا مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ سے مروی ہے، کیوں کہ زکوۃ افضل الصدقات ہے اور اسے قرآن میں نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا، یا اس سے عام صدقات مراد ہیں جس میں نفقہ اہل وعیال وادائیگی حقوق اعزہ واقارب وخرچ ایصال ثواب اموات وغیرہ امور خیر داخل ہیں جیسا کہ انہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت سے اور عبداللہ ابن مسعود وغیرہ بعض صحابہ کرام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اہل وعیال کا نفقہ مراد ہے، اور ابن جریر کہتے ہیں کہ مال سے جو شرعی حقوق متعلق ہیں وہ مراد ہیں خواہ وہ زکوۃ ہو یا مصارف متعلقین یا ادائے حقوق اعزہ واقارب بلکہ رزقنا ھم سے تمام ظاہری وباطنی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں مراد لینا اور يُنفِقُون سے عام صدقات مراد لینا بہت اچھا ہے، جیسا کہ طبرانی کی حدیث سے مفہوم ہو رہا ہے کہ جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس کو ذکر نہیں کرتا یعنی دوسروں کو اس سے نفع نہیں پہنچاتا ہے وہ مثل اس شخص کے ہے جو خزانہ جمع کرتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ جو علم وہنر فضل وکمال اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے مخلوق کو نفع پہنچانا چاہیے، (سراج وبیضاوی) اور من تبعیضہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے جو دولت ونعمت تمہیں دی ہے اس میں سے تھوڑا سا راہ خدا میں بھی صرف کرو نہ سب، کہ خود محتاج ہو اور اسراف نہ کرو، اور جو باطمینان خاطر سب مال راہ خدا میں خرچ کرسکتے ہو تو کرو جیسا کہ ایک بار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال ونقد راہ خدا میں صرف کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں منع نہ فرمایا کہ راہ خدا میں خرچ کرنا اسراف نہیں (سراج)

(۵) اگرچہ ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾[البقرة:۳] سے جملہ کتب سماویہ پر اور آخرت پر ایمان لانا سمجھا جارہا تھا مگر اس آیت میں بطور تخصیص بعد تعمیم ذکر کیا گیا تاکہ یہود ونصاریٰ کا رد ہوجائے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم بھی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی متقی وہ ہیں جو قرآن عظیم، تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کتب سماویہ پر ایمان لائے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں نہ وہ کسی ایک کتاب پر ایمان لائے

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ

وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے۔ ف۶ بے شک

الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ

وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انھیں برابر ہے چاہے تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ

ایمان لانے کے نہیں۔ اللہ نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ

آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب۔ ف۷ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ

ع ۷ — وقف لازم

ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخَٰدِعُونَ اللَّهَ

ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ

وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ فِي

اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انھیں شعور نہیں۔ اُن کے

قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا

دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے اُن کی بیماری اور بڑھائی اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے، بدلا

كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

اُن کے جھوٹ کا ف۸ اور جو اُن سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو

قَالُوٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ

تو کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں۔ سنتا ہے! وہی فسادی ہیں

باقی پر ایمان نہ لائے، بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے مثل مومنین اہل کتاب کے بارے میں ہے اور وہ جملہ متقین میں داخل ہیں یہ قول عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے یا اس کا عطف متقین پر ہے تو یہ معنی ہوں گے: قرآن ہدایت ہے متقیوں کے لیے اور دوسرے دین والوں کے لیے (بیضاوی)

تنبیہ: مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ سے عام وحی مراد ہے خواہ وہ متلو ہو یعنی جبرئیل اسے اللہ کی جانب سے بالفاظ مقررہ لائے ہوں، یا غیر متلو ہو یعنی بلا توسط جبرئیل و بلا الفاظ مقررہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب میں القا ہوئی ہو یا بذریعہ کشف وغیرہ معلوم ہوئی ہے اور حضور نے اسے ظاہر فرمایا ہو اس سب پر ایمان لانا واجب ہے، اور مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ سے مراد وہ کتابیں اور صحیفے ہیں جو حضور سے پہلے انبیا پر نازل ہوئے ان سب پر ایمان لانا لازم ہے نہ کہ ان پر عمل کرنا، ان کی تعداد مفسرین نے ایک سو چار لکھی ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ان کا ثمرہ و نتیجہ اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے

ہیں، یعنی دین ودنیامیں وہ کامیاب ہیں کہ دنیا میں انہیں ہدایت نصیب ہوئی گمراہی سے بچے اور عقبیٰ میں انہیں جنت اور اس کی نعمتیں اور دیدار الٰہی ملے گا اور دوزخ سے محفوظ رہیں گے۔

(۷) اللہ تعالیٰ جب اہل سعادت کا حال ومآل بیان کر چکا تو اہل شقاوت کا حال ومآل بیان کرتا ہے تاکہ عقل مند لوگ اہل سعادت کے حال ومآل معلوم کر کے اس کی طرف مائل وراغب ہوں اور اہل شقاوت کے حال ومآل سے خبردار ہو کر ان سے بچیں اور نفرت کریں، اہل شقاوت میں دوطرح کے لوگ تھے، ایک جو کھلے کافر تھے اور دوسرے وہ جو ڈھکے چھپے کافر تھے، ان میں سے اول گروہ کا حال ان کے بعد کی آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ کافر ازلی ہیں ان کو تم کتنا ہی عذاب سے ڈراؤ لیکن وہ ہدایت نہیں پا سکتے اور راستہ پر نہیں آسکتے وہ کفر ومعاصی ہی کو پسند کریں گے، کیوں کہ ان میں استعداد وصلاحیت حق وہدایت قبول کرنے کی نہیں ہے، ان پر نور الٰہی نہیں پڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے کہ حق ان میں کسی راستہ داخل نہیں ہو سکتا اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے کہ سیدھا راستہ نہیں دیکھ سکتے، حق بات نہیں سن سکتے، عقل وحواس سے دریافت نہیں کر سکتے، انہیں تمہاری تبلیغ کچھ نفع نہ دے گی، ان کی جبلی عادت کو نہ بدلے گی، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت یعنی اندھیرے میں پیدا فرمایا پھر ان پر نور ڈالا جس پر نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جس پر نور نہ پڑا وہ گمراہ ہوا، (احمد وترمذی) پس جس پر نور الٰہی پڑا وہ اہل سعادت کہلائے اور جن پر نور الٰہی کا سایہ نہ پڑا وہ کافر ومنافق کہلائے (حقانی ملخصاً)

تنبیہ: اس آیت میں ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ [البقرۃ:٦] سے جملہ کفار مراد نہیں ہیں بلکہ وہ کفار مراد ہیں جو شقی ازلی تھے، علم الٰہی میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے، ان کو اتمام حجت اور فرض منصبی ادا کرنے کے لیے احکام الٰہی سنائے جاتے تھے کہ اگر اس سے انہیں فائدہ نہ ہوگا تو ان کے غیروں کو تو ہوگا اور مبلغ کی تبلیغ بے فائدہ نہ ہوگی، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ اشقیا ایمان نہیں لاتے تو اس کا غم نہیں کرنا چاہیے، تمہاری تبلیغ بے کار نہیں ہے اس کا ثواب تمہیں ملے گا جیسا کہ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ سے مفہوم ہو رہا ہے کہ ڈرانا اور نہ ڈرانا بہ نسبت ان کے برابر نہ بہ نسبت آپ کے، اسی لئے علیھم فرمایا گیا نہ علیك اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد نزول آیت بھی تبلیغ فرماتے رہے۔ (عزیزی)

(۸) ظاہری کفار کا حال بیان کرنے کے بعد چھپے کافروں یعنی مدینہ کے منافقوں کا حال بیان کیا جاتا ہے، نفاق کئی قسم کا ہوتا ہے: اول یہ کہ بظاہر اسلام لائے اور باطن میں کافر ہے، دوسرا یہ کہ باطن میں منکر تو نہ ہو مگر یقین بھی نہ رکھتا ہو متردد ومذبذب، تیسرے یہ کہ یقین ہو مگر پورا نہ ہو کسی لالچ یا عزت ووجاہت دنیوی اور خواہش نفس کی وجہ سے وہ منافع دنیا کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو، دنیا کی خاطر اسلام کا مقابلہ کرتا ہو اور اہل اسلام کی بربادی میں لگا ہو، یہ تینوں گروہ سخت کافر ہیں، چوتھا یہ کہ قول ان کا فعل کے مطابق نہ ہو زبان سے کچھ کہے اور دل میں کچھ اور کہتا ہو جس کو تقیہ کہتے ہیں جو نفاق کا شعبہ ہے اور روافض کا طریقہ ہے مگر کفر نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ منافق قبیلہ اوس اور خزرج کے بعض لوگ تھے اور یہی قول ابو العالیہ اور حسن بصری وقتادہ وسدی وغیرہ کا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یہ لوگ اپنا جان مال بچانے کے لیے زبان سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، ہم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ ایمان نہیں لائے اور نہ لا سکتے ہیں، وہ اپنے نزدیک اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور واقع میں انہیں دھوکہ نہیں دیتے، اس کا وبال ان کی طرف لوٹے گا، کیونکہ مسلمانوں کو ان کے فریب سے خبردار کر دے گا اور انہیں دنیا میں رسوا کر دے گا اور عقبیٰ میں عذاب دردناک دے گا، اس بات کو وہ محسوس نہیں کرتے ہیں کہ اس کا وبال انہیں کی طرف لوٹے گا، ان کے دلوں میں شک اور نفاق کا مرض ہے پس اللہ نے ان کے مرض کو اور زیادہ کیا کہ جب کوئی آیت نازل ہوئی انہوں نے انکار کیا پس ان کا مرض بڑھا اور جوں جوں اسلام کی ترقی ہوتی گئی ان کی بیماری بڑھتی گئی۔ اور والذین آمنوا سے صحابہ کرام مراد

وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ

مگر انھیں شعور نہیں۔ ف۹ اور جب اُن سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور

النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں سنتا ہے! وہی

السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا

احمق ہیں مگر جانتے نہیں ف۱۰ اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں

ہیں اور یکذبون سے جھوٹا دعوئ اسلام مراد ہے جو آمنا باللہ میں کر چکے ہیں، وہ اپنے گمان میں خدا کو فریب دیتے ہیں یعنی رسول خدا کو فریب دیتے ہیں۔

تنبیہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا اور فریب دینا مطلقاً ناجائز گناہ ہے جیسا کہ آج کل کے لوگ اکثر اپنے نفع کی خاطر لوگوں کو فریب دیتے اور جھوٹ بولتے ہیں لیکن تعریض کذب گناہ نہیں بعض جگہ اس کی اباحت آئی ہے جیسا کہ طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ ہر جھوٹ کا گناہ اس پر ہوتا ہے مگر جہاد میں، عورت کو راضی کرنے کے لیے، اور دو مسلمانوں میں صلح کرانے میں جھوٹ بولنا گناہ نہیں ہے، انہی کی حدیث میں ہے: سب جھوٹ گناہ ہیں مگر اسلام و مسلمین سے ضرر دفع کرنے، انہیں نفع پہنچانے کے لئے بولا جائے تو گناہ نہیں (سراج) اصل میں جھوٹ کا مدار و مقصود نیت پر ہے اگر کسی نیک مقصود کے لیے بہ نیت خیر بولا جائے گا تو مباح ہوگا ورنہ حرام و گناہ۔ اور منافق بدترین قسم کفار کی ہے، اسی لیے ان کا عذاب بھی بہت زیادہ ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾[النساء:۱۴۵] اور مراد ان سے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی اور امثال ہیں۔ یوم آخر زندہ ہونے کے وقت سے جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک کا وقت مراد ہے، اور ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[البقرۃ:۱۰] سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ بندہ مجبور نہیں بااختیار ہے، کفار نے جو باتیں اختیار کیں وہ ان کی خود اختیاری ہیں اس پر انہیں سزا دی جائے گی کہ خدا ظالم نہیں ہے جو کسی بے قصور کو سزا دے۔

(۹) حضرت عبداللہ ابن عباس و حضرت عبداللہ ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ آیت میں فساد سے مراد کفر و معصیت پھیلانا ہے، اور ابوالعالیہ، مجاہد اور قتادہ کا قول اسی کے قریب ہے، اور ابن جریر کہتے ہیں کہ جب منافقوں نے زمین پر خدا کی نافرمانی کی اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کیا، اسلام کی حقانیت پر شک کیا، مسلمانوں کو جھوٹا قرار دیا، کفار کی امداد کی اور انہیں ایمان لانے سے روکا تو اس سے ملک میں فساد پھیلا جس کو وہ اصلاح سمجھتے اور عیب کو ہنر جانتے تھے اور نصیحت اور نیک بات ماننے کو حماقت اور بیوقوفی سے تعبیر کرتے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۱۰) اس آیت میں بھی منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لے آؤ، دوسروں کی طرح نیک بنو، فتنہ و فساد پھیلانا چھوڑ دو، تو وہ کہتے کیا ہم احمقوں کی طرح بے دیکھی چیز پر ایمان لے آئیں، موہوم کو غیر موہوم پر ترجیح دیں؟ خدا ان کے رد میں فرماتا ہے کہ واقع میں وہ احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں جو ایسا کہتے ہیں اور فانی کو غیر فانی چیزوں پر اختیار کرتے ہیں، عقلمند وہی ہیں جو دنیا پر آخرت کو اختیار کرتے ہیں کہ دنیا کی چیزیں فانی اور زائل ہونے والی ہیں اور آخرت کی چیزیں باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہیں اور وہ ایمان لانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ

ہم ایمان لائے، اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو یوں ہی

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ

ہنسی کرتے ہیں اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا

بھٹکتے رہیں۔ ف ١١ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو

رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے ف ١٢ اُن کی کہاوت اس کی طرح

(١١) یعنی منافق جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ تمہاری طرح ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شریر سرداروں سے اکیلے میں ملتے تو کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں کے ساتھ اسلام ظاہر کر کے مسخرہ پن کرتے ہیں۔

تنبیہ: استہزا کے معنی مسخرہ پن کرنے کے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا کفار کے ساتھ استہزا کرنا یہ ہے کہ وہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دیتا ہے اور دنیا میں انہیں ڈھیل دے رکھی ہے اور آخرت میں ان سے اس طرح مسخرہ پن کیا جائے گا کہ ان کی طرف جنت کا دروازہ کھولا جائے گا جب وہ اس کی طرف دوڑیں گے تو وہ بند کر دیا جائے گا تو مسلمان ہنسیں گے جس کی طرف ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾[المطففین: ٣٤] میں ارشاد فرمایا گیا ہے (ابن عباس و بیضاوی و سراج) شروع میں اپنی طرف سے استہزا کرنا جہالت سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ اسی سورت میں آگے آئے گا مگر یہاں عین حکمت و محبت پر مبنی ہے کہ وہ محبوبان خدا سے استہزا کیا کرتے تھے، خدا نے اپنے محبوبوں کی طرف سے ان کے استہزا کا جواب دیا، نہ ابتداء استہزا کیا ہے، اس سے محبوبان خدا کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔ عزیزی، واحدی اور ثعلبی نے سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ ایک بار ابن ابی کو ایک گروہ صحابہ کا ملا تو اس نے اپنے یاروں سے کہا کہ دیکھو میں ان بیوقوفوں کو کیسا بناتا ہوں پس اس نے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی تعریف کی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی تعریف کی پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی تعریف کی پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم نے کہا کہ اے ابن ابی! خدا سے ڈر نفاق کی باتیں نہ کر تو اس نے کہا میں یہ باتیں نفاق سے نہیں کرتا ہوں بلکہ میں تمہاری طرح سچا مومن ہوں، جب یہ لوگ چلے گئے تو اپنے ہمراہیوں ہم جنسوں کے سامنے اس پر فخر کرنے لگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (سراج وغیرہ)

(١٢) یہ بھی منافقوں کا حال تتمہ ہے، مطلب یہ ہے کہ منافق ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی، یعنی جو جو ہر فطری ان کے اندر تھا اس کی روشنی میں وہ سیدھی راہ پر چل سکتے تھے، اس کی انہوں نے قدر نہ کی اور کفر و عصیاں میں پڑ کر اپنے ظاہر و باطن کو ایک سانہ رکھ کر اسے برباد کیا، اسے اپنے نزدیک انہوں نے بڑے نفع کی تجارت خیال کیا کہ زبان سے کلمہ پڑھ کر اپنا جان مال نقصان سے بچا لیا، اور اس کی بدولت دنیوی نفع حاصل کر لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت نے انہیں کوئی نفع نہ دیا اور نہ ان کو تجارت کرنا آئی کہ تجارت سے اصل مال لگا کر نفع کمانا اور اصل مال باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے اور انہوں نے اصل مال سے بے کار چیز خرید کر اصل مال کو بھی برباد کیا اور نفع نہ کمایا، نفع کی تجارت تو یہ تھی کہ اس جوہر فطری کو خدا کی راہ میں صرف کر کے دنیا و عقبیٰ میں نفع اٹھاتے، دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب الیم سے بچتے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ الخ [الصف: ١٠]۔

الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ

ہے جس نے آگ روشن کی تو جب اس سے آس پاس سب جگمگا اٹھا اللہ ان کا

بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ

نور لے گیا اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں سوجھتا بہرے گونگے اندھے

فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ

تو وہ پھر آنے والے نہیں۔ ف۱۳ یا جیسے آسمان سے اُترتا پانی کہ اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج

وَّبَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

اور چمک اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہیں۔ کڑک کے سبب

حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ

موت کے ڈر سے اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے بجلی یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان کی

اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙۗ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ

نگاہیں اچک لے جائے گی جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا

قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ

کھڑے رہ گئے اور اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا بے شک

اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ

اللہ سب کچھ کر سکتا ہے ف۱۴ اے لوگو! اپنے رب کو پوجو

(۱۳) یعنی منافق مثل اس شخص کے ہے جس نے اندھیری رات میں جنگل میں آگ جلائی، اس کی روشنی میں اس کو آس پاس کی چیزیں سوجھنے لگیں اور درندوں کا خوف جاتا رہا، جب وہ بجھ گئی اور اندھیرا ہوگیا تو پھر اسے درندوں کا خوف ہونے لگا، آس پاس کی چیزیں سوجھنا موقوف ہوگئیں، یہی حال منافقوں کا ہے، وہ کفر وعصیان کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے تھے، جب وہ برائے نام زبان سے ایمان لائے تو تھوڑی دیر کے لیے انہیں کی روشنی میں انہیں سب کچھ سوجھنے لگا اور جان و مال کا نقصان کا ڈر جاتا رہا، جب اسلام سے پھرے تو پھر وہ انہیں تاریکیوں میں پھنسے جن میں اسلام لانے سے پہلے پھنسے ہوئے تھے۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن مسعود اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے، بعد کو وہ منافق ہوگئے، ان کی مثال یہ ہے، اس میں اور بھی قول ہیں مگر روایت سے تمام منافق مفہوم ہو رہے ہیں خواہ وہ اسلام لانے کے بعد منافق ہوئے ہوں یا شروع ہی سے منافق ہوں۔

(۱۴) تفسیر بیان السبحان میں تحت آیت مذکورہ بطور شان نزول لکھا ہے کہ مدینہ سے دو منافق بھاگ کر چلے، راہ میں شدت کی

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ

جس نے تمھیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمھیں پرہیزگاری ملے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ

جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا

پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو۔ تو

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا

اللہ کے لیے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ ف۱۵ اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے

بارش ہونے لگی اندھیرا گھپ ہونے لگا، گرج وچمک زور سے ہونے لگی، دونوں حیران وپریشان کھڑے ہوگئے، جب گرج ہوتی تو دونوں کانوں کے پھٹ جانے اور مرجانے کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے، جب بجلی چمکتی اور کچھ روشنی ہوتی تو دوقدم چلتے، اور جب اندھیرا ہو جاتا تو رک جاتے، آخر حیران وپریشان ہوکر آپس میں کہتے کہ کاش صبح ہو اور بارش تھمے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کریں، جب صبح ہوئی تو حاضر خدمت ہوکر ایمان لائے، ان کی مثال اس آیت میں بیان کی گئی ہے، بہرحال مقصود ان دونوں مثالوں سے منافقوں کی حالت کو آگ جلانے والوں اور آسمانی بارش میں پھنس جانے والوں کی حالت سے تشبیہ دینا ہے اور وہ بخوبی ان پر چسپاں ہے۔

(۱۵) جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں اور منافقوں کا حال مع ان کی صفات کے بیان کر چکا تو اب اس آیت میں ان سب کو مجمل طور سے مخاطب فرماتا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تمہارے پہلے لوگوں کو پیدا کیا اس امید پر کہ تم پرہیزگار ہو، وہ رب جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اس طرح سے کہ اس کی بعض طرفوں کو خالی اور تری وتختی میں متوسط رکھا تا کہ تم اسے استعمال کرو اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس پانی سے تمہارے کھانے کے لیے کچھ نکالے پس تم اللہ کے لیے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں ﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ﴾ آیا ہے اس سے اہل مکہ مراد ہیں اور جہاں ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ آیا ہے اس سے اہل مدینہ مراد ہیں، مکہ میں کفار اور مدینہ میں مسلمان زیادہ تھے، ان کی مناسبت سے خطاب کیا گیا ہے لیکن خطاب اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے، جہاں عام خطاب کیا گیا وہاں تمام دنیا کے لوگ اس میں داخل ہیں، اور جہاں خطاب مسلمانوں سے کیا گیا ہے وہاں تمام دنیا کے مسلمان اس میں داخل ہیں، اور آیت میں اس طرح خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے اور اپنی عبادت کا شوق دلانا اور اپنی ربوبیت کے دلائل قائم کر کے انہیں کفر وشرک سے باز رکھنا اور عبادت گذار بنانا مقصود ہے،، اور یہ بتایا گیا کہ جس میں مخلوق کو پیدا کرنے اور زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنانے اور طرح طرح کی میوے کھانے پینے کی چیزیں بنانے کی قدرت نہ ہو وہ رب نہیں اور نہ مستحق عبادت ہے، رب اور مستحق عبادت وہی ہے جس میں یہ صفات ہوں۔

عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ

اپنے ان خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا

بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کر رکھی ہے کافروں کے لیے ۱۶

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور خوش خبری دے انھیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے باغ ہیں

(۱۶) چونکہ پہلی آیت میں خدا نے عبادت کا حکم دیا تھا اور عبادت کا قبول ہونا نہ ہونا معلوم کرنے کے لیے نبی اور الہام کی ضرورت تھی پس اس آیت میں نبی کا ذکر ہونا اور ان کی کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونا ثابت کیا ہے کہ اگر تمہیں اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری ہے شک ہو کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے نہیں ہے تو اس کی مثل ایک سورت تو بنالاؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں اور مددگاروں کو مدد کے لیے بلالو اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے، پس اگر تم اس کی مثل نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ تم ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر اور آدمی ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، آیت میں ناس سے مراد کفار ہیں اور پتھر سے ان کے بنائے ہوئے ان کے بت اور مورتیاں جن کی وہ عبادت کرتے تھے مراد ہیں جیسا کہ آیت میں ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الانبیاء:۹۸] آیا ہے، یا گندھک کے پتھر مراد ہیں جیسا کہ طبرانی کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود اور بیہقی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا ہے، بعض مفسرین نے اسے اختیار کیا ہے مگر بیضاوی نے اس کو تخصیص بلا دلیل قرار دیا ہے (سراج) اور ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ﴾ [البقرۃ:۲۳] میں اس کی مثل سورت بنالانے کا معارضہ کرنا اور اہل عرب کا باوجود مدعی فصاحت و بلاغت ہونے کے اس کے مثل بنا کر لانے سے عاجز ہونا قرآن عظیم کے الہام من جانب اللہ کی بین دلیل ہے۔ اور سورت قرآن عظیم کے حصہ کو کہتے ہیں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس کا کوئی نام مقرر ہو جیسے سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص وغیرہ، اور انزلنا سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم تھوڑا تھوڑا اتارا گیا ہے، اس کے تھوڑے تھوڑے اترنے سے ان بے وقوفوں کو یہ شک پیدا ہوا تھا کہ اگر یہ خدا کی جانب سے ہوتا تو وہ ایک دم کتاب کی صورت میں نازل ہوتا، تھوڑا تھوڑا نازل نہ ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نزلنا فرمایا انزلنا نہ فرمایا کہ تم بھی کسی ٹکڑے کی شکل بنا کر لے آؤ، ظاہر ہے کہ اس اعلان و معارضہ کے بعد اہل عرب نے کوئی دقیقہ اس کی مثل بنالانے میں اٹھا نہ رکھا ہوگا اور ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا ہوگا مگر پھر بھی اس کی مثل نہ بنا سکے، یہ قرآن عظیم کا کھلا اعجاز ہے اور لن تفعلوا سے قیامت تک کی پیشن گوئی فرما کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کامل اطمینان دلانا مقصود ہے کہ وہ باطمینان خاطر تمام لوگوں کو سنا کر اپنی نبوت کا اظہار کریں اور اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں، جمہور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے اور یہی دیگر آیات و احادیث سے ثابت ہے، حضرت آدم و حضرت حوا کا جنت میں رہنا پھر وہاں سے زمین پر آنا اور معراج کی شب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنت کی سیر اور دوزخ کا معائنہ کرنا اور ایک بار نماز پڑھنے میں جنت و دوزخ کو دیکھنا اور جنت و دوزخ کی خبر دینا اس بات پر دلالت کر رہے ہیں۔

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ

جن کے نیچے نہریں رواں جب انھیں ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کو

رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ

دیا جائے گا صورت دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا اور وہ صورت میں

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾

ملتا جلتا انھیں دیا گیا اور ان کے لیے ان باغوں میں ستھری بیبیاں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۱۷

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ؕ

بے شک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے، مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَاَمَّا

تو وہ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے رہے

(۱۷) آیات گذشتہ میں کفار کے حالات کا بیان تھا اور انہیں نصیحت کی گئی تھی کہ وہ دوزخ سے بچنے کا سامان کریں، ان آیات میں مومنوں کا حال اور ان کے حال پر جو انعام الٰہی ہوگا بیان کیا گیا ہے تاکہ نافرمانی کا نتیجہ اور فرمانبرداری کا ثمرہ معلوم ہو جائے اور ترہیب کے ساتھ ترغیب ہو جائے، اور یہ سنت الٰہیہ ہے کہ ہر جگہ ترہیب کے بعد ترغیب دی گئی اور کفار کے بعد مومنوں کی ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور خوشخبری سنا دو اے نبی انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، کہ ان کے لیے باغ ہیں ان باغوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب ان باغوں سے پھل دیا جائے گا تو کہا جائے گا یہ تو وہی پھل ہے جو دنیا میں دیے گئے تھے، اور یہ وہ اسی لیے کہیں گے کہ انہیں صورت و رنگ میں اسی کی مشابہ پائیں گے اور وہ مزے مین مختلف ہوں گے، یہ جنت کے پھل آپس میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوں گے، جیسا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جب ایک پیالہ دوسرے پیالے کے بعد دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ یہ تو پہلے کی طرح ہے تو فرشتہ کہیں گے کھاؤ رنگ ایک ہے مزے مختلف ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب جنتی کوئی پھل لے کر منھ تک کھانے کو لے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی مثل پھل سے بدل دے گا (سراج) اور ان باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہیں حوریں وغیرہ جو حیض و نفاس اور میل کچیل وغیرہ ہر قسم سے پاک وصاف اور بداخلاقی سے مبرا ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ زندہ رہیں گی نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالی جائیں گے اور نہ جنت کی چیزیں فنا ہوں گی اور نہ ان کی جوانی زائل ہوگی اور نہ انہیں کوئی خوف و اندیشہ ہوگا ،چین و آرام سے رہیں گے، چونکہ آدمی کو دنیا میں تین چیزوں سے زیادہ رغبت اور ضرورت ہوتی ہے اول اچھا مکان، دوسرا اچھا سامان اچھا کھانا پینا، تیسری خوبصورت عورت، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت میں اول کو لَهُمۡ جَنّٰتٌ سے اور دوسرے کو كُلَّمَا رُزِقُوۡا سے اور تیسرے کو وَلَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ سے بیان کر دیا اور ان چیزوں کے دائمی نہ ہونے کا جو کھٹکا تھا اسے هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ سے دور کر دیا۔ اور جنتیں بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات ہیں: جنت الفردوس، جنت عدن، جنت النعیم، جنت الماوی، دار الخلد، دار السلام اور علیون۔ اور ان سب میں مختلف درجات ہیں موافق اعمال کے۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ

کافر وہ کہتے ہیں اس کہاوت میں خدا کا کیا مقصود ہے، اللہ بہتیروں کو اس سے

بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں ف۱۸

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ

وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد اور کاٹتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

اس چیز کو جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں (الف) وہی

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ

نقصان میں ہیں۔ ف۱۹ بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہوگے حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں جلایا

(۱۸) ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو دو مثالیں منافقوں کی بیان فرمائی تھیں اور پھر اثبات نبوت کے لیے جو معارضہ کیا تھا کہ اگر قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے ہو تو اس کے مثل کوئی سورت بنالاؤ مگر وہ اس کے مثل بنا کر لانے سے عاجز رہے اور ان کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی تو کہنے لگے کہ کیا یہ خدا کا کلام ہے جس میں چھوٹی چھوٹی حقیر مثالیں ہیں، وہ کیا خدا ہے جس کو ایسی مثالیں دیتے ہوئے شرم نہیں آتی، پس یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ سمجھانے کے لیے کسی حقیر مثال دینے سے شرم نہیں کرتا ہے خواہ وہ مچھر ہو یا اس سے کوئی بڑی چیز کی جیسے مکھی مکڑی وغیرہ جن کی مثالیں دوسری آیت میں دی گئی ہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ ضرب المثل حق ہے، ان کے رب کی جانب سے ہے، اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال میں اللہ کا کیا مقصود ہے، کیا فائدہ ہے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا کہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت کرتا ہے یعنی بہت سے اسے جھوٹ سمجھ کر گمراہ ہوتے ہیں، اور بہت سے سچ مان کر ہدایت پاتے ہیں اور نہیں گمراہ کرتا اللہ تعالیٰ اس سے مگر نافرمانوں حد ایمان سے نکل جانے والوں کو کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [المنافقون:۱] حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ الخ [البقرة:۲۶] سے مومن ومنافق مراد ہیں کہ قرآن کی مثالوں کی تصدیق سے مومنین کا نور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور ان کی تکذیب سے منافقوں کی گمراہی بڑھتی ہے۔ اور فاسق شرعاً وہ ہے جو خدا ورسول کے احکام کی خلاف ورزی کرے، اس کے تین درجے ہیں: اول یہ کہ گناہ کو برا سمجھے مگر خواہش نفسانی سے اس کا مرتکب ہوتا ہے، اور دوسرا یہ کہ گناہ کرنے کی عادت ڈال لے اور کچھ پروانہ کرے تیسرا یہ کہ گناہ کو اچھا جان کر کرے اور خدا ورسول کے حکم کی کچھ حقیقت نہ سمجھے اسے جحود کہتے ہیں، اس درجہ میں آدمی کافر ہو جاتا ہے کہ تصدیق قلبی اس میں باقی نہیں رہتی اور پہلے دونوں درجوں میں آدمی مومن رہتا ہے کہ تصدیق قلبی اس میں باقی رہتی ہے، مسئلہ: کسی امر کو واضح کرنے اور کسی بات کو سمجھانے کے لئے اس کے مناسب مثال دینا جائز ہے، اس میں حیا نہ کرنا چاہیے۔

(۱۹) یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے اور اس میں فاسقون کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ وہ ہیں جو اللہ کے عہد کو پکا ہونے کے بعد توڑ دیتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس سے پھر جاتے ہیں اور اسے پورا نہیں کرتے ہیں، اور جس چیز کا اللہ نے انہیں حکم فرمایا

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي

پھر تمھیں مارے گا پھر تمھیں جلائے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے ف۲۰ وہی ہے

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ

جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا

فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ وَإِذْ قَالَ

تو ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ سب کچھ جانتا ہے ف۲۱ اور یاد کرو جب

تھا اسے کاٹتے ہیں، یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں۔ یا یہ کہ ہر اس چیز کو کاٹتے ہیں جس کے جوڑنے اور کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جیسے قطع رحمی کرنا مسلمانوں کی موالات سے اعراض کرنا،، انبیا علیہم السلام سے تفریق کرنا اور ان کتابوں کی تصدیق نہ کرنا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یعنی گناہ کرتے ہیں اور گناہوں کے کرنے کی ترغیب دیتے اور ایمان لانے سے روکتے ہیں اور حق کی ہنسی اڑاتے ہیں، یہ لوگ ٹوٹے میں ہیں، آیت میں عہد سے مراد یا تو وہ عہد ہے جو روز میثاق میں اللہ تعالیٰ نے تمام ذریت آدم علیہ السلام سے اپنی ربوبیت کا لیا تھا جس کی طرف یہ آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ [الاعراف:۷:۱۷۲] میں ارشاد فرمایا گیا ہے، یا وہ عہد مراد ہے جو اگلی امتوں سے حضور پر نور پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس عہد سے وہ عہد مراد لیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ میرے انبیا پر ایمان لانا، شرک نہ کرنا، وغیرہ وغیرہ، اس تقدیر پر اس آیت کے مخاطب یہود ونصاریٰ ہوں گے۔

(۲۰) جب گذشتہ آیت سے قرآن عظیم کا اعجاز اور اللہ کی جانب سے اس کا نزول ہونا ثابت ہو گیا اور اعتراض کرنے والوں کا جواب بھی دے دیا گیا تو اب یہاں، سے بنی اسرائیل تک اپنی نعمتوں کا اظہار فرماتا ہے جو سب کے لیے عام ہے اور ان کے ضمن میں مبدا اور معاد کے متعلق بیان کرتا ہے کہ بتاؤ اہل مکہ تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے مردہ تھے، بے حس وحرکت تھے، معدوم تھے، پس اس نے تمہیں زندہ کیا تو وہ تمہارا خالق ہے، پھر تمہیں وہ مارے گا پھر زندہ کرے گا، پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو ایسی حالت میں تمہیں کفر کرنا اور گناہوں میں مبتلا ہونا مقتضائے عقل نہیں، اور جس نے تم پر یہ انعام رکھا اور احسان کیا ہو اس سے پھر جانا اس کی نافرمانی کرنا، اس کے رسول سے دشمنی کرنا اس کی کتاب سے انکار کرنا ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے مردہ خاک تھے پھر خدا نے زندہ کیا پھر دوبارہ مقررہ وقت پر موت آئے گی پھر قیامت کے دن زندہ کیے جاؤ گے، یہ دو موتیں یہ دونوں زندگیاں آیت میں مراد ہیں، یہی حضرت عبداللہ ابن مسعود وغیرہ ایک جماعت صحابہ وتابعین سے منقول ہے، یا پہلی موت سے نطفہ ومضغہ مراد ہے اور پہلی زندگی سے اس میں روح ڈالنا مراد ہے جیسا کہ بیضاوی وغیرہ نے کہا ہے۔

(۲۱) گذشتہ آیات میں انسان کو پیدا کرنے اور مارنے اور جلانے کا ذکر فرمایا گیا تھا، اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان کو خدا نے بے سروسامان پیدا کیا ہے، اس آیت میں اس خیال کو دور کرنے اور دوسری نعمت کو ظاہر کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ وہ وہ ذات ہے جس نے تمہاری دنیا میں نفع اٹھانے کے لیے بہت کچھ زمین میں بنایا پھر آسمان کے بنانے کا قصد کیا پس سات آسمان ہموار بنائے، سب کچھ جانتا ہے ہر چیز بنانے پر قادر ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین آسمان سے پہلے بنائی گئی جیسا کہ جمہور صحابہ وتابعین وحضرت عبداللہ ابن عباس ومجاہد اور حسن بصری وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین سے پہلے بنائے

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا

تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں بولے

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ

کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور ہم

نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں، فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے ف ۲۲

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ ۙ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے پھر سب اشیا ملائکہ پر پیش کر کے

گئے ہیں اور آیت ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾[النازعات:۳۰] کو اس استدلال میں لاتے ہیں، اختلاف کو دور کرنے کے لیے بعض مفسرین نے کہا کہ جرم زمین کو آسمان کے جرم سے پہلے پیدا کیا گیا، اور اس کی درستی و ہمواری بعد کو پیدا کی گئی فلا اشکال اور ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ﴾[البقرۃ:۲۹] سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اشیا میں حلت واباحت ہے جب تک کوئی ممانعت شرعیہ کسی چیز کی نسبت معلوم نہ ہو، یہ جمہور علما کا قول ہے (حقانی)

(۲۲) اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین بنانے کے بعد آسمانوں پر فرشتوں اور زمین پر جنوں کو بسایا جنہوں نے زمین پر فساد پھیلایا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیج کر انہیں دریاؤں پہاڑوں جنگلوں میں نکلوا دیا اور اسی گروہ ملائکہ کو ان کی بجائے زمین پر رکھا جن کا سردار شیطان تھا، وہ کبھی زمین پر کبھی آسمان پر خدا کی عبادت کرتا، اسے اس کا غرور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اور اس کے گروہ سے فرمایا: ﴿اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾[البقرۃ:۳۰] (قول مجاہد وسراج) جس کا ذکر آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارے رب نے فرستوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں کہ میرے احکام اس میں جاری کرے تو فرشتوں نے کہا کیا تو ایسے کو زمین میں اپنا نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اس میں گناہ کرے اور خون بہائے جیسا کہ جنوں نے کیا حالانکہ ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح اور تیری پاکی بولتے ہیں پس ہم اس سے زیادہ تیری خلافت کے حق دار ہیں، تو اللہ نے فرمایا آدم کو خلیفہ بنانے میں جو مصلحتیں ہیں وہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو، کہ اولاد میں فرماں بردار اور نافرمان ہوں گے تو ان میں میرا عدل ظاہر ہوگا، تو انہوں نے کہا کہ ہم سے زیادہ بزرگ اور علم والا اللہ نے پیدا نہیں فرمایا۔ آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم ہیں اور ان کو قبل پیدائش خلیفہ کہنے اور ان کی پیدائش کی ملائکہ کو خبر دینے میں ان کا فضل وشرف ظاہر کرنا ہے، وہ زمین میں اللہ کے احکام جاری کرتے اور بندوں کی اصلاح کرنے کے لیے اس کے خلیفہ ہیں، یونہی ہر نبی اللہ کا خلیفہ ہے اور ملائکہ کا یہ کہنا ﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا﴾ الخ [البقرۃ:۳۰] بطور اعتراض یا طعن بر آدم نہ تھا بلکہ علی سبیل العجز ان کی خلافت کا فائدہ معلوم کر کے اپنی تشفی کرنے کے لیے تھا جیسا کہ شاگرد کے دل میں جب کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے وہ اسے استاد کے سامنے پیش کر کے اپنی تشفی کرنا چاہتا ہے اور یہ بے ادبی نہیں سمجھی جاتی، اور جو کچھ بھی انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے ان کے قلب میں القا کرنے یا لوح محفوظ دیکھنے سے کہا (عزیزی)

فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۳۱ قَالُوۡا

فرمایا: مجھے بتاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو ف۲۳ بولے:

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ

پاکی ہے تجھے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی علم و

الۡحَكِيۡمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ

حکمت والا ہے ف۲۴ فرمایا: اے آدم! بتا دے انھیں سب اشیا کے نام۔ جب آدم نے انھیں سب کے

بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ

نام بتا دیے فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی

وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۝۳۳ وَاِذۡ قُلۡنَا

چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ف۲۵ اور یاد کرو جب ہم نے

(۲۳) پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنانے کا ملائکہ میں اعلان کرنے کے بعد ان کا پتلا اس طرح بنایا کہ ایک فرشتہ کو زمین سے ہر جگہ سے تھوڑی مٹی لانے اور اسے ہر قسم کے پانی میں گوندھنے اور اس سے ایک پتلا بنانے کا حکم دیا، پس فرشتہ نے مکہ و طائف کے درمیان بمقام نعمان اسی طرح ایک پتلا بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اس کے تمام اعضا بنائے اور ایک عرصہ تک اس پتلے کو اسی حالت میں رکھا، فرشتے اسے دیکھ کر تعجب کرتے تھے کہ اس میں خدا کی کیا حکمت ہے اور ابلیس اسے حقارت سے دیکھتا تھا مگر جب اس نے قلب کو دیکھا تو حیران ہوا کہ اس میں ضرور کوئی راز الٰہی ہے، پھر اللہ نے اس پتلے میں روح ڈالی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور انہوں نے بالہام ربانی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہا، خدا کی طرف سے یرحمك الله جواب عطا ہوا، یہ جُمُعَہ کے آخری ساعت تھی، پھر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر السلام علیکم کہو تو انہوں نے ایسا ہی کیا تو فرشتوں نے اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہا، پس یہی تحیت ان کے اور ان کی اولاد کے لیے مقرر ہوئی (حقانی) پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ساکت و عاجز کرنے کے لیے آدم علیہ السلام کے قلب میں تمام چیزوں کے نام القا فرمائے جس کو اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام سکھائے پھر سب فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ ہم مستحق خلافت ہیں ہم سے زیادہ بزرگ و علم والا خدا نے پیدا نہیں کیا ہے تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

(۲۴) جب ملائکہ ان چیزوں کے نام بتانے سے عاجز ہوئے جو ان پر پیش کی گئی تھیں تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کی: تجھے پاکی ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جس قدر تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے تجھ سے کوئی چیز چھپی نہیں اور نہ کوئی تیری بات حکمت سے خالی ہے۔

(۲۵) جب ملائکہ نے اپنے عجز کا اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: اے آدم ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دو، پس آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیے اور ان کے پیدا کرنے کی حکمت و مصلحت بھی بتا دی تو اللہ تعالیٰ نے بطور سرزنش فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سبھی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو،

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى

فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے منکر ہوا

وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اور غرور کیا اور کافر ہو گیا ف۲۶ اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تو

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا

اور تیری بی بی اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر

آیت میں ماتبدون سے ان کا قول اتجعل فیہامراد ہے اور ماتکتمون سے ان کا یہ کہنا مراد ہے کہ اللہ نے ہم سے بڑھ کر بزرگ وعلم والا پیدا نہیں کیا اور ہم مستحق خلافت ہیں قاله قتادة و حسن البصری رضی الله تعالیٰ عنهما، تنبیہ: ان آیات سے معلوم ہورہا ہے کہ علم افضل الاعمال ہے اور انسان اشرف المخلوقات اور انبیا علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں جیسا کہ مذہب اہل سنت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنے سے پہلے سب چیزوں کا علم تھا، اور خلادت ونبوت کے لیے علم اشیا شرط ہے (سراج وبیضاوی)

(۲۶) جب آدم علیہ السلام کی عظمت وفضیلت ملائکہ پر ظاہر ہوگئی اور بارگاہ رب العزت سے انہیں خلعت نیابت عطا ہوا تو ملائکہ کو انہیں سجدہ تعظیمی کرنے کا حکم دیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں فرماتا ہے کہ اے نبی! یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ تعظیمی کرو تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے جو ملائکہ میں ملا ہوا تھا سجدہ کرنے سے انکار کیا اور غرور کیا اور کہا: میں ان سے اچھا ہوں اور کافر ہوگیا۔ اس آیت سے ظاہر ہوگیا کہ حسد اور غرور خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ بڑا گناہ ہے، آدمی کو اس سے بچنا لازم ہے اور خدا کی نافرمانی سے آدمی راندۂ درگاہ ہوجاتا ہے، آدمی کو اپنے علم وفضل اور عبادت وریاضت پر ناز اور گھمنڈ نہ کرنا چاہیے کہ انجام اس کا معلوم نہیں، شیطان کی ہزاروں برس کی عبادت گزاری ذرا سی دیر میں برباد ہوگئی کچھ کام نہ آئی پس فرشتوں نے بموجب الٰہی آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، یہ سجدہ بقول ابن عباس وابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تعظیمی تھا نہ سجدۂ عبادت جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں کیا تھا اور یہ سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا مگر ہماری شریعت میں منسوخ کردیا گیا اور اس کی ممانعت کی گئی جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب بعض صحابہ نے حضور کو سجدہ کرنا چاہا تو فرمایا کہ مخلوق کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، اگر جائز ہوتا تو میں زوجہ کو خاوند کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا (احمد وترمذی) یہی قول صحیح ہے اگرچہ بعض نے یہ کہا ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو قبلہ سمجھ کر خدا کو سجدہ کیا تھا۔ نکتہ: آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ اس لیے بنایا گیا تھا کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی ودیعت رکھا گیا اور اس کے وہ حامل تھے جس کی طرف آیت ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ﴾ الخ [الاحزاب:۷۲] مشیر ہے كذا فی المعارج. شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج میں لکھتے ہیں کہ وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ فرما ہوا تو انہیں تمام فرشتوں سے تعظیماً سجدہ کرایا گیا، گویا ظاہر میں مسجود آدم علیہ السلام تھے اور حقیقت میں وہ نور محمدی تھا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مسجود قدسیوں کے سجدہ میں تھے تمہیں تو ہو ☆ دونوں جہاں کے قبلہ وکعبہ تمہیں تو ہو۔ تفسیر نسفی میں ہے کہ وہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں ودیعت رکھا گیا تو تمام ملاء اعلیٰ میں ان کی تعظیم وتکریم ہونے لگی، جدھر جاتے پرے کے پرے ملائکہ کے ان کے پیچھے جاتے، ایک روز اللہ تعالیٰ سے اس کا سبب پوچھا، خطاب ہوا اے آدم جو نور تیری پیشانی میں جلوہ گر ہے وہی تعظیم وتوقیر کا سبب ہے، عرض کی: الٰہی اسے میرے کسی عضو میں منتقل فرما کہ میں اسے دیکھوں پس وہ ان کے سیدھے ہاتھ کے کلمہ کی انگلی میں منتقل کیا گیا جب انہوں نے اسے دیکھا تو کلمہ شہادت پڑھا اور قره عینی بك یا محمد کہہ کر سلام کیا اور انگلی کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ
اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے ف ۲۷ تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش

عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا

عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ
دشمن اور تمھیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے ف ۲۸ پھر سیکھ لیے آدم نے

(۲۷) ترجمہ: اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی (حوا) اس جنت میں رہو کھاؤ اس جنت سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔

توضیح: یہ پچھلی آیت کا تتمہ ہے، یعنی آدم علیہ السلام کو خلعت نیابت ملنے اور مسجود ملائکہ بننے کے بعد ہم نے ان سے فرمایا اے آدم تو اور تیری زوجہ (حوا) جو ان کی تسلی کے لیے ان کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی تھی، رہو اور کھاؤ اور کھاؤ اس جنت میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا یعنی اس کو نہ کھانا کہ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعنی نافرمان ٹھہرو گے۔

تنبیہ: جس درخت کے پاس جانے اور اسے کھانے کی ممانعت کی گئی تھی وہ درخت مشہور ہے کہ گیہوں کا تھا، مگر سدی وسعید ابن جبر کہتے ہیں کہ وہ انگور کا تھا، اور مجاہد وقتادہ کے نزدیک وہ انجیر کا تھا، اور بعض نے کھجور کا کہا ہے واللہ تعالیٰ اعلم، اور وَلَا تَقْرَبَا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے پاس بھی جانا نہیں چاہیے اس خوف سے کہ کہیں اس کے مرتکب نہ ہو جاؤ، آیت میں اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ظلم کی نسبت آدم علیہ السلام کی طرف کی ہے مگر ہمیں ان پر ظلم کا اطلاق کرنا، انہیں ظالم کہنا گناہ، اور عمداً کہنا کفر ہے، اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے وہ جس لفظ سے چاہے یاد کرے ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ان کی شان میں کوئی کلمہ بے ادبی کا زبان سے نکالیں اور کلام الٰہی کی ریس کریں، اسے نظیر بنا کر انبیا علیہم السلام کی توہین کریں، ہمیں انبیا علیہم السلام کی تعظیم وتوقیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ان کی شان میں بے ادبی کرنے کا۔

(۲۸) تو شیطان نے جنت سے انہیں (آدم وحوا) کو لغزش دی اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے ان سے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن ہوگا اور تمہیں ایک وقت تک زمین پر ٹھہرنا اور برتنا ہے۔

توضیح: یعنی جب آدم وحوا جنت میں رہنے لگے تو شیطان نے انہیں لغزش دی یعنی ورغلایا اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میں تمہیں ایسا درخت بتاؤں جس کے کھانے سے تم ہمیشہ زندہ رہو، سورہ اعراف میں اس کا پورا بیان ہے اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا گیا یعنی جنت سے، اور ہم نے ان سے فرمایا کہ نیچے اترو یعنی جنت سے زمین پر جاؤ مع اپنی اولاد کے جو تمہارے صلب میں ہیں آپس میں ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا یعنی تمہاری ذریت میں سے ایک کا دوسرا دشمن ہوگا اور تمہیں ایک وقت تک زمین پر ٹھہرنا ہے اور اس کی چیزیں برتنا یعنی وقت موت یا قیامت تک۔ یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں: اول یہ کہ وہ کون سی جنت تھی جس میں آدم کو رہنے اور پھر نکلنے کا حکم دیا، جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ وہ بہشت ہے جو آسمان پر ہے اور وہ بنی آدم کی پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکی تھی، کیوں کہ آیت میں ﴿اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ [الاعراف: ۲۴] اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ہبوط کے معنی اوپر سے نیچے اترنا ہیں، اور زمین پر رہنے بسنے کو نہ فرمایا جاتا جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے کہ وہ ابھی پیدا ہی نہیں کی گئی ہے۔ دوسرا

مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا

اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ ہم نے فرمایا

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ

تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو

تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم اور وہ جو

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

کفر کریں اور میری آیتیں جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا۔ ف۲۹

یہ کہ آدم وحوا کو زمین پر جانے کا حکم ہوا تو آدم علیہ السلام سراندیپ میں اتارے گئے جہاں اب تک ان کے آثار و برکات پائے جاتے ہیں، اور حوا جدہ میں اتاری گئیں اور عرفات میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی، اکثر مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ (حقانی) تیسرا یہ کہ شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا اور کس طرح آدم وحوا کو ورغلایا، اس میں بعض کا قول یہ ہے کہ اس نے جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اور انہیں بلا کر ورغلایا، اور بعض نے کہا ہے کہ بشکل چوپایہ بن کر جنت میں داخل ہوا اور جنت کے محافظوں نے اسے نہیں پہچانا، بعض نے کہا کہ سانپ سے جو خازن جنت تھا شیطان کا دوستانہ تھا وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو کر جنت میں گیا والعلم عند اللہ (سراج و بیضاوی) چوتھا یہ کہ آدم علیہ السلام سے جو خطا سرزد ہوئی وہ بھول تھی یا خطائے اجتہادی تھی ارادی نہ تھی کہ انہوں نے ولا تقربا سے جو صیغہ نہی ہے نہی تنزیہی سمجھی جس کا کرنا خلاف اولیٰ ہو نہ نہی تحریمی جس کا کرنا گناہ ہوتا ہے، اور خطائے اجتہادی گناہ نہیں، بھول کر خطا کرنے میں مواخذہ نہیں کہ انبیا علیہم السلام معصوم ہیں ان سے خطائے ارادی سرزد ہونا ناممکن، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۵﴾ اور عتاب اس لیے فرمایا گیا کہ آدم علیہ السلام نے اسباب نسیان کو نگاہ نہ رکھا اور خاصان خدا کی ذراسی فروگذاشت اور ادنیٰ سی لغزش باعث عتاب الٰہی ہوتی ہے، جس کی نظیر سورۂ عبس میں ہے۔ ع: جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

توضیح (۲۹) یعنی پھر سیکھ لیے آدم نے کچھ کلمے جو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائے اور وہ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ [الاعراف: ۲۳] تھے، وہ انہیں پڑھتے اور رو رو کر اپنے رب سے دعا کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بیشک وہی بندوں کی بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے مہربان، ہم نے فرمایا تم جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے یعنی کتاب و رسول آئے تو جو کوئی تم میں ہدایت کا پیرا ہو یعنی اس پر عمل کیا ایمان لایا اور میری طاعت کی اسے نہ کوئی دنیوی اندیشہ ہے نہ آخرت کا کچھ غم ہے وہ بے غم جنت میں داخل ہوگا، اور جو کفر کریں گے اور میری آیتوں یعنی کتابوں کو جھٹلائیں گے ان پر ایمان نہ لائیں گے وہ دوزخ میں رہنے والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے نہ وہ مریں گے اور نہ اس سے نکالے جائیں گے۔

تنبیہ: حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد تین سو سال تک ندامت کی وجہ سے آسمان کی طرف نہیں دیکھا، اور اپنی خطا پر روتے رہے اور اس قدر روئے کہ ان کے آنسوں تمام اہل زمین کے آنسوؤں کے مجموعہ سے بڑھ گئے اور خدا سے مغفرت کی دعا کرتے رہے، ایسی حالت میں یاد آیا کہ میں نے پیدا ہو کر عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا اور جانتا تھا کہ بارگاہ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کا نہیں ہے جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے کہ اللہ نے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام عرش پر لکھا ہے، پس آپ نے اپنی

يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَوْفُوْا
اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا

بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ
عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے اتارا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ
اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے اور سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کے بدلے

ثَمَنًا قَلِیْلًا ۫ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
تھوڑے دام نہ لو اور مجھی سے ڈرو۔ ف۳۰ اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ

دعا میں یہ اضافہ فرمایا اسئلك بحق محمد ان تغفرلی خطیئتی الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو صدقہ اور طفیل میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میری خطا کو معاف کر دینا، بس اللہ تعالیٰ نے عاشورہ کے دن ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی خطا بخش دی، جبرائیل نے آ کر زمین کے سب جانوروں میں ان کی خلافت کا اعلان کیا اور ان کی فرماں برداری کا حکم دیا سب نے منظور کیا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیا علیہم السلام کے وسیلہ سے دعا کرنا اور بحق فلاں یا بجاہ فلاں کہنا جائز ہے اور سنت آدم علیہا السلام ہے، اگر چہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہے مگر وہ اپنے محبوبوں کو اپنے فضل وکرم سے حق دیتا ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا قبول کرتا ہے (عزیزی بروایت طبرانی)

(۳۰) جب اللہ تعالیٰ توحید ونبوت اور مبدا ومعاد کو بیان کر چکا تو اس کی تائید میں عام نعمتوں کا ذکر فرما کر اور بنی اسرائیل کو مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور فرماتا ہے اے یعقوب کی اولاد! یاد کرو تم میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کیے تھے یعنی تمہارے باپ دادا پر جیسے فرعون کے ظلم سے بچانا اور اسے غرق کرنا اور تمہارے لیے دریا میں راستہ پیدا کرنا، میدان تیہ میں تم پر بادل سے سایہ کرنا، من وسلویٰ اتارنا، اور میری اطاعت کر کے ان احسانات کا شکریہ ادا کرو اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا، یعنی تم نے جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو ایمان لاؤ میں تمہارے عہد کو جو میں نے تم سے اس پر ثواب دینا اور جنت میں داخل کرنے کا کیا تھا اسے پورا کروں گا اور اپنا عہد پورا نہ کرنے میں مجھی سے ڈرو نہ میرے غیر سے اور ایمان لاؤ اس قرآن پر جو میں نے اتارا ہے جو تصدیق کرتا ہے تورات کی جو تمہارے ساتھ ہے اور اہل کتاب میں تم سب سے پہلے منکر نہ بنو کہ تمہارے بعد والے تمہاری اتباع کریں اور ان کا گناہ تم پر ہو، اور میری آیتوں (نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بدلے جو تمہارے پاس ہے تھوڑے دام مت نہ لو اور مجھی سے ڈرو یعنی نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خوف سے نہ چھپاؤ اور نہ متغیر کرو کہ ان کے ظاہر کرنے سے دنیا کا نفع جاتا رہے گا اور لوگوں سے پھر کچھ مال حاصل نہ ہوگا۔ اس آیت کا شان نزول علمائے یہود ہیں، سراج میں ہے کہ علمائے یہود نے عوام کے مال اور کھیتوں کی پیداوار میں سالانہ اپنا کچھ حصہ مقرر کر رکھا تھا، انہیں خوف ہوا کہ اگر ہم نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہر کریں گے تو ہمارا یہ نفع ہاتھ سے جاتا رہے گا پس انہوں نے حضور کی نعت جو تورات میں تھی بدل دی اور حضور کے نام کو چھپایا، اس آیت میں انہیں منع کیا گیا۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب ابن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے، اس کے معنی عبد اللہ یا صفوۃ اللہ کے ہیں، ان کے بارہ لڑکے تھے اس حساب سے بنی اسرائیل کے بارہ خاندان ہوئے، آیت میں ان سب سے خطاب کیا گیا اور عہد سے مراد وہی اقرار ازلی ہے جو ذریت آدم سے لیا گیا تھا اور اس کی تجدید انبیا کرتے رہے، اور بعض کے نزدیک وہ عہد مراد ہے جس کا بیان ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ﴾ [آل عمران:۸۱] میں ہے۔

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اور دیدہ و دانستہ حق نہ چھپاؤ۔ ف۴۱ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ف۴۲ کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ

حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمھیں عقل نہیں ف۴۳ اور صبر اور نماز سے

وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ لا الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

مدد چاہو اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں جنھیں یقین ہے کہ انھیں

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا

اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پھرنا ف۴۴ اے اولاد یعقوب! یاد کرو

تنبیہ: لاتشتروا کے مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن اس میں زجر وتوبیخ ہمارے لیے بھی ہے کہ ہم میں سے بعض علما اور قاضی ومفتی اس کے مرتکب ہوتے ہیں، اغراض دنیوی کے لیے وہ احکام وآیات الٰہی کو غیر محل میں چسپاں کرتے ان میں تاویل کرکے دنیاداروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں (عزیزی)

(۴۲) یعنی پانچوں وقت کی نماز پڑھو اور اپنے مالوں کے ہر سال زکوۃ نکال دو اور نماز یا رکوع نماز پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھو یعنی اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ، کہ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا اور وہ علاحدہ علاحدہ نماز پڑھتے تھے اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ان جیسی نماز پڑھیں، اس میں جماعت سے نماز پڑھنے کی ترغیب ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔

(۴۳) شان نزول: یہ آیت علمائے یہود کے لیے نازل ہوئی ہے کہ وہ دوسرے کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور خود نہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعض علمائے یہود ان یہودیوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہتے تھے کہ تم دین اسلام پر قائم رہو: طاعت محمدی کیے جاؤ یہی سچا مذہب ہے اور خود اسلام نہیں لاتے تھے، اللہ تعالیٰ اس سے منع کرتا اور فرماتا ہے کہ کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام پر قائم رہنے کو کہتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو، انہیں ایمان لانے اور اسلام میں داخل ہونے کا حکم نہیں کرتے ہو حالانکہ تم توریت پڑھتے ہو، اس میں خود عمل نہ کرنے اور دوسروں کو اس کی ہدایت کرنے کی وعید وسزا مذکور ہے، کیا تمہیں عقل نہیں ہے کہ یہ فعل تمہارا برا ہے۔

(۴۴) یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے، یعنی جب تم پر خواہشات نفسانی غلبہ کریں یا تمہیں کوئی رنج وغم گھیرے یا تم پر کوئی مصیبت پڑے تو اسے دفع کرنے اور خواہش نفسانی کو توڑنے کے لیے تم صبر کرو روزہ رکھو نماز پڑھو کہ روزہ خواہش نفس کو توڑتا ہے اور نماز خدا کی طرف متوجہ کرکے رنج وغم بھلاتی ہے اور روح کو تازہ کرتی ہے، امام احمد وابوداؤد کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کوئی رنج وغم لاحق ہوتا تھا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے (حقانی وجلالین) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا مرنے کے

نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا

میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی ف۳۵ اور ڈرو

یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا

اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوسکے گی اور نہ کافر کے لیے کوئی

شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ

سفارش مانی جائے اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو ف۳۶ اور یاد کرو جب ہم نے تم کو

قریب ہوا، ان کو خبر کی گئی تو وہ فوراً نماز میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ان کا بیٹا مر گیا، لوگ دفن کر آئے اور انہیں خبر نہ ہوئی، جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا اس لڑکے کی محبت مجھ پر غالب تھی میں صبر نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے حکم خدا کی طرف رجوع کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا، اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ صبر سے عاجز ہو جاؤ تو نماز سے استعانت کرو، اسی لیے اسے صبر سے موخر کیا گیا ہے (عزیزی) اگرچہ نماز منافقوں پر بیشک ضرور بھاری ہے مگر جو لوگ دل سے میری طرف جھکتے ہیں ان پر بھاری نہیں ہے، انہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے آخرت میں اور انہیں اس کی طرف پھرنا ہے قیامت کے دن، اس میں مومنوں کے لیے مژدہ ہے کہ انہیں آخرت میں دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

تنبیہ: آیت میں صبر کے حقیقی معنی مراد ہیں یعنی مصائب کو برداشت کرنا، عبادت کی مشقت کو جھیلنا، بعض نے صبر سے روزہ مراد لیا ہے کہ وہ صبر کا جز ہے (جلال سیوطی وغیرہ) بیہقی کی حدیث میں ہے: لا ایمان لمن لا صبر له، یعنی جس کے پاس صبر نہیں اس کے پاس ایمان نہیں، اور ایک حدیث میں صبر کو نصف ایمان فرمایا گیا ہے اور بقول مجاہد وابن جریر قرآن عظیم میں ظن کے معنی یقین کے ہیں جیسا کہ اس آیت کے ترجمہ میں لیے گئے ہیں اور جلال محلی وغیرہ نے اختیار کیے ہیں۔

(۳۵) چونکہ بنی اسرائیل کو اولادِ نبی اور اہل علم ہونے کا بہت زیادہ غرور ہو گیا تھا اور دوسروں سے تعصب کرنے لگے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہیں دوبارہ اپنی نعمتیں یاد دلا کر غرور و تعصب سے باز رہنے اور اپنی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ اے اولاد یعقوب! یاد کرو تم میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور تمہارے باپ دادا کو اس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی، یعنی میرے احسانات و فضیلت کو یاد کرو جو میں نے تمہارے باپ دادا کو دی تھی کہ ان میں انبیاء و بادشاہ کیے تھے اور انہیں عزت و وجاہت دی تھی، علم و ایمان دیا تھا پس اس کے شکریہ میں تم میری اطاعت و عبادت کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

تنبیہ: بنی اسرائیل میں چالیس ہزار نبی پیدا ہوئے اور ان پر توریت و زبور و انجیل وغیرہ صحیفے جن کی تعداد چار سو سے زیادہ ہوتی ہے اتارے۔

(۳۶) یعنی اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسری جان کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور وہ دن قیامت کا ہوگا اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش مانی جائے گی اور نہ کچھ فدیہ و معاوضہ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی اور نہ ان کی مدد ہوگی جس کے سبب وہ عذاب الٰہی سے بچیں اور دوزخ سے نجات پائیں۔

تنبیہ: یہ آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے، اہل کبائر اس سے مراد نہیں ہیں، اسی لیے ترجمہ میں کفار کا لفظ ظاہر کیا گیا دیگر آیات و احادیث اس کی تائید کرتی ہیں اور یہ آیت قول یہود کے رد میں نازل ہوئی ہے کہ وہ گمان کیا کرتے تھے کہ ان کے باپ دادا قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے (بیضاوی)

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر برا عذاب کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ

اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی یا بڑا انعام ہوا ف۳۷ اور جب

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے

تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

ڈبو دیا ف۳۸ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے

(۳۷) یہ اور اس کے بعد کی آیت میں اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ کا بیان ہے یعنی یاد کرواے اولاد یعقوب جب کہ ہم نے تمہیں یعنی تمہارے آباواجداد کو فرعون والوں کے ظلم سے نجات بخشی کہ وہ تم پر بہت برا عذاب کرتے تھے، تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے، اور یہ وہ اس لیے کرتے تھے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک آگ نے بیت المقدس سے آکر مصر کو گھیر لیا اور تمام قبطیوں کو جلا دیا اور بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، اس کی تعبیر کاہنوں سے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا وہ تجھے ہلاک کرے گا اور تیری سلطنت جانے کا سبب ہوگا (سراج) اور اس عذاب میں مبتلا کرنے اور اس سے بچانے میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی یا بڑا انعام تھا، بلا یعنی امتحان و آزمائش مصائب میں مبتلا کرنے سے بھی ہوتی ہے اور نعمتیں دینے سے بھی ہوتی ہے، آیت میں دونوں کی باتیں مذکور ہیں ان کی طرف ذلکم سے اشارہ کیا ہے لہٰذا ترجمہ میں دونوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔

تنبیہ: اس آیت میں اور بعد کی آیت میں بنی اسرائیل سے خطاب کیا جو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے تا کہ وہ ان احسانوں کو جو ان کے باپ دادا پر اللہ تعالیٰ نے کیے تھے معلوم کر کے ایمان لائیں سرکشی نہ کریں کہ منصف وحق شناس آدمی ممنونِ احسان ہوتا ہے۔ اس وقت کے فرعون کا نام ولید ابن مسعد تھا اور وہ قبطی تھا اور قبطی اسرائیلوں کو مثل شودر کے نیچی ذات سمجھتے تھے اور ان سے ہر قسم کا کام وخدمت لیتے تھے، جب یہ کشت وخون حد سے زیادہ تجاوز کر گیا اور ستر ہزار لڑکے قتل کر دیے گئے اور نوے ہزار حمل گرا دیے گئے تو قبطیوں کے سرداروں نے فرعون سے کہا: اگر اس طرح اولاد اسرائیل قتل کی جاتی رہی تو ہمیں کام اور خدمت کے لیے کوئی میسر نہ آئے گا اس پر فرعون نے ایک سال تک قتل کیے جانے اور ایک سال تک قتل نہ کیے جانے کا حکم دیا، حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہ ہوتے تھے (تلخیص سراج وغیرہ)

(۳۸) یعنی اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا اس میں راستہ بنا دیا کہ تم اس میں گذر گئے پس تمہیں فرعون کے ہاتھوں سے بچالیا اور فرعون مع اس کے لشکر اور کنبہ قبیلے والوں کے تمہارے سامنے دریا میں ڈبو دیا اور وہ دریائے قلزم تھا، جب بنی اسرائیل اس سے صحیح وسلامت گذر گئے اور فرعون نے دیکھا کہ اس کا پانی پھٹا ہوا ہے تو اس نے اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ دیکھو میری ہیبت سے دریا پھٹ گیا ہے تو اس میں چلو، پس وہ اس کے ساتھ اس میں داخل ہوئے جب بیچ دریا میں پہنچے تو خدا کے حکم سے دریا مل گیا اور وہ سب غرق ہو گئے (ملخصاً از سراج)

تنبیہ: فرعون دسویں محرم کو غرق ہوا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز شکریہ کا روزہ رکھا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ

تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی اور تم ظالم تھے ف۳۹ پھر اس کے بعد ہم نے تمھیں

بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

معافی دی کہ کہیں تم احسان مانو ف۴۰ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور حق و باطل میں تمیز کردینا

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ

کہ کہیں تم راہ پر آؤ۔ ف۴۱ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم نے

کے زمانہ کے یہودی بھی اس روز روزہ رکھا کرتے تھے تو حضور نے بھی اس روز روزہ رکھا تو عاشورہ کا روزہ سنت ہوا۔ اس کا بہت ثواب ہے، مسلم کی حدیث میں ہے کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھنا ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

(۳۹) ان آیات میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان فرماتا ہے جوان کو قلزم سے اترنے کے بعد پیش آئے تا کہ بنی اسرائیل ان کو معلوم کر کے خدا کے شکر گزار اور فرماں بردار ہوں، پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم سے پار ہو کر کوہ طور کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ تم تیس دن تک ترک دنیا کر کے ہماری عبادت کرو تا کہ تم میں قلبی و جسمانی کثافت ختم ہو کر روحانی طاقت بڑھ جائے اور خدا سے ہم کلامی کی صلاحیت پیدا ہو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے جنگل میں عبادت و ریاضت کے لیے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد بنی اسرائیل کو سامری نے جو ایک منافق شعبدہ باز آدمی تھا اس نے لوگوں کو ورغلایا اور جو زیورات قبطیوں سے مانگ کر لائے تھے اسے لے کر انہیں ڈھال کر ایک خوبصورت بچھڑا بنایا اور اس کے پیٹ میں وہ خاک جو اس نے دریائے قلزم کو عبور کرتے وقت حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے قدموں کے نیچے سے اٹھائی تھی ڈالی جس کی خاصیت سے بچھڑا بول اٹھا تو اس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا رب ہے اسے پوجو، چونکہ بنی اسرائیل کی طینت میں محسوس چیزیں پوجنے کا مادہ تھا انہوں نے اسے پوجنا شروع کر دیا، حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے، ادھر موسیٰ علیہ السلام پر بجائے تیس کے چالیس یوم کر دیے گئے، انہیں حالات کو آیت مذکورہ میں ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا کہ جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس رات کا وعدہ فرمایا کہ ہم تمہیں چالیس روز گزرنے کے بعد تورات دیں گے تا کہ اپنی قوم کو سکھاؤ، پھر تم نے موسیٰ کے پیچھے یعنی ان کے چلہ کشی کے لیے جانے کے بعد بچھڑے کی پوجا شروع کر دی جس نے سامری کو تمہارے لیے بنایا تھا اور تم اس کو بنانے اور پوجا کرنے میں ظالم تھے کہ تم نے بے محل عبادت کی اور جو پوجنے کے لائق نہ تھا اسے پوجا۔

تنبیہ: اس بچھڑے کی پوجا سوائے حضرت ہارون کے تمام بنی اسرائیل نے کی تھی قالہ الحسن اور کہا گیا ہے کہ ہارون کے ساتھ بارہ ہزار نے عبادت نہیں کی تھی باقی سب نے کی تھی، بغوی نے اسی کو صحیح بتایا ہے (سراج) مشائخ کرام میں چلہ کشی اس آیت کی بنا پر کی جاتی ہے۔

(۴۰) یعنی پھر بچھڑا بنانے اور اُسے پوجنے کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی، تمہارا گناہ بخشا تا کہ تم احسان مانو اور ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔

(۴۱) یعنی اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات عطا کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی اور حلال و حرام میں فرق کرنے والی چیز مرحمت فرمائی تا کہ تم راہ پر آؤ گمراہی سے بچو۔ تنبیہ: فرقان کے معنی فرق کرنے والی چیز کے ہیں اس سے بھی توریت مراد ہے اور

ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

یہ بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ

تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی بے شک

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ف۴۲ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک

نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا

پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔ ف۴۳ اور ہم نے

یہ توریت کا وصف ہے کہ وہ حق کو باطل سے جدا کرتی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے حجت و معجزات مراد ہیں جو حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، کفر کو ایمان سے جدا کرتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے شرع مراد ہے جو حلال و حرام میں فرق کرتی ہے (بیضاوی)۔

(۴۲) یعنی اور یاد کرواے بنی اسرائیل جب موسیٰ نے طور سے واپس آکر یہ حال دیکھا تو اپنی قوم سے جنہوں نے بچھڑے کو پوجا تھا کہ اے میری قوم تم نے بچھڑا پوج کر اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو قوم نے کہا: اب ہم کیا کریں فرمایا: پس اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ یعنی اس بچھڑے کی پوجا سے توبہ کرو، بولے کیسے توبہ کریں؟ فرمایا: اسی طرح سے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، یعنی بچھڑے کو بنانے والے اس کے پوجنے والوں کو قتل کریں، یہ قتل تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے کہ شرک کے گناہ کو دھودے گا، پس وہ ایک میدان میں جمع ہو کر بیٹھ گئے اور ان پر کالا بادل آیا جس کی تاریکی میں انہیں اپنا پرایا نظر نہ آیا کہ رحم کرتے اور شام تک قتل کرتے رہے یہاں تک کہ ستر ہزار آدمی قتل کر ڈالے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کی یہ شرط مقرر کی تھی کہ اگر باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو ملے تو اسے قتل کردے، بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل کی تو اللہ تعالیٰ نے قاتل مقتول دونوں کو بخش دیا۔ انہی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب قتل کا حکم ہوا تو پوجا کرنے والوں نے اسے قبول کیا اور نہ پوجنے والوں نے انہیں قتل کرنا شروع کردیا، اس وقت اندھیرا چھا گیا یہاں تک کہ وہ اندھیرا حضرت موسیٰ کی دُعا سے دور ہوا اور قتل کا حکم معاف ہوا (ابن جریر) مجاہد کی روایت میں مقتولین کی تعداد ستر ہزار ظاہر کی گئی ہے یہی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے منقول ہے، زہری کہتے ہیں کہ اندھیرا دور ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مقتولین کی لاشیں دیکھ کر غمگین ہوئے تو وحی آئی اے موسیٰ! کیوں غم کرتے ہو جو قتل ہوئے وہ میرے پاس زندہ ہیں رزق پاتے ہیں اور باقی رہے یہود کی توبہ قبول کی، یہ خوشخبری سن کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا غم دور ہوا۔

۴۳ ۔ جب بچھڑا پوجنے کی سزا میں بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معذرت کے لیے ستر آدمیوں کو لے کر طور پر گئے، انہوں نے وہاں جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم اپنے رب سے کلام کرو ہم سن کر ایمان لائیں گے، پس

عَلَیۡکُمُ الۡغَمَامَ وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی ؕ کُلُوۡا مِنۡ

ابر کو تمہارا سائبان کیا اور تم پر من اور سلوٰی اتارا کھاؤ ہماری

طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمُوۡنَا وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

دی ہوئی ستھری چیزیں اور انھوں نے کچھ ہمارا نہ بگاڑا ہاں اپنی ہی جانوں کا بگاڑ کرتے تھے۔ ف ۱۴۱

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے پس ان کا چہرہ ایسا منور ہو گیا تھا کہ ان کو کوئی دیکھ نہ سکتا تھا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے صرف اللہ کی باتیں سنیں ہیں ہم جب تک خدا کو علانیہ نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے تب ان پر بجلی گری اور سب جل کر مر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کی الٰہی! میں ان کو گواہ بنانے کے لیے لایا تھا اب میں بنی اسرائیل کو جا کر کیا جواب دوں گا تب خدا نے انہیں دوبارہ زندہ فرمایا (معالم وغیرہ) اور سدی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعد قتل بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ تم ستر آدمی لے کر طور پر آؤ جب وہ لے کر گئے تو انہوں نے اس طرح کیا جیسا کہ مذکور ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا یہ ستر آدمی انہیں بچھڑا پوجنے والوں میں تھے (حقانی) یہی واقعہ آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اور یاد کرواے بنی اسرائیل جب کہ تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا پس تم سب مر گئے اور تم دیکھ رہے تھے جو کچھ تم پر گزرا، پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا یعنی پھر ہم نے تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا تا کہ تم احسان مانو اور ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ حضرت قتادہ وربیع بن انس کہتے ہیں کہ صاعقہ سے مراد موت ہے اور یہاں کی موت مقرر نہ تھی) بلکہ یہ موت بطور سزا کے تھی بعد کو وہ زندہ کر دیے گئے تا کہ وہ قدرت الٰہی دیکھیں اور بقیہ زندگی اپنی پوری کریں، اور بعض نے صاعقہ سے آسمانی آگ مراد لی ہے جس سے وہ جل کر مر گئے۔

تنبیہ: چونکہ اللہ کی شان میں انہوں نے گستاخی کی تھی کہ اسے دیکھنا چاہا تھا اس کی سزا انہیں یہ دی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھنا ناممکن ہے اور اس کی طلب حرام ہے اور آخرت میں مسلمانوں کو بلا کیف اس کا دیدار ہوگا، اور بعض خاصان خدا کو دنیا میں ہو سکتا ہے جیسے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو معراج کی شب ہوا، یہی مذہب اہلسنت ہے۔

۱۴۱۔ اللہ تعالیٰ نے سات نعمتیں یاد دلانے کے بعد آٹھویں نعمت کو اس آیت میں بیان کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل دریائے قلزم سے اتر کر عرب کے ایک جنگل میں جس کو تیہ کہا جاتا تھا آ کر ٹھہرے تو وہاں کوئی سایہ نہ تھا، گرمی کی بڑی شدت تھی اور کھانے کو کچھ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ابر کا ان پر سایہ کیا کہ دھوپ کی تپش سے بچیں اور کھانے کے لیے من وسلوٰی آسمان سے اتارا۔ من ترنجبین کی شکل کی کوئی چیز تھی جو رات کو آسمان سے برستی اور صبح کو اس کی روٹی بنا کر کھاتے اور سلوٰی بٹیروں کی شکل کے جانور ان کے خیموں کے آس پاس رات کو جمع ہو جاتے اور یہ انہیں پکڑ کے ان کا گوشت کھاتے تھے (حقانی) من وسلوٰی کی تعریف میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے والعلم عند اللہ، جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ تم پر ابر کا سایہ کیا، تم دھوپ کی تپش سے محفوظ رہے اور میدان تیہ میں تم پر من وسلوٰی اتارا اور تم سے کہا کہ کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری و پاکیزہ چیزیں اور ان کو صبح کے لیے جمع نہ کرنا مگر تم نے انہیں صبح کے لیے جمع کیا اور کفران نعمت کیا پس ان کا اترنا بند کر دیا گیا اور انہوں نے اس نافرمانی سے ہمارا کچھ نہ بگاڑا ہاں اپنی جانوں کا بگاڑ کرتے تھے کہ ان کی نافرمانی کا وبال انہیں پر ہوگا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ من وسلوٰی کے علاوہ بھی نعمتیں اللہ نے میدان تیہ میں ان پر اتاری تھیں جیسے رات کو ایک نورانی ستون اندھیرا دور کرنے کے لیے ان میں قائم کرنا جس کی روشنی میں وہ چلتے پھرتے کام کرتے تھے اور ان کے کپڑے میلے اور پرانے نہ ہونا اور ان کے بال وناخن نہ بڑھنا کہ حاجت ان کے مونڈنے کترنے کی پڑے اور بچوں کا مع کپڑے کے پیدا ہونا کہ جس قدر بچہ بڑھتا تھا وہ کپڑا بھی بڑھتا تھا (عزیزی)۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا

اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ

اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

نیکی والوں کو اور زیادہ دیں ف۴۵ تو ظالموں نے اور بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اس کے

لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

سوا تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلا ان کی

يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

بے حکمی کا۔ ف۴۶ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا

ع ۶ ۲

ف۴۵ - جب بنی اسرائیل مشقت سفر سے گھبرا گئے اور میدان تیہ میں پھرتے پھرتے پریشان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دریائے اردن کے کنارے پر پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور موسیٰ سے کہا کہ تم اس میں سے نہیں جانے پاؤ گے کہ تمہاری موت یہیں واقع ہو گی مگر بنی اسرائیل کو آگاہ کر دو کہ میں یہ ملک تمہیں دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر پری حور کو فتح کرو گے اور تمہیں وہاں طرح طرح کی نعمتیں کھانے کو ملیں گی لیکن جب تم دروازۂ شہر میں داخل ہو تو اس کی فتح پر نازاں نہ ہونا بلکہ عاجزانہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃٌ کہتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، پس جب حضرت یوشع کے زمانے میں انہوں نے یہ ملک فتح کیا تو بجائے سجدہ کرتے اور حطۃٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور حبة فی شعرة کہتے یعنی تمسخر کرتے ہوئے داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد طرح طرح کی بدکاریوں میں مبتلا ہوئے، بت پرستی کرنے لگے، تو اللہ نے اس کی سزا میں ان پر عذاب طاعون بھیجا جس سے ستر ہزار آدمی مر گئے، اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتا ہے۔

تنبیہ: بستی سے بقول مجاہد بیت المقدس مراد ہے اور بقول ابن عباس اریحا مراد ہے جس میں عمالقہ قوم عاد بستی تھی اور ان کا سردار عوج بن عنق تھا اس کے سات دروازے تھے اور اس میں اور بھی اقوال ہیں (سراج) حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہ کے نزدیک آیت میں سجدہ سے مراد رکوع ہے۔ فائدہ: اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو مقام متبرک جائے ورود نعمت و رحمت الٰہی ہوتے ہیں ان میں ایسی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان میں دعا اور توبہ و استغفار کرنا باعث جلد قبول ہونے اور نیک ثمرہ حاصل ہونے کا ہوتا ہے (عزیزی) اسی لیے بزرگان دین کا معمول رہا ہے کہ انبیا و اولیا کے مزارات و مقامات مقدسہ پر جا کر دعا و استغفار و اظہار طاعت کرتے ہیں، تا کہ جلد قبول ہو اور یہی عرس بزرگان سے مقصود ہے۔

ف۴۶ - یہ آیت مذکور کا تتمہ ہے، معمر کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ وہ شہر کے دروازے میں سجدہ کرتے حطة کہتے ہوئے داخل ہوں انہوں نے اسے بدلا اور چوتڑ کے بل حبة فی شعرة وفی روایة شعیرہ کہتے ہوئے داخل ہوئے (سراج) تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان پر عذاب طاعون اتارا ان کی بے حکمی اور نافرمانی کے بدلے میں

الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر گروہ نے اپنا

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي

گھاٹ پہچان لیا کھاؤ اور پیو خدا کا دیا اور

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ

زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو ف۴۷ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم سے تو ایک کھانے پر ہرگز صبر

وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

نہ ہوگا تو آپ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہمارے لیے نکالے، کچھ

بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ

ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز فرمایا کیا ادنیٰ چیز کو

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا

بہتر کے بدلے مانگتے ہو اچھا مصر یا کسی شہر میں اترو [وہاں] تمھیں ملے گا جو

سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

تم نے مانگا ف۴۸ اور ان پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری اور خدا کے غضب میں

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

لوٹے یہ بدلا تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیا کو

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱ اِنَّ الَّذِيْنَ

ناحق شہید کرتے یہ بدلا تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ ف۴۹ بے شک

پس ان میں سے ستر ہزار یا چوبیس ہزار آدمی ایک ساتھ مر گئے، مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: طاعون رجز ہے کہ پہلے لوگ اس کے ساتھ عذاب دیے گئے تھے (عزیزی)

۴۷ ۔ یہ نواں احسان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا تھا کہ جب وہ فیدیم کے میدان ریگستان میں پہنچے تو وہاں پانی نہ تھا، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی، آپ نے جناب باری میں عرض کی، حکم ہوا اس پتھر پر اپنا عصا مارو چنانچہ بحکم الٰہی انہوں نے اس پتھر پر اپنا عصا مارا، اس سے بارہ چشمے جاری ہوئے، اور بنی اسرائیل میں بارہ خاندانوں کے لیے جدا جدا چشمہ پیدا ہوگیا، یہ واقعہ کئی بار ہوا ہے ایک تو یہاں دوسرے ایلم میں تیسرے فارس میں، بہر حال موسیٰ علیہ السلام کا لکڑی مار کر پتھر سے پانی نکالنا اتنا تعجب خیز نہیں کہ پتھر سے

تو عموماً پانی نکلا ہی کرتا ہے اور چشمے بہا ہی کرتے ہیں نہایت تعجب خیز تو یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے کئی بار اس قدر پانی جاری ہوا کہ سیکڑوں آدمیوں نے اسے شکم سیر ہو کر پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا جیسا کہ بخاری وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے، غرض کہ اسی واقعہ کو اس آیت میں بیان کیا گیا۔

۴۸ ۔ اس آیت میں واذقلتم سے لے کر ماسالتم تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خدا سے سرکشی کی تو اس کی سزا میں خدا نے انہیں چالیس سال تک جنگلوں میں پھرایا، اس عرصہ میں سوائے من وسلویٰ کے اور کوئی چیز انہیں کھانے کی نہ ملی، بمقتضائے طبیعت آدمی کا ایک چیز کھاتے کھاتے دل بھر گیا تو انہوں نے اس کی شکایت موسیٰ علیہ السلام سے کی، چونکہ بمنشائے الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ یہ لوگ کنعان میں جا کر بسیں، لہٰذا حضرت موسیٰ نے بھی ان سے فرمایا: کیا تم ادنیٰ چیزوں کو بہتر کے بدلے چاہتے ہو، اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو تم کسی شہر میں اتر و وہاں تمہیں یہ چیزیں ملیں گی، اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے تو ایک قسم کے کھانے پر صبر نہ ہوگا یعنی من وسلویٰ پر تو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں عطا فرمائے، یعنی زمین سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ ہمیں کھانے کو دے، یعنی ساگ، پات، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اے بے وقوفو کیا ادنیٰ وحقیر چیز کو اچھی کے بدلے مانگتے ہو یعنی من وسلویٰ کے بدلے جو بے محنت تمہیں روزانہ ملتا ہے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کی پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا مصر یا کسی شہر میں اترو، جاؤ وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا یعنی تم کسی شہر میں جا بسو وہاں تمہیں یہ سبزیاں ترکاریاں غلہ وغیرہ جو تم چاہتے ہو ملے گا۔

تنبیہ: مصر سے شہر مصر یا غیر معین شہر مراد ہے، لہٰذا ترجمہ میں دونوں معنی لکھے گئے ہیں، حضرت قتادہ وسدی کے نزدیک مصر سے غیر معین شہر مراد ہے کوئی ہو، اسی کو شیخ ابن کثیر نے اختیار کیا ہے اور یہ بھی بنی اسرائیل کی سخت بے ادبی وگستاخی ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ جیسے اولو العزم پیغمبر علیہ السلام کا نام لے کر خطاب کیا، یا نبی اللہ یا رسول اللہ نہ کہا بلکہ لن نصبر کہنے میں بھی کمال بے ادبی ہے (عزیزی)

۴۹ ۔ اس آیت میں حضرت موسیٰ کے بعد کے واقعات کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی اور بدکاری کی وجہ سے وقتاً فوقتاً گزرے اور یہ کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے بعد نہایت سرکشی اور نافرمانی اور کفر وبت پرستی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے بہت سے انبیا بھیجے مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی اور انبیا کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک زمانہ میں تین سو انبیا اور صلحا قتل کیے جیسا کہ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں آیا ہے کہ یہود نے ایک ہی وقت میں تین سو انبیا قتل کیے، پھر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ کو اپنے گمان میں سولی چڑھایا تو دریائے غضب الٰہی جوش میں آیا اور ان کی سلطنت وشوکت چھین لی اور سب کی آنکھوں میں انہیں ذلیل وخوار کیا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سچی فرمائی کہ اب تک انہیں پہلی سی عزت وشوکت اور سلطنت نصیب نہ ہوئی، غیروں کے غلام وماتحت ہوئے، دربدر مارے پھرے، انسان کو غضب الٰہی سے ہر وقت ڈرنا اور اپنی عزت وشوکت اور مال ودولت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے، اور ان پر مقرر کر دی گئی خواری اور ناداری جو ہمیشہ ان پر لازم رہے گی اگرچہ مالدار ہوں اور وہ خدا کے غضب میں لوٹے یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، یعنی انجیل وقرآن اور معجزات وآیت رجم اور نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو توراۃ میں تھی نہیں مانتے تھے اور انبیا کو ناحق شہید کرتے تھے یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور حد سے آگے بڑھنے کا۔

تنبیہ: یہ جملہ پہلے جملہ کی تائید کے لیے لایا گیا ہے، آیت کی اخیر کڑی سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ کفر اور قتل انبیا کے ساتھ گندے عقائد بُرے افعال واقوال اور طرح طرح کی بداعمالیوں کے بھی مرتکب تھے، حضرت عیسیٰ کو جادوگر اور یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے، حضرت مریم کو بدکار کہتے تھے اور گالیاں دیتے تھے اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دشمنی رکھتے تھے، اسی لیے ذلت آخرت کے سوا دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور عذاب میں گرفتار کیا گیا۔

اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ

خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

انھیں کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم ف۵۰ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ

طور کو اونچا کیا لو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں زور سے اور اس کے مضمون یاد کرو اس امید پر کہ تمھیں

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ

پرہیزگاری ملے۔ پھر اس کے بعد تم پھر گئے تو اگر اللہ کا فضل اور

عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ

اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ٹوٹے والوں میں ہو جاتے ف۵۱ اور بے شک ضرور تمھیں معلوم ہے

ف۵۰۔ چونکہ اس سے پہلے آیات میں یہود کا ذلیل وخوار اور قہر الٰہی میں گرفتار ہونا بیان کیا گیا تھا اس سے ان کا مایوس ہونا اور رحمت پروردگار سے ناامید ہونا لازمی تھا لہٰذا اس آیت میں ان کی مایوسی وناامیدی کو دور کیا گیا ہے کہ ہمیں کسی سے ذاتی عداوت نہیں، یعنی جو ایمان لا کر اچھے کام کرے گا اس کا اجر پائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی ونصرانی ہو یا صابی، فرمایا گیا کہ بیشک ایمان والے مسلمان نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے جو سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نیک کام کریں موافق ان کی شریعت کے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم آخرت۔

تنبیہ: یہودی یہود کی طرف منسوب ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے لڑکے کا نام تھا اور جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی مدد کی تھی انہیں نصاریٰ کہا جاتا ہے، اور صابئین یہود یا نصاریٰ میں سے ایک گروہ ہے جو ستاروں کو پوجتا ہے" وفیه اقوال اُخر" شان نزول: جب حضرت سلمان فارسی نے حضور سے ان لوگوں کی بابت سوال کیا جو دین عیسوی پر مرے تو یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا کہ یہ آیت تیرے ہمراہیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (عزیزی)

ف۵۱۔ یہ دسواں واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو چلہ کشی کا حکم ہوا اور تورات دینے کا وعدہ کیا گیا اور وہ بحکم الٰہی کوہ طور پر چلہ کشی کرنے اور تورات لینے گئے اور ان کے پیچھے بنی اسرائیل نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا واپس آ کر انہوں نے یہ حال دیکھا اور ان سے توبہ کرنے کو کہا جو بشرط قتل نفس قبول کی گئی جیسا کہ گذرا، اس کے بعد حضرت موسیٰ نے ان کے سامنے تورات پیش کی اس کے احکام دیکھ کر انہوں نے کہا کہ ہم سے تو ان پر عمل نہیں ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے منوانے کے لیے بجائے قتل کے یہ شکل اختیار کی کہ ان کے سروں پر پہاڑ کو معلق کیا اور فرمایا کہ تورات پر عمل کرنے کا عہد کرو ورنہ سب دبا کر مار ڈالے جاؤ گے تب انہوں نے مجبور ہو کر اس کے ماننے کا اقرار کیا، اسی واقعہ کی طرف اس

اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

تم میں کے وہ جنھوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہوجاؤ بندر دُتکارے ہوئے۔[۲]

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

تو ہم نے اس لبستی کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا اور پرہیزگاروں

لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ

کے لیے نصیحت۔ ف۵۲ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ

تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ

ایک گاے ذبح کرو بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ[۱] بناتے ہیں فرمایا خدا کی پناہ کہ

آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ دیکھو باوجود اس عہد و میثاق کے وہ خدا سے پھر گئے اور توراۃ کو نہ مانا پس اگر وہ قرآن کو نہیں مانتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اسی کو آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے: اور یاد کرو جب ہم نے تم سے احکام توراۃ پر عمل کرنے کا عہد لیا اور تم پر طور اونچا کیا یعنی اس کو جڑ سے اٹھا کر تمہارے سروں پر کیا جب کہ تم نے احکام توراۃ قبول کرنے سے انکار کیا اور ہم نے تم سے کہا کہ لو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں زور سے اور اس کے مضمون یاد کرو یعنی ان پر عمل کرو اس امید پر کہ تم کو پرہیزگاری ملے، پھر اس کے بعد تم پھر گئے اپنے عہد سے تو اگر اللہ کا فضل اور رحمت اس کی تم پر نہ ہوتی قبولِ توبہ اور تاخیر عذاب میں تو تم ٹوٹے والوں میں ہوجاتے۔

۵۲۔ جب اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے احسان یاد دلا چکا تو اب ان کی نافرمانی اور ناشکری سے جو نتائج پیدا ہوئے تھے انہیں یاد دلاتا ہے تاکہ اور لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور ان واقعات سے عادۃً کوئی واقف نہیں ہوسکتا سوائے علام الغیوب کے نہ کہ وہ جو محض امی ہو، یہود کے ملک میں پرورش نہ پائی ہو اور نہ ان کے علما کی صحبت میں بیٹھا ہو وہ ان واقعات کی خبر دے، یہ اس کے سچا نبی ہونے کے دلیل ہے تو پہلے اس واقعہ کو بیان کرتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد یہود پر گزرا، وہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں سمندر کے کنارے ایک بستی ایلہ تھی اس میں رہنے والے یہودیوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے کے لیے جوان پر حرام کیا گیا تھا یہ حیلہ کیا کہ دریا سے کچھ دور گڈھے کھودے اور دریا سے ان تک نالیاں بنائیں، ان نالیوں کے ذریعہ جب ان گڈھوں میں مچھلیاں آکر جمع ہوجاتیں تھیں تو انہیں بند کردیتے تھے اور انہیں پکڑ کر کھاتے تھے، ان کے بعد والوں نے اس کو بھی بند کردیا اور ہفتہ کے دن علانیہ مچھلیاں پکڑ کر کھانے لگے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اور دوسرے صالحین نے انہیں ہر چند منع کیا مگر وہ نہ مانے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کی ہلاکت کی دعا کی، آپ کی دعا سے اللہ کا قہر ان پر نازل ہوا اور وہ سب بندر ہوگئے اور تین روز میں وہ سب مر گئے، اسی واقعہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے کہ تم میں سے جنہوں نے ہفتہ کے دن سرکشی کی مچھلیاں پکڑنے میں حالانکہ اس روز مچھلیاں پکڑنے کی انہیں ممانعت کی گئی تھی اور وہ ایلہ میں رہنے والے تھے ہم نے ان سے فرمایا کہ ہوجاؤ بندر دھتکارے ہوئے پس وہ بندر ہوگئے اور تین روز میں مر گئے تو ہم نے اس بستی کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت کیا تاکہ وہ اس طرح کی نافرمانی کرنے سے بچیں۔

تنبیہ: قتادہ کہتے ہیں کہ ان کے جوان بندر اور بوڑھے سوئر ہوگئے اور تین روز کے بعد مر گئے، اس وقت اس شہر میں تین قسم کے آدمی تھے: نصیحت کرنے والے اور خاموش رہنے والے اور شکار کرنے والے، ان میں نصیحت کرنے والے جو بارہ ہزار تھے عذاب الٰہی

اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا

میں جاہلوں سے ہوں بولے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتادے گاے

هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ

کیسی کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گاے ہے نہ بوڑھی اور نہ اوسر۲

عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

بلکہ ان دونوں کے بیچ میں تو کرو جس کا تمھیں حکم ہوتا ہے۔ بولے اپنے رب سے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

دعا کیجیے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی

صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

گاے ہے جس کی رنگت ڈہڈہاتی۳ دیکھنے والوں کو خوشی دیتی۔ بولے اپنے رب سے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ

دعا کیجیے کہ ہمارے لیے صاف بیان کردے وہ گاے کیسی ہے بے شک گایوں میں ہم کو شبہہ پڑگیا اور

شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ

اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گاے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا

کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے، بے عیب ہے جس میں کوئی داغ نہیں، بولے

الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ

اب آپ ٹھیک بات لائے تو اسے ذبح کیا اور ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے ف۵۳ اور جب

سے محفوظ رہے، اور شکار کرنے والے جو ستر ہزار تھے عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے (عزیزی) اور تیسرے گروہ خاموش رہنے
والوں کی نسبت حضرت عباس کے سامنے عکرمہ نے فرمایا کہ یہ لوگ مغفور ہیں، کیونکہ امر بالمعروف فرض کفایہ ہے، یعنی بعض کا ادا کرنا کل کا
ادا کرنا ہے، ان کا خاموش رہنا ہی پند و نصیحت قبول کرنے کی دلیل ہے، حضرت عکرمہ کی یہ تقریر حضرت ابن عباس کو بہت پسند آئی اور آپ
نے سرور سے اٹھ کر ان سے معانقہ کیا اور پیشانی کو بوسہ دیا (فتح العزیز)

۵۳ ۔ اس آیت میں دوسرا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو بنی اسرائیل میں گذرا تھا جس سے ان کی عدول حکمی اور نکتہ چینی اور تشدد
ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار تھا کوئی اولاد نہ رکھتا تھا، ایک دن اس کے مورث بھتیجے نے مال ملنے کے

لالچ میں اسے مار کر دوسرے گاؤں میں ڈال دیا اور اس گاؤں والوں پر اس کے خون کا دعویٰ کر دیا اور ان سے خوں بہا چاہا یہاں تک کہ دونوں گاؤں کے آدمی لڑنے کو تیار ہوئے، بعض سمجھ دار آدمیوں نے ان سے کہا کہ لڑنے سے کیا فائدہ تم حضرت موسیٰ نبی اللہ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرو جس کا نام وہ بتائیں وہی اس کا قاتل ہے، چنانچہ ان سب نے موسیٰ علیہ السلام سے آکر اظہار واقعہ کیا اور قصاص یا دیت کے طالب ہوئے، مدعا علیہم نے کہا کہ خدا سے دعا فرمایئے کہ قاتل کا نام ظاہر کر دے، ہم بے قصور ہیں، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، حکم آیا کہ ان سے کہو کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے بدن پر ماریں وہ زندہ ہو کر بتا دے گا، وہ اس پر حضرت موسیٰ سے جھگڑنے لگے جیسا کہ آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا جس میں ایک آدمی مارا گیا تھا اور اس کا مارنے والا معلوم نہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا قاتل معلوم ہونے کی دعا کرنے کو کہا انہوں نے دعا کی پس حکم آیا کہ ان سے کہہ دو خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو تو وہ بولے آپ ہم سے مسخرہ پن کرتے ہیں کہ ایسا جواب دیتے ہیں، اس پر حضرت موسیٰ نے فرمایا: خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہوں یعنی مسخرہ پن کرنے والوں میں ہوں، کیونکہ ہنسی مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے، جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ نے یہ بات ہنسی سے نہیں کہی ہے تو وہ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ گائے کیسی ہے کس عمر کی ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی ہے نہ او سر بلکہ ان دونوں کے بیچ ہے تو کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے، تو وہ بولے آپ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتادے اس کا رنگ کیسا ہے تو حضرت موسیٰ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ ایک پیلی گائے ہے جس کی رنگت تیز چمک دار ہے دیکھنے والوں کو خوشی دیتی ہے یعنی جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں، تو وہ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لیے صاف بیان کر دے کہ وہ گائے کیسی ہے، چھوٹی پھرتی ہے یا کام کرتی ہے، بیشک ہم کو گایوں میں شک پڑ گیا ہے اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے، تو حضرت موسیٰ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی ہے کہ زمین نہ جوتتی ہے اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے اور وہ بے عیب ہے جس میں کوئی داغ دھبہ دوسرے رنگ کا نہیں ہے، تو وہ بولے اب آپ ٹھیک بات لائے تو انہوں نے ایسی گائے تلاش کر کے اسے ذبح کیا اور وہ ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ اس کے اوصاف نہ پوچھتے تو نہ بیان کیے جاتے اور جو گائے چاہتے ذبح کرتے وہ انہیں کافی ہوتی لیکن انہوں نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی فرمائی کہ ایسی گائے صرف ایک لڑکے کے پاس نکلی جو بہت نیک اور اپنی ماں کا فرماں بردار تھا پس انہوں نے اس کی کھال بھر سونا دیکر خرید لیا (جلالین) بڑی تفسیروں میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ گائے بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی کی تھی اس کی ایک نیک بی بی اور ایک لڑکا اور ایک بچھیا تھی، مرتے وقت اس نے اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا اور دعا کی الٰہی میں اسے اپنے چھوٹے بچے کے لیے تیری امانت میں دیتا ہوں پھر وہ مر گیا اور بچہ کو اس کی ماں پرورش کرتی رہی، جب لڑکا بڑا ہوا تو بہت سعید اور ماں کا فرماں بردار خدمت گزار نکلا، ایک دن اس کی ماں نے کہا بیٹا تیرے باپ نے تیرے لیے ایک گائے خدا کے سپرد کی تھی جو جنگل میں ہے جا کر لے آ، بیٹے نے جنگل میں جا کر امانت الٰہی کا نام لے پکارا گائے فوراً دوڑتی چلی آئی جو نہایت خوش نما بے داغ تھی نہ بچہ تھی نہ بوڑھی درمیانی عمر کی تھی جیسا کہ آیت میں ہے، لڑکا اسے لے کر ماں کے پاس آیا ماں نے کہا کہ اسے بازار میں لے جا کر بیچ کر اس قیمت سے اپنی بسر اوقات کرو لیکن جو قیمت لگے وہ مجھ سے آکر کہنا بغیر میرے پوچھے مت دینا، خریدار نے کہا اگر بغیر پوچھے مجھے دیدو گے تو دوگنی قیمت دوں گا لڑکے نے انکار کیا اور ماں سے آکر کہا ماں نے منع کیا، اسی طرح روزانہ گائے کی قیمت میں وہ آدمی اضافہ کرتا رہا اور ماں منع کرتی رہی، ایک دن ماں نے بیٹے سے کہا کہ اس خریدار سے آج مشورہ کرنا کہ اس گائے کو ابھی بیچیں یا نہ بیچیں، کیونکہ عورت سمجھ گئی تھی یہ خریدار کوئی فرشتہ ہے، لڑکے نے جا کر اس سے ماں کا کہا ہوا کہا تو اس خریدار نے کہا کہ تم ماں سے کہہ دینا کہ اس گائے کو ابھی نہ بیچیں عنقریب بنی اسرائیل کو ایسی گائے کی ضرورت پڑے گی اور وہ اس کی کھال بھر سونا دیکر خرید لیں گے (ملخصاً سراج وعزیزی وغیرہ) ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی وہ گائے کو ذبح نہ کر سکتے تھے، اس سے

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾

تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا جو تم چھپاتے تھے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اللہ یوں ہی مردے جلائے گا اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ

کہ کہیں تمہیں عقل ہو ۵۴ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے تو وہ

معلوم ہوا کہ انشاء اللہ ہر نیک کام میں کہنا مستحسن ہے بلکہ قریب استحباب شرعی کے ہے (عزیزی)

۵۴۔ یہ آیت گزشتہ آیت کا تتمہ ہے اور واقعہ مذکورہ کا شروع ہے، یعنی اور یاد کرو جب تم نے ایک خون کیا، ایک آدمی کو مار ڈالا جس کا نام عامیل تھا تو تم ایک دوسرے پر اس کے قتل کی تہمت دھرنے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور اللہ ظاہر کرتا ہے جو تم چھپاتے ہو، تو ہم نے فرمایا کہ اس مقتول پر گائے کا ایک ٹکڑا مارو پس انہوں نے گائے ذبح کی اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس پر مارا تو اس نے زندہ ہو کر بتایا کہ فلاں بھتیجوں نے مجھے مارا ہے، پھر وہ بتا کر مر گیا اور بھتیجے اس کے قصاص میں قتل کیے گئے اور اس کی میراث سے محروم رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یونہی مردے جلائے گا اور تمہیں اپنی نشانیاں دلائل قدرت دکھاتا ہے کہ تمہیں عقل ہو اور یقین کرو کہ جو ذات ایک آدمی کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ بہت سوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے۔

تنبیہ: اس پوری آیت اور واقعہ میں چند فائدے ہیں: **اول** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قاتل کا نام نہ بتایا بلکہ گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے بدن پر مارنے کو کہا، کیونکہ اگر نام بتا دیتا اور موسیٰ علیہ السلام یہود سے کہتے کہ فلاں شخص نے اسے مارا ہے تو ممکن تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلاتے ان کے کہنے پر یقین نہ لاتے اس لیے انہیں نام نہ بتایا بلکہ ان سے گائے کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے مارنے کو کہا تا کہ وہ خود زندہ ہو کر قاتل کا نام بتائے کہ انہیں یقین آئے اور جھٹلانے کی راہ بند ہو جائے۔ **دوسرے** یہ کہ اس سے اللہ کو اپنی قدرت کاملہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کرنا مقصود تھا تا کہ وہ یقین کر لیں کہ جس نے اس مقتول کو زندہ کیا ہے وہ دوسرے مردوں کو بھی مرنے کے بعد زندہ کر سکتا ہے اور کرے گا۔ **تیسرے** یہ کہ تمام جانوروں میں ذبح کے لیے گائے کو اس لیے مخصوص کیا کہ بنی اسرائیل نے گائے کو پوجا تھا کہ ان کے دل میں اس کی عظمت تھی، اس عظمت کو ان کے دلوں سے نکالنے کے لیے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ **چوتھے** یہ کہ تمام گایوں میں ایسی ہی گائے کو اس لیے مخصوص کیا کہ اس سے فائدہ توکل ظاہر ہوا اور ایک متوکل کی بیوہ اور فرماں بردار یتیم بچہ کو نفع ہوا اور اس قدر انہیں مال ملے کہ عمر بھر کو کافی ہو۔ **پانچویں** یہ کہ گائے کے ذبح کرنے میں تقرب الی اللہ اور ادائے واجب ہو۔ **چھٹے** یہ کہ قربانی اچھے اور زیادہ قیمت کے جانور کی ہونا چاہیے تا کہ ثواب زیادہ ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو دینار کی اونٹنی لے کر قربانی کی۔ **ساتویں** یہ کہ شفقت علی الاولاد ظاہر ہو (بیضاوی و عزیزی)، **آٹھویں** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً گائے ذبح کرنے کا حکم فرمایا تھا کوئی گائے بھی وہ ذبح کرتے وہ کافی ہوتی مگر انہوں نے تشدد کیا اس پر تشدد ہوتا گیا جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام الٰہی میں حیل و حجت نہ کرنا چاہیے جس قدر حکم ہو اس پر عمل کرنا چاہیے کہ اگر اس میں زیادہ پوچھ گچھ کی جائے گی تو اس قدر اس میں قیدیں اضافہ ہوں گی اور مطلق مقید ہو کر رہ جائے گا تو پھر دقت ہوگی جیسا کہ گائے کے بیان میں ہوا، شرعاً اس کی ممانعت ہے ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ﴾ الخ [المائدۃ: ١٠١]۔ (حقانی)

كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ

پتھروں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کڑے۵۵ اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے

الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا

ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کوتکوں۵۵ سے بے خبر نہیں۔ ۵۵ و

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ

تو اے مسلمانو! کیا تمہیں یہ طمع ہے۵۶ کہ یہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے اور ان میں کا تو ایک گروہ وہ تھا کہ

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ بدل دیتے ۵۶ و

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى

اور جب مسلمانوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ہوں تو

بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ

کہیں وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو کہ اس سے تمہارے

بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

رب کے یہاں تمہیں پر حجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں کیا نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے

۵۵ ـ جب گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کو ڈرانے سمجھانے رغبت دلانے کی حد ہوگئی اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا تو اس آیت میں ان کی حالت ظاہر کی گئی اور پتھر سے تشبیہ دے کر فرمایا گیا کہ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے یعنی مقتول کے زندہ ہونے اور اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے بعد تمہارے دل بجائے نرم ہونے کے سخت ہوگئے اور تم نے حق قبول نہ کیا تو وہ پتھروں کے مثل ہیں بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ کڑے ہیں، اور پتھروں میں تو کچھ وہ پتھر ہیں جو اللہ کے ڈر سے خشوع کرتے اور گر پڑتے ہیں مگر تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ نرم نہیں ہوتے، اثر قبول نہیں کرتے، اور اللہ تمہاری بداعمالیوں سے بے خبر نہیں ہے، ایک وقت تک تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔

۵۶ ـ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ تم ان یہودیوں سے ایمان لانے کی توقع نہ کرو کیوں کہ یہ اس بدطینت شریر خصلت قوم کے افراد ہیں جو کلام الٰہی کو سن کر سمجھ کر بھی بدل ڈالتے تھے تو ان سے امید نہ رکھو کہ وہ تمہاری تصدیق کریں، اسی مضمون کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اے مسلمانو! کیا تمہیں امید ہے کہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے، ان میں ایک گروہ تھا کہ اللہ کا کلام تورات سنتے تھے پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ جان کر بدل دیتے تھے، جیسے آیت رجم ونعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پس

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے۔ اور ان میں کچھ اَن پڑھ ہیں جو کتاب

الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گھڑت اور وہ نرے گمان میں ہیں۔ ف۵۷ تو خرابی ہے ان کے لیے

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ

کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں تو خرابی ہے ان کے لیے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے

ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھو کہ جب ان کے بڑوں کی یہ حالت تھی تو ان سے کیا امید ہوسکتی ہے۔

۵۷۔ یہ گزشتہ آیت کا تتمہ ہے اور یہود کی حالت کا مظہر ہے۔

شانِ نزول: یہ ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حکم فرمایا کہ مدینہ میں سوائے مسلمانوں کے کوئی داخل نہ ہو تو بعض یہود مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کی غرض سے منافقانہ طور سے مسلمان ہوگئے تھے اور مسلمانوں سے مل کر اپنا اعتبار جتانے کے لیے کہتے تھے کہ ہماری توارت میں حضور کے اوصاف لکھے ہیں اور انہیں تورات کھول کر دکھاتے تھے، اور جب وہ لوٹ کر اپنے سرداروں کے پاس جا کر بیٹھتے تھے تو وہ انہیں ملامت کرتے اور کہتے کہ تم یہ کیا کرتے ہو کہ اپنی کتاب کی باتیں انہیں بتاتے ہو، کل کو وہ یہی ثبوت میں پیش کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی، یعنی اور جب منافق یہودی مسلمانوں سے ملیں تو کہیں کہ ہم ایمان لائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ وہ نبی برحق ہیں، اور ان کے آنے کی ہماری کتاب تورات میں بشارت دی گئی ہے اور جب وہ آپس میں اکیلے ہوں تو ان کے غیر منافق لوگ ان سے کہیں کیا وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا ہے مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو یعنی جو نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تورات میں ظاہر کی گئی ہے اسے تم مسلمانوں کو بتائے دیتے ہو کہ وہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حجت لائیں کہ تم نے باوجود علم کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کی، کیا تمہیں عقل نہیں ہے کہ مسلمان تم پر اس سے حجت پکڑیں گے، پس تم اس سے باز آؤ، کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں، اور ان میں کچھ لوگ ان پڑھ ہیں کہ جو تورات کو نہیں جانتے ہیں مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گڑھت اور وہ لوگ نرے گمان میں ہیں، یعنی کچھ لوگ یہودیوں میں پڑھے ہوئے نہیں ہیں تورات کو جانتے نہیں ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے مگر زبانی جھوٹی باتیں اپنے رئیسوں سے سن کر یقین کرلیتے ہیں اور محض وہ گمان ہی گمان میں ایسی باتیں بناتے ہیں کہ جنت میں سوائے یہود کے اور کوئی داخل نہ ہوگا، اللہ کو ہم سے خصوصیت ہے کہ اس نے ہمیں بیٹا کہا ہے اور محبوب بنایا ہے، ہمارا ہر گناہ معاف ہے اور ہمارے باپ دادا نبی تھے، ان کو یہ قدرت ہے کہ وہ بغیر مرضی خدا کے ہم کو دوزخ سے چھوڑا لیں گے، اور عذاب بھی ہوگا تو چند روز ہوگا، اور استحقاق نبوت ہمارے ہی خاندان کو حاصل ہے کسی اور خاندان کا نبی نہیں ہوسکتا، ہماری شریعت قیامت تک واجب العمل ہے منسوخ ہونے والی نہیں ہے، خدا فرماتا ہے یہ سب بے اصل خیالات ہیں اور محض گمان ہے (حقانی وعزیزی)

وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ

اور خرابی ان کے لیے اس کمائی سے۔ ف۵۸ اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ

گنتی کے دن تم فرمادو کیا خدا سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے جب تو

اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٠﴾ بَلٰى مَنْ

اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ ہاں کیوں نہیں جو

كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗئَتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

گناہ کمائے اور اس کی خطا اسے گھیر لے وہ دوزخ والوں میں ہے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ

انھیں ہمیشہ اس میں رہنا اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

جنت والے ہیں انھیں ہمیشہ اس میں رہنا۔ ف۵۹ اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا

۵۸ ۔ شان نزول: یہ آیت علمائے بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان میں سے بعض اپنی طرف سے کتاب لکھ کر عرب والوں کے ہاتھ فروخت کرتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے بدلے کچھ دام لیتے اور بعض ان میں سے دنیا کمانے کے لیے عوام کو غلط باتیں اور مسائل اپنے رئیسوں کی مرضی کے موافق لکھ کر دے دیا کرتے اور کہہ دیتے تھے کہ یہ خدا کا حکم توراۃ میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی، تو خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں یعنی کتاب اللہ میں تحریف کریں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض دنیا کمائیں تھوڑے دام حاصل کریں، تو خرابی ہے ان کے لیے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لیے اس کمائی سے جو اس کے بدلے لیتے ہیں، اور توراۃ میں جو حلیہ مبارک اور اوصاف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور احکام مذکور ہیں انہیں تبدیل کرتے ہیں گویا کہ وہ تین گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں: ایک تو کلام الٰہی میں تحریف کے، دوسرے خدا پر افترا یعنی بہتان کرنے کے کہ یہ خدا کا کلام ہے، تیسرے اس کے بدلے رشوت لینے کے، اس لیے قرآن عظیم کی تفسیر و ترجمہ میں اس طرح الفاظ لکھنا کہ فرق نہ رہے کلام الٰہی سے جدا نہ معلوم ہوں حرام ہے بلکہ اس طرح لکھے جائیں جس سے معلوم ہو کہ وہ قرآن میں داخل نہیں ہیں، قرآن عظیم کو فروخت کرنا اور اس کے لکھنے پر اجرت لینا متاخرین کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قرآن کو فروخت کرنے اور اس کے لکھنے کی اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (عزیزی)

۵۹ ۔ شان نزول: یہ آیت یہود کے خیالات کی تردید میں نازل ہوئی جب کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہود کو دوزخ میں جانے کا خوف دلایا عذاب الٰہی سے ڈرایا تو وہ بولے کہ ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن، یعنی چالیس دن یا سات دن جن میں ہمارے باپ دادا نے گائے پوجی تھی، تو تم فرمادو اے نبی ان سے کیا تم نے خدا سے اس پر کوئی عہد لے لیا ہے کہ اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتے داروں اور یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط

اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا

پھر تم پھر گئے مگر تم میں کے تھوڑے اور تم رو گردان ہو ف۶۰ اور جب ہم نے

مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے

دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ

نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم گواہ ہو۔ پھر یہ جو تم ہو

کرے گا۔ یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے، ہاں کیوں نہیں جو گناہ کمائے اور اس کی خطا اسے گھیر لے وہ دوزخ والوں میں ہے انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے، اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جنت والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

تنبیہ: اس آیت میں بقول ابن عباس وقتادہ ومجاہد وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیئۃ و خطیئہ سے شرک مراد ہے (مدارک وغیرہ) اور فَلَن يُّخْلِفَ اللّٰهُ [البقرۃ:۸۰] سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ وعید خلاف نہیں ہو سکتا، اور آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ (سراج وبیضاوی وتفصیل الخلف فی العزیزی)

ف۶۰ - یہاں سے چند آیات تک اللہ تعالیٰ یہود کے اقرار توڑنے اور احکام الٰہی کے خلاف ورزی کرنے کا ذکر فرماتا ہے کہ اور یاد کرو جب ہم نے تورات میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اس پر کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ ۱

۱ حقوق والدین: مسئلہ اگر والدین اپنی خدمت کے لیے نوافل چھوڑنے کو کہیں تو چھوڑ دے، ان کی خدمت نفل سے مقدم ہے۔ مسئلہ: واجبات والدین کے حکم سے ترک نہیں کیے جا سکتے، والدین کے ساتھ احسان کے طریقے جو احادیث سے ثابت ہیں وہ یہ ہیں کہ تہہ دل سے ان کے ساتھ محبت رکھنے، رفتار و گفتار میں، نشست و برخاست میں ادب لازم جانے، ان کی شان میں تعظیم کے الفاظ کہے، ان کو راضی کرنے کی کوشش کرتا رہے، اپنے نفیس مال کو ان سے نہ بچائے، ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیتیں جاری کرے، ان کے لیے فاتحہ، صدقات، تلاوت قرآن سے ایصال ثواب کرے، اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرے، ہفتہ وار ان کی قبر کی زیارت کرے۔ (فتح العزیز) والدین کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھلائی کرو اور لوگوں سے اچھی بات کہو یعنی ان سے نرمی سے بولو، انہیں اچھی باتیں کرنے اور بری باتوں سے باز رہنے کو کہو، ان پر لطف و مہربانی کرو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو، پس تم نے اسے قبول کیا پھر تم اس کے پورا کرنے سے پھر گئے مگر تم میں کے تھوڑے، اور روگرداں ہو اپنے بزرگوں کی طرح ان باتوں سے اعراض کرتے ہو، حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" کی تفسیر میں منقول ہے کہ قولوا للناس ماتحبون ان یقال لکم یعنی تم لوگوں سے اس طرح بات کرو جس طرح کہ تم اپنے لیے دوسرے سے بات کرنا پسند کرتے ہو (عزیزی)۔

تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز

اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالا

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى

ان پر مدد دیتے ہو (ان کے مخالف کو) گناہ اور زیادتی میں اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں

تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

تو بدلا دے کر چھڑا لیتے ہو اور ان کا نکالنا تم پر حرام ہے تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان

الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

لاتے اور کچھ سے انکار کرتے ہو تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلا کیا ہے

اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے

الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

جائیں گے اور اللہ تمہارے کوتکوں برا سے بے خبر نہیں ف۶۱ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے

۶۱ ۔ اس آیت میں ان یہود کی برائیاں بیان کی گئی ہیں جو مدینے میں رہتے تھے اور پہلی آیت کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ
بُرائیاں تو ہمارے بزرگوں میں تھیں ہم میں نہیں ہیں ہم بنی یعقوب ہیں، اللہ فرماتا ہے کہ تم کیا اچھے ہو تم بھی خلاف ورزی احکام الٰہی کی
کرتے ہو، اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کہا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا یعنی آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کرنا، اور اپنوں کو بستیوں
سے نہ نکالنا، یعنی ایک تم میں کا دوسرے کو اس کے گھر سے نہ نکالے جلاوطن نہ کرے، پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور اسے قبول کیا اور تم گواہ ہو
اس پر۔ پھر اے یہودیو! تم اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو، ان پر مدد دیتے ہو گناہ اور
زیادتی میں، اور اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور حال یہ ہے کہ ان کا نکالنا تم پر حرام ہے، تو کیا خدا کے کچھ
حکموں پر ایمان لاتے ہو اور عمل کرتے ہو یعنی قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، اور کچھ حکموں سے انکار کرتے ہو یعنی ان پر عمل نہیں
کرتے ہو خلاف حکم الٰہی کرتے ہو گھروں سے نکالتے ہو اور اس پر مدد کرتے ہو) تو جو تم میں سے ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ دنیا
میں رسوا و ذلیل ہو جیسا کہ بنو قریظہ اور بنی نضیر رسوا و ذلیل ہوئے کہ بنی قریظہ قتل کیے گئے، ان کے بال بچے لونڈی غلام بنائے گئے اور بنو
نضیر مدینے سے نکالے گئے، ان پر جزیہ مقرر کیا گیا، اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور اللہ تمہارے کوتکوں اور
برے فعلوں سے بے خبر نہیں ہے۔ سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد کرا لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل
نہ کرے گا، گھر سے نہ نکالے گا، اور ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرے گا اور جو غلام باندی بنی اسرائیل کا پائے گا اسے خرید کر آزاد کرے گا، بنی
قریظہ قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کا حلیف اور اوس کے اور خزرج کے درمیان پرانی عداوت چلی آرہی تھی، پس ہر ایک ان
کا مع اپنے حلیف کے دوسرے سے لڑتا اور ان کی بستیوں کو برباد کرتا اور انہیں گھر سے بے گھر کرتا اور جب وہ قید ہوتے تو فدیہ دیکر چھڑاتا،

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا [ہو] اور نہ ان کی

يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

مدد کی جائے۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے

بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ

رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی

الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ

تو ان میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو ف۶۲ اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں

اور جب ان سے کہا جاتا کہ کیوں فدیہ دیتے ہو تو کہتے کہ ہمیں فدیہ دینے کا حکم ہے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کیوں لڑتے ہو کہتے کہ ہم شرم کی وجہ سے لڑتے ہیں کہ ہمارے حلیف ہمیں ذلیل جانیں گے، پس اللہ نے انہیں عار دلائی کہ تم بعض حصے پر کتاب کے ایمان لاتے ہو اور بعض پر نہیں (سراج) گویا چار حکموں سے ایک حکم پر عمل کرتے ہو یعنی قیدی کو فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو اور تین حکموں پر عمل نہیں کرتے ہو یعنی قتل کرنے، بستیاں برباد کرنے، گھروں سے نکالنے اور لڑنے والوں کی مدد کرنے سے پرہیز نہیں کرتے ہو۔

۶۲۔ یعنی اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں یعنی معجزات عطا فرمائے جیسے مردے زندہ کرنا اور اندھے کو بینا کرنا، کوڑھی کو اچھا کرنا، چھپی ہوئی باتیں بتانا اور مٹی سے پرند یعنی جانور بنا کر جان ڈالنا اور پاک روح سے اس کی مدد کرنا یعنی جبرائیل کو ان کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا کہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جاتے وہاں جبرئیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ جاتے، تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول لے کر وہ آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں یعنی جب کوئی رسول تمہارے پاس حق لے کر آئے جو تمہاری خواہش کے خلاف ہو تو تم تکبر کرتے ہو، تو ان میں سے ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو جیسے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو جیسے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ وغیرہ انبیا علیہم السلام کو شہید کیا۔

تنبیہ: روح القدس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اسی کو ابن کثیر نے ترجیح دی ہے اور اسی کی احادیث سے تائید ہوتی ہے، یا روح پاک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں یا اس سے انجیل مراد ہے جو ان پر نازل کی گئی تھی یا اسم اعظم مراد ہے جس کے ذکر سے وہ مردہ زندہ کرتے تھے (مدارک وسراج) صحیح حدیث میں ہے کہ روح القدس جبرئیل ہیں اور بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے دعا فرماتے "اللّٰھم ایدہ بروح القدس" اے اللہ تو روح القدس کے ساتھ ان کی مدد فرما، اس سے معلوم ہوا کہ تائید روح القدس کی حضور کے بعض امتیوں کو حضور کے طفیل نصیب ہوتی تھی تو حضور کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے انہیں تائید روح القدس کی بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی جیسا کہ ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ فرمایا سردار انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ روح

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا

بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں ف۶۳ اور جب

جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا

ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور

مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

اس سے پہلے [وہ] اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر ف۶۴ کس برے

اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ

مولوں انھوں نے اپنی جان کو خریدا کہ اللہ کے اتارے سے منکر ہوں اس کی جلن سے کہ

يُنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ

اللہ اپنے فضل سے اپنے جس بندے پر چاہے وحی اتارے تو

القدس میرے سینے میں پھونک مارتا ہے (عزیزی)

۶۳ - جب اللہ تعالیٰ نے یہود کی تمام باتیں بدلائل باطل کر دیں اور انہیں کوئی جواب معقول بن نہ پڑا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استہزاءً یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس میں آپ کی بات داخل نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہم اسے ماننے کو تیار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ ان کے دلوں پر پردہ نہیں پڑا ہے بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے ان کے کفر کے سبب تو ان میں سے تھوڑے ایمان لاتے ہیں، یعنی ان میں سے جن کے دلوں پر لعنت کا پردہ نہیں ہے وہ ایمان لاتے ہیں اور بہت سوں کے دل پر لعنت کا حجاب ہے وہ ایمان نہیں لاتے ہیں کفر کرتے ہیں اور حق بات نہیں مانتے، ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے پھر وہ نقطہ بڑھتے بڑھتے تمام دل پر چھا جاتا ہے یہاں تک کہ پھر اس میں کوئی حق بات اثر نہیں کرتی ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ [المطففین: ۱۴] سے یہی مراد ہے، اور جب آدمی گناہ سے توبہ واستغفار کر لیتا ہے تو وہ نقطہ مٹ جاتا ہے (حقانی) گویا گناہ کی ظلمت دل پر چھا جاتی ہے وہ حق بات کو دل میں نہیں جانے دیتی، ایسے ہی ان کے دل کفر کرتے کرتے سیاہ ہو گئے ہیں ان میں حق بات داخل نہیں ہوتی۔

شان نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ جب یہود کی قبائل اوس وخزرج سے لڑائی تھی اور وہ اپنی شکست دیکھتے تھے تو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے فتح کی دعا کرتے تھے اور اَللّٰهُمَّ ربنا نسئلك بحق احمد النبی الامی کہتے تھے۔ (حاکم وبیہقی و ابونعیم) تو انہیں فتح حاصل ہوتی تھی اور جب حضور والا تشریف لائے تو منکر ہو گئے ایمان نہ لائے۔ امام احمد وطبرانی نے سلمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ میں ایک یہودی رہتا تھا اس نے ہم سے عذاب وثواب آخرت کا ذکر کیا، ہم نے اس سے اس کی دلیل پوچھی تو

اس نے کہا کہ عنقریب مکہ اور یمن کی طرف ایک نبی مبعوث ہوگا اور اس بات کو ثابت کرے گا، ہم نے پوچھا وہ کب تک ظاہر ہوگا تو اس نے میری طرف نظر کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا عمر طبعی تک زندہ رہا تو دیکھ لے گا، جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر مشہور ہوئی اور مدینے میں آئے تو ہم نے اس یہودی سے کہا اب حضور پر ایمان کیوں نہیں لاتا تو اس نے شرمندہ ہوکر کہا تھا کہ یہ نبی نہیں ہے (حقانی و عزیزی) اسی طرح ایک بار حضرت معاذ بن جبل وغیرہ صحابہ نے یہود سے کہا تھا کہ تم حضور پرنور پر ایمان کیوں نہیں لاتے ہو، تم تو ان کی بعثت سے پہلے ان کے توسل سے اپنے دشمنوں پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے اور جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے سامنے ان کا حلیہ اور ان کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے تو سلام ابن مشکم یہودی نے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم ذکر کیا کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب ان کے پاس وہ کتاب قرآن آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب توارت کی تصدیق فرماتی ہے اور اس کتاب کے آنے سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ تو ہمیں اس نبی آخرالزماں کے طفیل ہمارے دشمنوں پر فتح دے جس کی صفت ہم توارت میں پاتے ہیں اور مشرکوں سے کہتے ہیں کہ عنقریب ایسا نبی پیدا ہونے والا ہے جس کے ساتھ ہوکر ہم تمہیں قتل کریں گے مثلِ قتل عاد و روم (مدارک وسراج وابن کثیر) تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ نبی جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے یعنی حسد و عناد اور خوفِ زوالِ ریاست کی وجہ سے یہود دیدہ و دانستہ ان کے منکر ہوگئے اور ان پر ایمان نہ لائے تو اللہ کی لعنت ہے منکروں پر، یہاں منکروں سے یہود مراد ہیں، قالہ مجاھد وقتادہ وغیرہ (ابن کثیر)

تنبیہ: جب بخت نصر نے شام و بیت المقدس کو برباد کیا یہودیوں کو قتل و غارت کیا ان میں سے کچھ یہودی اِدھر اُدھر بھاگ گئے چونکہ یہود سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات اور جائے پیدائش اور مقام ہجرت سے واقف تھے اس لیے ایک گروہ انہیں کا مدینے میں آکر رہنے لگا اور ایک جماعت خیبر میں جا کر بسی، ایک مدت کے بعد قبیلہ اوس وخزرج جو ملک سبا کے رہنے والے تھے مدینے میں آئے اور یہودیوں پر غالب ہوئے اور ان پر اس قدر مظالم کیے کہ انہوں نے تنگ آکر خدا سے دُعا کی کہ الٰہی تو نبی آخرالزماں کے طفیل ہماری مدد کر ہمیں ان پر فتح دے، قبائل اوس وخزرج ان کی یہ دعا سن کر تعجب کرتے تھے اور ان سے پوچھتے یہ کیا بات ہے تو وہ ان سے کہتے کہ عنقریب نبی آخرالزماں پیدا ہوں گے، ہم ان کے ساتھ ہوکر تمہیں ہلاک کریں گے، کچھ دنوں کے بعد اوس وخزرج میں دشمنی پھیلی اور سو برس تک ان میں لڑائی ہوتی رہی، یہود کے جو دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر مدینے میں رہتے تھے اور اوس وخزرج مغلوب تھے ان میں سے بنی قریظہ نے اوس سے اور بنی نضیر نے خزرج سے مدد کرنے کا معاہدہ کیا اور ہر ایک ان میں کا لڑائی کے وقت اپنے حلیف کی مدد کرتا اور جو گرفتار ہوتا ان میں سے کوئی فدیہ دیکر چھڑاتا یہاں تک کہ ہجرت سے پہلے اوس وخزرج میں بہت خوں ریز جنگ ہوئی جو اب تک عرب میں مشہور ہے اسے جنگ یوم البعاث کہا جاتا ہے، جب حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینے تشریف فرما ہوئے تو اوس و خزرج ایمان لائے اور انصار کے نام سے مشہور ہوئے آپس کی عداوت ختم ہوئی اور یہودی حسد کی وجہ سے ایمان نہ لائے اور کہہ دیا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم ذکر کرتے تھے، انہیں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ (مجاہد)

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ

غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے [٦٥] اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے اور جب ان سے کہا جائے

لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اس پر ایمان لاتے ہیں

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ

اور باقی سے منکر ہوتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا تم فرماؤ

فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾

کہ پھر اگلے انبیا کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا [٦٦]

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر تشریف لایا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

اور تم ظالم تھے اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہِ طور کو تمہارے سروں پر

الطُّوْرَ ۗ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۗ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

بلند کیا لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے اور سنو! بولے: ہم نے سنا اور نہ مانا

وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۗ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ

اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کے سبب، تم فرمادو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو [٦٧] تم فرماؤ اگر پچھلا گھر

عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لیے ہو نہ اوروں کے لیے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو اگر

٦٥ - یہ آیت بھی پہلی آیت کا تتمہ ہے اور یہود کی کج روی اور تعصب اور حسد کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن عظیم کا انکار اس ضد پر کرتے تھے کہ نبی دوسرے خاندان کا کیوں آگیا اور اس پر کتاب کیوں اتاری گئی اس کے مستحق تو ہم تھے، ہم میں ہمیشہ انبیا ہوتے اور کتاب نازل ہوتی آئی ہے، گویا یہود کا انکار کسی شبہہ اور شک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض عناد و تعصب کی وجہ سے تھا، اسی کو آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ کس برے مولوں اور داموں سے انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے اتارے ہوئے

قرآن سے منکر ہو گئے، صرف اس بات سے جلن ہے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے جس بندے پر چاہے وحی اتارے تو وہ غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے، ایک تورات کو ضائع کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننے پر غضب الٰہی کے مستحق تھے ہی دوسرے قرآن عظیم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تصدیق نہ کرنے پر مورد غضب الٰہی ہوئے اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

تنبیہ: ﴿فَبَآؤُا بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ﴾[البقرۃ:۹۰] میں پہلے غضب سے مراد ابن عباس اور مجاہد کے نزدیک تورات کو ضائع کرنا اور اس میں تغیر کرنا اور دوسرے غضب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے، اور سدی کے نزدیک پہلے غضب سے بچھڑا پوجنا اور دوسرے سے حضور کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے، اور عکرمہ وابوالعالیہ وقتادہ کے نزدیک اول سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کرنا اور دوسرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے (سراج وابن کثیر)

۶۶ ۔ یہ آیت کریمہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہود کا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننا اور قرآن عظیم کا انکار کرنا محض تعصب اور عناد کی وجہ سے تھا نہ کسی اور وجہ سے، کیوں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ تم قرآن کریم پر ایمان لاؤ تو وہ اس کے جواب میں یہ کہتے تھے کہ ہم تو اس پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے تو یہ جواب صریح عناد ہی ہے، اس کی کیا خصوصیت کہ جو ان پر نازل ہوا اس پر تو وہ ایمان لائیں اور جو دوسروں پر نازل ہوا اس پر ایمان نہ لائیں اور اپنے عہد کے خلاف کریں، کلام الٰہی سب برابر ہے کسی نبی پر نازل ہوا ہو، اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اور جب ان سے یعنی یہودیوں سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے ہوئے قرآن پر ایمان لاؤ کہتے ہیں کہ وہ جو ہم پر اترا یعنی تورات اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں، یعنی انجیل وقرآن کا انکار کرتے ہیں جو تورات کے بعد اترے حالانکہ وہ قرآن حق ہے ان کے پاس والی تورات کی تصدیق فرماتا ہوا تو تم اے حبیب انہیں خاموش کرنے کے لیے فرماؤ کہ پھر تم نے اگلے انبیا کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب تورات پر ایمان تھا حالانکہ تورات میں انبیا کو قتل کرنے کی مناہی کی گئی تھی اور ان کی طاعت واتباع کا حکم کیا گیا تھا، یہ سرور انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود سے خطاب ہے اور انہیں عار دلائی گئی ہے قالہ سدی، (ابن کثیر) اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود کے قول ﴿نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا﴾[البقرۃ:۹۱] کو رد فرماتا ہے اور انہیں کے فعل سے ان پر حجت قائم کرتا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ حضرت موسیٰ جو معجزات تمہارے پاس لے کر آئے تو تم نے انہیں کیوں نہ مانا اور گائے کو کیوں پوجا اور احکام تورات پر عمل کرنے سے کیوں انکار کیا، اور جب تمہارے سروں پر کوہ طور اٹھایا گیا تو تم نے جان کے خوف سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا زبان سے اقرار کیا دل سے نہ کیا، تو تم اپنے دعوے میں کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوا جھوٹے ہو، اگر سچے ہوتے تو تورات کے احکام پر دل سے عمل کرتے۔ اسی کو اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ بیشک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں جیسے عصا، ید بیضا، دریا کا پھٹ جانا وغیرہ معجزات لے کر تشریف لائے پھر تم نے ان کے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا، اور یاد کرو جب ہم نے تم سے تورات پر عمل کرنے کا پیمان یعنی اقرار لیا اور جب تم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم نے کوہ طور تمہارے سروں پر بلند کیا اور ہم نے تم سے کہا لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور کے ساتھ اور سنو تم جو حکم کیے گئے ہو، تم بولے ہم نے سنا اور نہ مانا یعنی ہم نے تیرا قول سنا اور حکم کو نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا، یعنی بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں بھری ہوئی تھی ان کے کفر کے سبب، اے نبی تم ان سے فرمادو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر تم ایمان رکھتے ہو تورات پر یعنی تمہارا گمان غلط ہے تم تورات پر ایمان نہیں رکھتے کہ ایمان بالتوراۃ تکذیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمہیں حکم نہیں دیتا ہے بلکہ ان کی تصدیق کرنے کا حکم دیتا ہے اور تم انہیں جھٹلاتے ہو ان پر ایمان نہیں لاتے ہو۔۱۲

صٰدِقِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ؕ وَاللّٰہُ

سچے ہو — اور ہرگز کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے — ان بداعمالیوں کے سبب جو آگے کرچکے — اور اللہ

عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ۚ

خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ — اور بے شک تم ضرور انھیں پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی ہوس رکھتے ہیں

وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ۚ

اور مشرکوں سے ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس جیے

وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا

اور وہ اسے عذاب سے دور نہ کرے گا اتنی عمر دیا جانا اور اللہ ان کے کوتک ما

یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی

دیکھ رہا ہے۔ ف۶۸ تم فرمادو جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو اس نے تو تمہارے

۶۸۔ شانِ نزول: چونکہ یہود کا منجملہ اور خیالاتِ باطلہ کے ایک خیال یہ بھی تھا کہ ﴿لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا﴾[البقرۃ:۱۱۱] یعنی جنت میں سوائے یہود کے کسی مذہب وملت کا آدمی داخل نہ ہوگا اور کسی کو سعادت اُخروی نصیب نہ ہوگی اس لیے ہم اپنی کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب کو نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے نبی تم ان سے فرماؤ کہ اگر پچھلا گھر جنت اللہ کے نزدیک خاص تمہارے لیے ہے نہ اوروں کے لیے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو بھلا موت کی آرزو تو کرو تم اپنے گمان میں سچے ہو کہ وہ خاص تمہارے ہی لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس میں داخل ہونے کا ذریعہ اختیار کرو اور وہ ذریعہ موت کی آرزو کرنا ہے کہ جنت بغیر مرے ہوئے نہیں مل سکتی ہے لہٰذا مرنے کی آرزو کرو، کیونکہ جو لوگ جنت اور اس کی نعمتوں کا یقین کامل رکھتے وہ اس کے مشتاق ہوتے ہیں اور اس میں جلد جانے کی آرزو رکھتے ہیں اور دنیا کو اس کے آگے ہیچ سمجھتے ہیں، ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ﴾[التوبۃ:۱۱۱]. یعنی اللہ نے مسلمانوں کے جان، ومال جنت کے بدلے مول لے لیے ہیں۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللھم الرفیق الاعلیٰ فرمایا کرتے تھے، یعنی اے اللہ مجھ کو عالم قدس میں پہنچادے، اس لیے سچے مومن شہادت کے آرزو کیا کرتے تھے اور موت کو زندگی پر ترجیح دیا کرتے تھے، چنانچہ اصحاب عشرہ مبشرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنت کے مشتاق اور موت کے آرزومند رہا کرتے تھے، جنگ احد میں جب ایک صحابی نے حضور سے آخرت کی خوبیاں سنیں تو اپنا توشہ دان پھینک کر کفار سے مقابلہ کے لیے دوڑے اور کہا کہ اب جنت ہی میں جاکر کھائیں گے اور اس کے شوق میں جاکر شہید ہوئے، اور جب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے سردار رستم کو خط لکھا تو اس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ میرے ساتھ وہ قوم ہے جو مرنے کو محبوب رکھتی ہے جیسے عجمی شراب کو محبوب رکھتے ہیں (حقانی وسراج وغیرہ) پس اللہ تعالیٰ پیشین گوئی فرماتا ہے کہ یہ لوگ پکے دنیادار ہیں آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں یہ ہرگز کبھی موت کی آرزو نہ کریں گے ان بداعمالیوں کے سبب جو آگے کرچکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو پس ان کے فعل کی انہیں جزادے گا، اور بیشک تم اے نبی ضرور پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی ہوس یہی رکھتے ہیں اور مشرکوں سے ہر ایک کو تمنا ہے کہ کہیں وہ ہزار برس جیے اور اسے اتنی عمر دیا جانا

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى

دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ

و بشارت مسلمانوں کو جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں

وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا ف۶۹ اور بے شک ہم نے

عذاب الٰہی سے دور نہ کرے گا اور اللہ ان کے کوتک برے فعل دیکھ رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ولن یتمنوہ سے مباہلہ اور موت کی دعا کرنا مراد ہے۔ قتادہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود سے مباہلہ کے لیے کہا کہ آؤ موت کی دعا کریں جو جھوٹا ہو وہ ہلاک ہو تو انہوں نے مہلت مانگی پھر آ کر آپس میں کہا کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ پیغمبر ہیں اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو سب ہلاک ہو جاؤ گے، پھر حضور سے آکر کہا کہ آپ کے لیئے آپ کا مذہب ہے اور ہمارے لئے ہمارا مذہب ہے ہم مباہلہ نہیں کرتے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: اگر یہود مباہلہ کرتے تو سب ہلاک ہو جاتے کوئی کہیں نہ بچتا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر یہود موت کی آرزو کرتے تو اپنے تھوک میں ڈوبتے اور مر جاتے کوئی یہودی روئے زمین میں زندہ نہ رہتا (ابن کثیر و بیضاوی وغیرہ) فائدہ : دنیا کی مصیبتوں سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنا ناجائز ہے، حدیث میں آیا ہے "لا یتمنین احد کم الموت بفرار نزل به (صحاح)" اور شوق آخرت کے لیے یا حفاظت ایمان کے لیے موت کی دعا کرنا جائز ہے۔

۶۹ ۔ شانِ نزول: اس کا مختلف طور سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے اور یہود کو ہدایت کرنا شروع کی تو یہودیوں نے اپنے چند علما کو جن کا سردار عبداللہ بن صوریا تھا حضور کی خدمت میں بھیجا انہوں نے آ کر عرض کیا کہ ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں، اگر آپ نے صحیح جواب دیا تو آپ وہی ہیں جن کے آنے کی خبر موسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں اور پانچ باتیں پوچھیں (۱) اول یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا (۲) جس نبی کا ذکر توارات میں ہے اس کی کیا علامت ہے (۳) پیٹ کے اندر بچہ نر و مادہ کیسے اور کیوں ہوتا ہے (۴) آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے (۵) کڑک اور بجلی کیا ہے، تو حضور نے ان سے ایمان لانے کا اقرار لے کر پانچوں باتوں کا ٹھیک جواب دیا جو انہوں نے تسلیم کیا تب حضور نے ان سے فرمایا کہ اب تم ایمان کیوں نہیں لاتے ہو، بولے جو فرشتہ آپ پر وحی لاتا ہے یعنی جبرئیل وہ ہمارا دشمن ہے، کیونکہ اس نے کئی بار ہمیں عذاب پہنچایا ہے، اگر میکائل ہوتا ایمان لاتے (حقانی بروایت ابن جریر و احمد و طبرانی وغیرہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا جواب دیا کہ اے نبی تم ان سے فرمادو کہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہو وہ خدا کا دشمن ہے تو اس جبرئل نے اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر یہ قرآن اتارا ہے جو اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے اور ہدایت کرتا ہے اور بشارت دیتا ہے مسلمانوں کو جنت کی، جو کوئی دشمن ہوا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا کیوں کہ خدا کے فرشتوں اور رسولوں سے عداوت رکھنا کفر ہے اور باعثِ عداوتِ خدا ہے اور خدا کے محبوبوں سے دشمنی رکھنا خدا سے دشمنی رکھنا ہے۔

اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا

تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ۔ ف۷۰ اور کیا جب کبھی

عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کوئی عہد کرتے ہیں ان میں ایک فریق اسے پھینک دیتا ہے بلکہ ان میں بہتیروں کو ایمان نہیں

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں کی تصدیق فرماتا

فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

کچھ علم ہی نہیں رکھتے ف۷۱ اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانے میں

۷۰۔ شانِ نزول: یہ آیت عبداللہ ابن صوریا کے رد میں نازل ہوئی ہے جو علمائے یہود سے تھا، اس نے بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور سے کہا کہ آپ میں کوئی نشانی نہیں ہے اور نہ کوئی شے آپ پر نازل ہوئی کہ ہم آپ کی تصدیق واتباع کریں (ابن کثیر ومدارک) اس کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور بیشک ہم نے اے حبیب تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں جو نبی ہونے کی کھلی دلیل ہیں اس کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق یعنی کافر لوگ، لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ تم پر کوئی شے نازل نہیں ہوئی اور نہ تم میں کوئی نشانی پائی جاتی ہے محض لغو ہے بالکل غلط۔

تنبیہ: اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم میں جس جگہ کافر کی صفت میں فاسق آیا ہے جیسے یہاں اس سے حد درجہ کا کفر مراد ہے اور جس جگہ اہل ایمان کی صفت میں آیا ہے اس سے گناہ کبیرہ مراد ہے (عزیزی)

۷۱۔ شانِ نزول: جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالک بن صیف یہودی کو وہ عہد یاد دلایا جو یہود نے حضور پر ایمان لانے کے متعلق کیا تھا تو اس نے اس عہد سے انکار کیا، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا: جب کبھی وہ اللہ سے نبی پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا کوئی عہد کرتے ہیں تو ان میں کا ایک فریق اسے پھینک دیتا ہے یعنی عہد توڑ دیتا ہے عمل نہیں کرتا، چنانچہ زمانہ اقدس میں بھی بنی قریظہ اور بنی نضیر نے کئی بار حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے بدخواہ نہ ہوں گے اور مشرکوں کی مدد نہ کریں گے اور ہر دفعہ اس معاہدے کے خلاف کیا اور اپنے عہد کو توڑا جیسا کہ ان سے پہلے یہود کیا کرتے تھے بلکہ بہتیروں کو ایمان نہیں ہے یعنی اکثر ان میں کے ایمان نہیں لاتے ہیں، اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہوا تو کتاب والوں یعنی یہود سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب تورات اپنے پیٹھ کے پیچھے پھینک دی یعنی اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا، گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے ہیں کہ اس میں کیا ہے۔ سدی کہتے کہ جب یہود نے تورات کو قرآن کے موافق پایا تو انہوں نے تورات کو بھی چھوڑ دیا "ولما جاء هم الخ" میں اسی کا بیان ہے جس سے یہود کی سرتابی اور نقض عہد ثابت ہوتا ہے کہ جب حضور ان کے پاس تشریف لائے اور تورات وغیرہ کی تصدیق کی تو وہ اپنی کتاب کے بھی پابند نہ رہے، اور کتاب اللہ سے مراد

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ

اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

اور وہ (جادو) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اترا اور وہ دونوں

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ

کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو تو

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ

ان سے سیکھتے وہ جس سے جدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے

بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا

کسی کو مگر خدا کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان دے گا

يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟

نفع نہ دے گا اور بے شک ضرور انھیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ

اور بے شک کیا بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانیں بیچیں کسی طرح انھیں علم ہوتا اور اگر وہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾

ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے۔ کسی طرح انھیں علم ہوتا۔ ف۲ے

توراۃ ہے اسی کو اکثر نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر ہے اور بعض نے اس سے قرآن عظیم مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر و سراج وغیرہ)

۲ے۔ شان نزول: چونکہ یہود من جملہ دیگر بداعمالیوں کے سحر و ساحری کے بھی معتقد تھے اور اس کو دیکھنے اور کرنے میں اس درجہ منہمک رہتے تھے اور اس کو سیکھنے اور کرنے میں اپنی کتاب کو بھی چھوڑ دیا تھا اور اسے سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کا علم بتاتے تھے، جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسند رسالت پر جلوہ فرما ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمرہ انبیا میں داخل فرمایا تو یہودی بولے کہ دیکھو یہ سلیمان علیہ السلام کو انبیا میں شمار کرتے ہیں انہیں نبی کہتے ہیں حالانکہ وہ معاذ اللہ جادوگر تھے اور نبی نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو رد کرنے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی براءت اور جادو کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ: اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانہ میں یعنی سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جو جنات آسمان کی باتیں سن کر آتے اور اس میں اپنی طرف سے جھوٹی باتیں ملا کر کاہنوں کو بتاتے تھے اور کاہن انہیں بیاضوں میں لکھ لیتے تھے اور لوگوں پر ظاہر کرتے تھے کہ جنات غیب جانتے ہیں، جب یہ خبر سلیمان علیہ السلام کو ہوئی تو انہوں نے وہ سب کتابیں لے کر اپنے تخت کے

نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شیاطین نے لوگوں کو ان کتابوں کا پتہ بتایا، لوگوں نے وہ کتابیں نکالیں اور ان میں سحر کی باتیں پائیں تو شیطان نے ان سے کہا کہ اسی سحر کی وجہ سے سلیمان علیہ السلام بادشاہ بنے تھے اور جنات وہوا کو مسخر کیا تھا پس تم بھی اسی کو سیکھو اور اپنی کتابوں کو چھوڑ دو تو وہ شیطانوں کے بہکاوے سے سحر وساحری میں مشغول ہوئے اور اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا، اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام پر سے الزام دفع فرماتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہ کیا تھا یعنی وہ جادوگر نہ تھے کہ جادو کفر ہے ہاں شیطان کافر ہوئے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، اور وہ جادو جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا تھا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے جب تک کہ وہ لوگوں سے بطور نصیحت یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تیری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو، یعنی ہم اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش کے لیے آئے ہیں تو جو کوئی اسے سیکھے گا کافر ہوگا اور جو نہ سیکھے گا کہ مومن رہے گا، پس تم اسے سیکھ کر اپنا ایمان نہ کھوو، جب وہ ان کا کہا نہ مانتے تو ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں، اور اس جادو سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے، اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں آخرت میں نقصان دے گا نفع نہ دے گا اور بیشک ضرور انہیں یہود کو معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر سحر سیکھنا کرنا اختیار کیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے اور بیشک کیا بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں، کسی طرح انہیں یہ علم ہوتا کہ وہ بہت بری چیز ہے اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں جائیں گے عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے، اور اگر وہ یہود ایمان لاتے نبی پر اور قرآن پر اور پرہیز گاری کرتے سحر وغیرہ گناہ کی باتوں سے بچتے تو ثواب پاتے عذاب الٰہی سے محفوظ رہتے تو اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے کسی طرح انہیں یہ علم ہوتا کہ اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے اس سے جو انہوں نے اختیار کیا ہے۔

تنبیہ: یہاں چند باتیں جاننا ضروری ہیں: (۱) یہ کہ اہل سنت کے نزدیک سحر کی حقیقت ہے اور معتزلہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں محض تخیل ہے (۲) شیخ ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سحر مطلقاً کفر نہیں ہے بلکہ وہ سحر کفر ہے جس سے شرط ایمان میں جو باتیں لازم ہیں ان کا رد لازم آئے اور جو اس شرط ایمان کا رد لازم نہ آئے وہ کفر نہیں (مدارک) یعنی سحر میں کلماتِ شرک و کفر نہ ہوں، بھینٹ نہ چڑھانا پڑے وہ کفر نہیں ورنہ کفر ہے (۳) یہ کہ جادو کرنا کرانا، سیکھنا سکھانا شرعاً حرام ہے بلکہ کفر ہے جیسا کہ آیت سے مفہوم ہو رہا ہے (۴) یہ کہ اسباب خفیہ سے بلا توسل جناب الٰہی کی خلافِ عادات باتوں پر قدرت پانے کو سحر کہتے ہیں اس کی کچھ نہ کچھ تاثیر ضرور ہے محض نظر بندی اور قوت وہمیہ کا مغلوب ہونا نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مدینے میں حضور پر ایک یہودی نے جادو کیا اس سے حضور کچھ علیل ہو گئے (حقانی) (۵) جادو وغیرہ بغیر حکم خدا کے کچھ اثر نہیں کرتا ہے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے (۶) شیاطین سے مراد بُرے جنات ہیں (۷) ہاروت و ماروت شہر بابل میں جو عراق میں ہے دو نیک آدمی فرشتہ خصلت تھے اس لیے وہ فرشتہ مشہور ہو گئے تھے، حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی قول ہے، اور قرأت بکسر لام اس کی موئید ہے۔ فن سحر میں وہ ماہر تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی طاقت بخشی تھی نہ یہ کہ آسمان سے ان پر جادو نازل ہوا تھا وہ اسے لوگوں کو سکھاتے تھے جب وہ نہ مانتے تو انہیں سکھا دیتے تھے جیسا کہ آیت میں ہے، اور بقول بعض وہ فرشتے ہی لوگوں کی آزمائش کے لئے بھیجے گئے تھے، اس کی تائید ملکین سے ہوتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم، ان کے متعلق بعض روایات کی بنا پر جو زہرہ کا قصہ مشہور ہے وہ معتبر نہیں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو

وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ۳۷ وہ جو کافر ہیں کتابی

الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ

یا مشرک وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی اترے

رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

تمہارے رب کے پاس سے اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے

۳۷۔ شان نزول: حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کرام جمع ہو کر حضور کا وعظ و نصیحت سنا کرتے، جب کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو حضور سے راعنا کہا کرتے یعنی ہماری رعایت کیجیے، مہر فرمائیے ہم سمجھے نہیں، جب یہود نے مسلمانوں کو یہ لفظ بولتے سنا اور وہ سریانی زبان یا عبرانی زبان میں گالی تھی تو آپس میں کہنے لگے کہ ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پوشیدہ برا کہا کرتے تھے اب علانیہ کہا کریں گے پس وہ جب مجلس حضور میں آتے تو راعنا کہتے اور آپس میں ہنستے کہ اس کے معنی ان کی زبان میں احمق تھے وہ مراد لیتے، ایک دن سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے سنا اور سمجھا کہ وہ ان کی زبان سے واقف تھے تو انہوں نے یہود سے کہا: اے اللہ کے دشمنو! تم پر خدا کی لعنت ہو قسم ہے خدا کی اگر اب میں نے تمہیں حضور کی شان میں یہ لفظ کہتے سنا تو تمہاری گردن ماردوں گا تو یہود نے کہا تم بھی تو یہی کہتے لفظ کہتے ہو پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (سراج وعزیزی) اور مسلمانوں سے منع فرمایا کہ اے ایمان والو تم لفظ راعنا نہ کہو جس کے دو معنی ہوتے ہیں تم اگر چہ اسے اچھے معنی میں استعمال کرتے ہو مگر یہود کو اسے برے معنی میں استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے اس لیے تم اس لفظ کو بولنا چھوڑ دو تا کہ یہود کو اسے بولنے کا موقع نہ ملے بلکہ اس کے بجائے انظرنا کہا کرو، یعنی حضور ہم پر نظر کریں، اور پہلے ہی سے رسول کے ارشادات بغور سنو تا کہ تمہیں پھر دوبارہ پوچھنے کی حاجت ہی نہ پڑے اور کافروں اور یہودیوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں یہ توہین آمیز الفاظ بولتے ہیں دردناک عذاب ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں توہین اور کلمات گستاخانہ والفاظ بے ادبانہ بولنا حرام ہیں بلکہ ایسی تشبیہات دینا جس سے صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً حضور کی توہین وتنقیص ہوتی ہو کفر ہے اور حضور کا ادب ولحاظ رکھنا مسلمانوں پر لازم وواجب ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی شان میں ادنیٰ بے ادبی و گستاخی کرنا بھی پسند نہیں یہاں تک کہ حضور پر کسی کام میں سبقت کرنے، حضور کو نام لے کر پکارنے، حضور کے سامنے چلا کر بولنے، حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی بھی قرآن عظیم میں ممانعت فرمائی گئی ہے، اور ہمیں ادب و تہذیب سکھایا گیا ہے اور حضور کی تعظیم وتوقیر کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے (کماسیاتی) تو وائے بر حال وہابیہ جو اپنی کتابوں میں حضور کی شان میں الفاظ بے ادبانہ لکھتے ہیں اور تشبیہات گستاخانہ دیتے ہیں جن سے توہین شانِ رسالت ہوتی ہے۔ حضور کے صدقے میں یہ شرف ہمیں بخشا ہے کہ قرآن عظیم میں اٹھاسی جگہ یا ایھا الذین اٰمنوا کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے جن میں سے یہ پہلی جگہ ہے، یہ شرف اور یہ خاصہ اسی امت اور اسی کتاب کا ہے کہ پہلی کتابوں میں انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہوتا تھا نہ ان کی امتوں سے، اور جب دنیا میں اپنے محبوب کی امت کو اس پیارے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے تو یقین ہے کہ عقبیٰ میں بھی اسے اہل امن وامان سے لقب فرمائے گا (عزیزی)

الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ

فضل والا ہے۔ ف۷۴ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر

اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ

یا اس جیسی لے آئیں گے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ کیا تجھے خبر نہیں

اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمہارا

اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ

نہ کوئی حمایتی نہ مددگار۔ ف۷۵ کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو

تنبیہ: اوراس میں ایمان والوں کوتنبیہ کی گئی ہے کہ وہ قول وفعل میں کفار کی مشابہت نہ کریں حدیث میں ہے "من تشبہ بقومٍ فھو منھم" جوجس قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہے۔

ف۷۴ ۔ شان نزول: یہ آیت ایک جماعت یہود کے حق میں نازل ہوئی جو مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے دوست ہیں اورتم پر بھلائی نازل ہونے کواچھا سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس آیت میں انہیں جھٹلاتا ہے اوران کا رد فرماتا ہے اور مسلمانوں کوان کی دشمنی کی خبر دیتا ہے کہ وہ جوکافر ہیں کتابی یا مشرک اہل عرب وہ حسد سے نہیں چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی بھلائی (وحی) اترے تمہارے رب کے پاس سے، یعنی یہود اور مشرک حسد وعناد کی وجہ سے یہ نہیں چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی اترے یا مدد نازل ہو اور اللہ اپنی رحمت سے نبوت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اہل کتاب کا حسد تو اس وجہ سے تھا کہ ان میں رسول مبعوث کیوں نہیں ہوئے جیسے کہ ہوتے آئے ہیں، اور مشرکین عرب کا حسد اس لیے تھا کہ بنی ہاشم میں نبی کیوں ہوا اور تمام اہل عرب اس کی اطاعت وتابعداری کیوں کریں جیسا کہ ابوجہل کہتا تھا کہ بنی ہاشم نے جو عزت حاصل کی تھی جب ہم نے بھی وہ عزت حاصل کرلی تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے تم اس کی کیسے برابری کرسکتے ہو تو ہم اسے ہرگز نہ مانیں گے، آیت میں خبر سے وحی مراد ہے یا مدد الٰہی اور یختص برحمتہ سے بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبوت مراد ہے اور بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام مراد ہے۔

ف۷۵ ۔ شان نزول: یہ آیت اللہ تعالیٰ نے یہود کے طعن واعتراض کے جواب میں نازل فرمائی جو وہ اسلام اور قرآن پر کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسی وحی ہے کہ کبھی کچھ حکم ہوتا ہے اور کبھی کچھ، اگر وہ حکم الٰہی ہوتا تو کبھی نہ بدلتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے خدا کا کلام نہیں ہے، اللہ فرماتا ہے کہ یہ بیوقوف اس رد وبدل کی حکمت کونہیں جانتے کہ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا دلوں سے بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے، یعنی جب ہم کسی آیت کی تلاوت یا حکم یا تلاوت وحکم دونوں کسی مصلحت سے منسوخ فرماتے ہیں، یا دلوں سے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل دوسری آیت لے آتے ہیں جو بندوں کے لیے زیادہ مفید اور سہل ہوتی ہے اوراس پر عمل کرنے کا ثواب اس سے بڑھ کر یا برابر ہوتا ہے، کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اوراسی میں سے نسخ وتبدیل ہے جو بندوں کی ضرورتوں کے موافق کی جاتی ہے، ان کی مصلحتوں کواللہ ہی خوب جانتا ہے، جیسا وقت وموقع دیکھتا ہے ویسا ہی حکم کرتا ہے، کیوں کہ قانون کی ترمیم کا حاکم کواختیار ہے، کسی دوسرے کواس میں دخل دینے واعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو ان میں جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کواس میں نکتہ چینی کا کیا

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ

جو پہلے موسیٰ سے ہوا تھا اور جو ایمان کے بدلے کفر لے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ

وہ ٹھیک راستہ بہک گیا۔ ف٧٦ بہت کتابیوں نے چاہا کاش

يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیردیں اپنے دلوں کی جلن سے

اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا

بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو اور درگزر کرو

حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾

یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حق ہے، اور اللہ کے سوا تمہارا اے محبوب نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار۔

تنبیہ: نسخ صرف امرونہی اور حلت وحرمت والی آیات میں ہوتا ہے نہ دوسرے مضامین کی آیت میں (ابن کثیر) اَلَمْ تَعْلَمْ میں دونوں جگہ منکر نسخ سے خطاب ہے یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور مراد اس سے امت ہے (سراج و بیضاوی) اور بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما "اَوْ نُنْسِهَا" سے وہ وحی مراد ہے جو رات میں حضور پر آتی تھی اور وہ صبح کو یاد نہ رہا کرتی تھی (ابن کثیر) طبرانی روایت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے رات کو نماز میں ایک سورت پڑھنا چاہی مگر نہ پڑھ سکے حالانکہ اسے روز پڑھا کرتے تھے، صبح کو جب صحابہ نے دوسرے صحابہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی وہ سورت یاد نہ رہی پس حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا فرمایا: وہ نسخ فرمادی اور دلوں سے بھلادی گئی (ابن کثیر وعزیزی وغیرہ)

٧٦۔ شانِ نزول: اس آیت کا مفسرین نے کئی طور سے بیان کیا ہے (١) بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب رافع ابن حرملہ اور وہب ابن زید نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمانی کتاب لائیں اور پتھر سے چشمے بہائیں تو ہم آپ پر ایمان لائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (٢) بقول قتادہ وسدی ومجاہد جب کفار قریش نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اگر آپ کوہ صفا کو سونے کا کردیں اور مکہ کو وسیع کردیں تو ہم ایمان لائیں، حضور نے فرمایا: اچھا یونہی ہوگا مگر بنی اسرائیل کے مائدہ کی طرح ہوگا، تو قریش نے اس سے انکار کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (٣) جب کفار قریش نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خدا کو علانیہ دکھانے کو کہا تب یہ آیت نازل ہوئی (٤) جب بعض مسلمانوں نے یہودیوں کے ورغلانے سے شک وشبہ میں پڑ کر بے ڈھنگے سوال کیے تو مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ وہ یہود کی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فضول سوال نہ کریں اور یہ آیت نازل فرمائی کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا، یعنی تم اپنے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ویسا ہی سوال کرتے ہو جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو علانیہ دکھادو، اس قسم کے سوالات تمہارے لغو ہیں ایمان لانے کے لیے نہیں ہیں، اور جو ایمان کو بدلے کفر سے اور دلائل واضحہ پر نظر نہ کرے وہ ٹھیک راستہ بہک گیا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

اور نماز[ا] قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی

خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ ف٧٧

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ

اور [اہل کتاب] بولے ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہو

اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۚ

ان کی خیال بندیاں ہیں تم فرماؤ لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو۔ ہاں کیوں نہیں

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا

جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لیے اور وہ نیکو کار ہے تو اس کا نیگ[ا] اس کے رب کے پاس ہے اور

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ ۧ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى

انھیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم ف٧٨ اور یہودی بولے نصرانی

عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ

کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں حالانکہ

يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح جاہلوں نے ان کی سی بات کہی

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ ف٧٩

ع ۱۴

تنبیہ: اس آیت میں تنبیہ ہے کہ رسول و نائبان رسول سے فضول سوالات نہ کیے جائیں۔

٧٧ ـ شان نزول: اس آیت کا سراج وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو حضور کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے شکست ہوئی تو یہودیوں نے حضرت عمار اور حضرت حذیفہ کو بہکانا شروع کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم دین حق پر ہوتے تو کیوں شکست کھاتے، اب بھی اگر تم ہمارے دین میں آجاوگے تو ہدایت پاؤ گے، حضرت عمار نے ان سے کہا کہ ہم نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے تیرے دین اسلام پر قائم رہیں گے اور رسول سے نہیں پھریں گے اور تم جانتے ہو کہ بدعہدی سخت گناہ ہے، تم لوگ بدعہد ہو کہ معاہدۂ تورات کو توڑ بیٹھے، اور حضرت حذیفہ نے بھی اسی قسم کا جواب بالفاظ دیگر دیا، پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر

واقعہ عرض کیا فرمایا: تم خیر وفلاح کو پہنچے تو آیت نازل ہوئی کہ بہت سے کتابیوں نے چاہا کہ کاش تمہیں اے مسلمانو ایمان لانے کے بعد بہکا کر کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دل کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے توراۃ میں ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں تو تم اے مسلمانو انہیں چھوڑو اور ان سے درگزر کرو انتقام نہ لو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے ان سے انتقام لینے کا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور پانچوں وقت کی نماز قائم رکھو اور مالوں کی زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے یعنی زندگی میں جو نماز، روزہ، صدقہ، خیرات وغیرہ نیک کام کرو گے ان کا ثواب اللہ کے یہاں پاؤ گے، بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اس کی جزا تمہیں دے گا ضائع نہ فرمائے گا۔

تنبیہ: حسد، شرعاً حرام اور سخت گناہ ہے، احادیث میں آیا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو، اور وہ کسی کی نعمت خداداد کے زوال کو چاہتا ہے، اسی کی ایک قسم غبطہ ہے جسے رشک کہتے ہیں جو جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کی زوال نعمت کو نہ چاہے اور اپنے لیے ویسی نعمت چاہے کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی ہی نعمت دیتا۔

۷۸ ۔ شان نزول: اس آیت کا مدینے کے یہودی اور نجران کے نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں کو بہکانے اور اسلام سے پھیرنے کے لیے من جملہ اور باتوں کے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جنت میں سوائے یہود یا نصاریٰ کے کسی اور دین کا شخص داخل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان کے اس مقولہ کو ذکر فرما کر اس کا رد فرماتا ہے کہ اور اہل کتاب بولے ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ان کی خیال بندیاں ہیں تم اے محبوب ان سے فرماؤ: لاؤ اپنی اپنی دلیل اس پر اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ جنت میں سوائے ہمارے کوئی داخل نہ ہوگا، سعادت اخروی کسی کو حاصل نہ ہوگی، ہاں کیوں نہیں جا سکتا ہے جنت میں وہ جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لیے اور وہ نکوکار ہے تو اس کا نیگ اس کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم، یعنی اہل کتاب کا یہ قول غلط ہے، بلکہ جنت میں ہر وہ شخص جائے گا جس نے اللہ کے لیے اپنا منہ جھکایا اور اس کا تابعدار ہوا اور وہ مومن موحد کا نیک عمل ہے، پس اس کے لیے اس کے عمل کا ثواب اس کے رب کے پاس ہے اور وہ دخول جنت ہے اور انہیں آخرت میں نہ کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم ہو۔

۷۹ ۔ شان نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں علمائے یہود اور ایک گروہ نجران کے نصاریٰ کا حاضر ہو کر آپس میں جھگڑنے لگا، یہود میں سے رافع بن حرملہ نے انجیل کا انکار کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کلمات گستاخانہ کہے اور نصرانیوں سے کہا کہ تمہارا مذہب کچھ نہیں، اس پر عیسائیوں میں سے ایک نے توراۃ سے انکار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی شان میں الفاظ بے ادبانہ کہے اور مذہب کو برا اور لغو کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں ہیں، اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں ہیں، یعنی ان کا مذہب کچھ نہیں ہے حالانکہ وہ دونوں کتاب توراۃ وانجیل پڑھتے ہیں اور توراۃ میں تصدیق عیسیٰ کی ہے اور انجیل میں تصدیق موسیٰ کی ہے، علیہم الصلوٰۃ والسلام، اور اسی طرح جاہلوں مشرکوں نے یہود ونصاریٰ کی سی بات کہی تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں وہ جھگڑ رہے ہیں، یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح مشرکین عرب وغیرہ جنہیں کتاب کا علم نہیں اور نہ وہ اہل کتاب تھے وہ بھی ایسا ہی خیال رکھتے ہیں اور اپنے اعمال وعقائد کو حق کہتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے جھگڑے کا فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے اور کس کا مذہب حق ہے اور کس کا نہیں اور جو حق پر ہوگا اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو حق پر نہ ہوگا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے

وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَآ إِلَّا

اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر

خَآئِفِيْنَ ۥ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب

عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ

ف۸۰ اور پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہُ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے

۸۰۔ شان نزول: اس آیت کا بقول سعید ابن جبیر و عبد الرحمٰن بن زید مشرکین عرب ہیں کہ انہوں نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو جب کہ وہ مدینے سے مکہ کو عمرہ کرنے کے لیے گئے تھے، عمرہ کرنے سے روکا اور کہا کہ ہم ایسے لوگوں کو مسجد حرام میں نہیں آنے دیں گے جنہوں نے بدر کے روز ہمارے باپ بھائیوں وغیرہ عزیزوں کو قتل کیا تھا، گویا انہوں نے مسلمانوں کو ذکر خدا سے روکا اور مسجد حرام ویران کرنے کی کوشش کی، اور بقول ابن عباس و مجاہد و قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ عیسائی ہیں جنہوں نے بخت نصر کی مدد سے بیت المقدس کو خراب کیا اور اس میں کوڑا ڈالا، سوئر ذبح کیے (ابن کثیر) بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے جو شخص بھی مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے وہ اس حکم میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے، یعنی نماز پڑھنے، ذکر الٰہی کرنے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے یعنی ان کو ڈھانے، لوگوں کو ان میں نہ آنے دینے میں، غلاظت ڈالنے کی کوشش کرے جیسا کہ بیت المقدس میں کیا گیا اور سال حدیبیہ حضور اور ان کے صحابہ کو مسجد حرام میں جانے سے اور عمرہ کرنے سے روکا گیا، اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے میں حضور پر مردہ اونٹ کی ناپاک اوجھڑی ڈالی اور ایک بار حضور کی گردن مبارک میں خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں ابو جہل نے پٹکا ڈال کر اس زور سے کھنچا کہ حضور کی آنکھیں ابل آئیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خانہ کعبہ کے پاس اس قدر مارا کہ سر سے پاؤں تک خون میں نہا گئے اور حضرت صدیق اکبر کے چبوترہ کو جس پر وہ نماز پڑھا کرتے عبادت کیا کرتے تھے توڑ ڈالا (حقانی) ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، یعنی یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ مسجدوں میں بے خوف جائیں، چنانچہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان کروادیا کہ اس سال کے اندر کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہ ہو اور نہ کوئی ننگا طواف کرے، ان کو دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دنیا کی رسوائی اور عذاب آخرت سے بچنے کی دعا فرمایا کرتے تھے، اور خزیٌ سے عام رسوائی مراد ہے (ابن کثیر)

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۖ بَلْ

بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ ف۸۱ اور بولے خدا نے اپنے لیے اولاد رکھی، پاکی ہے اسے بلکہ

لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُونَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ

اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کے حضور گردن ڈالے ہیں۔ نیا پیدا کرنے والا آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾

اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہوجاتی ہے ف۸۲

۸۱ ـ شان نزول: اس کا کئی طرح سے منقول ہے (۱) بروایت عبداللہ بن عامر یہ ہے کہ ہم سفر جہاد میں حضور کے ساتھ اندھیری رات میں نماز میں مشغول ہوئے، اندھیرے کی وجہ سے قبلہ نہ معلوم کر سکے، جدھر جس کی سمجھ میں آیا ادھر منہ کر لیا، صبح کو معلوم ہوا کہ قبلہ رخ نماز نہ پڑھی گئی تو حضور سے اس کا ذکر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (۲) بعض روایات میں ہے کہ نماز سفر کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر میں سواری پر بیٹھ کر جس طرف سواری کا رخ ہو نفل نماز پڑھنا جائز ہے (ترمذی ونسائی) (۳) ابن عباس ومجاہد وقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کعبہ معظّمہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے اس پر طعنہ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (حقانی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پورب پچھّم سب اللہ ہی کا ہے، یعنی تمام زمین اور ہر جہت اللہ ہی کی ہے اور ہر جگہ وہ جلوہ نما ہے تو تم جدھر نماز میں منہ کرو اُدھر وجہ اللہ ہے یعنی اس کا قبلہ ہے بقول مجاہد اسی طرف اللہ ہے، بقول کلبی تو اسی کے لیے سجدہ ہوگا اور اسے اس کا علم ہوگا اور نماز جائز ہوگی کہ جہت قبلہ پہچاننے سے عاجز ہونے پر اٹکل سے نماز پڑھنا جائز ہے اور بعد نماز غلطی معلوم ہونے پر بھی نماز کا دوبارہ پڑھنا لازم نہیں آتا ہے کہ عاجز کا قبلہ جہت قدرت ہے اور اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ اندھیری مسجد میں لوگوں نے مختلف جہات پر نماز پڑھی اٹکل سے تو جائز ہوگی، ان پر مسجد کے در و دیوار محراب ٹٹولنا لازم نہیں ہیں (در مختار) اسی لیے پہلے شان نزول میں جب حضور کے روبرو واقعہ ذکر کیا گیا تو حضور نے نماز کو لوٹانے کا حکم نہ فرمایا۔

۸۲ ـ شان نزول: اس آیت کا یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں، عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور عرب کے مشرک ان کی دیکھا دیکھی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اللہ تعالیٰ ان آیات میں ان تینوں گروہوں کا قول ذکر فرما کر ان کا رد فرماتا ہے کہ اور بولے (یہود و نصاریٰ اور مشرک خدا نے اپنے لیے اولاد رکھی ہے، اللہ ان کے جواب میں فرماتا ہے: پاکی ہے اسے اولاد رکھنے سے بلکہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی میں عزیر و مسیح و ملائکہ ہیں اور وہ سب اس کے حضور عاجزی سے گردن ڈالتے ہیں یعنی اس کے تابعدار و فرمانبردار ہیں اور ملکیت ولدیت کے منافی ہے، وہ تو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا یعنی وہ بے نمونہ کے آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور جب وہ کسی بات کا حکم فرمائے یعنی جب وہ کسی چیز کے بنانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے وہ یہی فرماتا ہے کہ ہو جا پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے، حضرت ابن عباس و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اولاد آدم نے مجھے جھٹلایا اور مجھے گالی دی اور یہ اسے لائق نہ تھا ان کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ میں دوبارہ انہیں نہیں لوٹا سکتا ہوں اور ان کی گالی یہ ہے کہ انہوں نے میرے لیے اولاد رکھی (ابن کثیر)

تنبیہ: اللہ تعالیٰ نے ان سب کے قول کو اس طرح رد و باطل فرمایا ہے کہ تم جو اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو یہ محض تمہارا اللہ تعالیٰ پر افترا اور بہتان ہے، اللہ اولاد سے پاک و منزہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی اولاد نہیں ہو سکتے کہ ملکیت منافی ولدیت

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

اور جاہل بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا یا ہمیں کوئی نشانی ملے

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ

ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات، اِن کے اُن کے دل ایک سے ہیں

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا

بے شک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لیے بے شک ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بھیجا خوش خبری دیتا

وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ

اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا ف۸۳ اور ہرگز تم سے

الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ

یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو تم فرمادو کہ اللہ ہی کی ہدایت

ہے، دوسرے یہ کہ بیٹے کا باپ کی ہم جنس اور مثل ہونا ضروری ہے اور ہم جنس اور مثل خدا نہیں ہیں کہ وہ مخلوق ہیں اور مخلوق، خالق کا ہم جنس اور مثل نہیں ہوسکتی، تیسرے جو چیز آسمان وزمین میں ہے وہ اللہ کی مسخر و مطیع ہے کوئی اس سے سرتابی نہیں کرتا ہے، اگر خدا کے اولاد ہوتی تو وہ جز و خدا ہونے کے سبب مسخر و مطیع نہ ہوتی، چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بغیر مادہ اور بلا نمونہ اور وقفہ کے پیدا فرماتا ہے صرف اس سے یہ کہہ دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ فوراً ہوجاتی ہے اور اولاد باپ کے مادہ سے بتدریج پیدا ہوتی ہے تو وہ کیسے خدا کی اولاد ہوسکتی ہے۔

۸۳ ۔ شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رافع بن حرملہ یہودی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ رسول ہیں تو خدا ہم سے کیوں نہیں کہہ دیتا کہ آپ رسول ہیں یا کوئی کھلی ہوئی نشانی کیوں نہیں ظاہر کرتا جس سے ہم پہچان لیں کہ آپ رسول ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی، اسی کو جلال محلی نے اختیار کیا ہے اور قتادہ وغیرہ نے اس سے مشرکین عرب اور مجاہد نے نصاریٰ مراد لیے ہیں (سراج وابن کثیر) بہر حال اللہ تعالیٰ ان سب کا قول ذکر فرما کر اس کا جواب دیتا ہے کہ: اور جاہل کفار بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتا ہے کیوں نہیں کہہ دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں یا ہمیں کوئی نشانی ملے جس سے ہم پہچان لیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات یعنی ان سے پہلی امتوں کے کفار نے بھی اپنے انبیا سے ایسا ہی کہا تھا اور نشانیاں طلب کی تھیں، اِن کے اُن کے دل ایک سے ہیں یعنی ان کے اور ان سے اگلوں کے دل کفر و عناد میں ایک سے ہیں، اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ بیشک ہم نے نشانیاں کھول دی ہیں ظاہر کردی ہیں یقین کرنے والوں کے لیے، نہ تعصب اور عناد رکھنے والوں کے لیے کہ ان کا باوجود روشن نشانیوں کے اور نشانیاں چاہنا محض سرکشی و عناد ہے، بیشک ہم نے تمہیں اے محبوب، حق قرآن کے ساتھ بھیجا ہے لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیتا اور دوزخ کا ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا کہ یہ کیوں نہیں ایمان لائے، کیونکہ تم نے حق تبلیغ پورا ادا کیا اور انہیں اللہ کی طرف بلایا اب ہمیں ان سے حساب لینا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ط﴾ [رعد:۴۰]

هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ

ہدایت ہے اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار ف۸۴ جنھیں ہم نے

الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

کتاب دی ہے وہ جیسی چاہیے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر

بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ

ہوں تو وہی زیاں کارلے ہیں ف۸۵ اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا احسان

الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا

جو میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے اس زمانے کے سب لوگوں پر تمھیں بڑائی دی۔ اور ڈرو

۸۴۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہود ونصاریٰ کا تعصب وعناد ظاہر فرما کر آگاہ کردیا تھا کہ آپ ان کے سامنے کیسے ہی معجزے لائیں وہ آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ سے راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی نہ کریں، تو آپ کو ان کے ایمان لانے کے درپے نہ ہونا چاہیے، اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اور ہرگز تم سے یہود ونصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کروگے، تم فرمادو ان سے اے محبوب اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور ماسوا اس کے گمراہی ہے، اور اگر تو فرضاً ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا جن کی طرف وہ تجھے بلاتے ہیں بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا بذریعہ وحی کہ اسلام ہی اللہ کا دین ہے تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار ہوگا۔

تنبیہ: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ﴾ [البقرة:۱۲۰] میں خطاب حضور سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور مراد اس سے حضور کی امت ہے جیسا کہ "لیحبط عملك" میں خطاب حضور سے ہے اور مراد اس سے حضور کی امت ہے (سراج) اس قسم کی تاکید وتہدید جو معصومین کو کی جاتی ہے اس سے ان کی امت کے لوگوں کو زجر وتوبیخ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ ہمارے بڑوں کے بارے میں یہ تہدید ہے تو ہم ادنیٰ کس شمار میں ہیں اور کس طرح مطمئن ہوں (عزیزی) شیخ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اس میں امت کے لیے سخت تہدید ووعید ہے یہود ونصاریٰ کے طریقوں کی پیروی کرنے پر بعد اس کے کہ وہ قرآن وسنت کو جان چکے، پس اس میں خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور حکم حضور کی امت کو ہے۔

۸۵۔ شان نزول: یہ آیت مومنین اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی جو حبشہ سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آئے تھے اور مدینے میں آکر مسلمان ہوئے تھے، ان میں بتیس یمن کے تھے اور آٹھ علمائے شام تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنھیں ہم نے کتاب توراۃ دی ہے وہ جیسی چاہیے اس کی تلاوت کرتے ہیں یعنی جس طرح کتاب نازل کی گئی ہے اسی طرح وہ اسے پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اس کتاب کو جو انہیں دی گئی ہے منکر ہوں اس طرح سے کہ اس میں تحریف کریں اور جو اس میں ہے اس کی تصدیق نہ کریں تو وہی زیاں کار ہے۔

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

اس دن سے کہ کوئی جان دوسرے کا بدلا نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑیں

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ

اور نہ کافر کو کوئی سفارش نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔ ٨٦ اور جب ابراہیم کو

رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ

اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، عرض کی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ

اور میری اولاد سے؛ فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ٨٧ اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ

لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ اور ہم نے تاکید فرمائی

اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

ابراہیم و اسمٰعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں

تنبیہ: آیت میں الذین سے مسلمان مراد ہیں اور کتاب سے قرآن عظیم مراد ہے، یا الذین سے اہل کتاب مراد ہیں اور کتاب سے توراۃ وانجیل مراد ہے (مدارک) اور حق تلاوت بقول حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے کہ جب ان آیات کو تلاوت کرے جن میں ذکر جنت ہے تو جنت کی خواستگاری کرے اور جب ان آیات کو پڑھے جن میں دوزخ کا ذکر ہے تو دوزخ سے پناہ مانگے، اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق تلاوت یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے اور جس طرح وہ نازل ہوئی ہے اسی طرح پڑھے اس میں تحریف نہ کرے اور نہ ہی بے موقع ان کی تاویل کرے، یہی قول حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ اکابر مفسرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔

٨٦ - شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائی تھیں اور درمیان میں ان کے عیب اور بدکاریاں یاد دلا کر تاکید فرماتا ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہی نبی امی ہیں جن کا ذکر توراۃ وانجیل میں ہے اور جن کے اوصاف پچھلی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں، وہی پہلے بھی تم پر انعامات کثیرہ کے سبب تھے اور اب بھی وہی ذریعہ انعامات الٰہی ہیں، انہیں کے صدقے میں بندوں کو خدا کی نعمتیں ملتی ہیں، لہٰذا تم ان پر ایمان لاؤ اور انہیں کو وسیلۂ نجات بناؤ، ان کے سوا بارگاہ الٰہی میں نہ کسی کی شفارش مانی جائے گی اور نہ کوئی کوشش کارگر ہوگی، یعنی اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا کہ فرعون کے مظالم سے میں نے تمہیں نجات دی اور دریا میں تمہارے لیے راستہ بنایا اور فرعون والوں کے ہاتھ سے تمہیں بچایا اور انہیں غرق کیا اور پتھر سے تمہارے پینے کے لیے پانی نکالا اور کھانے کے لیے من وسلویٰ نازل کیا اور ابر کا تم پر سایہ کیا، اور یاد کرو وہ احسان جو میں نے اس زمانے کے سب لوگوں پر تمہیں بڑائی دی کہ تم میں انبیا وعلما وصلحا پیدا کیے اور ڈرو اس دن سے یعنی قیامت کے دن سے کہ اس روز کوئی جان نہ دوسرے کا بدلہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر

چھوڑیں گے اور نہ کافر کو کوئی سفارش نفع دے گی اور نہ ان کی مدد ہوگی تو ان کی خام خیالی ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کو جو نبی ہوئے ہیں خیال کرتے ہیں کہ وہ انہیں سفارش کر کے دوزخ سے بچالیں گے یا وہ چند روز عذاب دیے جائیں گے پھر چھوٹ جائیں گے۔

۸۷ ۔ چونکہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ نبوت ہماری خاندانی ہے ہمیشہ سے اولاد اسحٰق میں ہوتی آئی ہے اولاد اسمٰعیل میں کوئی نبی نہیں ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اس لیے ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تردید گذشتہ آیات میں بخوبی کردی تھی لیکن اب یہاں سے سیقول تک ان کی تردید دوسرے طریقہ سے فرماتا ہے کہ اسمٰعیل واسحٰق دونوں ابراہیم کے بیٹے تھے اور ابراہیم کی دعا سے انہیں نبوت ملی تھی اور یہ شرط کی گئی تھی کہ ان کی نافرمان اولاد کو نبوت نہیں ملے گی اور انہوں نے یہ دُعا بھی کی تھی کہ اہل مکہ میں سے کوئی نبی کر، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے بموجب شرط نیک بندوں میں سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا انتخاب کیا گیا اور انہیں شرف نبوت بخشا گیا، اس میں تمہارے جلنے اور حسد کرنے اور ان پر ایمان نہ لانے کی کوئی وجہ نہیں، کہ حضرت ابراہیم کو مانتے اور ملت ابراہیمی کی پیروی کرنے کا دعویٰ کرتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے، اسی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ: اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے یعنی ابراہیم نے وہ باتیں پوری کر دکھائیں کہ زندگی بھر ان پر عمل کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں دین میں، تو ابراہیم نے عرض کی اور میری اولاد سے بھی امام بنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا یعنی میرا وعدۂ نبوت تمہاری اولاد میں سے ظالموں کو نہیں پہنچتا جو ظالم نہ ہوگا اس کو امام بناؤں گا۔

تنبیہ: جن کلمات کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائے گئے تھے وہ کیا تھے اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ احکام دین تھے، اور بقول قتادہ وہ مناسک حج تھے، یعنی طواف، سعی، رمی، احرام، قیام عرفات وغیرہ، اور بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ شرائع اسلام تین قسم کے تھے جن میں سے دس سورۂ برأۃ کی آیت التائبون الخ میں اور دس سورۂ احزاب کی آیت ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ﴾ الخ [الاحزاب:۳۵] میں اور دس سورۂ مومنین کی آیت قد افلح سے یحافظون تک، اور سأل سائل میں ہم بشھادتھم قائمون تک بیان کیے گئے ہیں، اور انہیں سے دوسری روایت میں ہے کہ وہ دس چیزیں یہ تھیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، کنگھا کرنا، مانگ نکالنا، ناخن کاٹنا، مونچھیں تراشنا، بغلوں کے اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا، ختنہ کرنا اور پانی سے استنجا کرنا، اور بقول حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابراہیم کی آزمائش چاند سورج ستاروں سے کی گئی جن میں انہوں نے غور کر کے اللہ تعالیٰ کو پہنچانا اور آگ سے امتحان کیا گیا اور صابر رہے اور بیٹے کو ذبح کرنے اور ہجرت کرنے سے آزمایا گیا اور اس میں وہ ثابت قدم رہے اور بقول مجاہد وہ اس کے بعد کی آیات میں ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ [البقرة:۱۲۴] (سراج وابن کثیر) انہیں دس چیزوں کا مسلم کی حدیث میں فطری ہونا فرمایا گیا ہے۔

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

اور رکوع سجود والوں کے لیے۔ ف۸۸ اور جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے رب میرے! اس شہر کو امان والا کردے

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو اُن میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ

فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کروں گا،

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ

اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔ ف۸۹ اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں

وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا

اور اسمٰعیل یہ کہتے ہوئے کہ اے رب ہمارے! ہم سے قبول کر بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا۔ اے رب ہمارے!

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪

اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والے اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرماں بردار

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما۔ بے شک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے

۸۸ ۔ چونکہ یہود من جملہ اور اعتراضوں کے ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ خانہ کعبہ قدیمی عبادت گاہ نہیں ہے اور نہ ابراہیم علیہ السلام نے اسے بنایا ہے اور نہ اسے حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لیے مقرر کیا ہے، یہ عرب کے جاہلوں کا طریقہ مقرر کیا ہوا ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کو اپنایا ہے اور ان کے رسم ورواج کو اختیار کیا ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام کے خلاف اس کی طرف نماز پڑھتے اور اس کا حج وطواف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں ان کے اس اعتراض کو دفع فرماتا ہے اور خانہ کعبہ کی عظمت وبزرگی وفضل وشرف ظاہر فرماتا ہے کہ: اور یاد کرواے بنی اسرائیل جب ہم نے اس گھر کو یعنی خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا یعنی رجوع کرنے اور امان پانے کی جگہ بنایا کہ ہر طرف سے لوگ وہاں آتے ہیں اور قتل وغارت سے امن پاتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو وہاں پاتا ہے تو بدلہ نہیں لیتا باوجودیکہ عرب میں انتقام لینا لازمی تھا، اور ہم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ ابراہیم کے کھڑے رہنے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ، یعنی اس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسمٰعیل کو کہ میرا گھر ستھرا کرو ہر قسم کی پلیدگی سے طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لیے یعنی نماز

پڑھنے والوں کے لیے۔

تنبیہ: آیت میں بیت سے خانہ کعبہ مراد ہے، اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف نسبت کیا ہے اپنا گھر فرمایا ہے، اور بقول حسن بصری ان طھر سے ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھنا مراد ہے، اور بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بتوں کی پلیدگی سے پاک رکھنا مراد ہے، اور بقول مجاہد وغیرہ فحش کلام اور شرک وکفر کے کلمات سے پاک رکھنا مراد ہے، اور سعید ابن جبیر کے نزدیک طائفین سے وہ لوگ مراد ہیں جو خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے چاروں طرف سے آتے ہیں اور عاکفین سے مکہ میں رہنے والے مراد ہیں، اور مقام ابراہیم بقول ابن عباس وہ جگہ ہے جہاں حجر اسود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ بنایا تھا اور لوگوں کو اس کی طرف آنے کی آواز دی تھی، اور وہ اس قدر اونچا ہوتا جاتا تھا جس قدر خانہ کعبہ کی دیوریں اونچی ہوتی جاتی تھیں اس پر آپ کے پاؤں کے نشان بن گئے تھے جو باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے اب تک اس پر موجود ہیں۔ حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ مقام ابراہیم ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہم اسے جائے نماز کیوں نہ بنائیں تو حضور نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں ہوا ہے، ابھی آفتاب غروب ہونے نہیں پایا تھا کہ آیت ﴿واتخذو امن مقام ابراهیم مصلی﴾ نازل ہوئی اور اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا گیا، گویا یہ آیت کا شان نزول ہے۔ یہ ان تین جگہوں میں سے ایک جگہ ہے جہاں حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق وحی نازل ہوئی ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رکن مقام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اگر انہیں مشرکین کے ہاتھ نہ چھوتے تو مابین مشرق ومغرب ان سے روشن ہو جاتا، ترمذی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے مگر اس میں یہ ہے کہ اگر اللہ ان کے نور کو ماند نہ کر دیتا تو مشرق ومغرب کا درمیان ان سے روشن ہو جاتا اور اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم بعض کے نزدیک استحبابی ہے اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وجوبی ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور آیت مذکورہ تلاوت فرمائی (سراج وحقانی)

۸۹۔ یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے یعنی اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب! اس شہر مکہ کو امان کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا پھر بعد موت اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کروں گا اور وہ دوزخ بہت بری جگہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ معظمہ کو جائے امن کرنے اور اس میں رہنے والوں کے لیے روزی دینے کی دعا کی اور رہنے والوں میں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کو خاص کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور خانہ کعبہ کو حرم بنایا کہ اس میں آدمی کو نہ قتل کیا جائے اور نہ اس پر ظلم کیا جائے اور نہ اس میں کسی جانور کو شکار کیا جائے اور نہ اس کے آس پاس کی گھاس کاٹی جائے اور اس کے رہنے والوں کو اس طرح روزی پہنچائی کہ جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی طائف کو ملک شام سے منتقل کر کے مکہ میں قائم کیا جہاں پر ہر چیز پیدا ہوتی ہے اور مکہ شریف میں آتی ہے اور وہاں کے رہنے والے انہیں کھاتے ہیں اور چین وآرام سے رہتے ہیں، اور لا ینال عهد الظالمین امامت ونبوت کے متعلق تھا نہ روزی رزق کے ساتھ، اس لیے فرمایا کہ ہم کفار کو بھی مدت العمر روزی دیں گے پھر انہیں ان کے کیے کی سزا دی جائے گی۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمادے بے شک تو ہی ہے غالب

الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ

حکمت والا۔ ف۹۰ اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا اور بے شک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے ف۹۱

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى

جبکہ اُس سے اُس کے رب نے فرمایا گردن رکھ، عرض کی میں نے گردن رکھی اس کے لیے جو رب ہے سارے جہان کا اور اسی

بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ

دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب [نے] کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ

الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ

دین تمہارے لیے چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان۔ ف۹۲ بلکہ تم میں کے خود موجود تھے جب

حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ

یعقوب کو موت آئی جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد کس کی پوجا کروگے

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰـهًا

بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے والدوں ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کا ایک

وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

خدا اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں۔ یہ ایک امت ہے کہ گزر چکی ان کے لیے ہے جو

ف۹۰ ۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی اس دعا کو تذکرہ فرماتا ہے جوانہوں نے خانہ کعبہ بناتے وقت اسے قبول کرنے اور مناسک حج تعلیم کرنے اور اپنی اولاد میں سے امت مسلمہ پیدا کرنے اور ان میں ایک رسول مبعوث فرمانے کے متعلق کی تھی کہ: اور یاد کرو جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر یعنی خانہ کعبہ کی نیویں اور دیواریں اور اسمٰعیل یعنی ابراہیم واسمٰعیل دونوں خانہ کعبہ بناتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام انہیں چنتے جاتے تھے، بعض نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ایک رخ اور اسمٰعیل علیہ السلام دوسرا رخ دیوار کا بناتے تھے، اور بعض نے کہا ہے کہ باری باری سے بناتے تھے (بیضاوی) یہ کہتے ہوئے، اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما اس کی بنا کو بیشک تو ہی سنتا ہے ہمارے قول کو جانتا ہے ہمارے فعل کو کہ ہم خلوص سے کہہ رہے ہیں اے

رب ہمارے، اور کر ہمیں اپنے حضور گردن جھکائے رکھنے والا اور کر ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار اور ہمیں ہماری عبادت یا حج کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما یعنی ہم سے اس میں جو فروگذاشت ہو جائے اسے معاف فرما بیشک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب قرآن اور پختہ علم سکھائے جس میں تیرے احکام ہوں اور انہیں خوب ستھرا فرما دے شرک و کفر کی باتوں سے بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی کہ خانہ کعبہ کو وہ عظمت عطا فرمائی جو دوسری مساجد مقدسہ کو نہ دی اور بذریعہ جبرئیل انہیں احکام حج عرفہ کے دن تعلیم فرمائے اور عرفات میں ان سے پوچھا اے ابراہیم تم نے جان لیا تو انہوں نے کہا ہاں، اس لیے اس وقت کو عرفہ اور اس جگہ کو عرفات کہا جاتا ہے اور ان کی ذریت میں امت مسلمہ پیدا فرمائی اور انہیں میں سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا (سراج)

تنبیہ: آیت میں امتہ سے مراد امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جس کی طرف آیت ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرة: ١٤٣] مشیر ہے اور وہ ذریت ابراہیم و اسمٰعیل سے ہے، اور ﴿وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ [البقرة:١٢٩] سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں۔ حدیث میں ہے: ((انا دعوة ابی ابراهیم وبشری عیسیٰ ورویا امی)) میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعا ہوں اور عیسیٰ کی خوشخبری ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں کہ انہوں نے دیکھا تھا کہ ان سے ایسا نور ظاہر ہوا جس سے قصور بصرہ و شام روشن ہو گئے (رواہ احمد و بیہقی) (مدارک و سراج وحقانی)

٩١۔ شان نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام نے جو علمائے یہود سے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے اپنے بھتیجوں سلمہ اور مہاجر سے کہا کہ ذرا توارت تو دیکھو اس میں لکھا ہے کہ میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی مبعوث کرنے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا تو جو اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو اس پر ایمان نہ لائے گا وہ ملعون ہوگا تو یہ سن کر سلمہ تو مسلمان ہو گئے مگر مہاجر ایمان نہ لایا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (سراج) چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصفات مذکورہ مبعوث فرمائے گئے اور آپ نے ملت ابراہیمی کی پیروی اور تجدید کی اس لیے شریعت اسلامیہ کو نہ ماننے والا ملت ابراہیمی کو نہ ماننے والا اور اس سے پھرنے والا ہوا، لہٰذا آیت مذکورہ میں فرماتا ہے کہ اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے گا سوائے اس شخص کے جو دل کا احمق ہے، یعنی دین ابراہیمی سے کوئی منہ نہ پھیرے گا سوائے اس شخص کے جو دل کا احمق ہوگا، اپنے دل میں غور و فکر نہ کرے گا اور دین ابراہیمی کو ہلکا سمجھے گا اور بیشک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا خلت و رسالت کے لیے اور بیشک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت رکھنے والوں میں سے ہے جن کے لیے درجات علیہ ہیں۔

تنبیہ: قتادہ و ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے باب میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے ملت ابراہیمی کے خلاف طریقہ اختیار کیا جو اللہ کی طرف سے نہ تھا۔

٩٢۔ یہ پہلی آیت کی علت ہے کہ ہم نے ابراہیم کو یہ بزرگی اس لیے عطا فرمائی تھی کہ جب اس سے اس کے رب نے فرمایا کہ گردن رکھ یعنی اللہ کا مطیع و تابعدار ہو تو اس نے عرض کی کہ میں نے گردن رکھی، یعنی میں تابعدار ہوا اس کے لیے جو رب ہے سارے جہان کا اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں اسمٰعیل و اسحٰق و مدین و مدیان و رمضان و یقان و اسباق و سوخ کو اور یعقوب نے اپنے بارہ بیٹوں کو کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے یہ دین اسلام تمہارے لیے چن لیا ہے تو نہ مرنا مگر مسلمان۔

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

انھوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم کماؤ اور ان کے کاموں کی تم سے پُرسش ۱؎ نہ ہوگی۔ ف۹۳

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہوجاؤ راہ پاؤ گے تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین

حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیے گئے موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کیے گئے باقی انبیا اپنے

رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا

رب کے پاس سے، ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔ ف۹۴ پھر اگر وہ بھی یوں ہی ایمان لائے

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ تو نری ضد میں ہیں

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ ۗ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ

تو اے محبوب! عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ہے سنتا جانتا ہم نے اللہ کی رینی ۱؎ لی اور

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا

اللہ سے بہتر کس کی رینی اور ہم اسی کو پوجتے ہیں۔ ف۹۵ تم فرماؤ کیا اللہ کے بارے میں ہم سے

۹۳۔ شان نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہود نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یعقوب نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم یہودیت پر قائم رہنا تو یہ آیت نازل ہوئی، بلکہ تم میں کے خود موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی جب کہ اس نے یعنی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے انتقال کے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ تو وہ بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آبا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کا ایک خدا اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں، یعنی اس کے تابعدار و فرمانبردار ہیں، یہ اولاد ابراہیم کی ایک امت ہے کہ گذر چکی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کمایا یعنی جو عمل انہوں نے کیے اس کی جزا وہ پائیں گے اور تمہارے لیے ہے اے یہودیو! جو تم کماؤ گے اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی جیسے کہ تمہارے کاموں کی ان سے پرسش نہ

ہوگی۔ حضرت عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو موت کے وقت مرنے جینے کا اختیار دیا تھا، چنانچہ حضرت یعقوب کو بھی اختیار دیا کہ وہ موت یا حیات کو اپنے لیے اختیار کرلیں تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھنے اور انہیں وصیت کرنے کی مہلت مانگی اللہ نے انہیں مہلت دی تو انہوں نے اپنے بیٹوں پوتوں کو جمع کرکے ان سے کہا کہ میری موت کا وقت آگیا ہے تم یہ بتاؤ کہ میرے بعد کس کی عبادت کروگے تو ان سب نے کہا ﴿نَعْبُدُ إِلٰـهَكَ وَإِلٰـهَ آبَائِكَ الخ﴾ [البقرۃ:۱۳۳] (سراج) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے دین کے بزرگوں کی تقلید کرنا اور ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ ائمہ دین کا طریقہ اہل سنت نے اختیار کیا ہے اور ان کی تقلید کرتے ہیں۔

تنبیہ: آیت میں چچا کو تعظیماً باپ میں شمار کیا گیا ہے اس لیے کہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے، حدیث میں ہے حضرت عباس کے حق میں فرمایا گیا ہے "ھذا بقیۃ اٰبائی" یہ میرے باپوں کی بقایا ہیں۔ (مدارک وغیرہ) اور اس ترجمہ کو ام منقطعہ بمعنی بل مان کر ترجمہ کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اَم کو بمعنی ہمزۂ انکار لکھا ہے تو اس اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ کیا تم اے یہود یعقوب کی وفات کے وقت موجود تھے یعنی موجود نہیں تھے پھر تم کیسے کہتے ہو کہ یعقوب نے بیٹوں کو مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ تم یہودیت پر قائم رہنا اور ہر نبی یہودیت پر مرا ہے۔

۹۴۔ شان نزول: اس آیت کا بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلب یہ ہے کہ یہود مدینہ اور نصاریٰ نجران نے مسلمانوں سے دین کے بارے میں جھگڑا کیا اور ہر ایک نے کہا کہ ہمارا دین حق ہے، یہودی بولے کہ ہمارا نبی اور ہماری کتاب افضل ہے اور ہمارا دین سب دینوں سے اچھا ہے اور عیسیٰ وانجیل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کیا اور نصاریٰ نے کہا کہ ہمارا نبی اور کتاب افضل ہے اور ہمارا دین سب دینوں سے اچھا ہے اور قرآن اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور ہر ایک نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہمارا دین اختیار کرو ہدایت پاؤگے (سراج) اللہ تعالیٰ ان کا قول ذکر فرما کر اس کا جواب دیتا ہے کہ اور کتابی یہود و نصاریٰ بولے یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ پاؤگے تم فرماؤ ان سے اے نبی! ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے یعنی ہم تو دین ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں جو تمام جھوٹے دینوں سے جدا تھا اور وہ مشرکوں سے نہ تھے، یہ اہل کتاب وغیرہ پر تعریض ہے کہ وہ دین ابراہیمی کے پیرو ہونے کے مدعی تھے مگر شرک کرتے تھے، تم اے ایمان والو! یوں کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا قرآن اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیے گئے موسیٰ کو (توراۃ) وعیسیٰ کو (انجیل) اور جو عطا کیے گئے باقی انبیا کو صحیفے اور آیت) اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے ہیں جیسا کہ تم اے یہود و نصاریٰ فرق کرتے ہو کہ بعض پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کا ترجمہ مسلمانوں کو سنانے کے لیے عربی میں کرتے تھے پس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: تم اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ﴾ الخ [البقرۃ:۱۳۶] (سراج)۔

۹۵۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو الزامی و تحقیقی جواب دینے کے بعد آیت میں یہ ثابت کرتا ہے کہ ہدایت اسلام ہی میں ہے اور فرمایا پھر اگر وہ یہود و نصاریٰ بھی یوں ہی ایمان لائے جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں ایمان لانے سے تو وہ نرے ضدی ہیں، تو اے محبوب عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا، وہی ہے سنتا ان کے قول کو اور جانتا ان کے احوال کو، پس وہ اپنے قول و فعل سے تمہیں اور تمہارے اصحاب کو کچھ ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ تمہیں ان کے کید و مکر سے محفوظ رکھے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے خود ہی ذلیل وخوار ہوئے، بنی قریظہ قتل کیے گئے اور بنو نضیر مدینے سے نکالے گئے اور ان پر جزیہ مقرر کیا گیا، اس آیت میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ دشمنوں کی دشمنی سے گھبرائیں نہیں، چونکہ نصاریٰ میں یہ قدیم دستور تھا کہ جب کسی کو

فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک اور تمہارا بھی اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

اور ہم نِرے اسی کے ہیں بلکہ تم تو یوں کہتے ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ

و اسحاق و یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے تم فرماؤ کیا تمہیں

اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ

علم زیادہ ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جس کے پاس اللہ کی طرف کی کوئی گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

اور خدا تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔ وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا ان کے لیے

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾

ان کی کمائی اور تمہارے لیے تمہاری کمائی اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی۔ ف۹۶

وہ عیسائی کرتے تھے یا جب ان کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسے ایک حوض میں غوطہ دیتے تھے جس میں پانی بھرا رہتا تھا اور اس میں زرد رنگ پڑا ہوتا تھا جسے یہ ماءِ معمودیہ کہتے تھے اور اسے باعث نجات و کفارہ گناہ خیال کرتے تھے اور اسی پانی اور ظاہری رنگ پر بڑا اعتماد رکھتے تھے (مدارک وحقانی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس ظاہری و عارضی رنگ میں رنگنے سے کیا فائدہ۔ اصلی رنگ میں رنگو تو اچھا ہے اور وہ اللہ کا رنگ ہے، لہٰذا مسلمانو! تم یوں کہو ہم نے اللہ کی رینی یعنی رنگت لی اور اللہ سے بہتر کس کی رینی رنگت ہے اور ہم اسی کو پوجتے ہیں۔

تنبیہ: ابن عباس ومجاہد وقتادہ وغیرہ کے نزدیک صبغۃ اللہ سے دین اللہ مراد ہے، یعنی دین فطری جس پر آدمی کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے اسی پر آدمی کو قائم رہنا اور اسی رنگ میں اسے ہر وقت رہنا چاہیے وہی رنگ اصلی ہے باقی سب عارضی ہیں۔

۹۶۔ شانِ نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہمیں کتاب تم سے پہلے ملی ہے اور ہمارا قبلہ تمہارے قبلہ سے پہلے کا ہے اور ہم میں انبیا ہوتے چلے آئے ہیں ابراہیم واسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے، عرب میں کوئی نبی نہیں ہوا، اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی ہوتے تو ہم میں سے ہوتے بنی اسرائیل میں سے ہوتے (حاکم وسراج وغیرہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی، یعنی اے نبی تم فرماؤ کیا اللہ کے بارے میں تم ہم سے جھگڑتے ہو کہ اس نے نبی عرب میں کیا تم میں نہ کیا حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے، اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبی بنائے اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ ہے اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ ہے، یعنی ہم جیسے اعمال کریں گے ان کی جزا ہمیں ملے گی اور تم جیسے اعمال کروگے اس کی جزا تمہیں ملے گی اور ہم نرے اسی کے ہیں دین میں اور عمل میں نہ تم کہ شرک کرتے ہو تو ہم تم سے زیادہ مستحق نبوت وکرامت ہوئے۔ بلکہ تم یوں کہتے ہو کہ ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق و یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے، اے نبی! تم فرماؤ کیا تمہیں علم زیادہ

ہے یا اللہ کو یعنی اللہ کو تم سے زیادہ علم ہے کہ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا﴾ الخ[آل عمران:۶۷] اور ان کی اولاد ان کی تابع تھی اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کے پاس اللہ کی طرف کی گواہی ہو اور وہ اسے لوگوں سے چھپائے، یعنی اہل کتاب سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے حنفی ہونے کو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وغیرہ کی شہادت کو جان بوجھ کر چھپایا جو توراۃ وانجیل میں مذکور تھی، گویا اس میں اہل کتاب پر شہادت چھپانے کی تعریض ہے اور خدا تمہارے کوتکوں برے فعلوں سے بے خبر نہیں ہے کہ تم رسولوں کی تکذیب کرتے اور ان کے متعلق شہادت اللہ کو چھپاتے ہو، وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا ان کے لیے ان کی کمائی ہے اور تمہارے لیے تمہاری کمائی ہے اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی، یعنی اولاد ابراہیم ایک گروہ تھا جو گزر گیا اس نے جو اعمال کیے اس کی جزا وہ پائیں گے اور تم جو اعمال کرو گے اس کی جزا تم پاؤ گے، ان کے اعمال کی تم سے پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مَنْ اَظْلَمَ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہود اللہ کی کتاب یعنی توراۃ میں پڑھتے تھے کہ دین اسلام ہی ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد یہودیت ونصرانیت سے پاک تھی اس کا انہوں نے اللہ کے حضور اقرار کیا تھا اور شہادت دی تھی پس اس شہادت اللہ کو جو ان کے پاس تھی اور اس کا انہیں علم تھا، چھپایا

(ابن کثیر)

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا

اب کہیں گے بیوقوف لوگ، کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلے سے جس پر

عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

تھے تم فرمادو کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے سیدھی راہ

مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

چلاتا ہے۔ ف۱ اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر

عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ

گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ف۲ اور اے محبوب! تم پہلے جس قبلے پر تھے

(۱) شان نزول: یہ آیت یہود و مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ قبلہ سے پھر جانے پر لعن طعن کرتے تھے اور مشرکین سے کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر قبلہ میں متردد ہیں، اپنے مولد کی طرف توجہ کی ہے، اب وہ تمہارے دین کی طرف لوٹنے والے ہیں، ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (معالم) تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی پھر کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا، مگر حقیقت یہ ہے کہ حضور مکہ میں بھی بیت المقدس کی طرف اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ کعبہ سامنے رہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور کعبے کو سامنے رکھتے تھے اور مدینے میں جا کر سترہ مہینے یوں ہی نماز پڑھی پھر کعبے کی طرف پھر گئے۔ (حقانی بروایت بیہقی و ابوداؤد) یہ حضور کا چند ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا کسی حکمت الٰہی کی بنا پر تھا، پھر حکمت الٰہی کعبے کی طرف نماز پڑھنے سے متعلق ہوئی تو اسی کا شوق حضور کے دل میں پیدا فرمایا گیا کہ جس کی آرزو میں حضور بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور وحی آنے کا انتظار فرماتے تھے پس خدا نے اپنے پیارے حبیب کی آرزو پوری فرمائی اور حکم دینے سے مخالفوں کے طعن کا جواب (جو علم الٰہی میں اس پر کرنے والے تھے) اس آیت میں دیا، یہود نے تو یہ طعن کی کہ یہ کیسا خدا ہے کہ اسے اپنے حکم کی مصلحت تک معلوم نہیں، کبھی کچھ حکم کرتا ہے اور کبھی کچھ اور، یہ کیسے نبی ہیں کہ باوجود دعویٰ اتباع ملت انبیا کے ان کے قبلہ کو چھوڑ کر جاہلوں کے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے لگے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کے آنے کی خبر توراۃ میں دی گئی ہے اور منافقوں کے نزدیک کوئی جہت مرجح نہ تھی وہ محض حسد کی وجہ سے اعتراض کیا کرتے تھے، اور مشرک کہتے تھے کہ آخر کو ہمارے ہی کعبہ کی طرف رخ کیا اور اسے اپنا قبلہ بنایا، اللہ ان سب کے اعتراضوں کا جواب اس آیت میں دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب کہیں گے بے وقوف لوگ (یعنی یہود، منافق، مشرک) کہ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے یعنی جس کی طرف وہ نماز پڑھا کرتے تھے، تم فرمادو اے محبوب ان سے کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے یعنی تمام جہات اللہ ہی کی ہیں، وہ موافق مصلحت کے جس طرف چاہتا ہے اپنے بندوں کو توجہ کرنے کا حکم فرماتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ اسلام کی چلاتا ہے۔

تنبیہ: "سَیَقُوْلُ" غیب کی خبر ہے اور وہ پہلے سے اس لیے دی گئی تا کہ اطمینان قلب ہو، جواب کے لیے پہلے سے تیار رہا جائے وقت پر دقت نہ ہو۔

(۲) شان نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ جب رؤسائے یہود نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اپنی برتری اور

الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى

ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں

عَقِبَیْهِؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُؕ وَ مَا كَانَ

پھر جاتا ہے اور بے شک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنھیں اللہ نے ہدایت کی ف اور اللہ کی

اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ

شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان مہر والا ہے۔ ف

سب امتوں پر فوقیت ظاہر کی تو انہوں نے کہا کہ تم ہرگز سب سے بزرگ نہیں ہو سکتے، سب سے بزرگ امت محمدیہ ہے پس ان کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے امت محمدیہ ہم نے تمہیں سب امتوں سے افضل پیدا کیا ہے تا کہ تم قیامت کے دن لوگوں پر گواہی دو کہ ان کے رسولوں نے انہیں احکام الٰہی پہنچائے اور یہ رسول تمہارے گواہ ہوں کہ انہوں نے تمہیں بتایا۔ روایت ہے کہ قیامت کے دن جب امتیں تبلیغ انبیا سے انکار کریں گی تو اللہ تعالیٰ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام سے شہادت طلب فرمائے گا پس وہ امت محمدی کو گواہ بنائیں گے وہ ان کی شہادت دیں گے تب اور امتیں ان سے جرح کریں گی کہ تمہیں علم کہاں سے ہوا، تو وہ جواب دیں گی کہ ہمیں ہمارے نبی اور کتاب الٰہی سے یہ معلوم ہوا، پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا جائے گا تو حضور اپنی امت کے حال کی اور ان کی عدالت اور سچائی کی شہادت دیں گے (مدارک وسراج)، تنبیہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ امت محمدیہ کی شہادت انبیا علیہم السلام کے حق میں بغیر مشاہدہ کے قبول فرمائی جائے گی خواہ وہ دنیا میں ہوں یا عقبیٰ میں۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اسے برا بتایا تو آپ نے "وجبت" فرمایا، پھر دوسرا جنازہ گزرا لوگوں نے اس کی تعریف کی فرمایا "وَجَبَتْ" لوگوں نے عرض کی: حضور نے دونوں کے لیے ایک ہی کلمہ فرمایا تو حضور نے فرمایا: جس کی تم نے برائی کی اس کے لیے آتش دوزخ واجب ہوئی اور جس کو اچھا کہا اس کے لیے جنت واجب ہوئی کہ تم دنیا میں خدا کے گواہ ہو۔ جس کو تم اچھا کہو وہ اچھا ہے اور جس کو تم برا کہو وہ برا ہے (حقانی) شیخ ابوالحسن ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کہ آیت میں اس امت کو عدل فرمایا گیا ہے اور عدل مستحق شہادت وقبول شہادت تو جب وہ کسی شی پر جمع ہوں اور شہادت دیں تو اس کا قبول کرنا لازم (مدارک) حدیث میں ہے: "لا تجتمع امتی علی الضلالة" یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ نیز اس آیت سے امت محمدی کی برتری اور فضیلت سب امتوں پر ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی شہادت کے لیے معائنہ ضروری نہیں ہے یقینی طور سے معلوم ہونا کافی ہے، جیسے ہمیں باعلام نبی کتاب الٰہی اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطلاع الٰہی اگلی امتوں کے حالات معلوم ہوئے اور وہ عند اللہ شہادت کے لیے کافی ہوئے۔

(۳) اس آیت میں چند ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے پھر خانہ کعبہ کی طرف پھر جانے کا راز ظاہر فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تم پہلے جس قبلہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے وہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ ہم ظاہر ظہور دیکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے اور کون اس شک میں پڑ کر کہ (رسول خود اس امر میں متردد ہیں) دین سے پھر جاتا ہے، جیسے کہ ایک جماعت یہودی اس کی وجہ سے دین سے پھر گئی تھی اور قبلہ سے پھر جانا ان لوگوں پر بھاری نہ تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی۔

(۴) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ جب مسلمان خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو حیی ابن اخطب وغیرہ یہود نے مسلمانوں کو بہکانے کے لیے کہ بیت المقدس کی طرف جو نمازیں پڑھی ہیں اور جو لوگ تم میں کہ اس کی طرف نماز پڑھ کر مر گئے ہیں ان کا

نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلے کی طرف جس میں تمہاری

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف، اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ

اسی کی طرف کرو ف۵ اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے

کیا حشر ہوگا۔ یہ سن کر مسلمانوں نے حضور سے آ کر عرض کیا کہ ہماری اور ہمارے مرے ہوئے بھائیوں کی ان نمازوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہارا ایمان یعنی نمازیں جو تم نے بیت المقدس کی طرف پڑھی تھیں اکارت کرے بلکہ انہیں قبول فرما کر ان کا ثواب تمہیں عطا فرمائے گا کہ اللہ آدمیوں پر مہربان اور مہر والا ہے، ان کے اعمال ضائع نہیں فرماتا ہے، تنبیہ: "اِيْمَانُكُمْ" سے یا تو ایمان کے حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا تمہیں ایمان پر ثابت قدم رکھے گا، یا ایمان سے نمازیں مراد ہیں، یعنی تمہاری نمازیں ضائع نہ فرمائے گا بلکہ انہیں قبول فرمائے گا اور اس کا اجر دے گا، یہ معنی موافق شان نزول ہیں اور جلال وغیرہ نے یہی معنی اختیار کیے ہیں۔

(۵) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینے میں آ کر بحکم الٰہی چند ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی مگر حضور کی دلی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف انہیں نماز پڑھنے کا حکم ہو اور قبلۂ ابراہیمی ان کے لیے قبلہ بنایا جائے کہ اہل عرب دیکھ کر ایمان لائیں اور خدا سے توقع تھی کہ وہ انہیں اس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم فرمائے گا اسی لیے حضور بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے اور وحی کا انتظار فرماتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی، مجاہد کہتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحویل قبلہ کو اس وجہ سے محبوب رکھتے تھے کہ یہود کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے دین کے مخالف ہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں تو حضور نے جبرئیل سے کہا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ کعبہ میرا قبلہ ہو جائے کہ وہ میرے باپ ابراہیم کا قبلہ ہے، جبریل نے عرض کی کہ میں تو آپ کی طرح بندہ ہوں آپ کا رتبہ بڑا ہے آپ اپنے رب سے سوال کریں، جبرئیل یہ کہہ کر چلے گئے، آپ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ جبرئیل میری خواہش کے موافق وحی لے کر آئیں پس یہ آیت نازل ہوئی (معالم وغیرہ) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب ہم تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھانا دیکھ رہے ہیں، تو ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے پھیر دیں گے (اچھا) تو تم ابھی نماز میں اپنا منہ خانہ کعبہ کی طرف پھیر دو اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ نماز میں اسی طرف کرو۔ تنبیہ: یہ تحویل قبلہ جنگ بدر سے دو ماہ پہلے رجب میں بعد زوال ہوئی تھی، حضور مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر کی دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ تحویل کا حکم آیا اور مسجد قبا والوں کو صبح کی نماز پڑھتے میں کسی نے خبر دی کہ رات حضور پر وحی نازل ہوئی اور حکم فرمایا گیا کہ وہ کعبہ کی طرف نماز پڑھیں پس وہ سب کعبے کی طرف گھوم گئے (بخاری ومسلم) یہ آیت آیۂ سیقول سے پہلے نازل ہوئی گویا تلاوت میں اس سے مؤخر ہے اور نزول میں مقدم ہے، اور آیت میں "شطر" سے مراد جہت کعبہ ہے، یہی قول حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور مجاہد اور قتادہ وعکرمہ وسعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے (ابن کثیر) اس میں اور بھی اقوال ہیں اور "فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ" کا حکم عام ہے اور مسلمانوں سے خطاب ہے کہ وہ زمین میں کہیں ہوں، تری میں ہوں یا خشکی میں ہوں، اور کسی طرف ہوں وہ اپنا منہ نماز پڑھتے میں کعبے کی طرف کریں، اگر سمت قبلہ علامت وشہادت سے انہیں یقیناً معلوم ہو، ورنہ اٹکل سے جدھر ان کا دل گواہی دے کہ یہ سمت کعبہ ہے ادھر نماز پڑھیں اور جو سمت قبلہ معلوم کرنے میں عاجز ہوں تو جس طرف نماز پڑھنے

وقف لازم

وقف منزل

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور اللہ ان کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔ ف اور اگر تم ان کتابیوں کے پاس

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ

ہر نشانی لے کر آؤ وہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں گے اور نہ تم ان کے قبلے کی پیروی کرو اور وہ آپس میں بھی ایک

بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

دوسرے کے قبلے کے تابع نہیں اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

وقف لازم

علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور ستمگار ہوگا۔ ف جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ

وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے اور بے شک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر

الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

وقف منزل

حق چھپاتے ہیں (اے سننے والے) یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے (یا۔ حق وہی جو تیرے رب کی طرف سے ہو) تو خبردار!

میں قادر ہوں اس طرف نماز پڑھیں جیسا کہ آیت ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرۃ:۱۱۵] کے تحت درمختار سے گزرا۔
تنبیہ: نماز میں استقبال قبلہ بشرط قدرت فرض ہے اور علاوہ اس کے بعض جگہ مستحب ہے جیسے کے مرتے وقت اور قبر میں رکھتے
وقت قبلہ رو کرنا، وقت تلاوت قرآن و ذکر الٰہی و دعا رو بقبلہ ہونا، وضو قبلہ رخ کرنا، جانور کو قبلہ رخ ذبح کرنا وغیرہ وغیرہ۔ حدیث میں
ہے "خیر المجالس مااستقبل به القبلة "یعنی قبلہ رخ بیٹھنا سب بیٹھکوں سے اچھا ہے مگر وضو وغیرہ کرتے میں قبلہ کی طرف نہ کلی کرے
نہ تھوکے اور نہ اس کی طرف منہ کر کے یا پیٹھ کر کے پاخانہ پیشاب کرے نہ بچوں کو کرائے کہ شرعاً ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے، اور اس کی
طرف محض استنجا کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور جو بھول کر قبلہ کو منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھ جائے تو یاد آنے پر پھر جانا مستحب ہے۔ طبرانی کی حدیث
میں ہے جو شخص قبلہ کی طرف پیشاب کے لیے بیٹھ گیا پھر یاد آنے پر اس کے احترام کے لیے پھر گیا تو کھڑے ہونے سے پہلے اس کے گناہ
معاف ہوں گے۔ (غایۃ الاوطار)

(٦) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوئی اور مسلمان کعبے کی طرف نماز پڑھنے لگے تو یہود نے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم اپنے دل سے قبلہ بناتے ہیں کہ کبھی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں کبھی کعبے کی طرف، اگر وہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم
امید کرتے کہ وہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (سراج) کہ اور وہ جنہیں کتاب یعنی تورات ملی ضرور جانتے
ہیں کہ کعبے کی طرف پھر جانا ان کے رب کی طرف سے حق ہے، یہ ان کی کتاب تورات میں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کعبے کی طرف پھر جائیں گے اسے وہ چھپاتے ہیں، اللہ ان کے کوتکوں، برے فعلوں سے بے خبر نہیں ہے،

(۷) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ جب یہود نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے پر ثبوت مانگا تو یہ
آیت نازل ہوئی (سراج) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب اگر تم ان کتابیوں کے پاس قبلہ کے بارے میں اپنی سچائی پر کوئی نشانی بھی لاؤ تب

الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ

تو شک نہ کرنا اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے تو یہ چاہو کہ نیکیوں میں

مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

اوروں سے آگے نکل جائیں، تم کہیں ہو اللہ تم سب کو اکٹھا لے آئے گا بے شک اللہ جو چاہے کرے۔ ۸

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ

اور جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور وہ

لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ مِنْ حَیْثُ

ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ اور اے محبوب!

بھی وہ حسد وعناد کی وجہ سے تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرو گے، اور وہ یہود ونصاریٰ خود آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں ہیں کہ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ سورج نکلنے کی جگہ ہے، تو کیسے تمہارے قبلہ کی پیروی کریں گے، اور اگر تم اے نبی حق معلوم ہونے قرآن اترنے کے بعد ان کی خواہشوں پر جن کی طرف وہ بلاتے ہیں چلو گے تو اس وقت ضرور ستمگار ہو گے، یہ خطاب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے ہے مگر مراد اس سے حضور کی امت ہے، یعنی اگر تم باوجود حق پہچاننے کے بھی یہود ونصاریٰ کی خواہشوں کو پورا کرو گے تو ضرور ستمگار ہو گے (سراج ومدارک وابن کثیر)

تنبیہ: ﴿وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾ [البقرۃ:۱۴۵] سے یہود کی خواہشوں اور امیدوں کو منقطع کرنا مقصود ہے کہ وہ امید رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں گے۔

(۸) یہ گذشتہ آیت کا تتمہ ہے اور تائید ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی کتابوں میں لکھا ہونے کے سبب اس نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر حسد وعناد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے اس معرفت کو پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے جب حضور کو دیکھا تو ایسا پہچانا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ حضور کا پہچاننا بیٹے کے پہچاننے سے بہت زیادہ ہے کہ بیٹے میں شبہہ خیانت زوجہ ہوتا ہے اور حضور کو پہچاننے میں یہ شبہ بھی نہیں (سراج ومعالم) اور ان کتابیوں میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو یعنی امر قبلہ اور نعت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھپاتا ہے حالانکہ یہ بات حق ہے تیرے رب کی طرف سے یا وہی حق ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو، تو خبردار تم امر قبلہ میں شک نہ کرنا اور ہر امت کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے یعنی قبلہ وہ اسی کی طرف نماز میں اپنا منھ کرتا ہے تم تو اے مسلمانو! نیکیوں میں سب سے آگے نکل جانا چاہو، حاصل یہ ہے کہ جب ایک بات ثابت ہو جائے تو اس میں شک وشبہہ کرنا اسے چھپانا اور اس میں کسی کی مخالفت کا خوف نہ کرنا چاہیے بلکہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

تنبیہ: ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ﴾ [البقرۃ:۱۴۷] میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے مگر مراد اس سے بھی حضور کے امتی ہیں اور انہیں تعلیم وتنبیہ کی گئی ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں وہی حق ہے اس میں شک وشبہہ نہ کریں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہر مذہب وملت والے کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ اپنا رخ کرتا ہے اور پسند کرتا ہے اور اللہ کا قبلہ وہی ہے جو مسلمانوں کا ہے۔

خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا

تم جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور اے مسلمانو!

كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر

حُجَّةٌ ۤ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ

کوئی حجت نہ رہے مگر جو ان میں ناانصافی کریں تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ اس لیے ہے کہ میں

نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۭ ﴿١٥٠﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ

اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ۔ ف۹ جیسے ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمھیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۭ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ

اور تمھیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمھیں علم نہ تھا۔ تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو

(۹) اس حکم میں پہلے حکم کی تکرار فرمائی گئی ہے تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں وہ اچھی طرح بیٹھ جائے اور وہ یہود کے بہکانے میں نہ آئیں اور یہود کی امید منقطع ہو جائے کہ بیت المقدس کی طرف لوٹ آنے کی امید رکھتے تھے۔

تنبیہ: (لِلنَّاسِ الخ) سے بقول ابو العالیہ ومجاہد وعطا وضحاک وغیرہ اہل کتاب ومشرکین مراد ہیں اور ابن کثیر نے صرف اہل کتاب مراد لیے ہیں تو آیت کہ یہ معنی ہوں گے تا کہ مشرکوں، یہودیوں کو قبلہ کے بارے میں تم سے جرح کرنے اور جھگڑنے کی کوئی گنجائش نہ رہے کہ یہود کہتے تھے ہمارے دین کی تو مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ ملت ابراہیم کے پیرو بنتے ہیں اور ان کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں، پس تم ان کے طعنوں سے نہ ڈرو، میرے حکم کے خلاف کرنے سے ڈرو، تنبیہ: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ﴾ یہاں تک کہ کعبے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تین مرتبہ فرمایا گیا ہے۔ جو بظاہر بے فائدہ اور خلاف فصاحت وبلاغت معلوم ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ پہلی بار ذکر کرنے سے تعمیم حال مقصود ہے یعنی جس حال میں ہو تم کعبے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو، یا یہ کہ پہلا حکم اس کے لیے ہے جو مکہ میں کعبہ کے پاس ہو اور دوسری بار میں تعمیم مکان کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جس جگہ ہو کعبے کی طرف نماز پڑھو یا ان کو حکم ہے جو مکہ میں ہوں مگر کعبہ کے پاس نہ ہوں، اور تیسری بار میں تعمیم زمانہ مراد ہے یعنی ہر وقت اور زمانہ میں صبح وشام، ظہر وعصر اور زمانہ جہاد وغیر جہاد میں تم کعبے ہی کی طرف نماز پڑھو۔ یا یہ حکم مکہ سے باہر والوں کے لیے ہے، دوسرے یہ کہ نسخ قبلہ کا حکم سب سے پہلے ہوا ہے تو دلوں میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ حکم دوامی نہ ہو چند روز بعد پھر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو اور اس خیال کو یہود کا بہکانا اور تقویت دیتا تھا اور ورغلانے کا سلسلہ برابر جاری تھا جس سے مسلمانوں کو بہکنے کا گمان پیدا ہوتا تھا لہٰذا اس حکم کی بار بار تکرار و تاکید کی گئی تا کہ مسلمانوں کو خوب معلوم ہو جائے کہ یہ حکم بدل نہیں سکتا اور یہود کو مایوسی ہو کہ اب یہی حکم دائمی اور لازمی ہے (وفیہ توجیہات اُخر)

وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اور میری ناشکری نہ کرو۔ ف اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ

بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ ف۱۱ اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں

(۱۰) یہ گذشتہ آیت کا تتمہ ہے کہ اس میں نعمت پوری کرنے کا ذکر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہماری طرف بھیجنا بھی نعمت الٰہی اور احسان خداوندی ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ الخ[آل عمران:۱۶۴] اسی کو اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں، تمہیں میں سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیجا کہ وہ تم پر ہماری آیتیں یعنی قرآن عظیم پڑھتا ہے اور تمہیں شرک وکفر کی باتوں سے اور برے اخلاق سے پاک کرتا ہے اور تمہیں وہ کتاب یعنی قرآن کے اسرار ودقائق اور دین کے احکام اور وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے تو تم میری تسبیح وتہلیل کرو اور میری تحدیث نعمت کرو اور میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور ناشکری نہ کرو یعنی میری طاعت کرو، معصیت نہ کرو کہ جس نے خدا کی طاعت کی اس نے خدا کا شکر کیا اور جس نے خدا کی معصیت کی اس نے خدا کی ناشکری کی (معالم) ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرۃ:۱۵۲] کا یہ مطلب ہے کہ بندہ جس طرح خدا کو برائی یا بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے اسی طرح خدا بندے کو یاد کرتا ہے۔ دیلمی وابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ جو میرا تابعدار بندہ مجھے ذکر کرے گا تو مجھ پر حق ہے کہ میں اسے اپنی مغفرت کے ساتھ ذکر کروں اور جو میرا نافرمان بندہ مجھے یاد کرے گا میں اسے برائی اور عذاب کے ساتھ یاد کروں گا۔ اور ابن جریر نے سدی سے روایت کی ہے جو بندہ ایمان دار خدا کو یاد کرتا ہے خدا اپنی مغفرت اور رحمت کے ساتھ اسے یاد کرتا ہے، اور جو کافر خدا کو یاد کرتا ہے اللہ اسے عذاب ولعنت کے ساتھ یاد کرتا ہے اور ابن عباس سے اس کی تفسیر میں روایت ہے کہ میرا ذکر اپنے ذکر پر قیاس کرو، اگر تم بھلائی کے ساتھ یاد کرو گے میں بھی تمہیں بھلائی کے ساتھ یاد کروں گا اور جو تم مجھے برائی کے ساتھ یاد کرو گے میں بھی تمہیں برائی کے ساتھ یاد کروں گا (عزیزی) ذکر وشکر کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں، خدا جسے چاہتا ہے اسے توفیق عطا فرماتا ہے۔ مسلمانوں کو اس میں مسابقت کرنا چاہیے۔

(۱۱) چونکہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں اپنی نعمت پوری کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اور ان کا شکر کرنے اور ناشکری نہ کرنے اور خدا کو یاد کرنے کا ذکر فرمایا گیا تھا لیکن اس کی مشقت برداشت کرنے اور اس کی ادائیگی کے لیے کسی سہارے کو ذکر نہیں فرمایا تھا، لہٰذا اس آیت میں اس کے سہارے کو ذکر فرماتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم میری اطاعت اور فرماں برداری وعبادت کی مشقت پر صبر ونماز سے مدد چاہو، اس سے میری طاعت آسان اور مشقت معلوم نہ ہوگی کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے، وہ ان کی مصیبت ومشقت میں مدد فرماتا ہے۔

تنبیہ: صبر کے فضائل بہت ہیں من جملہ ان کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ستر ۷۰ جگہ مع فوائد اس کی تعریف فرمائی ہے اور اس کے ثواب کو بے اندازہ فرمایا ہے ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:۱۰] اور روزہ صبر کا جزو ہے، اس کی بابت فرمایا گیا ہے "اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ" اور صابروں کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے اور وہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ان پر اپنی درودیں اور رحمتیں نازل فرماتا ہے ﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ [البقرۃ:۱۲۵] ﴿وَيُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ﴾ اور صحیح حدیث میں اسے نصف ایمان فرمایا گیا ہے بلکہ حضرت علی وحضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صبر کو کامل ایمان فرمایا ہے اور نماز سے مدد چاہنے کو اس لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ جامع ذکر وصبر وشکر وسکون ہے، تمام بری باتوں سے باز رکھتی ہے ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت:۴۵] اور اس میں مشغول ہونے سے رنج وغم دور اور بلاء ومصیبت ٹل جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی امر مضطرب کرتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے اور جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی

اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ

مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں ف۱۲ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے

مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

اور خوش خبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ وقف

اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت

اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی غشی طاری ہوئی کہ لوگ ان کے پاس سے مردہ سمجھ کر ہٹ گئے تو ان کی بیوی مسجد میں آئیں اور آیہ مذکور پڑھ کر نماز میں مشغول ہو گئیں، تھوڑی دیر گزری تھی کہ انہیں افاقہ ہوا (عزیزی) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ندا ہو گی کہاں ہیں صابر لوگ وہ قبل حساب جنت میں جائیں پس ایک گروہ لوگوں کا کھڑا ہو گا، فرشتے اس سے کہیں گے کہاں جاتے ہو وہ کہیں گے جنت میں، فرشتے کہیں گے کیا بغیر حساب کے، وہ کہیں گے ہاں، فرشتے کہیں گے تم کون ہو، وہ کہیں گے ہم صابرین ہیں، فرشتے کہیں گے کہ تم نے کیا صبر کیا تھا، وہ کہیں گے کہ ہم نے اللہ کی اطاعت پر اور اللہ کی معصیت سے صبر کیا تھا یہاں تک کہ ہم نے وفات پائی تو فرشتے کہیں گے کہ تم ٹھیک کہتے ہو، جاؤ جنت میں داخل ہو ﴿فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ [آل عمران:۱۳۶] یہ ہے ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:۱۰] (ابن کثیر)

(۱۲) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ جنگ بدر میں جو چودہ مسلمان مہاجرین و انصار شہید ہوئے تھے ان کا نام لے کر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں مر گئے دنیوی نعمتیں ان سے چھوٹ گئیں تب یہ آیت نازل ہوئی (مدارک وسراج) اور یہ رد ہے مشرکوں کا کہ وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بے فائدہ اپنے کو قتل کراتے اور دنیا کا عیش و آرام چھوڑتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ شان نزول میں جو لوگوں کا کہنا مذکور ہے وہ مقولہ مشرکین یا منافقین کا ہے نہ کہ مؤمنین کا کہ اہل ایمان تو دنیا کی زندگی میں موت کو ترجیح دیتے تھے اور شوق شہادت رکھتے تھے (جامع البیان) نیز اس میں جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب اور خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کے رتبہ کا اظہار ہے کہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں، کھاتی ہیں پیتی ہیں، اور جو مرتبہ خدا نے انہیں عطا فرمایا ہے اس پر وہ خوش ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے، کہ جو راہ خدا میں شہید ہوئے انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں خوش ہیں وہ اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شہید زندہ ہیں ان کی روحوں کو رزق دیا جاتا ہے تو اس سے انہیں فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرعون والوں کی روحوں پر صبح و شام عذاب نار پیش ہوتا ہے تو وہ اس درد سے بے چین ہوتے ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ شہداء کو جنت کے پھل کھانے کو دیے جاتے ہیں اور کپڑے پہننے کو اور اس کی خوشبو سونگھتے ہیں (مدارک وبیضاوی) اور ارواح جواہر ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ قائم ہیں انسان کے مرنے کے بعد بھی وہ باقی رہتی ہیں اور ان میں حس و ادراک اور شعور قائم رہتا ہے، یہی جمہور صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور اس پر آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں (سراج وبیضاوی)۔

تنبیہ: آیت میں شہدا کو تشریفاً مخصوص کیا گیا ہے ورنہ جملہ محبوبانِ خدا اولیاء اللہ زندہ ہیں مرتے نہیں ہیں، اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرماتے ہیں اور ہماری آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں اور اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں اور جو تصرفات زندگی میں وہ کرتے تھے وہ بعد وفات بھی کرتے ہیں، خصوصاً انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ ان کے جسموں کو بھی اللہ نے زمین پر کھانا حرام فرمایا ہے، حدیث میں ہے "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" (ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و صحیح حاکم) شیخ مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں، "اولیائے خدا نقل کردہ شدہ اند ازیں دار فانی بدار البقا زندہ اند نزد پروردگار خود و مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را آنرا شعور نیست" یعنی اولیائے خدا اس دار فانی سے دار بقا کی طرف نقل کیے جاتے ہیں اور وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اور کھاتے پیتے اور خوشحال رہتے ہیں آدمیوں کو اس کا شعور نہیں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کی زندگی اور موت برابر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الصدور میں اولیاء اللہ کی حیات کے متعلق چند روایات تحریر فرمائی ہیں ان کا ماحصل بھی وہی ہے جو مذکور ہوا "ومن شاہ فلینظر فیہ"۔

تنبیہ: ﴿لِمَنْ یُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ [البقرۃ:۱۵۴] سے وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد میں محض اللہ کے لیے شہید ہوئے، ان کا بڑا مرتبہ ہے حقیقی شہداء وہی ہیں، انہیں ان کے خون بھرے کپڑوں میں بغیر نہلائے نماز پڑھ کر دفن کرنے کا حکم ہے، ہاں جو چیز ان کے جسم پر کفن سے زائد ہو جیسے ذرہ بکتر ہتھیار وغیرہ اسے علاحدہ کر لینے اور جو کفن سے کم ہو اسے پورا کرنے کا حکم ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض کو شہید فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آخرت میں شہادت کا ثواب ملے گا مگر دنیا میں حقیقی شہدا کے احکام ان پر جاری نہ ہوں گے جیسے طاعون یا پیٹ کی بیماری سے یا دریا میں ڈوب کر یا دیوار مکان وغیرہ سے دب کر مرنے والا، بخاری کی حدیث میں پانچ ذکر کیے گئے ہیں ان کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء نے بتیس سے زائد دوسری احادیث سے اخذ کر کے لکھے ہیں جو در المختار و رد المحتار وغیرہ میں مذکور ہیں یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں، باقی شہید کی تعریف اور اس کے احکام و مسائل کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ

اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔ بے شک صفا و مروہ (ف۱۳) اللہ کے نشانوں سے ہیں

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ

تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے۔ (ف۱۴) بے شک وہ جو ہماری اتاری ہوئی

(۱۳) چونکہ گزشتہ آیت میں صبر کا حکم اور اس کا ثواب بیان کیا گیا تھا اور یہ بغیر مصیبت اور سختی اٹھائے نہیں مل سکتا، لہٰذا اس آیت میں بیان کیا جاتا ہے کہ تمہیں ضرور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر کے دیکھا جائے گا کہ تم صبر کرتے ہو یا نہیں، اگر تم نے ان مصیبتوں میں صبر کیا اور امتحان میں پاس ہو گئے تو ضرور تم زمرۂ صابرین میں داخل کیے جاؤ گے اور اس کا ثواب پاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ اے امت محمدی ہم تمہیں ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں میں نقصان دے کر آزمائیں گے اور اے نبی تم ان صبر کرنے والوں کو خوشی سنا دو کہ جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی درودیں اور رحمتیں ہیں، تخصیص ان چیزوں کی اس لیے کی گئی ہے کہ ان میں نقصان ہونا نفس پر بہت گراں گزرتا ہے کیونکہ ان چیزوں سے آدمی کو محبت ہوتی ہے اور بھوک سے آدمی بے قرار ہو جاتا ہے اور ان چیزوں سے آزمانے کی اطلاع پہلے سے اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے لیے آدمی کو تیار رہنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے مصیبت واقع ہونے کے وقت استرجاع کیا (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا) اللہ اسے اس کا بدلا دے گا اور اس کا انجام بخیر کرے گا اور اس کا نیک خلیفہ بنائے گا جس سے وہ راضی ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چراغ بجھ گیا تو حضور نے استرجاع فرمایا، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یہ تو چراغ تھا فرمایا: جو چیز مسلمان کو اذیت دے، بری معلوم ہو، وہ مصیبت ہے (مدارک وجلالین) طبرانی کی روایت میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوتی کا قبالہ ٹوٹ جانے پر استرجاع فرمایا، صحابہ نے عرض کی کیا یہ مصیبت ہے؟ فرمایا: جو مسلمان کو مکروہ معلوم ہو مصیبت ہے، اسی طرح ابو داؤد نے مراسیل میں روایت کی ہے کہ "کل ما ساء المؤمن فھو مصیبۃ" جو چیز مسلمانوں کو ناگوار ہو وہ مصیبت ہے، حضرت سعید ابن جبر فرماتے ہیں کہ کسی امت کو نہیں دیا گیا جو اس امت کو دیا گیا یعنی استرجاع، طبرانی کی روایت میں ہے کہ فرمایا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری امت کو ایک ایسی چیز دی گئی ہے جو اگلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی اور وہ مصیبت کے وقت استرجاع ہے (جامع البیان) اور صبر و استرجاع صرف زبان ہی سے نہ ہو بلکہ زبان و قلب دونوں سے ہو (سراج و بیضاوی)۔ تنبیہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے اور جوع سے قحط اور نقص اموال سے ہر قسم کے مال کا تلف ہونا مراد ہے خواہ مرنے سے ہو یا چوری اور آگ لگنے سے یا اور کسی سے ہو (معالم) اور مفسر سیوطی نے لکھا ہے کہ نقصان جان سے بھی عام مراد ہے خواہ قتل سے ہو یا بیماری و وباء سے یا موت سے ہو۔ شیخ ابن کثیر نے اس میں دوست احباب، اعزہ و اقارب اور اولاد کو بھی داخل کیا ہے اور ثمرات سے پھلوں کا تلف ہونا مراد ہے خواہ آفات ارضی و سماوی سے اولاد کا مرنا اور بھوک سے روزۂ رمضان مراد لیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی بندے کا بچہ مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی، کیا تم نے اس کے دل کے نور کو قبض کیا، دل کا پھل توڑ لیا (حالانکہ وہ خوب جانتا ہے) فرشتے عرض کرتے ہیں: ہاں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو (سراج و معالم) اور ابتلا

سے یہاں فرماں برداروں نافرمانی میں تمیز کرنا مقصود ہے اور "بشی‌ء" سے اس طرف اشارہ ہے کہ جن مصیبتوں سے تمہیں آزمائیں گے وہ بہت تھوڑی ہوں گی بہ نسبت ان کے جن سے تمہیں محفوظ رکھا ہے، یا ان مصیبتوں سے بہت کم ہوں گی جو تمہارے دشمنوں کو آخرت میں لاحق ہوں گی اور ﴿اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مصیبت پہنچتے ہی صبر کرے اور استرجاع پڑھے، جیسا کہ حدیث میں ہے "الصبر عند الصدمة الاولیٰ" یعنی صبر وہی ہے جو صدمہ پڑتے وقت ہو (جامع البیان) بلا و مصیبت میں صبر کرنے والوں کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان کو جو مصیبت و اذیت، رنج و غم، درد و الم پہنچتا ہے حتی کے جو کانٹا اس کے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی خطائیں جھاڑتا اور معاف فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ہمیشہ مسلمان مرد و عورت کو اس کے جان و مال و اولاد میں بلا پہنچتی ہے یہاں تک کہ وہ خطاؤں سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔

(۱۴) اس آیت میں صبر کی فضیلت بیان کرنے کے بعد اس کا نتیجہ وثمرہ دکھایا گیا ہے کہ صفا و مروہ جو مکہ میں خانہ کعبہ کے متصل دو پہاڑیاں ہیں وہ حضرت ابراہیم و حضرت ہاجرہ کے صبر کا نتیجہ ہیں کہ اس کے سبب خدا کی نشانیاں اور مقدس مقام ہوئے۔

شان نزول: اس کا یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں صفا و مروہ پر بت رکھتے تھے، ان کا طواف کیا جاتا تھا اور انہیں چوما جاتا تھا، اسلام آنے کے بعد مسلمانوں نے اس کا طواف کرنا مکروہ اور برا سمجھا اور حضور سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ صفا و مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، کہ ان دونوں کے پھیرے کرے یعنی ان دونوں کے درمیان سعی کرے اور کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ ان کی نیکی کا صلہ دینے والا خبر دار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سعی کرنا صفا و مروہ کے درمیان سنت ہے کہ آیت میں ﴿فَلَا جُنَاحَ﴾ سے تخییر مستفاد ہوتی ہے یہی قول امام احمد کا ہے اور امام مالک و امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک سعی رکن حج ہے اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک واجب ہے اگر نہ کی جائے گی تو قربانی لازم آئے گی (بیضاوی وغیرہ) ابن کثیر نے شان نزول مذکورہ کے متعلق کئی روایتیں نقل کی ہیں اور نیز اس میں اور مدارک وغیرہ میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بت رکھے تھے، لوگ ان کا طواف وغیرہ کرتے تھے اور انہیں چومتے اور چھوتے تھے، ان میں سے ایک بت کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا، اساف ایک مرد تھا اور نائلہ ایک عورت تھی ان دونوں میں آشنائی تھی جب یہ دونوں طواف کرنے گئے تو انہوں نے وہاں زنا کیا پس یہ دونوں پتھر کے کر دیے گئے، انہیں جاہلوں نے عبرت کے لیے ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر رکھا پھر کچھ دنوں کے بعد ان کا طواف اور مسح وغیرہ کرنے لگے، جب اسلام آیا تو تمام بت توڑے گئے تو تمام مسلمان ان کے درمیان طواف کرنا بھی برا جانتے تب انہیں ہدایت کی گئی کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ﴾ ان کا طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں، کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو مع ان کے بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اس بے آب و گیاہ میدان میں بحکم الٰہی چھوڑ گئے اور ان کے مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا اور وہ بچہ کو بے قرار دیکھ کر اکیلا چھوڑ کر پانی کی تلاش میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اس پہاڑی پر دوڑتی تھیں اور خدا سے دعا کرتی تھیں اس وقت وہاں رحمت الٰہی نازل ہوئی اور ندا ہوئی کہ اے ہاجرہ تیری دعا قبول ہوئی اور تیرے بچے کے لیے چشمہ جاری کر دیا جو تجھے بھوک پیاس سے بے غم کر دے گا، یہ چشمہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے کی جگہ ظاہر ہوا تھا، جب حضرت ہاجرہ نے آکر دیکھا کہ چشمہ کا پانی بہہ رہا ہے تو آپ نے اس کو روکنے کے لیے اس کے آس پاس مٹی کا مینڈھا باندھا، حدیث میں ہے کہ اگر ہاجرہ اسے نہ روکتیں تو وہ چشمہ جاریہ ہوتا۔ گویا حضرت ہاجرہ کا پانی کی تلاش میں درمیان صفا و مروہ دوڑنا اور دعا کرنا سعی کی اصل ہے اور اس جگہ دعا قبول ہونے اور رحمت الٰہی نازل ہونے کے سبب وہ جگہ مقدس و متبرک ہو گئی ہے اور اب تو اس جگہ بت بھی نہیں رہے ہیں تو اس کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور فرق درمیان حج و عمرہ کے یہ ہے کہ حج میں عرفات کو جانا اور وہاں سے طواف کعبہ کے لیے آنا شرط ہے اور عمرہ میں یہ شرط نہیں، دوسرے حج وقت مقررہ پر سال میں ایک بار ہوتا ہے اور عمرہ روز ہو سکتا ہے کوئی وقت اس کے لیے مقرر نہیں ہے لیکن سعی دونوں کے لیے ضروری ہے۔

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى

روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لیے ہم اسے

الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

کتاب میں واضح فرماچکے ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت مگر وہ

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ

جو توبہ کریں اور سنواریں اور ظاہر کردیں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول کرنے والا

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

مہربان۔ ف۱۵ بے شک وہ جنھوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے ان پر

لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی، ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ان پر سے

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

عذاب ہلکا ہو اور نہ انھیں مہلت دی جائے۔ ف۱۶ اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی

(۱۵) شان نزول: اس آیت کا صرف یہود ہیں جنہوں نے نعت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آیت رجم وغیرہ احکام توریت کو چھپایا (معالم) یا یہود ونصاریٰ دونوں مگر حکم اس کا عام ہے جو حق کو چھپائے وہ اس میں داخل ہے اور اس کے لیے یہ وعید شدید ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص سوال کیا جائے کسی بات سے اور وہ اس کو چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام دیا جائے گا (ترمذی وابن ماجہ)، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ہماری اتاری ہوئی باتوں اور ہدایت کو تورات میں واضح کردینے کے بعد لوگوں سے چھپاتے ہیں جیسے نعت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آیت رجم وغیرہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے یعنی وہ رحمت الٰہی سے دور ہیں اور لعنت کرنے والوں یعنی ملائکہ کی ان پر لعنت ہے مگر جو لوگ ان میں سے توبہ کریں اور اپنے اعمال درست کریں اور جو وہ چھپاتے ہیں اسے وہ ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

تنبیہ: آیت "لاعنین" سے بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، تمام خلق سوائے جن وانس کے مراد ہیں، اور قتادۃ وابوالعالیہ کے نزدیک ملائکہ ومؤمنین مراد ہیں اور وہی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کافر ٹھہرایا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے گا پھر ملائکہ پھر تمام آدمی اس پر لعنت کریں گے، اور عطا کے نزدیک جن وانس مراد ہیں اور حسن بصری کے نزدیک تمام عباد اللہ مراد ہیں اور مجاہد کے نزدیک بہائم مراد ہیں کہ وہ گنہگاروں پر گناہوں کی وجہ سے لعنت کرتے ہیں، ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض مخلوق کی لعت بزبان حال ہوتی ہے اور بعض کی بزبان قال ہوتی ہے۔

(۱۶) یہ گزشتہ آیت کا تتمہ ہے، اس میں ان کافروں کا مآل بیان فرمایا گیا ہے جو عمر بھر کفر وشرک ہی میں رہے اور اسی پر مرے، مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اسی پر مرے ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی، وہ دنیا وآخرت میں اسی کے مستحق ہیں اور آدمیوں سے صرف مسلمان مراد ہیں یا تمام آدمی مراد ہیں کہ قیامت کے دن بعض ان کا بعض پر لعنت کرے گا کما

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ

بڑی رحمت والا مہربان۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ

و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے

وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا

مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ

اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل

الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ

کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ ف۱۷ اور کچھ

قال تعالیٰ ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ [الاعراف:۳۸] وقال تعالیٰ ﴿یَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضاً﴾ [العنکبوت:۲۵] وہ اس لعنت یا آگ میں ہمیشہ رہیں گے ان پر سے عذاب ذرا دیر ہلکا نہ ہوگا، اور نہ انہیں توبہ واستغفار کی مہلت دی جائے گی۔

تنبیہ: آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص کا یقیناً کفر پر مرنا معلوم ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں اور غیر معین طور پر لعنت کرنا مطلقاً جائز ہے، جیسے لعنت ہے کافروں پر، ظالموں پر، فاسقوں پر، جھوٹوں پر۔

(۱۷) شان نزول: پہلی آیت ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ جب نازل ہوئی کہ کفار نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خدا کے اوصاف بیان کرنے کو کہا اور دوسری آیت ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَات﴾ [البقرۃ:۱۶۴] اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے خدا کے اوصاف سن کر اس کی دلیل مانگی (جلالین وغیرہ) پس آیت میں آٹھ دلیلیں بیان فرمائی گئیں۔ (۱-۲) یہ کہ آسمان وزمین اور ان میں عجائب قدرت پیدا کرنا (۳) رات ودن کا بدلنا، ایک کے بعد دوسرے کا آنا، روشن وتاریک ہونا، گھٹنا بڑھنا (۴) دریا میں پانی پر کشتی کا چلنا جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں کہ اس پر سوار ہو کر سامان تجارت وغیرہ رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور وہ ڈوبتی نہیں ہے ہوا سے چلتی ہے ﴿وَجَرَیْنَ بِهِم بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ﴾ [یونس:۲۲] فلک کا لفظ واحد وجمع دونوں میں استعمال ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ واحد کے لیے مذکر اور جمع کے لیے مؤنث بولا جاتا ہے۔ قرآن عظیم میں یوں ہی وارد ہوا ہے (معالم) (۵) آسمان سے پانی برسانا جس سے مری ہوئی خشک زمین زندہ ہری ہوتی ہے اور اس پر ہر قسم کی گھاس اگتی ہے (۶) زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانا جو اس سے پلتے بڑھتے ہیں (۷) ہواؤں کا چاروں طرف چلانا کبھی پوربائی کبھی پچھیاؤ کبھی جنوبی کبھی شمالی، کبھی گرم کبھی سرد، کبھی تیز کبھی ہلکی چلانا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: سب سے بڑا لشکر اللہ تعالیٰ کا پانی اور ہوا ہے (معالم) (۸) وہ بادل جو آسمان وزمین کے بیچ میں خدا کے حکم کا تابع دار ہے جہاں حکم ہوتا ہے وہاں فوراً جا کر برستا ہے، ان سب چیزوں میں عقل مندوں اور فکر وغور کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جن سے وہ معلوم کرے کہ ان کا کوئی خالق وصانع ہے، اور اس کی وحدانیت والوہیت کے قائل ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ خرابی ہے اس شخص کے لیے جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس میں غور وفکر نہ کیا (سراج ومدارک) اور اسماء بنت یزید کی روایت ہے کہ فرمایا سید

النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنالیتے ہیں کہ انھیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ

اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں اور کیسی ہو اگر دیکھیں ظالم وہ وقت جب کہ

الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ

عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لیے کہ سارا زور خدا کو ہے اور اس لیے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ جب

تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گی

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ

ان کی سب ڈوریں اور کہیں گے پیرو، کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم ان سے توڑ دیتے

كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا

جیسے انھوں نے ہم سے توڑ دی، یونہی اللہ انھیں دکھائے گا ان کے کام ان پر حسرتیں ہوکر اور وہ

هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا

دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔ ف۱۸ اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال

عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ان دونوں آیتوں میں اسم اعظم ہے یعنی ﴿اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [البقرۃ:۱۶۳] میں اور ﴿الٓمّٓ، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ [آل عمران:۲] میں (سراج) اس حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور دیلمی کی روایت میں ہے کہ سرکش جنوں پر کوئی چیز ان آیتوں سے زیادہ سخت نہیں ہے۔

تنبیہ: ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں، چار ان میں سے رحمت کی ہیں اور چار عذاب کی اور "الٰھکم" میں خطاب عام ہے اور ﴿وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ﴾ [البقرۃ:۱۶۴] میں کشتی اور جہاز پر سوار ہونے والے، مال لادنے، اس سے نفع اٹھانے کے جواز کی طرف اشارہ ہے اور کشتی بنانے کا طریقہ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کو تعلیم فرمایا تھا۔

(۱۸) آیات گزشتہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی وحدانیت و قدرت پر آٹھ دلیلیں بیان فرمائی تھیں لیکن بعض جاہل بیوقوف باوجود ان روشن دلائل کے بھی مخلوق کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے، انہیں مشرکین کا حال ان آیتوں میں بیان فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی کے سبب اللہ کے سوا اور چیزوں کو معبود بنالیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں، ان کے سامنے عاجزی سے جھکتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ایمان والوں کے برابر کسی کی محبت نہیں ہے کہ وہ کسی سختی اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے نہیں پھرتے اور مشرک سختی کے وقت اپنے معبودوں سے پھر جاتے ہیں، اور کیسا ہوگا جب دیکھیں گے ظالم وہ وقت جب کہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لیے کے سارا زور اللہ کو ہے اور اس لیے کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (اور

طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاۡمُرُكُمۡ

پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمھیں یہی حکم دے گا

بِالسُّوۡٓءِ وَالۡفَحۡشَآءِ وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا

بدی اور بے حیائی کا اور یہ کہ اللہ پر وہ بات جوڑو جس کی تمھیں خبر نہیں۔ ف۱۹ اور جب

قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ

ان سے کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر

وہ وقت) جب کہ بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروکاروں سے اور دیکھیں گے عذاب یعنی جبکہ ان کے پیشوا ان کو گمراہ کرنے سے انکار کریں گے اور وہ عذاب دیکھیں گے اور کٹ جائیں گی ان کی ڈوریں (جو دنیا میں محبت اور دوستی کی تھیں) اور کہیں گے پیرو لوگ کاش ہمیں دنیا میں پھر لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم ان سے یعنی پیشواؤں سے علاقہ مودت توڑ دیتے جیسے کہ آج انہوں نے یعنی پیشواؤں نے ہم سے رسم مروت توڑ دی۔ یوں ہی اللہ انہیں سکھائے گا ان کے برے کام حسرتیں ہو کر، یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے برے کام انہیں حسرت و ندامت بنا کر دکھائے گا، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں، یعنی ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ تنبیہ: ﴿يُحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾[البقرة:۱۶۵] کا یہ مطلب ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کو خدا کی طرح محبوب رکھتے ہیں کہ انہوں نے بتوں کو اللہ کا شریک کیا پس انہیں اللہ کے برابر سمجھا (زجاج) یا یہ مطلب ہے کہ وہ بتوں کو ایسا محبوب رکھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اللہ کو محبوب رکھتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا خدا کو محبوب رکھنا ان سے بہت زیادہ ہے کہ مسلمان کسی حال میں بھی خدا سے نہیں پھرتے ہیں اور مشرکین سختی میں اپنے بتوں سے پھر جاتے ہیں بلکہ وہ جس پتھر کو پوجتے ہیں اس سے اچھا خوبصورت پتھر مل جانے پر اول کو چھوڑ دیتے ہیں (معالم) اور اللہ فرماتا ہے ﴿یحبونهم و یحبونه﴾ یعنی اللہ انہیں یعنی مسلمانوں کو محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں، بندے کا اللہ سے محبت کرنا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت کرے اور اس کی مرضی پر چلے، اور اللہ کا بندے سے محبت کرنا یہ ہے کہ وہ بندے کے اکرام کا ارادہ فرمائے اور اپنی طاعت کی توفیق اسے عطا فرمائے (سراج)

(۱۹) شان نزول: یہ آیت ان کفار کے حق میں نازل ہوئی جو بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے اور انہیں کھانا اور ان سے کام لینا حرام جانتے تھے، جنہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ کہا جاتا تھا، جیسا کہ آج کل بھی بعض مشرکین اپنے دیوتاؤں کے نام پر گائے، بیل، بچھڑا، بچھیا چھوڑ دیتے ہیں (سراج وغیرہ) مطلب یہ ہے کہ خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کرنا چاہیے، انہیں کھانا پینا استعمال میں لانا چاہیے اور اس حکم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ایسا کرے کفار ہی کی خصوصیت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے لوگو! کھاؤ جو چیز زمین میں حلال اور پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو (یعنی اس کی پیروی نہ کرو اس کے کہے پر نہ چلو) بے شک تمہارا وہ کھلا دشمن ہے اور دشمن کے کہے پر چلنا خطا اور باعث ہلاکت و بربادی ہے دشمن کو ہمیشہ دشمن ہی سمجھنا چاہیے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَـكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا﴾[الفاطر:۶] بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن بناؤ، وہ تمہیں بدی یعنی گناہ کے کام اور بے حیائی (کی باتیں کرنے) کا حکم دے گا اور یہ کہ اللہ پر وہ بات جوڑو جس کی تمہیں خبر نہیں ہے (یعنی اللہ نے جو چیزیں حرام نہیں کی ہیں انہیں کہو کہ یہ حرام کی ہیں) تنبیہ: آیت میں "کلوا" امر اباحت ہے یعنی زمین کی حلال و پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے مباح ہیں، انہیں کھاؤ، اور خطوات شیطان سے مراد اس کی پیروی کرنا اس کے راستوں پر چلنا ہے، اور ابو مجاز کے نزدیک گناہوں کی نذر ماننا مراد ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی اور مسروق سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے اسے دنبہ ذبح

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

اور کافروں کی کہاوت اس کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا

وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کچھ نہ سنے بہرے گونگے اندھے، تو انہیں سمجھ نہیں ف۲۰ اے ایمان والو!

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ

کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور اللہ کا احسان مانو اگر تم اسی کو

تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

پوجتے ہو اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ

اور وہ جانور جو غیرِ خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو

کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ نذر خطوات شیطان سے ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مثل اس کے مروی ہے کہ جب ایک شخص نے ان کے ساتھ کھیرا کھانے سے انکار کیا اور نا کھانے کی وجہ اسے اپنے اوپر حرام کر لینا ظاہر کی تو آپ نے فرمایا یہ نذر خطوات شیطان سے ہے اور کہا کہ کفارہ دے، اور قتادہ وسدی کے نزدیک ہر گناہ خطوات شیطان ہے اور سوء وفحشاء میں تمام گناہ صغیرہ وکبیرہ اور افعال ذمیمہ داخل ہیں (ابن کثیر وجامع البیان)

(۲۰) شان نزول: جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار قریش اور مشرکین عرب کو اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہود کو اسلام کی طرف بلایا اور انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم اپنے باپ دادا کے دین کی اتباع کریں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم) ممکن ہے کہ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو کہ مشرک سائبہ اور بحیرہ اور وصیلہ کو حرام کہتے تھے اور یہود اونٹ کا گوشت اور دودھ اور چربی اور ناخن والے جانور جو ان کی شریعت منسوخہ میں حرام تھے، حرام سمجھتے تھے، جب ان سے کہا گیا کہ خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام مت کرو تو انہوں نے یہ جواب دیا جو آیت میں مذکور ہے۔ بہر حال اس آیت میں خدا کی حلال اور پاک کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے اور باپ دادا کی غلط پیروی کرنے اور خلاف شرع رسم ورواج پر عمل کرنے کو منع فرمایا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اور جب ان سے کہا جائے (کہ) اللہ کے اتارے پر چلو (یعنی خدا کی حلال وحرام کردہ چیزوں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو) تو کہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو (چلتے) پایا، یعنی بتوں کو پوجنے اور بحیرہ وسائبہ کو حرام جاننے میں ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے کہ وہ ہم سے بہتر تھے (کیا وہ باپ دادا کی پیروی کریں گے) اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں (دین کی باتوں کو سمجھنے کی) اور نہ ہدایت (پائی انہوں نے حق کی طرف) اور کافروں کی کہاوت ان کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سنے (یعنی صرف آواز سنتا ہے مگر سمجھتا کچھ نہیں ہے وہ) بہرے (ہیں سماع حق سے) گونگے (ہیں حق بولنے سے) اندھے (ہیں راہ حق دیکھنے میں تو انہیں سمجھ نہیں (ہے)

عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۲۱ وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

کتاب اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں

بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ

آگ ہی بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انھیں ستھرا کرے

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ

اور بخشش کے بدلے عذاب تو کس درجہ انھیں آگ کی سہار ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ نے

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ

کتاب حق کے ساتھ اتاری اور بے شک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے وہ ضرور پرلے سرے کے

(۲۱) چونکہ اس سے پہلے آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ہماری حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ بناؤ۔ اس آیت میں خاص مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اے ایمان والو (تم) کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری (حلال) چیزیں اور اللہ کا احسان مانو (یعنی اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے حلال اور پاکیزہ چیزیں تمہیں کھانے کو دیں اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔ اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں: مردار (یعنی بغیر ذبح کیے ہوئے مردہ جانور) اور خون بہنے والا اور سور کا گوشت (مع تمام اجزا کے) اور وہ جانور جو وقت ذبح غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو (جیسا کہ مشرک لوگ ذبح کرتے وقت اپنے معبودوں، دیوی دیوتاؤں کا نام لیا کرتے تھے، یعنی باسم لات وعزیٰ کہا کرتے تھے) تو جو نا چار ہو (یعنی کوئی اور چیز اسے کھانے کو نہ ملے بقدر ضرورت اسے کھالے) نہ یوں خواہش سے کھائے (اور) نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر (اس کے کھانے کا) گناہ نہیں (ہے) اللہ بخشنے والا مہربان ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کو ان چیزوں کے سوا کوئی دوسری حلال چیز کھانے کو نہ ملے اور بہت بھوکا ہو تو اسے بھوک رفع کرنے اور زندہ رہنے کی بقدر ان چیزوں میں سے کھالینا روا ہے کہ زندگی برقرار رکھنا فرض ہے مگر نہ تو پیٹ بھر کھائے اور نہ خواہش شوق سے لذت حاصل کرنے کے لیے کھائے اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائے کہ پیٹ بھر کر یا شوق سے یا ضرورت سے زیادہ کھانا حرام و گناہ ہے، یہی قول سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، یوں ہی اگر وقت اضطرار نہ کھائے گا اور مر جائے گا تو گنہگار ہوگا اور حالت اضطرار میں کسی غیر کا رکھا ہوا کھانا بے اجازت اس کے کھانا روا ہے اس وقت مردار کو نہ کھائے اسے کھائے۔ تنبیہ: آیت میں صرف چار چیزیں کھانا حرام فرمائی گئی ہیں، اول: بغیر ذبح شرعی مرا ہو جانور خواہ وہ خود مرا ہو یا بغیر ذبح مارا گیا ہو مثلاً بندوق یا غلیل یا اینٹ پتھر سے یا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو یا پہاڑ سے گر کر مرا ہو یا درندے نے مارا ہو یا زندہ جانور سے کوئی ٹکڑا کاٹ لیا ہو کہ وہ بھی مردار میں داخل ہے (کما فی حدیث الترمذی) مگر مردار کا دودھ جو تھنوں میں بھرا ہوا ہو اور سخت انڈہ اور زندہ بچہ جو مردار کے پیٹ سے نکلا ہو ذبح کر کے کھانا جائز ہے اور یونہی مردہ مچھلی اور ٹڈی کا کھانا جائز ہے کہ وہ خاص کی گئی ہیں اس

حکم سے مستثنیٰ ہیں مگر وہ مچھلی جو دریا میں مر کر پانی میں تیر آئی ہو جسے تافی کہتے ہیں مردار ہے، مردار کا صرف کھانا حرام ہے اس کی کھال، بال، اون، ہڈی، سینگ، کھر، پٹھے، کام میں لانا اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے، دوسرے: خون جو بہنے والا ہو (كما قال الله تعالىٰ ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ اور قدرۃً جما ہوا خون حلال ہے جیسے جگر و تلی حلال کیے گئے ہیں (ابن ماجہ)، تیسرے: سور کا گوشت بلکہ اس کے تمام اجزائے بدن سے نفع اٹھانا حرام ہے کہ وہ نجس العین ہے کوئی جز اس کا پاک نہیں ہے، چوتھے: وہ جانور جو وقت ذبح غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، مگر وہابیہ اس آیت میں اس جانور کو بھی داخل کرتے ہیں جو کسی پیغمبر یا ولی کے پہلے سے نامزد کیا گیا ہو اور اسے ایصال ثواب کے لیے ذبح کیا جائے تو ایسا جانور ان کے یعنی وہابیہ کے نزدیک حرام ہے اور کرنے والا مشرک ہے اگر چہ وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ہی ذبح کیا گیا ہو، یہ وہابیہ کی کھلی ہٹ دھرمی اور حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس سے پہلی آیت میں اپنی حلال کی ہوئی چیزیں حرام کرنے کو منع فرمایا ہے اور وہ اسے حرام بناتے اور اس کے کرنے والے کو مشرک کہتے ہیں، اور اُہل کے معنیٰ مطلقاً نامزد کرنے کے لیتے ہیں خواہ ذبح سے پہلے کسی کے نامزد کیا گیا ہو یا وقت ذبح اس کا نام لیا گیا ہو حالانکہ آیت میں اہلال سے اہلال وقت ذبح مراد ہے جو "بہ" سے مستفاد اور آیت "وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳" اس پر دال ہے، عامہ مفسرین نے اس کے یہی معنیٰ لکھے ہیں، اور ضحاک و قتادہ اور مجاہد وغیرہ سے اس کی تفسیر اسی طرح منقول ہے اور اس کے موافق حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترجمہ کیا ہے، یعنی اور وہ جانور جو وقت ذبح غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، جیسا کہ اس وقت کے مشرک بت پرست اپنے بتوں کے لیے ان کا نام لے کر جانور ذبح کیا کرتے تھے، باسم اللات والعزىٰ پکارا کرتے تھے وہی آیت میں مراد ہے، تفسیر جلالین و بیضاوی و سراج المنیر و مدارک و ابن کثیر و معالم التنزیل و کشاف و جامع البیان و تفسیر ابن عباس و خازن و احمدی وغیرہ میں ہے: ای ذبح علىٰ اسم غيره تعالىٰ، والاهلال رفع الصوت وكانوا يرفعونه عند الذبح لالهتهم. یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اہلال کے معنیٰ آواز اٹھانے کے ہیں اور وہ لوگ اپنے معبودوں کے لیے جانور ذبح کرتے وقت آواز اٹھایا کرتے تھے (یعنی ان کا نام پکارا کرتے تھے) یہ الفاظ جلالین کے ہیں، یوں ہی باقی تفاسیر مذکورہ میں بالفاظ مختلفہ متقاربہ ہے اور سب میں عند الذبح کی قید ہے اور اس سے ذبائح مشرکین مراد ہیں، بلکہ تفسیر احمدی میں اس کے یہی معنیٰ لکھ کر بطور تنبیہ خاص اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے کہ "ومن ههنا الخ" یعنی اور اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اولیا کے لیے نذر مانی ہوئی گائے جیسا کے ہمارے زمانہ میں اس کی رسم ہے حلال و پاک ہے کہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا ہے اگر چہ پہلے سے لوگوں نے ان کی نذر کیا تھا (یعنی ان کے نامزد کر رکھا تھا) بلکہ بعض وہابیہ کے سلسلہ کے استاد و پیر و مرشد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے ترجمہ قرآن میں اس آیت کے معنی لکھے ہیں اور اس میں ذبح کی قید لگائی ہے، فرماتے ہیں کہ آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا، یعنی اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کی آواز بلند کی جائے، یہ تو اقوال مفسرین و مترجمین اس آیت کے متعلق تھے۔ اب ذرا اقوال فقہائے کرام بھی اس مسئلہ کے متعلق ملاحظہ ہوں جن کے فتاویٰ پر مسلمانوں کے جان و ایمان کا مدار ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا دار و مدار اور حلت و حرمتِ ذبیحہ اور شرک و کفر ذابح کا انحصار قصد و نیت ذابح پر ہے، اور نیت بھی ذبح کرتے، چھری پھیرتے وقت کی معتبر ہے نہ اس سے پہلے کی۔ ردالمحتار میں ہے "اعلم ان المدار على القصد عند ابتداء الذبح" یعنی مدار کار قصد و نیت وقت ذبح پر ہے نہ اس سے پہلے کی، پھر یہ نیت بھی کس کی معتبر ہے ذبح کرنے والے کی نہ مالک و ذبح کرانے والے کی، پس اگر مالک و ذبح کرانے والا مسلمان ذبح کے وقت کھڑا ہوا ہزار بار اللہ کا نام لیتا رہے، اللہ کے لیے ذبح کرائے مگر ذابح مسلمان غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کر دے تو ذبیحہ حرام، اور جو مالک ذبح کرانے والا کافر ہو تو ذبح کرتے وقت ہزار بار غیر اللہ کا نام لے غیر اللہ کے لیے ذبح کرائے مگر ذابح مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے کر ذبح کر دے تو ذبیحہ حلال، فتاویٰ عالم گیری میں ہے: "مسلم ذبح شاة المجوسي لبيت نارهم او الكافر لالهتهم توكل لانه سمى الله تعالىٰ" یعنی کسی مسلمان نے کسی مجوسی کی بکری اس کے آتش کدہ کے لیے یا کسی کافر کی ان کے معبودان باطل کے لیے اللہ کا نام لے کر ذبح کی تو حلال ہے کھائی جائے گی۔

بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

جھگڑالو ہیں۔ ف۲۲ کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ

ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب

وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں

ردالمحتار میں ہے "وتشترط التحية من الذابح واحترز عما لو سمى به غيره فلا تحل "یعنی ذابح کا ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا شرط ہے اگر کسی غیر نے کہی تو حلال نہیں۔ بلکہ اگر کسی نے ذبح کرتے وقت بلا فصل اللہ کے نام کے ساتھ غیر کا نام ملایا اور یوں کہا بسم اللہ محمد رسول اللہ، یا بسم الله تقبل من فلاں تو یوں کہنا مکروہ ضرور ہے مگر جانور حلال ہے، اولیٰ یہ ہے کہ اس طرح نہ کہے كما في الهداية والكنز والدر المختار ورد المحتار. اگر بقول وہابیہ محض جانور کو پہلے سے کسی کے نامزد کرنے، کسی کی طرف اسے اضافت کرنے ہی پر حرمت و شرک کا مدار و انحصار ہوگا تو تمام قربانیوں عقیقوں وغیرہ کے جانور قبل ذبح کسی نہ کسی کے نامزد ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی کی طرف اضافت کیے جاتے ہیں اور مدار صاحب کے مرغ اور سید احمد کبیر صاحب کی گائے کی طرح فلاں کی قربانی کا فلاں کے عقیقہ کا فلاں کے ہدی کا جانور کہے جاتے ہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے کہ جس نے مسلمان کے لیے ذبح کیا وہ جانور آتش دوزخ سے اس کا فدیہ ہوگا (رواه الحاكم في تاريخه) اس سے ظاہر کہ ذبیحہ میں غیر کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں بلکہ ثواب ہے۔ تو ایک حکم عام کفر و حرام کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ مطلق نیت غیر کو موجب حرمت و شرک جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث اور عقل کا مخالف ہے کہ قصائی بھی بہ نیت حصول نفع دنیا جانور کو ذبح کرتے ہیں، اور بیاہ شادیوں، ولیموں میں لوگوں کو کھانا کھلانے کی نیت سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور مہمان اور حاجی اور مجاہد کے آنے کی خوشی میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں تو یہ سب جانور بھی بہ عقائد وہابیہ حرام ہونا چاہیے کہ نیت غیر ان میں بھی پائی گئی مگر انہیں کوئی حرام نہیں کہتا بلکہ وہابیہ خود انہیں کھاتے ہیں اور حرف انکار زبان پر نہیں لاتے ہیں۔ درمختار میں ہے کہ مہمان کے لیے جانور ذبح کرنے سے حرام نہیں ہوتا ہے کہ وہ سنت خلیل ہے اور اکرام مہمان اکرام خدا ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ بزازی نے کہا جو اسے (اس گمان پر کہ وہ آدمی کے اکرام کے لیے ذبح کیا گیا ہے پس وہ "اهل به لغير الله" میں داخل ہے) حلال نہ جانے وہ خلاف قرآن و حدیث و عقل ہے کہ اس میں شک نہیں کے قصائی نفع کے لیے ذبح کرتے ہیں، اگر وہ یہ جانتے کہ نفع کی نیت سے جانور حرام ہو جائے گا تو ذبح نہ کرتے، تو اس جاہل حرام خیال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ قصائیوں کا ذبح کیا ہوا اور بیاہ شادیوں، عقیقوں کے لیے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ "وما اهل به لغير الله" سے وہ جانور مراد ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام ذابح نے لیا ہو، نہ وہ جانور مراد ہے جو پہلے سے کسی کے لیے نامزد کیا ہو اور ذبح کے وقت خدا کا نام لے کر اسے ذبح کیا ہو (هٰذا تلخيص ما في الفتاوىٰ الرضويه لشيخنا المترجم رضي الله تعالىٰ عنه)

(۲۲) شان نزول: یہ آیت علماء و رؤسائے یہود کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے عوام کی کھیتی باڑیوں میں اپنا حصہ مقرر کر رکھا تھا اور علاوہ اس کے رشوتیں اور تحفے بھی لیتے تھے اور خلاف حق فیصلہ کرتے تھے اور سردار و رئیس بنے بیٹھے تھے اور توقع رکھتے تھے کہ وہ نبی جن کی صفت توریت میں ہے ہم میں سے ہوگا، جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش میں مبعوث ہوئے اور انہیں نفع دنیوی زائل ہونے کا خوف پیدا ہوا تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ شریف میں تحریف کرنا اور اسے چھپانا شروع

وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور

الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ

زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت

وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی ہیں جنھوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي

پرہیزگار ہیں۔ (۲۳) اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے

الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ

خون کا بدلا لو آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت

کیا، جب عوام نے وہ بدلی ہوئی نعت دیکھی اور حضور کو اس کے مطابق نہ پایا تو وہ ایمان نہ لائے (سراج و مدارک) اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔

تنبیہ: آیت میں کتاب سے مراد توراۃ ہے جس میں نعت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرقوم تھی اسے وہ بدلتے اور چھپاتے تھے اور اسے بدلنے اور چھپانے کے بدلے حقیر چیز لیتے تھے اور اپنا نفع فوت ہونے کی وجہ سے اسے ظاہر نہ کرتے تھے، اور پیٹ میں آگ بھرنے کے یہ معنی ہیں کہ حق چھپانے کے بدلے جو مال انہوں نے لے کر کھایا اس کا مآل آگ میں لے کر جانا ہے یا وہ قیامت کے دن ان کے پیٹ میں آگ کی طرح جوش کرے گا یا حقیقۃً آگ ہو جائے گا اور یہ عذاب انہیں اس لیے دیا جائے گا کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ اتاری اور انہوں نے اسے چھپایا جھٹلایا اور اس میں اختلاف کیا کہ بعض پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہ لائے۔

(۲۳) شانِ نزول:۔ اس کا یہود و نصاریٰ ہیں کہ نصاریٰ نے بیت اللحم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی جگہ کو جو کہ بیت المقدس سے جانب شرق واقع ہے قبلہ قرار دے رکھا تھا اور اس کی طرف رخ کر کے گھر بنانے کو نیکی سمجھتے اور "یہود" کوہ طور اور بیت المقدس کی طرف جو جانب غرب واقع ہے اس طرف منہ کرنے کو نیکی شمار کرتے تھے (جلال سیوطی) اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب! مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا اصل نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی یہ ہے کہ بندہ اللہ پر اور قیامت پر اور تمام ملائکہ پر اور سب کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال صرف کرے یا باوجود مال محبوب ہونے کے اسے راہ خدا میں خرچ کرے۔ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کو دے، غلام آزاد کرائے، قیدی چھڑائے، قرض دار کا قرض ادا کرے اور نماز ادا کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے اور اپنا وعدہ اور عہد جو اللہ سے یا لوگوں سے کیا ہوا سے پورا کرنے والے اور مصیبت و سختی اور راہِ خدا میں جہاد کے وقت صبر کرنے والے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی بات ایمان لانے اور نیکی کا دعویٰ کرنے میں سچی کی اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ حضرت قتادہ و ربیع و مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ یہود کا مغرب کی طرف اور نصاریٰ کا مشرق کی طرف نماز پڑھنا نیکی نہیں ہے جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ منسوخ ہو چکا بلکہ نیکی وہ باتیں ہیں جو اس آیت میں بتائی گئی ہیں،

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ

تو جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

ادا، یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت، تو اس کے بعد

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي

جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور خون کا بدلا لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقل مندو!

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

کہ تم کہیں بچو۔ ۲۴ تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے

اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کرجائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لیے موافق دستور

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔ تو جو وصیت کو سن کر بدل دے اس کا گناہ انہیں

اور جب کہ مخاطب مسلمان ہوں تو حضرت عبداللہ بن عباس ومجاہد وعطا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام نیکیاں نماز ہی میں منحصر نہیں بلکہ نیکی وہ ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔

تنبیہ: اس آیت میں رشتہ داروں کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ ان کا حق سب سے زیادہ ہے جب کہ وہ حاجت مند ہوں۔ حدیث میں ہے کہ مساکین کو دینا ایک صدقہ ہے، اور رشتہ داروں کو دینا صدقہ اور صلہ رحمی ہے (مدارک) کیونکہ ان کے دینے میں دوہرا ثواب ہوتا ہے صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔ بیہقی وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ اہل قرابت کو صدقہ دینا بہتر وافضل ہے اور ترمذی وغیرہ صحاح کی حدیث میں ہے: انہیں صدقہ دینا دوہرا ثواب رکھتا ہے اور ان پر صدقہ کرنے سے مراد صدقہ نافلہ ہے نہ زکوٰۃ کہ اسے بعد کو ذکر کیا گیا ہے۔ ترمذی وابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ مال میں سوائے زکوٰۃ کے اور حق بھی ہے اور یہی آیت پڑھی، اور بخاری نے تاریخ میں روایت کی ہے کہ حضور سے پوچھا گیا کہ مال میں زکوٰۃ دینے کے بعد اور کوئی حق واجب ہے فرمایا ہاں اور یہ آیت پڑھی۔ اور یہ آیت جامع کمالاتِ انسانیہ ہے کہ اس میں صراحۃً وضمناً اعتقاد وعمل اور حسن معاشرت اور تہذیب نفس واخلاق وغیرہ کو تعلیم فرمایا گیا ہے اور ان پر عمل کرنے والوں کو صادق فی الدین اور پرہیزگار کہا گیا ہے، حدیث میں ہے "من عمل بهذه الاية فقد استكمل الايمان" یعنی جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے ایمان کو کامل کرلیا (سراج وبیضاوی)

(۲۴) شان نزول: مدینے میں یہود کے دو گروہ تھے بنوقریظہ اور بنونضیر۔ اسلام سے پہلے ان دونوں میں لڑائی ہوئی، بنوقریظہ مغلوب ہوئے، انہوں نے قسم کھائی کہ ہم بدلہ لیں گے اور ایک مرد کے بدلے دو مرد اور ایک عورت کے بدلے دو عورتیں اور غلام کے بدلے آزاد قتل کریں گے اور زخم کے بدلے دوگنا زخم لگائیں گے، اور ان میں یہ دستور تھا کہ قریظی کے بدلے نضیری بوجہ شرافت قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ سو وسق کھجوریں تاوان میں دی جاتی تھیں اور نضیری کے بدلے قریظی قتل کیا جاتا تھا اور جو تاوان لیا جاتا تو دوگنا لیا جاتا، اس

واقعے کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی (سراج وابن کثیر) اور سعید ابن جبیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اوس وخزرج کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسلام سے پہلے ان میں سخت لڑائی ہوئی تھی جس میں قبیلۂ خزرج کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے، جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ دونوں قبیلے مسلمان ہوئے مگر ان کے دلوں میں بدلہ لینے کا خیال بھرا ہوا تھا، انہوں نے اوس والوں سے کہا کہ ہم تو ہر غلام کے بدلے آزاد کو اور ہر عورت کے بدلے مرد کو قصاص میں ماریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) اور انہیں حکم ہوا کہ اے ایمان والو تم پر فرض ہے جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ (اس طرح لو کہ) آزاد (مرد) کے بدلے آزاد (مرد) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کرو۔ پھر یہ حکم آیت ﴿ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾ [المائدۃ:۴۵] سے منسوخ ہو گیا اور قصاص میں صرف دین میں مساوی ہونے یعنی مسلمان ہونے کا اعتبار کیا گیا اور مرد عورت، آزاد غلام، امیر غریب ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق اٹھا دیا گیا، پس آزاد کے بدلے غلام اور غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے بدلے مرد اور مرد کے بدلے عورت اور امیر کے بدلے غریب اور غریب کے بدلے امیر اور اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ اور ادنیٰ کے بدلے اعلیٰ قتل کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر ایک کو دس نے مل کر مارا ہو گا تو دسوں اس کے بدلے قتل کیے جائیں گے، اس لیے کہ مسلمان سب خون میں برابر ہیں جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے اور آیت میں " النفس بالنفس " آیا ہے (مدارک) تو جس کو بعض ورثائے مقتول کچھ بدلہ لے کر خون معاف کر دیں تو بھلائی سے یعنی لطف ونرمی سے دیت کا مطالبہ کریں نہ سختی ودرشتی سے اور نہ طے شدہ سے زیادہ طلب کریں اور قاتل انہیں بلا حیل وحجت وبلا تاخیر وکمی کے دیت ادا کر دے، یہ حکم قصاص وعفو ودیت اللہ کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہے، اور یہ تم پر رحمت ہے کہ اس نے تم پر اس قدر آسانی کی، یہود کی طرح صرف قصاص اور نصاریٰ کی طرح صرف عفو بلا دیت واجب نہیں کیا، اس کے بعد یعنی عفو وقبول دیت کے بعد جو قصاص لے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے، آخرت میں آگ کا دنیا میں قصاص کا۔ اور اے عقل مندو! خون کا بدلہ خون ریزی سے بچو۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ " الانثیٰ بالانثیٰ " اس لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ عورت کے بدلے مرد کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ مرد کے بدلے مرد اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے " انَّ النفس بالنفس " فرمایا اور آزاد عورت ومرد کو اور غلام باندی کو قصاص میں برابر رکھا (ابن کثیر) اور سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک آزاد غلام کے بدلے اور مسلمان کافر ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا، لعموم الآیۃ۔ یہی مذہب حضرت علی کرم اللہ وجہہ وابن مسعود و سعید ابن مسیب وابراہیم نخعی وقتادہ وحاکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک ایک کے بدلے ایک جماعت قتل کی جائے گی کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک غلام کے بدلے سات کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعا اس پر جمع ہوتے تو سب کو قتل کرتا اور اس پر کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہ کی تو یہ مسئلہ مثل اجماع کے ہوا (ابن کثیر)

تنبیہ: چند صورتیں حکم قصاص سے مستثنیٰ ہیں (اول) یہ کہ مسلمان کسی کافر حربی کو قتل کرے تو باجماع اس میں قصاص نہیں ہے۔ ذمی ومعاہد کے قتل میں قصاص ہے (دوسرے) خطاسے کسی کو قتل کیا مثلاً شکار کے نشانہ لگا رہا تھا کہ کسی مسلمان کے لگ گیا یا مسلمان کو مجمع کفار میں اس کی وضع قطع سے نہ پہچان سکا بلکہ کافر سمجھ کر قتل کر دیا تو قصاص لازم نہ آئے گا (تیسرے) باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو قصاص لازم نہ آئے گا دیت لازم ہوگی (چوتھے) مالک نے اپنے غلام یا باندی کو قتل کیا تو نہ قصاص لازم آئے گا نہ خوں بہا (عزیزی) امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قاتل کو اس چیز سے قتل نہ کیا جائے گا جس سے اس نے قتل کیا بلکہ اسے تلوار سے قتل کیا جائے گا کہ حدیث میں ہے "لا قود الا بالسیف" یعنی سوائے تلوار کے کسی شے سے قتل نہیں ہے (ابن ماجہ) اور نہ مساجد میں حد جاری کی جائے کہ " لاتقام الحدود فی المساجد" حدیث میں آیا ہے (بغوی) تو یہ پھانسی وغیرہ سے مارنا غیر مشروع ہوا۔ مسئلہ: قتل مسلم گناہ کبیرہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا ہے اور قصاص سیاست دنیا کے لیے ہے اور ورثا کو معاف کر دینے سے حق دنیوی معاف ہوتا ہے نہ حق آخرت، اور قصاص لینے کا حق حاکم کو ہے نہ عوام کو اور مطالبہ کا حق ورثائے مقتول کو ہے (حقانی) مسئلہ: قتل خطا وشبہ عمد میں قصاص نہیں ہے دیت ہے، جس کی تعداد سو اونٹ اور دس ہزار درہم ہیں۔

يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ؕ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ

بدلنے والوں پر ہے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ پھر جسے اندیشہ ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یا

اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾

گناہ کیا تو اس نے ان میں صلح کرادی اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ؁۲۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ لا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ

ہوئے تھے کہ کہیں تمھیں پرہیزگاری ملے گنتی کے دن ہیں تو تم میں

مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنھیں

(۲۵) زمانۂ جاہلیت میں باپ کے تمام مال وجائداد کا مالک یعنی وارث بیٹا ہوتا تھا، دوسرے ورثا کو کچھ نہیں ملتا تھا اس آیت میں ماں باپ وغیرہ وارثوں کے لیے تہائی مال کی وصیت فرض کی گئی لیکن وارثوں کے لیے بعد نزول آیت میراث سے اس آیت کا حکم منسوخ ہوگیا اور غیر وارثوں کے لیے جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے یا جو وارث محروم الارث ہوگئے ہیں ان کے لیے اس کا حکم باقی رہا اور وہ بھی وجوبی نہیں ہے بلکہ تہائی مال تک ان کے لیے وصیت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور برضامندی کل مال کی کسی کے لیے وصیت کرسکتا ہے اسی کو اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے قریب علامات موت ظاہر ہونے پر اگر مال دار ہوں حسب دستور عدل وانصاف کے ساتھ اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا فرض ہے اور یہ وصیت پرہیزگاروں پر واجب ہے، پس وصیت کیے ہوؤں اور گواہوں میں سے وصیت کو سن کر جو بدلے اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہے، بے شک اللہ وصیت کرنے والے کا قول سنتا ہے اور بدلنے والوں کا فعل دیکھتا ہے انہیں اس کی جزا دے گا۔ پھر جو حاضرین میں سے وصیت کرنے والے کی وصیت میں ناانصافی و گناہ دیکھے وہ اس میں موافق شرع اصلاح کرے اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مجاہد کے نزدیک یہ اصلاح وقت وصیت ہو اور دوسروں کے نزدیک اگر بعد موت ہو تو بھی حرج نہیں ہے (معالم)

تنبیہ: آیت میں ﴿تَرَكَ خَيْرًا﴾ سے ابن عباس ومجاہد وقتادہ وغیرہ کے نزدیک مطلقاً مال مراد ہے (ابن کثیر) اور بعض نے کہا ہے کہ مال کثیر مراد ہے نہ قلیل جیسا کہ حدیث عائشہ وحضرت علی رضی اللہ عنہما سے مفہوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خیر سے مال کثیر مراد لیا (سراج وغیرہ) اور معروف سے عدل وانصاف مراد ہے پس امیر کو غریب پر ترجیح نہ دی جائے اور تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کی جائے جیسا کہ سعید ابن مالک سے مروی کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کروں (وفی حدیث البخاری ثلثین) فرمایا نہیں، عرض کی نصف کی کروں، فرمایا نہیں، ثلث اور ثلث بھی بہت ہے، تجھے اپنے وارثوں کو غنی چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ انہیں فقیر چھوڑے کہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلائیں یعنی لوگوں سے سوال کریں (سراج) اور ثلث سے کم وصیت کرنا محبوب ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے۔ مسئلہ: وصیت میں ناحق تغیر تبدل کرنا گناہ ہے اور

الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ

اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلا دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف

خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو ۲۶

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی

اس میں بدلنے والوں کے لیے وعید ہے، یہ آیت جمہور مفسرین کے نزدیک آیت میراث اور حدیث ترمذی لا وصیة للوارث سے منسوخ ہے۔

(۲۶) چونکہ گزشتہ آیت میں قصاص کا حکم فرمایا گیا تھا جو حیاتِ دنیوی کا موجب تھا اس آیت میں روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے جو حیات ابدی کا ذریعہ کہ روزہ سے انسان کی مادی قوتیں گھٹتی اور روحانی قوتیں بڑھتی ہیں اور کثافت جسمانی دور ہو کر پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور اسے اس خاکی جسم کو چھوڑنے کے بعد حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلی امتوں پر فرض تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے کہ روزہ گناہوں سے باز رکھتا ہے اور خواہش نفسانی کو توڑتا ہے جو گناہوں کی جڑ ہے، بخاری کی حدیث میں ہے کہ روزہ آدمی کے لیے وجاء ہے یعنی آدمی کی خواہش نفسانی کو توڑتا ہے اسے خصی کرتا ہے، وہ گنتی کے دن ہیں رمضان کے تو تم میں جو کوئی (ان دنوں) بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے اور جس میں بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور اچھا ہونے کی امید نہ ہو وہ ہر روزے کے بدلے روزانہ دونوں وقت پیٹ بھر کر ایک مسکین کو کھانا کھلائے پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے یعنی ایک مسکین سے زیادہ کو کھلائے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے نہ رکھنے اور کھانا دینے سے اگر تم یہ جانو کہ کھانا دینے سے زیادہ رکھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

تنبیہ: آیت میں صیام سے صیامِ رمضان مراد ہیں، اور کَمَا کُتِبَ میں فرضیت نفس صوم کی تشبیہ ہے نہ تعداد کی کہ اگلی امتوں پر بھی روزے فرض تھے مگر اس کمیت و کیفیت کے ساتھ فرض نہ تھے جیسے کہ امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض ہوئے، یہ خاص اسی کا حصہ ہے، اور مِنْ قَبْلِکُمْ سے بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل کتاب مراد ہیں کہ یہود پر عاشورہ کے دن اور ہفتہ کے دن اور چند دوسرے دن روزہ رکھنا فرض تھا، اور نصاریٰ پر رمضان کے روزے رکھنا فرض تھے مگر اس میں ترمیم کی کہ وہ شدید گرمی اور سردی میں روزہ نہ رکھتے اور اس کے بدلے موسم ربیع میں پچاس روزے رکھتے تھے۔ تیس فرض کے اور بیس تاوان و ترمیم کے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے کہ روزہ اصلی اور قدیم عبادت ہے، زمانہ آدم علیہ السلام سے آج تک کوئی امت اس سے خالی نہیں رہی (عزیزی) اور اس تشبیہ میں مسلمانوں کو تسکین دی گئی ہے کہ روزے تمہیں پر فرض نہیں کیے گئے ہیں بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے اور وہ گنتی کے چند روز ہیں بہت سے نہیں ہیں۔ حضرت معاذ، ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ اگلی امتوں پر ہر ماہ میں تین روزے فرض تھے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ طریقہ حضرت نوح علیہ السلام سے ابتدائے اسلام تک رہا پھر وہ صوم رمضان سے منسوخ ہوا۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت ﴿فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ﴾ [البقرۃ:۱۸۵] سے منسوخ ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزہ رکھنے یا فدیہ دینے کا اختیار دیا گیا تھا پھر وہ منسوخ ہوا، اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ منسوخ نہیں ہے بلکہ لا مقدر ہے ترجمہ اسی کے موافق کیا گیا ہے۔ یہی قول سعید بن جبیر وغیرہ کا ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے (سراج وغیرہ)

مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

اور فیصلے کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ

اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں،

اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ

اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو۔ ۲۷ اور اے محبوب! جب تم سے

عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے

(۲۷) یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ اور توضیح ہے کہ پہلی آیت میں روزوں کی تعداد واضح نہیں کی گئی تھی، اس میں روزوں کی تعداد کو واضح کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہ نمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتیں ہیں جو حق کی طرف رہ نمائی کرتی ہیں اور حق کو باطل سے جدا کرتی ہیں، تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے، اور جو بیمار یا سفر میں ہو (روزے نہ رکھ سکے) تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے (یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے، تکرار نہیں ہے کہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ﴾ میں مقیم، مسافر، بیمار، سب داخل تھے، ان میں سے بیمار و مسافر کو خاص کیا گیا اور ان کے لیے افطار مباح کیا گیا، اور بہت بوڑھے اور روزہ کی طاقت نہ رکھنے والے کے لیے وہی پہلی آیت کا حکم بتقدیر لا باقی رکھا گیا اور یہ مریض اور مسافر اور بوڑھے کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور رخصت اس لیے عطا فرمائی گئی ہے کہ اللہ تم پر احکام میں آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو (یعنی جو روزے تم نے حالت مرض یا سفر میں نہ رکھے ہوں انہیں اچھے ہو کر یا سفر سے واپس آ کر قضا کر کے گنتی پوری کرو) اور اللہ کی بڑائی بولو (اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی) مرض و سفر میں روزے ترک کرنے پھر انہیں پورے کرنے کی یا احکام دین جاننے کی راہ دکھائی) اور کہیں تم حق گزار ہو یعنی اللہ کا شکر ادا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ روزہ داروں پر حق ہے کہ وہ عید کا چاند دیکھ کر تکبیر کہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾ مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا فرض تھا۔ جب رمضان کے روزے ہجرت کے دوسری سال فرض ہوئے تو یہ روزے فرض نہ رہے سنت ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں رکھا کرتے تھے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور رمضان کے روزوں میں مریض و مسافر اور بوڑھے آدمی کے لیے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یہ آسانی کی گئی ہے کہ اگر مریض کو مرض بڑھنے کا خوف ہو اور مسافر کو روزہ رکھنا دشوار ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے بلکہ مسافر کو بحالت دشواری افطار افضل ہے، اور جو روزہ رکھنا دشوار نہ ہو تو روزہ رکھنا مندوب ہے اور ان پر ان روزوں کی قضا واجب ہے جب وہ دونوں قضا کرنے پر قادر ہوں تو انہیں قضا کریں یعنی ان کے بدلے روزہ رکھیں خواہ پے در پے رکھیں یا متفرق، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کا بھی یہی حکم ہے کہ جب انہیں اپنے یا بچے کے ہلاک ہونے کا گمان غالب ہو پھر ان کی قضا کریں اور بوڑھے آدمی کو

ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو روزانہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب ہے اگر کھانا کھلانے کی قدرت رکھتا ہو ورنہ استغفار کرے یہی احناف کرام کا مذہب ہے اور اکثر کا قول ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور جو مسافر زوال سے پہلے مقیم ہوا اسے روزہ رکھنا واجب ہے اور جو مقیم روزہ دار سفر کو جائے تو اسے روزہ پورا کرنا واجب ہے (درمختار وغیرہ) فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی پہلی تاریخ کو اترے اور تورات چھ رمضان کو اور انجیل وزبور تیرہ یا اٹھارہ رمضان کو اتریں اور قرآن عظیم ۲۴ر رمضان کو نازل ہوا اور حضرت جبرئیل آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ وحی لے کر آئے اور حضرت ادریس پر چار بار اور حضرت ابراہیم پر بیالیس بار اور حضرت نوح پر پچاس بار اور حضرت موسیٰ پر چوالیس بار اور حضرت عیسیٰ پر دس بار اور جناب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک ہزار چوبیس مرتبہ وحی لے کر آئے، صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم (سراج وابن کثیر) اور صحف ابراہیم وتوراۃ اور انجیل وزبور ایک دم نازل ہوئیں، اور قرآن عظیم لوح محفوظ سے رمضان کی شب قدر میں بیت العزت یعنی آسمان دنیا پر ایک دم نازل ہوا اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت وواقعات نازل ہوتا رہا بیس سال تا تیئیس سال جیسا کہ مشہور ہے حضرت ابن عباس سے یہی مروی ہے (ابن کثیر)

تنبیہ: ماہ رمضان کا فضل وشرف تو اسی سے ظاہر ہے کہ اس میں قرآن جیسی متبرک کتاب نازل ہوئی اور اس میں ایک رات ایسی رکھی گئی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ اس میں اللہ رب العزت تجلی فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نازل ہوتے ہیں علاوہ بریں احادیث میں اس کی اور اس میں روزہ رکھنے کی فضیلت وثواب بہت آیا ہے۔ جس میں سے کچھ مختصر طور سے براہ آگاہی عوام یہاں لکھا جاتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں شیاطین اور سرکش جنات قید کیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، اور منادی ندا کرتا ہے کہ اے طالب خیر جلدی کر اور اے طالب شر ٹھہرا رہ، اور رمضان کی ہر رات دوزخی دوزخ سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شعبان کے اخیر خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! تم پر ایسے بزرگ مہینے نے سایہ کیا ہے کہ جس میں ایک رات قدر کی ہزار مہینوں سے افضل ہے، اللہ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام کرنا (نماز پڑھنا) نفل فرمایا ہے، جو اس مہینے میں تقرب کے لیے نیک کام کرے گا گویا اس نے فرض ادا کیا (یعنی فرض کا ثواب پائے گا) اور جو اس میں فرض ادا کرے گا اسے ستر کا ثواب ملے گا، یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، اور اس میں رزق زیادہ دیا جاتا ہے، اس میں جس نے کسی کا روزہ افطار کرایا وہ اس کے گناہوں کی بخشش کا موجب اور دوزخ سے رہائی پانے کا باعث ہوگا، اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا، اور افطار کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی، اور یہ ثواب بہت سے کھانے پر منحصر نہیں بلکہ ایک گھونٹ دودھ یا پانی یا ایک چھوہارے سے کھلوانے میں ملے گا اور جس نے سیراب کیا کسی روزہ دار کو اللہ اسے میرے حوض کوثر کے پانی سے سیراب فرمائے گا کہ اس کے بعد وہ پیاسا نہ ہوگا یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو اور یہ، وہ مہینہ ہے کہ جس کے اول میں رحمت ہے اور درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے آزادی، پس اس میں چار خصلتیں اختیار کرو اور انہیں بکثرت کرو، ان میں دو سے خدا راضی ہوگا اور دو سے تمہیں بے پرواہ کرے گا: ایک ان میں سے لا الٰہ الا اللہ ہے دوسری استغفار ہے کہ ان دونوں سے خدا راضی ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اللہ سے جنت طلب کرو، چوتھے یہ کہ اللہ کی دوزخ سے پناہ مانگو کہ یہ تمہیں بے پرواہ کریں گی اور اس ماہ مبارک میں روزہ رکھنے کا ثواب بے اندازہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم کا ہر نیک کام دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بڑھتا ہے مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں کہ روزہ دار اپنا کھانا پینا اور خواہش میرے لیے ہی چھوڑتا ہے، اور روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت دوسرے رب سے ملاقات کے وقت، اور البتہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ اور اچھی ہے، اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک کا نام ریان ہے، اس میں سوائے روزہ دار کے کوئی داخل نہ ہوگا اور قیامت کے دن روزہ اور قرآن بندہ کی شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا اے رب میں نے اسے دن میں کھانے اور خواہش نفس پورا کرنے سے روکا تھا پس میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن کہے گا اے رب میں نے اسے رات کو سونے سے روکا

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ

تو انھیں چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔ ف۲۸ روزوں کی

لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ

راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا وہ تمہاری لباس ہیں اور تم

لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

ان کے لباس، اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ

تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمھیں معاف فرمایا تو اب ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو

تھا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما پس دونوں کی شفاعت قبول ہوگی (سراج) اور فرمایا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس نے ثواب کی امید سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ بخشے جائیں گے اور جس نے امام کے ساتھ ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کیے جائیں گے اور روزہ آتش دوزخ سے بچاؤ ہے اور روزہ دار کے لیے پانچ بزرگیاں ہیں: اول یہ کہ افطار کے وقت اس کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے خاموش رہنے میں تسبیح کا ثواب ملتا ہے اور تمام ہڈیاں اس کی تسبیح کرتی ہیں، تیسرے یہ کہ ہر نیک کام اس کا دس گنا ثواب رکھتا ہے، چوتھے یہ کہ روزے کی حالت میں اس کی دعا قبول ہوتی ہے، پانچویں اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں (بیہقی) اور روزہ آدمی کے بدن کی زکوٰۃ ہے (ابن ماجہ) اور جو کوئی روزہ دار کے سامنے کھاتا پیتا ہے فرشتے روزہ دار کے لیے دعائے استغفار کرتے ہیں اور ہر جوڑ اور ہڈی اس کے بدن کی تسبیح میں مشغول ہوتی ہے (ترمذی وغیرہ) بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے: ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جو گناہ روزہ دار سے سرزد ہوتے ہیں انہیں روزہ ساقط کر دیتا ہے۔

تنبیہ: حدیث قدسی مذکور میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنے لیے اس لیے مخصوص فرمایا ہے (حالانکہ تمام عبادتیں اسی کے لیے ہیں اور وہی ان کی بندہ کو جزا دیتا ہے) کہ روزہ میں ریا نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اسے دیکھ نہیں سکتا ہے تاوقتیکہ روزہ دار خود اسے ظاہر نہ کرے اور اس کے ظاہر کرنے میں بھی جھوٹ اور شیخی کا احتمال ہوتا ہے اور عمل بے ریا خدا کو محبوب وپسندیدہ ہے، دوسرے یہ کہ بیہقی سے مروی ہے کہ سفیان ابن عیینہ سے ایک شخص نے "الصوم لی" کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا کہ قیامت کے دن جب حساب خلق ہوگا اور جس کا قرض جس پر آتا ہوگا اس کی تمام نیکیاں اسے دلائی جائیں گی اور جب روزہ کی باری آئے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میرے لیے ہے اسے چھوڑ دے اور صاحب حق کو ثواب دے کر اسے راضی کر دے گا اور روزہ اسے لے کر بہشت میں داخل ہوگا (عزیزی) باقی روزہ کی تعریف اور احکام ومسائل کتب فقہ میں دیکھنا چاہیے۔

(۲۸) شان نزول: میں اس آیت کے کئی روایتیں ہیں ان میں سے یہاں دو لکھی جاتی ہیں: ایک روایت میں ہے کہ ایک بدوی نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا پروردگار ہمارے پاس ہے کہ ہم اس سے آہستہ سے دعا کریں یا دور ہے کہ ہم اسے پکاریں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہوئے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے ایک غزوہ میں حضور کے ساتھ جاتے ہوئے اونچے نیچے پر زور زور سے تکبیر کہی تو حضور نے ان سے فرمایا: اے لوگو! تم کسی غائب یا بہرے کو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم سننے اور دیکھنے والے کو پکارتے ہو، تم جسے پکارتے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے، تو حضور

کے قول کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) بہر حال شانِ نزول کوئی ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے، اسی کو آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو (فرمادو کہ) میں (ان سے) نزدیک ہوں (اپنے علم سے ان کے تمام حالات کی خبر رکھتا ہوں، جیسا کہ ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ [ق:۱۶] میں کمال علم کی طرف اشارہ ہے، دعا قبول کرتا ہوں میں پکارنے والے کی جب وہ مجھے پکارے (اور دیتا ہوں جو وہ مانگے) تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں (یعنی ایمان پر دائم وقائم رہیں) اور کہیں وہ راہ پائیں۔

تنبیہ: اُجِیبُ وعدۂ الٰہی ہے اس میں خلاف نہیں ہوسکتا، لیکن ظہور اجابت کبھی اسی وقت ہوتا ہے اور کبھی دیر میں اور کبھی آخرت پر موقوف ہوتا ہے اور کبھی اس کے لیے جو بہتر ہوتا ہے وہ ہوتا ہے (مدارک) بعض کہتے ہیں کہ معنیٰ اس آیت کے اور آیت ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [غافر:۶۰] کے خاص ہیں اگرچہ لفظ عام ہیں یعنی معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں اگر چاہتا ہوں یا اگر دعا میری قضا کے موافق ہوتی ہے تو قبول کرتا ہوں یا اگر دعا محالات سے نہیں ہوتی ہے تو قبول کرتا ہوں یا وہ دعا قبول کرتا ہوں جو اس کے لیے بہتر ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے اگر وہ کسی گناہ کی یا قطع رحمی کی نہ ہو۔ بہر حال قبولیت دعا کے لیے آداب وشرائط ہیں کہ جن کے پائے جانے پر دعا قبول ہوگی ورنہ نہ ہوگی، من جملہ ان کے حلال کمائی کھانا اور سچ بولنا ہے (سراج) مسلمانوں کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ آج کل کتنے فیصدی مسلمان حلال روزی کھاتے ہیں اور سچ بولتے ہیں تو ان کی دعا نہ قبول ہونے کی شکایت بے جا ہے، پھر بھی انہیں مایوس ہو کر دعا ترک نہ کرنا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کا رسول سچا ہے اس کا وعدہ سچا ہے وہ ضرور بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے کبھی ہو کہیں ہو ہوگی ضرور، دعا کی ترغیب اور فضیلت وقبولیت میں بہت سی احادیث آئی ہیں، من جملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے حیا فرماتا ہے کہ بندہ اس کی طرف دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور وہ اسے خالی ہاتھ پھیر دے (رواہ احمد وترمذی) اور جو مسلمان ایسی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ یا قطع رحمی نہ ہو اسے اللہ فوراً قبول فرماتا ہے یا اسے آخرت کے لیے اکٹھا رکھتا ہے یا اس کے بدلے اس سے برائی دور فرماتا ہے (رواہ احمد) اور دعا ہر ایک کی قبول ہوتی ہے جب تک کہ جلدی نہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی پس قبول نہ ہوئی اور دعا کرنا چھوڑ دے (احمد ومسلم) اور اے لوگو، تم اللہ سے اس حال میں سوال کرو کہ تم اس کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہو کہ قلب غافل کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے (احمد وترمذی) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم ایک چیز میرے اور تیرے درمیان ہے اور وہ دعا ہے کہ تو کرتا ہے اور میں قبول فرماتا ہوں (رواہ حافظ ابوبکر)۔

تنبیہ: اس آیت کو روزوں کے درمیان احکام میں اس لیے ذکر فرمایا گیا ہے کہ بندے روزے پورے ہونے پر دعا کی کوشش کریں بلکہ ہر روزے کے افطار کے وقت دعا کیا کریں کہ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کی افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے (ابوداؤد وطیالسی) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما افطار کے وقت اپنے اہل وعیال کو بلاتے تھے اور دعا کرتے تھے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں انہیں سے ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی ہے (ترمذی ونسائی وابن ماجہ) امام احمد کی حدیث ہے کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی ہے: امام عادل کی، مظلوم کی اور روزہ دار کی افطار سے پہلے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ مسلمان کی اپنے بھائی غائب کے لیے دعا قبول ہوتی ہے۔ ابن ماجہ وترمذی کی حدیث میں ہے کہ دعا سے زیادہ بزرگ اللہ پر کوئی شے نہیں اور قضا کو دعا ہی رد کرتی ہے اور دعا نفع دیتی ہے نازل ہوئی اور نہ نازل ہوئی بلا سے، پس اے بندو دعا کو لازم پکڑو (ترمذی) اور باپ کی بیٹے کے لیے اور مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے (ترمذی وابوداؤد) حاجی کی دعا واپسی تک اور مجاہد کی دعا فارغ ہونے تک اور مریض کی دعا اچھے ہونے تک قبول ہوتی ہے (بیہقی) حضرت مترجم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعا کے آداب وغیرہ میں ایک مبسوط رسالہ ہے جس کا نام ''احسن الوعا فی آداب الدعا'' ہے۔

اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ

اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہوجائے سپیدی کا ڈورا

مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِ ۚ

سیاہی کے ڈورے سے پوپھٹ کر پھر رات آنے تک روزے پورے کرو

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو یہ اللہ کی حدیں ہیں

فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

ان کے پاس نہ جاؤ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انھیں

یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ

پرہیزگاری ملے۔ ف۲۹ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں

(۲۹) یہ آیت احکام روزے کا تتمہ ہے۔ شان نزول: اس کا یہ ہے کہ شروع اسلام میں نماز عشا پڑھنے اور افطار کر کے سوجانے کے بعد کھانا پینا صحبت کرنا جائز نہیں تھا جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں آیا ہے، ایک دن رمضان میں قیس بن ابوصرمہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محنت ومشقت کرنے کے بعد اپنے گھر آئے اور انہوں نے بعد افطار اپنی بیوی سے کھانا مانگا، کھانا تیار نہ تھا تیار کرنے میں دیر ہوئی وہ سوگئے، جب بی بی نے انہیں جگایا تو انہوں نے نہ کھایا اور کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کروں گا اور بغیر کچھ کھائے دوسرے دن روزہ رکھ لیا، دوپہر تک وہ بہت نڈھال ہوگئے اور غش آگیا، بعد افاقہ خدمتِ اقدس میں آکر عرض حال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، یوں ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شب بعد سونے کے اپنی بی بی سے صحبت کی صبح کو نادم وپشیمان روتے ہوئے حضور کی خدمت اقدس میں آکر عذر کیا اور معافی چاہی، ان کی دیکھا دیکھی اور بعض صحابہ نے بھی صحبت کرنے کا اقرار کیا پس ان سب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (سراج وغیرہ) اور مسلمانوں کو غروب آفتاب سے صبح صادق تک کھانے پینے اور صحبت کرنے کی رخصت واجازت دی گئی اور فرمایا گیا کہ روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس (صحبت کے لیے) جانا تمہارے لیے حلال ہوا، وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو (یہ کنایہ ہے احتیاج اور معانقہ سے جیسے کہ رَفَث کنایہ ہے جماع سے، یعنی عورتیں مردوں کی اور مرد عورتوں کے حاجت مند ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو لپٹتے اور چپٹتے ہیں جیسے کہ لباس کے حاجتمند ہوتے ہیں اور ان کے بدنوں پر لپٹا چپٹا ہوتا ہے، اور حضرت ابن عباس ومجاہد وحسن وقتادہ وسدی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ کے یہ معنیٰ ہیں کہ ان سے تمہاری اور تم سے ان کی تسکین ہوتی ہے، اور ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ عورتیں تمہارا فرش ہیں اور تم ان کے لحاف ہو، پھر فرمایا اللہ نے کہ اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے (یعنی تم اللہ کے اس حکم میں) خیانت کرتے تھے جو تمہیں عشا کے بعد کھانے پینے صحبت سے باز رہنے کا دیا گیا تھا) تو اس نے (توبہ کرنے سے پہلے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا (جو تم نے کیا تھا) تو اب (بعد معافی ان سے روزوں کی رات میں) صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو (اس میں چاہیے کہ وہ نعمت بقول ابن عباس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اولاد کی طرف اشارہ ہے، نیز یہ کہ صحبت بغرض اولاد ہونا چاہیے کہ وہ نعمت الٰہی ہے اور خلق شہوت اور نکاح سے

مقصود وہی ہے) اور تمام رات کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سپیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر (یعنی صبح صادق صبح کاذب سے جدا ہو جائے اور اس کی سفیدی رات کی سیاہی سے الگ معلوم ہونے لگے۔ گویا صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی کو درازی میں سفید و سیاہ ڈورے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ صبح کی سفیدی پہلے ایک سرخ دھاری کنارۂ آسمان پر ظاہر ہوتی ہے پھر وہ آسمان پر پھیلتی جاتی ہے اس دھاگے کے ظاہر نہ ہونے تک رات رہتی ہے اور ظاہر ہونے کے بعد رات تمام ہو جاتی ہے اور کھانے پینے کا وقت ختم اور روزہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے (آگے ارشاد ہوتا ہے کہ پھر رات آنے تک روزے پورے کرو یعنی اس سفیدی کے ظاہر ہونے کے وقت سے آفتاب غروب ہونے تک روزہ رکھو۔ اس میں روزے کی ابتدا اور انتہا بیان فرمائی گئی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب آئے رات اس جگہ سے اور جائے دن اس جگہ سے آفتاب غائب ہو جائے تو روزہ دار روزہ افطار کرے (سراج) اور صبح تک کھائے پیے اور اعتکاف میں نہ عورتوں سے صحبت کرے اور جو اعتکاف میں ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو (ضحاک کہتے ہیں کہ بعض لوگ اعتکاف میں سے رات میں آکر اپنی عورتوں سے صحبت کرتے تھے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ احکام مذکورہ فالان سے لے کر فی المسجد تک اللہ کی حدیں ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کی ہیں، پس تم ان کے پاس نہ جاؤ، اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے (اللہ کی حدود سے بچنے کے سبب)۔

تنبیہ: من الفجر میں اس طرف اشارہ ہے کہ تاخیر غسل صبح تک جائز ہے اور جنابت منافی روزے کے نہیں ہے۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ و جمہور علما کا ہے لحدیث البخاری اور ﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ [البقرۃ: ۱۸۷] سے ممانعت صوم وصال نکلتی ہے، اسی لیے احادیث مسلم و بخاری وغیرہ میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، اور وہ پے در پے روزہ رکھنا ہے، اور فِی الْمَسَاجِدِ سے ظاہر ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے اور مرد کو سوائے مسجد کے اور کہیں اعتکاف جائز نہیں، عورت کو گھر میں جائز ہے اور معتکف کو راتوں میں بھی عورتوں سے صحبت کرنا حرام و مفسد اعتکاف ہے (سراج و مدارک) اعتکاف تین قسم ہے: واجب و سنت مؤکدہ ان کے علاوہ مستحب و سنت غیر مؤکدہ ہے (علمگیری و درمختار) اعتکاف مستحب کے لیے روزہ شرط نہیں نہ اس کے لیے وقت مقرر ہے بلکہ مسجد میں اعتکاف کی نیت کی جب تک مسجد میں ہے معتکف ہے چلا آیا اعتکاف ختم ہو گیا، یہ بغیر محنت ثواب مل رہا ہے اسے نہ کھونا چاہیے بلکہ مسجد کے دروازہ پر لکھ دینا چاہیے کہ اعتکاف کی نیت کر لو اعتکاف کا ثواب پاؤ گے، جو ناواقف ہیں انہیں معلوم ہو جائے گا جو جانتے ہیں ان کے لیے یاددہانی ہے، اور اعتکاف مسجد میں تقرب الٰہی کے لیے بیٹھنا ہے۔ اس میں ذکر الٰہی کرنا لغو و فضول باتوں سے بچنا چاہیے بے ضرورت مسجد سے نہ نکلے۔ اعتکاف سنت کفایہ ہے، شہر میں کسی نہ کسی کو کرنا چاہیے، ایک کے کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا ورنہ سب تارک سنت ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ حضور رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وفات پائی۔ پھر حضور کے بعد ازواج مطہرات اعتکاف کیا کرتی تھیں، یہ آیت بعض صحابہ کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور رات کو گھر جا کر صحبت کرتے و پھر غسل کر کے مسجد میں لوٹ آتے تھے پس وہ اس سے منع کیے گئے (معلم) اور بَاشِرُوْهُنَّ امر اباحت ہے یعنی تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں عورتوں سے صحبت کرنا مباح ہے نہ واجب و لازم (مدارک) اور رَفَثْ سے مراد جماع ہے، حضرت عبداللہ بن عباس و عطار و مجاہد و قتادہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے (ابن کثیر) اور مِنَ الْفَجْرِ خَيْطُ الْاَبْيَضِ اور خَيْطِ الْاَسْوَدِ کا بیان ہے۔ بعض صحابہ سے اس کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی انہوں نے حقیقۃً اسے سیاہ و سفید ڈورا سمجھا، چنانچہ عدی ابن حاتم اپنے تکیہ کے نیچے سفید و سیاہ ڈورا رکھ لیا تھا اور بعض صحابہ نے اپنے پاؤں میں باندھ لیا تھا جب انہیں سیاہ ڈورا سفید ڈورے سے جدا نظر آنے لگتا تو کھانا پینا ترک کرتے تھے۔ جب عدی ابن حاتم نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کیا تو حضور نے تبسم فرما کر کہا تیری گردن بہت چوڑی ہے یا تیرا تکیہ بہت چوڑا ہے یعنی تو بڑا ناسمجھ ہے، اس سے صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے جدا ہونا مراد ہے۔ سہیل ابن سعد کہتے ہیں جب خیط

إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ

کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو

وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ

جان بوجھ کر۔ ف٣٠ تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرمادو: وہ وقت کی علامتیں ہیں

لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا

لوگوں اور حج کے لیے ف٣١ اور یہ کچھ بھلائی نہیں کہ گھروں میں پچھیت توڑ کر آؤ

وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو

ابیض اور خیط اسود کے سمجھنے میں بعض صحابہ سے غلطی فہمی ہوئی تو اس کے بیان میں من الفجر نازل ہوئی (سراج) اور فجر تک کھانے پینے
کی اجازت دینا سحری کے مستحب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ مسنون ہے احادیث میں اس کے کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ بخاری و
مسلم کی روایت میں ہے تسحروا فان فی السحور برکۃ یعنی سحری کھاؤ کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ فرق
ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں سحری کھانا ہے۔ امام احمد کی حدیث میں ہے کہ سحری کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو اگرچہ ایک لقمہ یا
ایک گھونٹ پانی ہی ہو، اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے ہیں سحری کھانے والوں پر اور سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل مستحب ہے مگر نہ اس
قدر کہ روزہ قضا کرنا پڑے۔ بعض لوگ بہت زیادہ رات سے سحری کھالیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے، امام احمد کی حدیث میں ہے کہ میری
امت جب تک افطار میں عجلت اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی خیر پر رہے گی۔ احمد و ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ مجھے
بندوں میں وہ زیادہ محبوب ہے جو افطار جلد کرے روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے صحبت کرنے سے باز رہنے کو کہتے
ہیں، اس کے احکام و مسائل کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

(٣٠) شان نزول: عبدان حضری نے امرء القیس کندی پر ایک قطعہ زمین کا دعویٰ کیا اور گواہ کوئی نہ تھا تو حضور سید عالم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امرء القیس سے قسم کھانے کو کہا، اس نے قسم کھانے کا ارادہ کیا تو حضور نے اس کے سامنے آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ
يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [آل عمران: ٧٧] تلاوت فرمائی پس وہ قسم کھانے سے باز رہا اور زمین عبدان کو دیدی تو یہ
آیت نازل ہوئی (سراج) مطلب یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طور سے چرا چھپا کر زبردستی چھین کر، جھوٹ بول کر،
دھوکا فریب دے کر، جوئے وغیرہ بازیوں سے حاصل کر کے سود لے کر خیانت کر کے، رہزنی کر کے لوٹ کر نہ کھاؤ اور نہ جان بوجھ کر جھوٹی
مقدمہ بازی کر کے حکام کو رشوت دے کر، ڈگریاں حاصل کر کے ایک دوسرے کا مال کھاؤ، حق ہضم کرو جو گناہ سے بھرا ہوا ہے بلکہ اخیر
صورت تو بہت سے گناہوں پر مشتمل ہے، مثلاً جھوٹا دعویٰ کرنا، جھوٹا بیان دینا، جھوٹی گواہی دلوانا، جھوٹا حلف خود بھی اٹھانا اور گواہوں سے
بھی اٹھوانا، اپنے موافق حکم کرنے کے لیے رشوت دینا، ناجائز کام میں ناجائز روپیہ اٹھانے کے لیے مال صرف کرنا وغیرہ باتیں جو
مقدمات میں کرنا پڑتی ہیں اور کرائی جاتی ہیں سب ناجائز و حرام و گناہ ہیں اور اس آیت سے ان سب باتوں کی ممانعت و حرمت ثابت ہوتی
ہے، اور جان کران باتوں کا کرنا اور زیادہ گناہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جھگڑہ میں مدعی و مدعا
علیہ سے فرمایا کہ میں آدمی ہوں اور تم میرے پاس مقدمہ لے کر آتے ہو اور بعض تم میں کا اپنی حجت بیان کرنے میں بعض سے زیادہ تیز و

طرار ہوتا ہے تو میں اس کی حجت سن کر اس کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں، پس جس شخص کے لیے اس کے بھائی کے ذرا سے (مال کا) حق کا فیصلہ کیا جائے تو وہ ہرگز اس کے لیے نہیں جس کا میں نے اس کے لیے حکم کیا ہے وہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ پس اسی طرح وہ دونوں روئے اور ہر ایک نے کہا کہ میرا حق میرے صاحب کے لیے ہے (مدارک) اس کے لیے بخاری و مسلم کی روایت میں آیا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس کے قبضے میں کسی کا مال ہو اور اس پر گواہ نہ ہو اور وہ انکار کرے اور حکام سے مقدمہ کرائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ فلاں کا حق ہے اور وہ جان کر حرام کھاتا اور گناہ میں پڑتا ہے، یہی مجاہد و قتادہ و حسن وسدی وغیرہ سے روایت ہے کہ مقدمہ نہ کرے جب کہ وہ اپنے آپ کو ظالم جانتا ہے۔ پس یہ آیت یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قضائے قاضی باطن میں نافذ نہیں ہوتی ظاہر میں ہوتی ہے اور حقیقت میں حکم حاکم کسی شی کو متغیر نہیں کرتا ہے جو شی نفس الامر میں حرام ہوگی وہ حلال نہ ہوگی اور جو حلال ہوگی وہ حرام نہ ہوگی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ قضائے قاضی حرام کو تیرے لیے حلال نہ کرے گی اور نہ باطل کو تیرے لیے جائز کرے گی، قاضی تو آدمی ہے خطا بھی کرتا ہے اور صواب کو بھی پہنچتا ہے وہ تو جیسا ثبوت وشہادت اس کے سامنے گذرے گی اس کے موافق فیصلہ کرے گا (ابن کثیر)

(۳۱) شان نزول: حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ ابن غنم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے چاند کے متعلق دریافت کیا کہ یہ شروع میں ڈورے کی طرح باریک کیوں ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے پورا ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ جیسا ظاہر ہوا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے، سورج کی طرح ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا ہے، اس مین کیا حکمت ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں اس کی حکمت بتائی گئی (سراج و بیضاوی) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب لوگ تم سے نئے چاند کے بڑھنے پھر گھٹنے کی حکمت پوچھتے ہیں، تم ان سے فرما دو کہ وہ لوگوں کے لیے وقت پہچاننے اور پھر حج کرنے کی نشانیاں ہیں۔ اس سے حج کا وقت جانا جاتا ہے اور لوگ اپنی کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ کاموں کا وقت پہچانتے ہیں اور حمل وعدت وحیض ونفاس کے دن اور بچہ کو دودھ پلانے اور چھٹانے کی مدت شمار کرتے ہیں اور اس کی تاریخوں سے سال وماہ بنتے، جنتریاں بنائی جاتی ہیں اور روزے رکھے جاتے ہیں، اگر وہ ایک حالت پر رہتا تو ان باتوں میں دقت پیش آتی اور کس ذریعہ سے اوقات پہچانتے، اور سال وماہ کیسے مقرر کرتے۔ حاکم و عبدالرزاق کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاندوں کو لوگوں کے لیے اوقات پہچاننے کی علامت مقرر کیا ہے، پس چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اگر بادل ہو تو پورے تیس دن شمار کرو۔ یوں ہی اگر ۲۹ ر رمضان کو بادل ہو اور کہیں سے چاند کی خبر نہ آئے تو تیس روزے پورے کرو۔

تنبیہ: اَھلّہ ہلال کی جمع ہے اور ہلال پہلی، دوسری، تیسری رات کے چاند کو کہتے ہیں پھر اس کو قمر کہتے ہیں، چاند کے حساب سے اوقات نکالنے کو علم توقیت کہتے ہیں۔ حضرت مترجم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم کے بھی ماہر تھے، ہر ماہ نقشۂ اوقات نماز بنا کر اپنی مسجد میں آویزاں کرایا کرتے تھے اور ہر سال جنتری ماہ صیام جس میں اوقات سحر وافطار وغیرہ بہت سے شہروں کے ہوتے تھے چھپوا کر تقسیم کرایا کرتے تھے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ

اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ ف۳۲ اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں

وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ

اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور کافروں کو جہاں

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ

پاؤ مارو اور انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا اور ان کا فساد تو

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ

قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک وہ تم سے

فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ

وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

وہ باز رہیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان سے لڑو یہاں تک [کہ] کوئی فتنہ نہ رہے

وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿١٩٣﴾

اور ایک اللہ کی پوجا ہو پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی

ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے تو جو تم پر زیادتی

عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو

(۳۲) شانِ نزول: میں اس آیت کی مختلف روایات آئی ہیں، بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں احرام باندھنے کے بعد گھروں میں دروازے سے داخل ہونا گناہ خیال کرتے تھے اور ابتدائے اسلام تک یہی خیال رکھتے، اگر بعد احرام گھر میں جانے کی ضرورت ہوتی تو پچھواڑے سے دیوار پھاند کر داخل ہوتے اور اسے نیکی شمار کرتے (سراج) مطلب یہ ہے کہ یہ کچھ بھلائی نہیں ہے کہ تم حالت احرام میں گھروں کے اندر دروازے سے داخل نہ ہو پیچھے سے دیوار توڑ کر داخل ہو اور اسے نیکی اور بھلائی سمجھو بلکہ بھلائی تو پرہیز گاری میں ہے، اور حالت احرام میں گھروں میں دروازے سے داخل ہونے اور جاہلیت کا طریقہ ترک کرنے میں ہے، یا صاحب نیکی وہ ہے جو اللہ سے خوف کرے زمانۂ جاہلیت کی باتوں کو چھوڑے اور گھروں میں حالت احرام میں بھی دروازے سے داخل ہو اور اللہ سے ڈرو اس میں جو اس نے تمہیں کرنے نہ کرنے کا حکم فرماتا ہے تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور ایک اللہ کی پوجا ہو پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے تو جو تم پر زیادتی

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے۔ ۳۳ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے

(۳۳) شان نزول: شروع اسلام میں مسلمانوں کو جدال و قتال کی اجازت نہ تھی بلکہ تحمل و برداشت کی ہدایت تھی۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ، پھر کفار کے مظالم سے تنگ ہونے پر انہیں ہجرت کا حکم فرمایا گیا تھا، اسی کے بموجب مسلمان حبشہ اور مدینہ کو ہجرت کر گئے تھے، جب مدینے سے سال حدیبیہ ایک ہزار چار سو مسلمان عمرہ کرنے کو نکلے تو مشرکین نے انہیں حدیبیہ پر روکا اور عمرہ کو نہ جانے دیا آخر کو اس پر صلح ہوئی کہ اس سال واپس جائیں اور اگلی سال آ کر عمرہ و طواف کریں۔ تین روز مکہ ان کے لیے خالی کر دیا جائے گا۔ دوسرے سال حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج و قضائے عمرہ کی تیاری کی تو مسلمانوں کو اس امر کا خوف پیدا ہوا کہ کہیں مشرک اس سال بھی انہیں نہ روکیں اور اپنا وعدہ پورا نہ کریں اور ان سے حرم میں حرام کے مہینوں میں لڑیں کہ مسلمان زمانۂ حج و حالت احرام میں لڑنا برا جانتے تھے پس یہ آیت نازل ہوئی (سراج) اور اس میں انہیں بطور مدافعت لڑنے کا حکم فرمایا گیا نہ خود ابتدا کرنے کا۔ یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں جہاد کا حکم فرمایا گیا ہے اور لڑائی میں سبقت نہ کرنے کا حکم اس آیت میں ہے وہ سورۂ براۃ کی آیت سے منسوخ ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کفار تم سے لڑیں تو تم بھی اللہ کی راہ میں اللہ کا دین پھیلانے اللہ کا بول بالا کرنے شرک و کفر مٹانے کے لیے ان سے لڑو مگر لڑائی میں حد سے زیادہ نہ بڑھو یعنی لڑائی میں پہل نہ کرو اور زیادتی نہ کرو، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو نہ مارو، جو لڑنے کے قابل نہ ہو یا تم سے نہ لڑے اسے قتل نہ کرو، کھیتی باڑی وغیرہ باغ نہ اجاڑو (کمافی الحدیث) کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں، زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اور کفار کو حرم میں یا حل میں جہاں کہیں پاؤ مارو اور انہیں مکہ سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے کہ ان کا فتنہ و فساد شرک و کفر اور انہیں حج سے روکنا جرم اور احرام میں انہیں قتل کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے جسے تم برا سمجھتے ہو، اور مسجد حرام کے پاس احتراماً ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے وہاں نہ لڑیں، اور اگر وہ تم سے وہاں لڑیں تو تم بھی انہیں وہاں قتل کرو کہ کافروں کی یہی سزا ہے۔ ﴿جزاء سيئةٍ مثلها﴾ پھر اگر کفار شرک و کفر سے باز رہیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور یہاں تک ان سے لڑو کہ فتنۂ شرک باقی نہ رہے اور ایک اللہ کی عبادت ہونے لگے، پھر اگر وہ شرک و کفر سے اور قتال فی الحرم سے باز آئیں تو ان پر زیادتی نہ کرو، ظالموں پر کرو کہ وہ مستحق ہیں۔ ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام ہے اور ادب کے بدلے ادب ہے تو جو ماہ حرام میں حرم کے اندر حالت احرام میں تم پر زیادتی کرے اور اس کا ادب و احترام نہ کرے تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو۔ جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی ﴿فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ [النحل:۱۲۶] اور اس کا کچھ خیال نہ کرو کہ تم حرم میں ہو، احرام باندھے ہو، ماہ حرام ہے اور زیادتی کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے

تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾

ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور بھلائی والے ہو جاؤ، بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔ ۳۴

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور حج و عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے پھر جو تم میں

مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ

بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے تو بدلا دے روزے یا خیرات

اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ وقفہ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا

یا قربانی پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر

یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں اور جب انہوں نے یہ کہا تو ان کا جان و مال مجھ سے محفوظ ہو گیا سوائے حق (اسلام کے جوان پر ثابت ہو) اور حساب اس کا اللہ پر ہے۔

تنبیہ: مسجد حرام سے کل حرم مراد ہے کہ اس میں قتال حرام ہے (مدارک وغیرہ) جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ آسمان وزمین پیدا ہونے کے وقت سے حرم میں کسی کے لیے لڑنا حلال نہیں ہوا مگر میرے لیے ایک ساعت کو حلال کیا گیا پھر وہ قیامت تک کے لیے حرام ہو گیا، اور حرم خانۂ کعبہ کے آس پاس کی زمین کو کہتے ہیں اور اس کے سوا سب حل ہے اور احرام حج و عمرہ کی نیت کرنے کو کہتے ہیں اور شہر حرام شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ، رجب ہیں، اور فتنہ سے شرک مراد ہے، یہی مجاہد، قتادہ، ضحاک، ربیع، عکرمہ، حسن وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جس سال حدیبیہ پر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روکے گئے تھے وہ چھٹی سال ہجرت کی تھی اور ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ امام احمد سے روایت ہے کہ حضور ماہِ حرام میں جہاد نہ کرتے مگر جب کہ کفار جہاد کرتے۔ اور ماہ حرام جب آجاتا تو ٹھہر جاتے (ابن کثیر) اور آیت میں فتنہ سے مراد فتنۂ شرک ہے نہ فتنۂ غیر کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فتنہ کے بارے میں سوال کیا گیا، فرمایا: وہ مشرکین سے قتال ہے اور ان پر داخل ہونا فتنہ کو مٹانا ہے نہ ملک گیری کے لیے قتال کرنا (معالم)

(۳۴) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی میں ایک شخص کفار کی صف میں اکیلا گھس کر جب وہ اسے پراگندہ کر کے نکلا تو لوگوں نے کہا کہ اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا، اس پر حضرت ابوایوب انصاری نے کہا کہ تم لوگ آیت کی غلط تاویل کرتے ہو یہ تو ہم گروہ انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے جب کہ اللہ نے دین اسلام کو عزت دی اور قوی کر دیا تو ہم نے آپس میں کہا کہ اب ہم اہل و عیال میں جا کر رہیں اور اپنے مالوں کی اصلاح کریں تو یہ آیت نازل ہوئی، اس روایت کو بالفاظ مختلفہ ابوداؤد و ترمذی و نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، گویا جہاد کو ترک کر کے اہل و عیال میں جا کر رہنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ پس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے نزول کے بعد ہمیشہ جہاد کرتے رہے یہاں تک آخری جہاد ان کا قسطنطنیہ کا تھا جو زمانۂ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوا اور اسی میں وہ شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے، اور اسی شان نزول کو خطیب و بیضاوی نے اختیار کیا ہے اور اسی کی تائید ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي
قربانی ہے جیسی میسر آئے۔ پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں

الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ
رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یہ پورے دس ہوئے یہ

لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
حکم اس کے لیے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ
اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ ف۳۵ حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے

سے ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ آخر کو اس امت کے لوگ جہاد چھوڑ کر دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے تو ان کے دشمن ان پر غالب ہوں گے، پھر یہ لوگ بطریق کفار اپنی حالت درست کرنے پر آمادہ ہوں گے اور اللہ کی قسم ان کی حالت کبھی درست نہ ہوگی جب تک کہ اپنے دین کے طریقہ کو اختیار نہ کریں، علاوہ اس کے اور روایات بھی اس کے شان نزول میں آئی ہیں جو ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کی ہیں۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں یعنی جہاد میں اپنی جان اور مال خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، یا اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو کہ جہاد ترک کرنا جہاد میں خرچ نہ کرنا اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے کہ اس سے دشمن قوی ہو کر تمہیں ہلاک کرے گا، اور بھلائی کرو اللہ بھلائی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

تنبیہ: بظاہر آیت کا حکم عام ہے، یعنی جو چیز باعث ہلاکت ہو اس میں نہ پڑو، مثلاً اکیلے دشمن کی صف میں نہ گھس جاؤ، آگ میں، دریا میں، کوئیں میں نہ کود پڑو، سانپ کے منہ میں انگلی نہ دو، درندہ کے سامنے نہ جاؤ، زہر وغیرہ مہلک چیز نہ کھاؤ، بغیر توشہ اور بغیر ہتھیار کے جہاد میں نہ جاؤ جیسا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیلے صف دشمن میں گھس جانے والے آدمی کو بلا کر یہ آیت سنائی اور خود ایک جہاد میں سخت سردی کی وجہ سے غسل نہ کیا اور تیمّم سے نماز پڑھی پڑھائی، جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی اس پر حضور نے مسکرا کر صرف یہ فرمایا: اے فقیہ عمرو بن عاص، اس کے سوا اور کچھ نہ فرمایا (کمافی الصحاح) اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اجتہاد صحیح تھا اور ان کے نزدیک آیت کا حکم عام تھا۔

(۳۵) چونکہ گزشتہ آیات میں روزوں اور جہاد کے احکام بیان کیے گئے تھے اور جہاد کی شان نزول میں حج وعمرہ کرنے پر صلح کی گئی تھی لہٰذا ان آیات میں حج وعمرہ کے بعض مسائل بیان کیے گئے اور باقی آئندہ آیات میں بیان ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے حج وعمرہ پورا کرو، اس کے تمام ارکان مع سنن ومستحبات کے ادا کرو، اگر کسی وجہ سے تم اسے پورا نہ کرسکو مثلاً دشمن حج کرنے سے روکے نہ ادا کرنے دے جیسا کہ سال حدیبیہ ہوا، یا کوئی مرض وغیرہ عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے تم اسے پورا نہ کرسکو تو تم قربانی کے لیے اونٹ، گائے، بکری، دنبہ میں سے جو جانور میسر ہو وہ خانۂ کعبہ بھیجو اور تم اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک کہ تمہاری قربانی کا جانور حرم میں قربان کی جگہ نہ پہنچ جائے، پھر جو تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں جوئیں پڑ جائیں، زخم لگ جائے یا سر میں درد ہو اور اس کی وجہ سے وہ احرام کے اندر سر منڈائے تو اس کے بدلے تین روزے رکھے یا نصف صاع گیہوں چھ مسکینوں میں صدقہ دے یا بکری ذبح کرے، ان تینوں باتوں میں سے جو اسے آسان ہو اس کا کرنا واجب ہے۔ حدیث میں ہے کہ کعب بن عجرہ سے حضور نے فرمایا: شاید تیرے سر میں جوئیں پڑ گئی

ہیں، عرض کیا ہاں، فرمایا: سرمنڈادے اور تین روزے رکھ یا چھ مسکینوں کو کھانا دے یا بکری ذبح کر، کعب کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے (سراج) یوں ہی حالت احرام میں جو بغیر عذر سر منڈائے اس پر ان باتوں میں سے ایک کا کرنا واجب ہے اور جو سر منڈانے سے پہلے خوشبو یا تیل یا سلا ہوا کپڑا استعمال کرے اس کا بھی یہی حکم ہے (سراج) پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے یعنی عمرہ سے فارغ ہو کر حج کی نیت کرے تو وہ قربانی کرے جیسی میسر آئے، پھر جسے قربانی کرنے کا مقدور نہ ہو یا ل نہ سکے تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے، ایام تشریق سے بچ کر اور سات روزے حج سے فارغ ہو کر، گھر آ کر یا راستے میں یا منیٰ سے لوٹ کر رکھے یہ پورے دس روزے ہوئے جن کا رکھنا واجب ہے، یہ حکم اس کے لیے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو احکام الٰہی کے کرنے میں اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے۔

تنبیہ: وَاَتِمُّوا، میں اس طرف اشارہ ہے کہ عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے اور مَحِلَّه سے قربانی کی جگہ مراد ہے اور تلك عشرةٌ كاملة میں اس طرف اشارہ ہے کہ روزوں میں کمی زیادتی نہیں ہے، فَاِن احصرتم سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک صرف دشمن کا روکنا مراد ہے اور دوسروں کے نزدیک حصر عام ہے خواہ دشمن کے روکنے سے ہو یا مرض وغیرہ کسی عذر سے ہو کہ حدیث احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ میں مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرِجَ اَوْ وَجِعَ اَوْ مَرِضَ آیا ہے۔ ہڈی ٹوٹنے یا لنگڑا ہونے یا سر میں درد ہونے یا بیمار ہونے سے حلال ہونا اور سال آئندہ قضا کرنا جائز ہے۔ یہی حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ابن زبیر و علقمہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، اور سفیان کہتے ہیں کہ ہر تکلیف دینے والی چیز سے احصار ہے (ابن کثیر) اور ﴿حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة:١٩٦] سے وہ لوگ مراد ہیں جو احرام باندھنے کی جگہ کے اندر رہتے ہوں۔

تنبیہ: یہاں بعض الفاظ کے اصطلاحی معنیٰ بھی جان لینا چاہیے تا کہ آیت کا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے، حج افعال مخصوصہ کو کہتے ہیں اور وہ احرام باندھ کر طواف خانۂ کعبہ کرنا، عرفات میں ٹھہرنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور حلق کا کرانا ہے۔ عمرہ میں یہ قید نہیں کہ ایام حج ہی میں ہو بلکہ سال میں جب چاہے کرے کہ علاوہ حج کے اس کا کرنا سنت ہے۔ ھَدْیِ اس جانور کو کہتے ہیں جو کسی حاجی کی طرف سے حرم میں قربانی کرنے کو بھیجا جائے جب کہ وہ احرام باندھنے کے بعد کسی عذر کی وجہ سے حج نہ کر سکے، احرام حج و عمرہ کی نیت کرنے کو کہتے ہیں، عمرہ احرام باندھ کر صرف طواف کعبہ کرنے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے بعدہٗ حلق کرنے کو کہتے ہیں، میقات احرام باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے آنے والے کے لیے علیحدہ علیحدہ مقرر ہیں۔ حج تین طرح ہوتا ہے: اول افراد یعنی صرف حج کے لیے احرام باندھنا اور پھر حج ادا کر کے احرام کھولنا۔ دوسرے قران، یعنی حج و عمرہ کے ساتھ احرام باندھنا اور مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرنا پھر بغیر احرام کھولے ہوئے حج کرنا، یہ اگر قربانی پر قادر نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ تین نویں ذی الحجہ تک اور سات حج سے فارغ ہو کر جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔ آیت میں تمتع سے یہی مراد ہے، ان تینوں میں افضل کون ہے اس میں اختلاف ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قران سنت و افضل ہے، اور کیفیت حج یہ ہے کہ احرام باندھنے کی جگہ پہنچ کر حج کا یا حج و عمرہ کا احرام باندھے پھر مکہ جا کر طواف کعبہ کرے جسے طواف قدوم کہتے ہیں، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں جائے، پھر نویں تاریخ عرفات میں جا کر ٹھہرے، پھر شام کو وہاں سے چل کر رات کو مزدلفہ میں رہے، پھر صبح کو وہاں سے چل کر دسویں کو منیٰ میں آ کر رمی جمار کرے، یعنی منارے کو کنکریاں مارے، پھر قربانی کر کے سر منڈائے یا بال کتروائے پھر جا کر طواف کرے جس کو طواف زیارت کہتے ہیں، پھر وہاں سے منیٰ میں آ کر دو یا تین روز تک رمی جمار کرے، ان میں بعض باتیں فرض ہیں اور بعض واجب اور بعض سنت ہیں جن کی تفصیل کتب فقہ میں کی گئی ہے بلکہ حضرت مترجم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج و زیارت کے مسائل مفصل طور سے اپنے رسالہ "انوار البشارہ فی مسائل الحج والزیارة" میں بیان فرمائے ہیں اور حج کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ

تو جو ان میں حج کی نیت کرے تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا

فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ

حج کے وقت تک اور تم جو بھلائی کرو اللہ اسے جانتا ہے ف٣٦ اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر

الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! ف٣٧ تم پر کچھ گناہ نہیں

أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا

کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو جب عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد

اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ

کرو مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمھیں ہدایت فرمائی اور بے شک

(٣٦) یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے اور اس میں حج وعمرہ کرنے کے مہینے بتائے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حج کے کئی مہینے مشہور و معروف ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کا احرام باندھے، تلبیہ کہے تو نہ ان میں عورتوں سے صحبت کا تذکرہ کرے نہ کوئی گناہ کی بات کرے نہ کسی سے لڑے جھگڑے کہ یہ باتیں حج میں کرنا ممنوع و گناہ ہیں، اور تم جو بھلائی اور نیک کام اس میں کرو گے جیسے صدقات و خیرات دینا، اچھی باتیں کرنا اللہ اسے جانتا ہے اس کی جزا تمہیں دے گا۔

تنبیہ: حج کے مہینے شوال وذی قعدہ اور دس روز ذی الحجہ کے ہیں، یہی اکابر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے، امام اعظم کے نزدیک دسواں دن بھی ایام حج میں داخل ہے اور ان ایام سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ اور افعال حج ادا کرنا صحیح نہیں ہے، اگر کسی نے کیے تو اسے پھر سے ایام حج میں افعال حج کرنا ہوں گے۔ اور رفثَ سے مراد عورتوں سے صحبت کرنا یا صحبت کی طرف مائل کرنے والی باتیں کرنا ہے اور فُسُوق سے بقول ابن عباس وغیرہ گناہ کی باتیں وغیرہ کرنا مراد ہیں یا گالیاں بکنا فحش کلامی کرنا مراد ہے کہ حدیث میں سبابِ المسلم فسوقٌ آیا ہے، ابن جریر کہتے ہیں کہ فسوق سے وہ باتیں مراد ہیں جن کے کرنے کی احرام میں ممانعت ہے، اور جدال سے ساتھیوں یا خدام کے ساتھ لڑنا جھگڑنا مراد ہے۔ حدیث میں ہے جس شخص نے حج کیا اور اس نے رفث وفسق نہ کیا وہ ایسا ہو گیا جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ حضرت جابر کی روایت میں ہے جس نے حج کیا اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے اس کے پچھلے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔

(٣٧) شان نزول: اس آیت کا بخاری اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ یمن کے کچھ لوگ متوکل بن کر حج کو نکلے، جب مکہ پہنچے تو لوگوں سے سوال کرنے لگے اور لوگوں پر بھاری ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بغیر توشہ کے حج کو جانے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اکثر مفسرین نے اس کا یہی شان نزول لکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ حج کو توشہ ساتھ لے کر جاؤ کہ لوگوں سے سوال نہ کرنا پڑے کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے یعنی سوال سے بچنا، اور کسی کے آگے سوال نہ کرنا پڑے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ ابن ابی حاتم نے مقاتل وابن حبان سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو فقراء و مساکین میں سے ایک نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہم ایسی چیز نہیں پاتے ہیں جسے زادراہ بنائیں تو حضور نے فرمایا کہ اتنا زادراہ لو کہ لوگوں سے مانگنا نہ پڑے۔

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ

تم اس سے پہلے بہکے ہوئے تھے ف٣٨ پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو! تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف٣٩ پھر جب

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ

اپنے حج کے کام پورے کرچکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے ف٤٠ بلکہ اس سے زیادہ اور کوئی

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں دے، اور آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً

اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھلائی دے

وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا ایسوں کو ان کی کمائی سے

كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

بھاگ ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے ف٤١ اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں

(٣٨) شانِ نزول: بخاری وابوداؤد کی روایت میں ہے کہ مکہ معظّمہ کے اطراف میں عکاظ ومجنہ وذوالمجاز تجارتی منڈیاں تھیں، اہل عرب سالانہ ان میں جمع ہوکر خرید وفروخت کرتے تھے مگر موسم حج میں اس سے پرہیز کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں نہ خرید وفروخت کرنے کے، اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ خیال باطل کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ امام احمد وغیرہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک شخص نے آکر کہا کہ ہم مکہ کو کرائے پر سواریاں لاتے ہیں اور نیت حج بھی کرتے ہیں تو ہمارا حج صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ حج صحیح نہیں ہوتا ہے، تو آپ نے فرمایا تمہارا حج صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے ایسا ہی سوال کیا تھا اس پر حضور خاموش رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، بہر حال آیت سے موسم حج میں تجارت کی رخصت ثابت ہوتی ہے مگر جو تجارت کرنا برا سمجھے اسے تجارت کرنا اولیٰ ہے کہ اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور دوسرے کو تجارت نہ کرنا اولیٰ ہے، اگر کرے تو گناہ نہیں، مطلب یہ ہے کہ تم پر موسم حج میں تجارت کرکے اللہ کا رزق تلاش کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہے تو جب تم عرفات میں ٹھہر کر لوٹو تو رات کو مزدلفہ میں ٹھہر کر مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو، تکبیر وتہلیل کہو اور اللہ کا ذکر کرو جس طرح تمہیں بتایا ہے اور بے شک تم ہدایت سے پہلے بہکے ہوئے تھے، یعنی اللہ کے ذکر کرنے کا طریقہ نہیں جانتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل قزح کے پاس ٹھہرے اور صبح تک اللہ کا ذکر کرتے رہے۔ (مسلم)۔

تنبیہ: آیت سے ظاہر ہے کہ عرفات میں اور مزدلفہ میں ٹھہرنا واجب ہے اور عرفات کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں

حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کو پہچانا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں مناسک حج جانے تھے اور مزدلفہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا سے اس جگہ ملے تھے اور اس جگہ دو نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں (مدارک) ابن جریر وعوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روای کہ موسم حج میں خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ احرام سے پہلے ہو یا بعد کو۔ مجاہد وقتادہ و عکرمہ وسعید ابن جبیر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، اور عرفات ومزدلفہ میں ٹھہرنے کا وقت زوال یوم عرفہ سے یوم النحر کی صبح تک ہے، اور سوائے بطن عرنہ کے کل عرفات اور سوائے بطن محسر کے کل مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے، مشعر حرام سے جبل قزح مراد ہے جو آخر مزدلفہ میں پہاڑ ہے۔

(۳۹) شان نزول: چونکہ قریش ہمیشہ سے خانہ کعبہ کے مجاور ومنتظم تھے اس کی کنجی ان کے سپرد تھی اس وجہ سے انہوں نے ہر بات میں اپنے لیے ایک امتیازی شکل قرار دے رکھی تھی اور اس میں دوسرے قبائل کی ہم سری کو اپنی بے عزتی خیال کرتے تھے، تمام قبائل عرب حج کے موقع پر عرفات میں جمع ہوا کرتے تھے مگر قریش ان کے ساتھ عرفات میں ٹھہرنے کو اپنی توہین خیال کرتے اور کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں، محافظ حرم ہیں، ہم حرم سے باہر نہیں جائیں گے اور مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر مکہ لوٹ آتے تھے (سراج وغیرہ) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور سب کے ساتھ عرفات سے چلنے کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اے قریشیو! تم بھی وہیں سے لوٹو جہاں سے اور لوگ لوٹتے ہیں، یعنی تم بھی اوروں کی طرح عرفات میں ٹھہر کر مکہ میں آؤ اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو کہ یہ مقامات محل اجابت دعا واستغفار ہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ قریش اور ان کے ہم خیال مزدلفہ میں ٹھہرتے اور باقی سب عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ عرفات میں جائیں اور وہاں ٹھہریں پھر وہاں سے مکہ کو آئیں، یہی قول حضرت ابن عباس اور مجاہد وعطا وقتادہ وسدی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے، اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے (ابن کثیر) اور بعض کے نزدیک سب مسلمانوں سے خطاب ہے۔

تنبیہ: اس آیت سے ثابت ہے کہ جماعت وجمہور مسلمین کی مخالفت نہ کرنی چاہیے اور نَاس سے سائر عرب مراد ہیں، وفیہ اقوال اُخر.

(۴۰) شان نزول: زمانۂ جاہلیت میں لوگ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہوتے تھے اور تین روز تک اپنے باپ دادا کے فضائل اور خوبیاں اور جدال وقتال کے واقعات اور اپنی بہادری اور فتح مندی کا اظہار کیا کرتے تھے اور اپنے اپنے خاندان کی تعریفوں میں فصیح وبلیغ نظمیں اور قصائد پڑھتے تھے، جب مسلمان ہوئے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں باپ دادا کے ذکر کی جگہ اپنا ذکر کرنے، تکبیر وتہلیل وتسبیح اور حمد وثنا کرنے کا حکم فرمایا، یعنی جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو منیٰ میں ٹھہر کر اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے اور ان کے مفاخر اس میں بیان کیا کرتے تھے بلکہ باپ دادا کے ذکر سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو اور مقصود اس سے کثرت ذکر الٰہی پر انہیں برانگیختہ کرنا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جیسے چھوٹا بچہ اپنے باپ کے سوا کسی کو یاد نہیں کرتا ہے ایسے ہی تم اللہ کے سوا اور کسی کو یاد نہ کرو (معالم)

(۴۱) شان نزول: پہلی آیت تو ان لوگوں کے متعلق ہے جو حج میں آکر یوں دعا کرتے تھے کہ: الٰہی اس سال خوب پانی برسا، فراخ سالی کر، اولاد دے۔ اور دوسری آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو حج میں آکر دین ودنیا کی بہتری کی دعا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو دنیا ہی میں اپنا حصہ مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں جو حصہ دینا ہے دیدے تو انہیں دنیا ہی میں دیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے، اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو دونوں جہاں کی بھلائی چاہتے ہیں اور کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے نعمتیں وغیرہ عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی دے جنت و رویت وشفاعت ومغفرت عطا فرما اور عذاب دوزخ سے بچا، ایسوں ہی کو ان کی کمائی سے حصہ ہے، یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کی کمائی کا، حج ودعاء وغیرہ اعمال کا ثواب ملے گا اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آدھے دن میں تمام خلق کا حساب فرمائے گا، اور حسن کہتے ہیں کہ اللہ آنکھ مارنے سے بھی جلد حساب کرنے والا ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ

تو جو جلدی کرکے دو دن میں چلا جائے اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں،

لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ وَمِنَ

پرہیزگار کے لیے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے۔ ف۴۲ اور بعض

النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

آدمی وہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر اللہ

عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى

کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرے تو

الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے

تنبیہ: یہ مشرکوں اور مسلمانوں کی حالت کا بیان ہے اور اس میں مشرکوں کی مذمت اور مسلمانوں کی مدح ہے اور مقصود اس سے دونوں جہاں کی بھلائی چاہنے پر آمادہ کرنا ہے، اور حسنہ کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی حسنہ سے نیک عورت اور آخرت کی حسنہ سے جنت مراد ہے، اور انہیں سے دوسری روایت میں ہے کہ دنیا کی حسنہ سے نیک عورت اور آخرت کی حسنہ سے حوریں مراد ہیں، اور عذاب نار سے بری عادت والی عورت مراد ہے۔ اور سدّی کہتے ہیں کہ دنیا کی حسنہ سے حلال رزق اور آخرت کی حسنہ سے مغفرت وثواب مراد ہے، اور حسن کہتے ہیں کہ دنیا کی حسنہ سے علم وعبادت اور آخرت کی حسنہ سے جنت مراد ہے (سراج) بہر حال اس دعا میں یعنی ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ الخ [البقرة:۲۰۱] میں دونوں جہاں کی بھلائی طلب کرنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور احادیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور کون سی دعا زیادہ پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے کہا کہ رَبَّنَا اٰتِنَا الخ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن سائب سے راوی کہ انہوں نے رکن کے درمیان حضور کو یہی دعا پڑھتے سنا۔ ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں رکن پر نہیں گزرا مگر ایک فرشتہ کو ان پر آمین کہتے پایا پس جب تم اس پر گزرو تو رَبَّنَا اٰتِنَا الخ کہو (ابن کثیر)

(۴۲) شان نزول: زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ دو روز منیٰ میں ٹھہرتے اور رمی جمار کرنے کو واجب جانتے تھے اور تیسرے روز وہاں ٹھہرنے کو گناہ خیال کرتے تھے اور انہیں بعض لوگ تین روز منیٰ میں ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے، ان دونوں فرقوں کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ رمی جمار کرتے وقت اللہ کو تکبیر کے ساتھ یاد کرو گنے ہوئے دنوں ایام تشریق میں، تو جو شخص جلدی سے رمی کر کے دو دنوں میں منیٰ سے چلا جائے اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، اور جو تیسرے روز بھی رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔ گویا انہیں منیٰ میں تین روز تک ٹھہرنے کا اختیار ہے، دو روز میں رمی جمار کرکے چلے جائیں یا تین روز ٹھہریں اور یہ گناہ کی نفی حج میں پرہیزگار کے لیے ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تمہیں اس کی طرف لوٹنا ہے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔

تنبیہ: ﴿اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ سے ایام تشریق مراد ہیں اور ذکر سے تکبیرات ایام تشریق مراد ہیں جو ہر نماز فرض کے بعد اور رمی جمار کے وقت کہنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں (احمد ومسلم وغیرہ)

الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

راضی نہیں۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ

ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔ ف۴۳ اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ ف۴۴ اے

اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ

بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی بچلو کہ تمہارے پاس روشن

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ

حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ کاہے کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ

(۴۳) شان نزول: اس کا اُخنَس ابن شریق ہے کہ وہ بہت خوب صورت اور شیریں کلام تھا۔ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا اور سید
عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے تقرب بڑھانے کے لیے میٹھی میٹھی باتیں کرتا اور کہتا کہ میں تو مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا دوست ہوں مگر
باطن میں سخت منافق تھا۔ ایک رات حضور کے پاس سے لوٹ کر جا رہا تھا راستے میں جو مسلمانوں کے کھیت اور گدھے نظر پڑے تو کھیتوں
میں آگ لگا دی اور گدھوں کی کوچیں کاٹ دیں (سراج وجلال) انہیں واقعات کو ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے مگر آیات کا حکم عام ہے،
مطلب یہ ہے کہ بعض آدمیوں میں سے وہ آدمی ہے جس کی بات تمہیں دنیا کی زندگی میں اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنا قول باور کرانے کو
اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، یعنی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ تمہیں اور مسلمین کو اور اسلام کو دوست رکھتا ہے حالانکہ وہ سب سے
زیادہ تم سے اور تمہارے پیروؤں سے زیادہ جھگڑا کرنے اور دشمنی رکھنے والا ہے، اور جب وہ تمہارے پاس سے جاتا ہے تو زمین میں فساد
پھیلاتا پھرتا ہے اور کھیتوں کو اور جانوں کو ہلاک کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا، اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر فساد پھیلانے
میں تو اسے اور ضد چڑھتی ہے گناہ کرنے کی بوجہ کفر کے، ایسے شخص کے لیے دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت بُرا بچھونا ہے۔
تنبیہ: ﴿اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ [البقرة:۲۰۴] سے حسن کے نزدیک جھوٹا قول مراد ہے، اور قتادہ کے نزدیک گناہ میں سخت ہونا باطل
پر اڑنا جھگڑنا مراد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ مبغوض تر لوگوں کا اللہ کے نزدیک سخت جھگڑالو ہے (بخاری وسراج) اس آیت سے چند باتوں
کی ممانعت نکلتی ہے: اول جھوٹی بات پر اللہ کو گواہ بنانا اس کی تائید کے لیے خدا کی قسم کھانا گناہ ہے۔ دوسرے ناحق جھگڑنے والا آدمی برا ہے
اللہ کو مبغوض ہے۔ تیسرے کسی کی کھیتی باڑی وغیرہ کو اجاڑنا، جانوروں کو ہلاک کرنا ظلم ہے اور اپنے مال کو تلف و برباد کرنا حرام ہے۔ چوتھے
زمین پر فتنہ وفساد پھیلانا جائز نہیں، اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔
(۴۴) شان نزول: یہ آیت صہیب ابن سنان کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ مکہ سے مدینے کو ہجرت کر کے چلے تو
مشرکین نے انہیں راستے میں گھیرا تو انہوں نے سواری پر سے اتر کر ترکش سے تیر نکالا اور کفار سے کہا تم جانتے ہو کہ میں مشہور تیر انداز

يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ؕ

اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں اور فرشتے اتریں اور کام ہو چکے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ

اور سب کاموں کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن

اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ

نشانیاں انھیں دیں اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے تو بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ

اللہ کا عذاب سخت ہے۔ ف۴۵ کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی ف۴۶ اور مسلمانوں

ہوں جب تک میرے پاس تیر رہیں گے تیروں سے مقابلہ کروں گا پھر تلوار سے کام لونگا، جب تھک جاؤں گا تو تم مجھے پکڑ سکو گے، اس درمیان میں تمہارے سینکڑوں آدمی مارے جائیں گے، بہتر یہ ہے کہ تم مجھے جانے دو اور اگر مال کی ضرورت ہے تو مکہ میں فلاں فلاں کے پاس میرا مال ہے وہ تم جا کر لے لو کفار اس پر راضی ہو کر مکہ واپس گئے اور وہ مدینے کو چل دیے تو حضور پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا گیا، حضور نے ارشاد فرمایا صہیب نے بڑے نفع کی تجارت کی ہے اور ادھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعت صحابہ کے ساتھ ان کے استقبال کو گئے اور ان سے مل کر کہا کہ تمہاری تجارت بہت نفع کی ہوئی تو انہوں نے کہا کہ بتاؤ تو کیا بات ہے خدا تمہاری تجارت میں بھی نفع دے، لوگوں نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ یہ تمہارے حق میں نازل ہوئی ہے، اور بعض نے کہا کہ وہ زبیر ومقداد کے حق میں اتری اور بعض نے کہا کہ وہ ہر مجاہد کے حق میں ہے (سراج وابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

۴۵۔ شان نزول: بقول عکرمہ یہ آیت ایک گروہ یہود کے حق میں نازل ہوئی جو اسلام لے آئے تھے اور انہوں نے حضور سے یوم سبت کی تعظیم کرنے اور رات کو توراۃ پڑھنے کی اجازت چاہی تھی تو انہیں شعائر اسلام قائم کرنے اور ان میں مشغول ہونے کا حکم ہوا تھا (ابن کثیر) مطلب یہ ہے اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے داخل ہو یعنی اس کی تمام باتوں پر عمل کرو اور اس کے سوا کسی شریعت پر عمل نہ کرو اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، یعنی اس کے طریقوں پر مت چلو اس کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور دشمن کی باتوں پر چلنا موجب ہلاکت ہے، اور اگر اسلام کی حقانیت بدلائل واضحہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی تم اس سے ہٹے، اس کی تمام باتوں کو اختیار نہ کیا تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے اور ان سے اس کا بدلہ لے گا اور سزا دے گا، نہیں انتظار کرتے ہیں یہ لوگ مگر اس کا کہ اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں میں ان پر آئے اور فرشتے اتریں اور حکم ہو چکے ان کی ہلاکی کا اور اللہ ہی کی طرف آخرت میں سب کام لوٹیں گے۔ اے محبوب! بنی اسرائیل سے انہیں شرمندہ اور چپ کرنے کے لیے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی نشانیاں دیں مگر انہوں نے کفر کیا، جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدلے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تنبیہ: اس آیت میں ان لوگوں کے لیے سخت تہدید ووعید ہے جو اسلام میں داخل نہیں ہوتے ہیں یا پورے طور سے داخل نہیں ہوتے ہیں۔ اور ابن عباس وقتادہ وسدی وعکرمہ وغیرہ نے اسلام مراد لیا ہے اور اسی کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ بغوی کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات کے ظاہر پر ایمان لانا چاہیے اور انکی تاویل میں نہ پڑنا چاہیے، اسی پر ائمہ سلف اور علمائے اہل سنت کا عمل ہے۔

(۴۶) شان نزول: یہ آیت ابو جہل وغیرہ مالدار مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے مال و دولت پر اتراتے اور غریب

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

سے ہنستے ہیں اور ڈر والے ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور خدا

مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ

جسے چاہے بے گنتی دے۔ لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے

النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

انبیا بھیجے خوش خبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کردے اور کتاب میں اختلاف انھیں نے ڈالا

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ

جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے آپس کی سرکشی سے تو اللہ نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ

ایمان والوں کو وہ حق بات سوجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے، اور اللہ جسے

يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

چاہے سیدھی راہ دکھائے۔ ع کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی

کے متعلق نازل ہوئی جو دولت و ریاست کے نشہ میں غربائے
مسلمانوں پر ہنستے تھے، یا عبداللہ ابن ابی کے یا بنوقریظہ و بنونضیر کے سرداروں
مسلمین مہاجرین کو حقیر سمجھتے اور ان کی ہنسی مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) انہیں لوگوں کے ساتھ غالب
ہونے کا گمان رکھتے ہیں (معالم) بہرحال آیت سے عام مال دار کفار مراد ہیں جو دنیوی ثروت و جاہ و مال و دولت کے گھمنڈ میں مفلس
مسلمانوں کو ستاتے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی پس وہ اسے پسند کرتے ہیں
اور مسلمانوں پر ان کے فقر و افلاس کی وجہ سے ہنستے ہیں اور دنیاوی مال و دولت کی وجہ سے وہ اپنے کو ان سے بلند مرتبہ خیال کرتے ہیں
حالانکہ اللہ سے ڈرنے والے شرک سے بچنے والے قیامت کے دن ان سے اوپر کے درجہ میں ہوں گے یعنی اعلیٰ علیین میں اور کفار اسفل
السافلین میں ہوں گے۔ اللہ دنیا و آخرت میں جس کو چاہتا ہے بے گنتی روزی دیتا ہے۔
عبداللہ ابن مسعود، عمار ابن یاسر
تنبیہ: اس آیت میں الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک
وصہیب و بلال و خباب وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔
(۴۷) پہلی آیتوں میں بیان کیا گیا تھا کہ کفار دنیا کی چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کے حصول کے باعث، عزت اور برتری
خیال کرتے ہیں اور نادار و غریب مسلمانوں کو اس کی وجہ سے حقیر سمجھتے اور ان پر ہنستے ہیں، ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے
بے شمار روزی رزق عطا فرماتا ہے اس میں مومن و کافر کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ان آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ کفر ایک عارضی شی ہے اصل

میں تو سب ایک دین فطری پر موحد پیدا کیے گئے ہیں، جب دنیا کی آراستگی اور خواہشات نفسانی نے ان پر غلبہ کیا اور شیطان نے انہیں ورغلایا تو وہ کفر وشرک میں مبتلا اور دین فطری سے برگشتہ ہوئے، مطلب یہ ہے کہ پہلے سب لوگ ایک دین پر تھے پھر مختلف ہوئے۔ بعض ایمان پر قائم رہے اور بعض کافر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ابنیائے کرام بھیجے جو مومنین کو جنت کی خوشخبری دیتے اور کافرین کو دوزخ کا ڈر سناتے تھے اور سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے دینی اختلاف کا فیصلہ کردے، اور کتاب میں اختلاف روشن حکم آنے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد سے انہیں لوگوں نے ڈالا جن کو کتاب دی گئی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ حق بات سمجھادی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

تنبیہ: کتاب سے جنس کتاب مراد ہے اور لِیَحْکُمَ سے اللہ یا کتاب یا نبی مراد ہے، تفتازانی نے ثانی کو ترجیح دی ہے اور ابن حبان نے اول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہ معنی کیے ہیں کہ اللہ نے کتاب اتاری تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں میں فیصلہ کرے اور امة واحدة کی تفسیر میں ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ذریّت آدم علیہ السلام مراد ہے جو روز میثاق ان کی پشت سے ظاہر کی گئی تھی اور اس سے اقرار ربوبیت لیا گیا تھا۔ بعد آدم علیہ السلام کے وہ مختلف ہوئی اور اس کے بعد وہ کبھی امة واحدہ نہیں ہوئی، اور کلبی کہتے ہیں کہ اس سے کشتی نوح کے لوگ مراد ہیں جو مومن تھے اور بعد وفات نوح علیہ السلام مختلف ہوئے۔ قتادہ وعکرمہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک سب لوگ ایک دین اسلام پر تھے پھر وہ مختلف ہوئے تو اللہ نے نبی بھیجے اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام بھیجے گئے۔ ابن جریر نے بذریعہ قتادہ وعکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کی ہے کہ آدم ونوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن گذرے ہیں جن میں سب لوگ امةٌ واحدةً یعنی ایک شریعت حقہ پر تھے پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ نے انبیا بھیجے یہی مجاہد کا قول ہے (سراج وابن کثیر) فائدہ: امام احمد کی روایت میں ہے کہ کل انبیا (تقریباً) ایک لاکھ چوبیس ہزار آئے جن میں تین سو تیرہ رسول تھے اور قرآن کریم میں پچیس مذکور ہیں اور مع ذو القرنین وعزیر ولقمان (علیہما السلام) کے بعض کے نزدیک نبی ہیں، اٹھائیس ہوتے ہیں (سراج) بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس کا ربط آیت ﴿ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ [البقرة:۲۰۸] سے ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ ایک دین ومذہب پر تھے پھر وہ ظلم وحسد کی وجہ سے مختلف ہوئے تو اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے اور ان کے اختلافات مٹانے کے لیے انبیا بھیجے جو بعد موسیٰ علیہ السلام کے آئے اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی جیسے زبور حضرت داؤد پر، توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تاکہ یہ کتاب ان کے اختلافات کا فیصلہ کردے، یہ قول نظم قرآن کے مطابق ہے اور ماقبل ومابعد کے موافق ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے سوائے اس کے کہ ناس کو ایک قوم کے ساتھ مخصوص کرنا ہوگا جو خلاف ظاہر ہے مگر وہ الف لام عہدی ماننے سے زائل ہوگا (کبیر) اور ان کا اختلاف یہ تھا کہ یہود، نصاریٰ کے متعلق کہتے تھے کہ وہ کسی دین پر نہیں ہیں اور نصاریٰ یہود کے متعلق کہتے تھے کہ وہ کسی دین پر نہیں ہیں اور ہر ایک نے اپنا اپنا قبلہ الگ کرلیا تھا۔ یہود نے بیت المقدس کو اور نصاریٰ نے بیت اللحم کو اپنا قبلہ مقرر کیا تھا علاوہ اس کے اور بھی بہت سی دینی باتوں میں مختلف اور متفرق ہوگئے تھے اور یہ تفرقہ اور اختلاف دلائل واضحہ آنے کے بعد ہوا تھا جیسا کہ دوسری آیت سے مفہوم ہو رہا ہے ﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ [البینة:۴] یعنی اہل کتاب دلائل آنے کے بعد مختلف ومتفرق ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ہدایت فرمائی اور اہل کتاب کے اختلاف سے انہیں محفوظ رکھا اور فرمایا ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ﴾ [البقرة:۲۱۳] یعنی جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے اس سے اللہ نے مسلمانوں کو بچایا اور حق کی طرف ہدایت فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ پچھلے قیامت کے دن پہلے ہوں گے، اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے کہ اہل کتاب ہم سے پہلے کتاب دیے گئے اور ہم ان کے بعد دیے گئے پس وہ جن باتوں میں اختلاف رکھتے تھے ان میں اللہ نے ہمیں ہدایت فرمائی۔ آج کا دن (جمعہ) وہ ہے جس کی طرف اللہ نے ہمیں ہدایت فرمائی اور لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں اور کل (ہفتہ) یہود کے لیے ہے اور

يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ

تم پر — اگلوں کی سی روداد نہ آئی — پہنچی انہیں سختی اور شدت

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ

اور ہلا ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول — اور اس کے ساتھ کے ایمان والے: کب آئے گی اللہ کی

اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ

مدد — سن لو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔ ف۴۸ تم سے پوچھتے ہیں — کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ

مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں

پرسوں (اتوار) نصاریٰ کے لیے ہے۔ اور ابن زید کہتے ہیں کہ انہوں نے جُمُعَہ میں اختلاف کیا یعنی یہود نے ہفتہ اور نصاریٰ نے اتوار اختیار کیا اور ہمیں اللہ نے جُمُعَہ کی طرف ہدایت فرمائی اور وہ قبلہ میں مختلف ہوئے، یہود و نصاریٰ نے بیت المقدس کا استقبال کیا ہمیں اللہ نے قبلہ کی ہدایت فرمائی۔ اور وہ نماز میں مختلف ہوئے کسی نے اس میں صرف رکوع کیا، سجدہ نہ کیا اور کسی نے صرف سجدہ کیا رکوع نہ کیا اور کوئی اس میں چلتا پھرتا باتیں کرتا ہے، پس ہمیں اللہ نے ہدایت فرمائی (اور نماز کی کمیت و کیفیت بتائی) اور وہ روزوں میں مختلف ہوئے بعض نے ان میں سے آدھے تہائی دن روزہ رکھا اور بعض نے کھانوں سے روزہ رکھا پس اللہ نے ہمیں ماہ رمضان کی ہدایت فرمائی (اور روزہ کی کمیت وکیفیت بتائی) اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مختلف ہوئے، یہود نے کہا وہ یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا وہ نصرانی تھے اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف راہ دکھائی کہ انہیں حَنِیفاً مُّسْلِماً بتایا، ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا﴾ [آل عمران: ٦٧] فرمایا اور یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کیا، یہود نے انہیں جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ پر بہتان عظیم رکھا اور نصاریٰ نے انہیں خدا اور خدا کا بیٹا بتایا پس ہمیں اللہ نے ہدایت فرمائی کہ انہیں روح اللہ اور کلمۃ اللہ فرمایا (ابن کثیر)

(۴۸) اس آیت میں مسلمانوں کو مالی وجسمانی تکالیف پر صبر وتحمل کرنے اور دنیوی ناکامی پر ثابت قدم رہنے بددل نہ ہونے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور انہیں تسکین دی گئی ہے کہ وہ گھبرائیں نہیں۔

شانِ نزول: قتادہ وسدی کہتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے متعلق نازل ہوئی ہے جب کہ مسلمان دشمنوں کے خوف اور تنگدستی اور محنت ومشقت اور سردی وغیرہ ہر قسم کی تکلیفوں اور اذیتوں میں گھرے ہوئے تھے، پریشان تھے اس وقت مسلمانوں کو تسکین دینے اور اطمینان دلانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی (سراج وغیرہ) مطلب یہ ہے کہ کیا تم اے مسلمانو! اس گمان میں ہو کہ بغیر آزمائے اور تکلیف اٹھائے جنت میں چلے جاؤ گے، اور ابھی تم پر اگلے نبیوں اور مسلمانوں کی سی سختی اور مصیبت نہیں آئی ہے جو انہیں سختی اور شدت بھوک اور مرض کی سختی تھی اور ہلا ہلا ڈالے گئے تھے اور وہ طرح طرح کی بلاؤں اور خوف دشمن سے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ والے مسلمانوں نے کہا کہ اللہ کی مدد کب آئے گی جس کا وعدہ اللہ نے کیا ہے تاکہ ہماری سختی دفع ہو،، پس وہ اللہ کی طرف سے جواب دیے گئے کہ سنو، اللہ کی مدد حسب وعدہ قریب آنے کے ہے۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾

اور راہ گیر کے لیے ہے اور جو بھلائی کرو بے شک اللہ اسے جانتا ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا

تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمھیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمھیں بری لگے

وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور قریب ہے کہ کوئی بات تمھیں پسند آئے اور تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۵۰ تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں

(۴۹) شان نزول: اس کا بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ ہے کہ عمرا بن جموح انصاری نے جو ایک بوڑھے مالدار آدمی تھے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے پوچھا کہ ہم مال میں سے کیا خرچ کریں اور کس کو دیں، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (سراج) مطلب یہ ہے کہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں اے محبوب کیا خرچ کریں، تم ان سے فرمادو کہ جو کچھ مال تم نیک کاموں میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر کے لیے ہے اور یہی اس کے مستحق ہیں اور تم جو بھلائی کرو گے بے شک اللہ اسے جانتا ہے اس کی جزا تمہیں دے گا۔

تنبیہ: یہ آیت بقول حسن صدقات نافلہ کے متعلق ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ زکوٰۃ سے منسوخ ہے، صحیح اول ہے کہ زکوٰۃ ماں باپ کو نہیں دی جاتی۔

(۵۰) گزشتہ آیت میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا گیا تھا اس آیت میں جان قربان کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، کیونکہ قوم کی بقا اور دینی قیام جان و مال کی قربانی پر منحصر ہے، ابتدا میں تحمل و برداشت کا مسلمانوں کو حکم تھا پھر مدینے میں انہیں مدافعت کرنے کا حکم ہوا، اب انہیں کفار سے مطلق جہاد کا حکم فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم پر کفار سے خدا کی راہ میں جہاد کرنا فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں مشقت کی وجہ سے طبعاً ناگوار ہے اور قریب ہے کہ تمہیں کوئی بات بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو کہ بظاہر بعض چیزوں کی طرف بخواہش نفس طبیعت مائل ہوتی ہے اور باطن میں وہ موجب بلا کی اور نقصان وہ ہوتی ہیں، اور بعض چیزوں میں بظاہر محنت و مشقت ہوتی ہے ان سے طبیعت بھاگتی ہے حالانکہ باطن میں وہ چیزیں ان کے لیے نافع اور موجب بقا و قیام ہوتی ہیں۔ یونہی قتال میں بظاہر محنت و مشقت ہے اس لیے برا معلوم ہوتا ہے مگر باطن میں وہ ان کے حق میں بہتر ہے کہ اس میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے، مال غنیمت ملتا ہے، کفار پر غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور اس کا ترک بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے مگر باطن میں بہت برا ہے کہ اس میں غلبۂ کفار ہے جو موجب ذلت و خواری اور غلامی اور اجر سے محرومی ہے، اس برائی بھلائی کو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو۔ پس تم اپنی رائے پر مت چلو اور ظاہری حالات نفع نقصان کو نہ دیکھو بلکہ اللہ کے حکم پر فوراً عمل کرو کہ اس میں تمہاری بہتری اور فلاح ہے۔

تنبیہ: جہاد فرض کفایہ ہے اگر غلبۂ کفار نہ ہو ورنہ فرض عین ہے اور ﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا﴾ الخ [البقرة:٢١٦] معنی عام ہے۔ ہر بات اس میں داخل ہے۔

قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

لڑنے کا حکم تم فرماؤ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا

وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ

اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ

یہاں تک کہ تمھیں تمہارے دین سے پھیردیں اگر بن پڑے اور تم میں جو

مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہوکر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

دنیا میں اور آخرت میں (الف) اور وہ دوزخ والے ہیں انھیں [اس میں]

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ

ہمیشہ رہنا۔ ف۵۱ وہ جو ایمان لائے اور وہ جنھوں نے اللہ کے لیے اپنے گھر بار چھوڑے اور

(۵۱) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مختصر دستہ فوج کا بسرداری عبداللہ ابن جحش بطن نخلہ کی طرف روانہ کیا، راستہ میں ایک قریشی قافلہ سے ان کا مقابلہ ہوا، اس لڑائی میں عمر بن حضرمی مارا گیا، یہ رجب کا آخری دن تھا۔ صحابہ اسے ۳۰ / جمادی الآخرہ سمجھتے تھے اس پر کفار نے اعتراض کیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے صحابہ کو محترم مہینوں میں لڑنے کی اجازت دیتے ہیں، ماہ حرام کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتے ہیں، مسلمانوں نے حضور سے آکر ان چاروں مہینوں میں لڑنے کا حکم پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور جب یہ نازل ہوئی تو عبداللہ ابن انیس نے مومنین مکہ کو لکھا کہ اگر مشرک تمہیں ماہ حرام میں لڑنے کی غیرت دلائیں، طعنہ دیں تو تم انہیں مکہ سے مسلمانوں کو نکالنے اور اس میں نہ جانے دینے اور شرک کرنے کی شرم دلاؤ طعنہ دو (سراج) یوں ہی سدی نے ابن عباس وابن مسعود سے روایت کی ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تم سے اگر حرام کے مہینوں میں لڑنے کا حکم پوچھتے ہیں تو تم ان سے فرماؤ کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے یعنی خدا کے دین سے لوگوں کو روکنا اور اللہ پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو وہاں سے نکالنا یعنی مکہ جانے سے مسلمانوں کو روکنا اور وہاں سے انہیں نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور ان کا فساد شرک ماہ حرام میں قتل سے بھی بڑھ کر ہے، اور وہ کفار ہمیشہ تم سے اے مسلمانو لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر پھیر سکیں، اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا کرایا اکارت گیا، یعنی ان کے نیک اعمال برباد ہوئے دنیا وآخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ

تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی

لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ

نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے ۵۳ اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں

قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ﴿۲۱۹﴾

تم فرماؤ جو فاضل بچے اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان کرتا ہے کہ کہیں تم

تنبیہ: مرتد ہونا، دین سے پھر جانا، تمام اعمال صالحہ کو مطلقاً باطل کر دیتا ہے، اُن کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملتا و لا یزالون میں عداوت کفار کے دائمی ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

(۵۲) شان نزول: جب گزشتہ آیت میں عبداللہ بن جحش وغیرہ کو یعنی رجب کی پہلی تاریخ میں لڑنے والوں کو گناہ سے بری فرمایا گیا تو انہوں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا یہ لڑائی ہماری جہاد ہوگی تو یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لیے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں دین بلند کرنے کے لیے اور رحمت و ثواب الٰہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے مسلمانوں پر۔

(۵۳) شان نزول: جب حضرت امیر المومنین فاروق اعظم اور معاذ بن جبل وغیرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے اور جوئے سے مال برباد ہوتا ہے ہمیں ان کے متعلق حکم دیجیے کہ ہم کیا کریں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (معالم) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب؟ شراب اور جوئے کے متعلق لوگ پوچھتے ہیں، تم ان سے فرمادو کہ ان دونوں میں تمہارے لیے بڑا گناہ ہے، ان کے سبب لڑائی جھگڑا گالی گلوج اور فحش باتیں سرزد ہوتی ہیں اور لوگوں کے لیے ان میں کچھ دنیاوی نفع بھی ہے کہ شراب سے لذت و فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور جوئے سے بے محنت و مشقت مال ملتا ہے، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

تنبیہ: نفع سے مراد لذت و فرح ہے نہ شفا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے جو چیز حرام فرمائی ہے اس میں شفا نہیں ہے، اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ شراب دوا نہیں ہے داء ہے یعنی بیماری ہے، اسی لیے ائمہ کرام نے دوا میں بھی استعمال کرنا حرام فرمایا ہے۔ شراب کی حرمت میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں: پہلے جو آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی اس سے اس کی حلت نکلتی تھی اور لوگ اسے استعمال کرتے تھے، جب اس سے عقل جانے کی صحابہ نے شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد عبدالرحمٰن ابن عوف نے لوگوں کی دعوت کی اور اس میں شراب پلائی، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اسے پی کر نماز پڑھائی، اس میں بجائے لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ سورۂ کافرون، آیت ۲ کے أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھا تو آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء: ۴۳] نازل ہوئی، حبان ابن مالک نے لوگوں کو شراب پلائی تو لوگ آپس میں لڑے جھگڑے اور بیان شافی چاہا تو سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس میں بالکل اس کا پینا حرام کیا گیا (مدارک) شراب کو بتدریج حرام فرمانے میں یہ حکمت تھی کہ اہل عرب شراب کے بہت عادی تھے، ایک دم حرام کرنے میں انہیں دشواری ہوتی لہٰذا بتدریج حرام ہوگئی (سراج)۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ

دنیا و آخرت کے کام سوچ کر کرو ۵۴ اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا

خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ

بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا

اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ ۵۵ اور شرک والی عورتوں سے نکاح

الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہوجائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی اگرچہ

(۵۴) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ ایک بار حضرت معاذ وحضرت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے پاس ہر قسم کا مال ہے اور ہمیں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے، یہ فرمائیے ہم خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ لوگ تم سے اے محبوب! پوچھتے ہیں کہ وہ خدا کی راہ میں کس قدر خرچ کریں، تم ان سے فرماؤ کہ جو کچھ تمہاری حاجت سے فاضل بچے اور تمہیں اس کی حاجت نہ ہو وہ خدا کی راہ میں خرچ کرو، اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم دنیا وآخرت کے کام سوچ کر کرو اور جس کا کرنا تمہارے لیے بہتر ہو وہ کرو۔

تنبیہ: ابتدائے اسلام میں حاجت سے زیادہ بچا ہوا مال صدقہ کردینا واجب تھا جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوا (مدارک) عَفْوَ سے قتادہ وعطاوسدی کے نزدیک خرچ سے بچا ہوا مال مراد ہے، اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے حالت غنٰی میں صدقہ کرنا مراد ہے کہ ایک بار ایک شخص سونے کا انڈا جو اسے مال غنیمت میں ملا تھا حضور کی خدمت میں لے کر آیا اور کہا یہ لیجیے میں اسے صدقہ کرتا ہوں۔ حضور نے اس کے لینے سے اعراض کیا تو اس نے اصرار کیا حضور نے اسے لے کر زور سے اس کے مارا کہ اگر اس کو لگ جاتا تو سر پھوٹ جاتا، پھر فرمایا تم میں کا ایک آدمی تمام مال صدقہ کرنا اور خود لوگوں کا محتاج ہو کر بیٹھنا چاہتا ہے، صدقہ نہیں ہے مگر حالت غنا میں یعنی صدقہ اتنا کرے کہ خود محتاج ہو کر نہ بیٹھ رہے ﴿ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ الخ [الاسریٰ:۲۹] (سراج) ایک حدیث میں ہے کہ بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا کی حالت میں ہو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھوں سے بہتر ہے۔ (معالم)۔

(۵۵) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ جب یتیموں کے مال کے پاس جانے کی ممانعت فرمائی گئی تو جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے تھے انہیں بہت دشواری ہوئی اور انہوں نے ڈر کے مارے یتیموں کا کھانا پینا مال وغیرہ علاحدہ کردیا تو یتیموں کو اس سے دشواری پیش آئی اور ان کا بچا ہوا کھانا ضائع اور مال تجارت میں نقصان ہونے لگا، مجبوراً اصحابہ کرام نے حضور سے عرض کیا کہ تو یہ آیت نازل ہوئی (معالم وغیرہ) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تم سے لوگ یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں کہ انہیں ساتھ رکھنے میں بھی دشواری ہے اور علاحدہ کردینے میں بھی دشواری ہے کیا کریں، تم ان سے فرمادو کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنا، ان کے مال کی اصلاح کرنا کہ وہ بڑھے اور کم نہ ہو بہتر ہے علاحدہ کردینے اور چھوڑ دینے سے، اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تنبیہ: اس آیت سے ثابت ہے کہ یتیموں کا مال اپنے مال میں بغرض اصلاح ملانے میں حرج نہیں اور بغرض فساد و بدنیتی ملانے میں گناہ ہے۔

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

وہ تمھیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک

مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

سے اچھا اگرچہ وہ تمھیں بھاتا ہو، وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۗ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

نصیحت مانیں۔ ف۵۶ اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے

(۵۶) شان نزول: اس آیت کا معالم میں اس طرح لکھا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ابن ابی مرثد کو مسلمانوں کو مکہ سے خفیہ لے آنے کے لیے بھیجا، وہاں ان کی عناق نامی ایک عورت سے دوستی تھی، جب اس نے سنا تو وہ ان کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ مجھ سے خلوت کرو تو انہوں نے اس عورت سے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان اسلام حائل ہے تو اس نے کہا کہ مجھ سے نکاح کرلو تو انہوں نے کہا کہ ہاں یہ ہوسکتا ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورہ کرلوں پس انہوں نے واپس آکر حضور سے اجازت چاہی اس پر اول آیت نازل ہوئی اور دوسری آیت حضرت حذیفہ یا حضرت رفاعہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے اپنی باندی سے نکاح کرلیا اور لوگوں نے ان پر طعن کی اور عار دلائی کہ تم نے باندی سے نکاح کرلیا اور ایک مشرکہ کو پیش کیا (سراج) مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو تم شرک والی عورت سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے اچھی ہے اگرچہ مشرکہ عورت اپنی خوب صورتی کی وجہ سے بھاتی ہو پسند ہو؟ اور مسلمان عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور بے شک مسلمان غلام آزاد مشرک سے اچھا ہے اگرچہ مشرک اپنے مال و جمال کی وجہ سے تمہیں بھاتا ہو پسند ہو کہ یہ مشرک لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں یعنی ایسی باتوں کی طرف بلاتے ہیں جو موجب نار ہیں اور اللہ تمہیں اپنے رسولوں کی زبانی جنت و بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے، اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت پائیں، پس تمہیں مشرکوں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اللہ کی نصیحت۔ ماننا اللہ کے حکم پر چلنا لازم ہے کہ اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے، اور مشرکوں سے نکاح کرنے میں دین و دنیا دونوں کی بربادی ہے کہ اختلاف مذہب کی وجہ سے گھر دوزخ ہوجائے گا، ہر وقت خانہ جنگی رہے گی، باہم محبت والفت نہ ہوگی، اولاد خراب ہوگی، اس میں مشرکہ کی تربیت کا اثر آئے گا اور گھر میں کفریہ باتیں ہونے لگیں گی، اگر ان سے چشم پوشی کی جائے گی تو خود گنہگار ہوگا۔

تنبیہ: مشرکہ سے یہاں غیر کتابیہ مراد ہے کہ وہ ﴿ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ ﴾ [المائدۃ: ۵] سے مخصوص ہے اور اس کے ساتھ یعنی کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ نہ کرنا اولیٰ ہے (کمافی الفتح) اور مسلمہ کا نکاح مشرک سے خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی باجماع امت ناجائز ہے اور باندی سے نکاح جائز ہے، اسے برا سمجھنا اور اس پر طعن کرنا برا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، جمال، شرافت نسبی، دین داری۔ تم کو دین دار عورت تلاش کرنا چاہیے۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باندیوں سے نکاح فرمایا ہے اور حضور کا فعل ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ

الگ رہو حیض کے دنوں اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں پھر جب پاک ہوجائیں

فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ

تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا۔ بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو

وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ

اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں

اَنّٰی شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ

جس طرح چاہو اور اپنے بھلے کا کام پہلے کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں

مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً

اس سے ملنا ہے۔ اور اے محبوب! بشارت دو ایمان والوں کو۔ ف۵۷ اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ

(۵۷) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ علاوہ اور باتوں کے عورتوں کو اچھوت کی طرح اپنے سے بالکل علاحدہ رکھتے تھے نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے نہ انہیں گھر کی کوئی چیز چھونے دیتے تھے اور نہ ان کی چھوئی ہوئی چیز کو استعمال کرتے تھے اور نصاریٰ حائضہ عورتوں سے بالکل پرہیز نہیں کرتے تھے جس طرح اور دنوں میں ان کے ساتھ رہتے بستے تھے اسی طرح ایام حیض میں ان کے ساتھ رہتے بستے، صحبت و مباشرت کرتے تھے، اہل جاہلیت بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کرتے تھے۔ جب اسلام آیا اور اس نے افراط و تفریط سے بچنے اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا تو بعض لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حائضہ عورتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں حائضہ عورتوں کا حکم اور ان سے صحبت کرنے کا طریقہ اور محل بتایا گیا جو ان آیات میں مذکور ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تم سے لوگ حیض کا حکم پوچھتے ہیں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ کیا کیا جائے، تم ان سے فرماؤ، وہ ناپاکی ہے تو تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو یعنی ان سے صحبت نہ کرو جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہوجائیں۔ پھر جب وہ حیض سے پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ یعنی ان سے صحبت کرو جہاں اللہ نے تمہیں صحبت کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ فرج ہے، بیشک اللہ پسند کرتا ہے گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو یعنی حیض کی پلیدی سے بچنے والوں کو، تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جو شخص پیچھے سے آگے کی طرف عورت سے جماع کرے گا بچہ بھینگا پیدا ہوگا لوگوں نے اس کا ذکر حضور سے آکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم جس طرح چاہو ان سے صحبت کرو، یعنی کھڑے ہوکر بیٹھ کر لیٹ کر کروٹ سے، پیچھے سے آگے کے مقام میں اور اپنے بھلے کا کام پہلے کرو اور ہر کام میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ قیامت کے دن تمہیں اس سے ملنا ہے، تو وہ اس روز تمہارے اعمال کی جزا دے گا اور اے محبوب بشارت دو ایمان والوں کو ثواب کی۔

تنبیہ: وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۲ سے مراد صحبت کرنا ہے اور صحبت کرنے کے سوا حائضہ عورتوں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا ان سے لپٹنا چپٹنا، بوس و کنار کرنا، ان کی چھوئی ہوئی، پکائی ہوئی چیز استعمال کرنا جائز ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت جنابت میں ایک برتن سے غسلا کرتے تھے اور میں حالت

حیض میں حضور کا سر مبارک دھلایا کرتی تھی اور میں حالت حیض میں پانی وغیرہ پیتی تھی اور بچا ہوا حضور کو دے دیتی تھی، حضور اسے اسی برتن سے پی لیتے تھے۔ اور حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ میں اور حضور ایک چادر میں تھے کہ مجھے حیض آیا پس میں علاحدہ ہوگئی تو حضور نے پوچھا پھر مجھے اپنے ساتھ چادر میں کرلیا (معالم) مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حائضہ عورتوں کا حکم پوچھا گیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے فرمایا" اِصۡنَعُوا کُلَّ شَئِی الا نکاح "یعنی حائضہ عورتوں کے ساتھ سب کام کرو مگر صحبت نہ کرو۔ اور کشاف میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے اعتزال کو ظاہری معنی پر محمول کر کے عورتوں کو گھروں سے علاحدہ کردیا، اس پر بعض بدویوں نے حضور سے آکر عرض کیا کہ سردی سخت ہے اور کپڑے تھوڑے ہیں اگر حائضہ کو کپڑے دے دیئے جائیں گے تو گھر کے لوگ سردی میں مرجائیں گے اور جو انہیں نہ دیے جائیں گے تو وہ سردی میں مرجائیں گی، پس حضور نے ان سے فرمایا کہ تمہیں حائضہ عورتوں سے صحبت کرنے کو منع کیا گیا ہے نہ کہ انہیں عجمیوں کی طرح گھر سے نکال دینے کا۔ بیضاوی نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے، یہی قول ابن عباس اور مجاہد وحسن وعکرمہ کا ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور اس کی حرمت پر علما کا اجماع ہے، لیکن حیض بند ہونے کے بعد جب تک عورت غسل نہ کرلے اس سے صحبت کرنا جائز نہیں اور اگر حیض پورے دس روز بعد بند ہوا ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صحبت کرنا جائز ہے، اور جو دس روز سے کم میں بند ہوا ہو تو غسل کے بعد یا غسل کے بقدر وقت گذر جانے کے بعد صحبت کرے اور جو کسی نے غلبۂ شہوت میں حائضہ سے صحبت کرلی تو اسے توبہ واستغفار کرنا چاہیے اور حلال جان کر کرنے سے کفر لازم آئے گا۔ اور فَاتوا هُن کنایہ ہے صحبت کرنے سے اور امر اباحت کے لیے ہے نہ وجوب کے لیے، یعنی پاک ہونے کے بعد ان سے صحبت کرنا مباح و جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ومجاہد وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ من حیث امر کم الله سے مراد پیشاب کا مقام۔ تو اس سے پاخانے کے مقام میں وطی کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور یُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡن سے وہ لوگ مراد ہیں جو حیض کی پلیدی سے پرہیز کرتے ہیں اور اس حالت میں عورتوں سے صحبت نہیں کرتے، اور حَرۡثٌ لَّکُمۡ سے موضع حرث یعنی کھیتی کرنے کی جگہ مراد ہے اور یہ کنایہ ہے وطی کرنے کی جگہ سے کہ جس طرح زمین جوت کر اس میں بیج ڈالا جاتا ہے اسی طرح اس میں وطی کر کے نطفہ ڈالا جاتا ہے، گویا وطی کرنے کی جگہ کو زمین سے اور نطفہ کو بیج سے اور اولاد کو پیداوار سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اَنّٰی شِئۡتُمۡ سے کیفیت وطی مراد ہے یعنی موضع مذکور میں تم جس طرح چاہو کرو۔ امام احمد ابن عباس سے راوی ہے کہ جب بعض انصار نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وطی کرنے کے متعلق پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے فرمایا جس طرح چاہو عورتوں سے فرج میں وطی کرو۔ اسی طرح دوسری روایتوں میں بھی آیا ہے اور بہت سی روایات میں دُبر میں وطی کرنے کی حرمت وممانعت اور اس پر وعید آئی ہے جو ابن کثیر میں مذکور ہیں، من جملہ ان کے امام احمد وغیر کی روایات میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کے پاخانہ کے مقام میں وطی کرنے کی ممانعت فرمائی (وفی روایۃ) جو شخص عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی کرے گا اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا (وفی روایۃ) وہ شخص ملعون ہے جو عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی کرے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ عورتوں کی پاخانہ کی جگہ وطی کرنا حرام ہے، یہی قول سیدنا امام اعظم اور امام شافعی اور امام احمد اور سعید ابن میسب وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے، اور قدموا لانفسکم کی تفسیر ابن جریر نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کی ہے کہ صحبت بسم اللہ کہہ کر کی جائے اور بعض کے نزدیک نیک بچہ پیدا ہونے کی نیت سے کی جائے (ابن کثیر) حدیث میں ہے کہ جب صحبت کا ارادہ کرے تو یہ دعاء پڑھ کر کرے بسم الله اللّٰهُمَّ جنبنا الشیطان وجنبی الشیطان فیما رزقنا۔ تو بچہ شیطان کے ضرر سے ہمیشہ محفوظ رہے گا (معالم)

تنبیہ: حیض وہ خون ہے جو ماہوار عورت کو بلا کسی عارضہ کے آتا ہے کم سے کم مدت اس کی تین دن اور زیادہ مدت دس دن ہیں، ان ایام میں حائضہ کو نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، طواف کرنا، قرآن پڑھنا، چھونا، مسجد میں جانا منع ہے، اور جو روزے ایام حیض میں نہیں ہوئے ہیں انہیں قضا کرے اور نماز کو قضا نہ کرے یہی حکم نفاس کا ہے۔ باقی احکام حیض ونفاس کتب فقہ میں دیکھیے۔

لِاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ

نہ بنالو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کرلو اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

سنتا جانتا ہے۔ ف۵۸ اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ

اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دل نے کیے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ ف۵۹ وہ جو

يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار مہینے کی مہلت ہے پس اگر اس مدت میں پھر آئے

(۵۸) شانِ نزول: اس کا یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی کی قرآن عظیم میں صراحت فرمائی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی کہ میں جو مصارف اپنے خالہ زاد بھائی مسطح کو دیا کرتا تھا وہ نہ دوں گا وہ تہمت لگانے والوں میں تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ کہ نعمان ابن بشیر نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کی بہن کو طلاق رجعی دیدی تھی چندروز بعد نعمان نے صلح کرنے اور رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت رواحہ نے قسم کھائی کہ میں نعمان سے بات نہ کروں گا اور نہ میاں بیوی میں صلح ہونے دوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (سراج و بیضاوی) بہرحال شانِ نزول کچھ بھی ہو اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے تھے اور لوگ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قسمیں کھایا کرتے تھے اس کی ممانعت اس آیت میں فرمائی گئی، مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو یعنی بات بات پر اللہ کی قسم نہ کھاؤ کہ اس کے سبب احسان اور پرہیزگاری اور صلح کرنے کی قسم کرلو کہ اس میں خدا کے نام کی عظمت و وقعت کم ہوگی، یا یہ معنی ہیں کہ تم اپنی اچھی بری قسموں میں اللہ کو آڑ نہ بناؤ کہ نیکی اور بھلائی اور صلح کرنے سے باز رہو اور اللہ تمہاری قسموں کو سنتا اور نیتوں کو جانتا ہے کہ کس غرض سے تم نے قسم کھائی ہے۔ پس اگر بھلائی نہ کرنے یا برائی کرنے کی تم نے قسم کھائی ہو اور اس کے خلاف کرنا بہتر ہو تو تم قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ دو۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب تم کسی بات پر قسم کھالو اور اس کے خلاف کو اپنے لیے بہتر دیکھو تو اسے کرو اور قسم کا کفارہ دیدو۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم اپنی قسم کے لیے نام الٰہی کو نشانہ نہ بناؤ کہ نیکی نہ کرو بلکہ نیکی کرو اور قسم کا کفارہ دو، یہی مسروق اور شعبی اور مجاہد اور قتادہ اور حسن وغیرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے (ابن کثیر) اور جب نیک باتوں سے باز رہنے پر قسم کی ممانعت فرمائی گئی اور ان کو توڑ کر کفارہ دینے کی ہدایت کی گئی تو اس سے بری باتوں پر قسم کھانے کی ممانعت اور نیک کام کرنے پر قسم کھانے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ آیت میں نیک کام نہ کرنے کی قسم کھانے اور بکثرت بات بات پر قسم کھانے کی ممانعت ہے اور بہت کم بضرورت قسم کھانے کی اجازت ہے۔ اول معنی عموم پر دلالت کرتے ہیں اور ثانی معنی شانِ نزول کے موافق ہیں کہ آیت نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار رفاعہ سے فرمایا کہ اپنی بہن کو اپنے بہنوئی کو لوٹادے، اور تیسری بار میں فرمایا اگر تو اللہ اور آخرت پر ایمان لایا ہے (احمدی وزاہدی)۔

(۵۹) چونکہ گزشتہ آیت میں قسم کی قسموں اور ان کے حکم کو بیان کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہیں ان قسموں میں نہیں پکڑتا ہے جو بے ارادہ زبان سے نکل جائیں، جیسے باتیں کرتے میں تمہارے منہ سے بلاقصد وارادہ (واللہ) نکل جائے، ہاں ان قسموں پر اللہ تمہیں پکڑتا ہے جو قصداً تم نے کھائی ہوں اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

تنبیہ اول: قسم کی تین قسمیں ہیں (اول) یمین لغو ہے جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے یا کوئی بات کو اپنے گمان میں صحیح وسچا سمجھ کر اس پر قسم کھائے مگر واقع میں وہ جھوٹ ہو، یہ قسم شرعاً ساقط الاعتبار ہے اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ (دوسری قسم) یمین منعقد ہے جو آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر کھائی جائے، اس کے خلاف کرنے پر کفارہ واجب ہوگا یعنی ایک غلام آزاد کرنا، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دس محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا، یا تن ڈھکنے کے قابل متوسط درجہ کا کپڑا دینا ہوگا، اور اس کی بھی قدرت نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھنا ہوں گے (تیسری قسم) یمین غموس ہے جو قصداً جان کر کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے، یہی قول ابن عباس ومجاہد وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے، یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس کا گناہ اس قدر زیادہ ہے کہ کفارہ سے بھی نہیں دھلتا ہے، آدمی کو اس میں توبہ واستغفار کرنا لازم ہے، یہی قول سیدنا امام اعظم وامام مالک وامام احمد کا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس میں بھی کفارہ ہے۔

تنبیہ دوم: پہلی قسم کے معنی میں اقوال علما مختلف ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس میں دو روایتیں منقول ہیں: ایک میں یہ ہے کہ یمین لغو ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بات کرتے میں لا واللہ وبلیٰ واللہ کہے یعنی اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے اور اللہ کی قسم ایسا ہے (رواہ ابوداؤد وغیرہ) دوسری میں ہے کہ لغو یہ ہے کہ کسی بات کو سچ جان کر آدمی قسم کھائے اور واقع میں وہ جھوٹ ہو، سیدنا امام اعظم اور امام مالک وامام احمد رضی اللہ عنہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

تنبیہ سوم: قسم توثیق وتاکید کلام اور دوسرے کو باور کرانے کے لیے کھائی جاتی ہے اور وہ اسم ذات واسمائے صفات باری تعالیٰ کے سوا کسی اور شی کی قسم کھانے سے منعقد نہیں ہوتی ہے نہ اس کا وہ حکم ہے جو ذکر کیا گیا۔ تو اگر کسی نے اللہ کے نام کے سوا کسی اور شی کی قسم کھائی مثلاً یوں کہا: اپنے باپ یا اپنے بیٹے یا اپنی جان کی قسم ہے جیسا کہ متعارف ہے تو وہ جائز ومشروع ہے اور جو محض فضول وبے فائدہ کھائی ہو تو مکروہ ہے مگر شرک وگناہ نہیں ہے جیسا کہ سرگروہ وہابیہ نے تقویۃ الایمان میں اور تھانوی صاحب نے بہشتی زیور میں اسے شرکیات میں داخل کیا ہے اور فقیر نے اصلاح بہشتی زیور میں اس کا رد کیا ہے کہ اس قسم کی قسمیں احادیث میں عمر فاروق وحضرت صدیق اکبر وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں بلکہ خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اَفْلَحَ وَاَبِیْہِ فرمایا ہے، یہ سب غیر اللہ کی قسمیں ہیں، اگر انہیں حدیث نہی سے پہلے کی کہا جائے تو اس کا ثبوت کہنے والے کے ذمہ ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ سب غیر اللہ کی قسمیں ہیں اور وہ مشروع ہیں کہ ان سے توثیق وتاکید مطلوب ہے، اور جس قسم میں توثیق وتاکید حاصل ہو وہ جائز ومشروع ہے، نہ کہ شرک وگناہ۔ ہاں جو قسم بغرض وثیقہ نہ ہو محض فضول وبے فائدہ ہو یا برائے تعظیم غیر اللہ ہو تو وہ ضرور ممنوع اور مورد نہی ہے۔ عامہ علماء اس کے قائل ہیں اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔ درمختار میں ہے: جس کا ترجمہ یہ ہے کہ؟ کیا غیر خدا کی قسم کھانی مکروہ ہے، کہا گیا: ہاں مکروہ ہے بوجہ نہی کے کہ اکثر علما اسے مکروہ کہتے ہیں اور یہی مفتیٰ بہ ہے خصوصاً ہمارے زمانے میں اور نہی قسم غیر اللہ کو انہوں نے اسی پر محمول کیا ہے کہ جس سے توثیق مطلوب نہ ہو جیسے کہ لوگ فضول بے وجہ جان کی، باپ کی، قسمیں کھاتے ہیں جس سے توثیق مطلوب نہیں ہوتی ہے۔ غایۃ الاوطار میں اس کے آگے ہے، یعنی ممنوع وہ قسم بغیر اللہ ہے جو بلا قصد عرب اپنی گفتگو میں کھاتے تھے، تو اگر قسم بغیر اللہ میں قصد متعلق ہو بطور وثوق کے تو قسم کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ کذا فی حاشیہ حلبی۔ فتح القدیر میں ہے کہ حلف بغیر اللہ مانند طلاق وعتاق کے حلف کے بعضوں کے نزدیک مکروہ ہے بسبب اس صحیح حدیث کے کہ جو قسم کھاوے خدا کی کھاوے اور اکثر علما کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور عمل حدیث کا یہ ہے کہ قسم بحرف قسم ہو سوا تعلیق کے۔

تنبیہ چہارم: کراہت والے قول کو قیل سے تعبیر کرنا ہی بتا رہا ہے کہ وہ قول ضعیف ہے عمل کرنے کے قابل نہیں ہے، اور جب مدار قسم وثیقہ پر ہوا تو باپ کی، بیٹے کی، سر کی، جان کی، اور ان کے سوا اور اشیا کی قسم کھانا برابر ہے جب کہ توثیق وتاکید کے لیے ہونہ تعظیم غیر اللہ کے لیے ہو اور نہ فضول وبے فائدہ ہو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ

تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کرلیا تو

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ

اللہ سنتا جانتا ہے ف۶۰ اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین

قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ

حیض تک اور انہیں حلال نہیں کہ چھپائیں وہ جو اللہ نے

اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ

ان کے پیٹ میں پیدا کیا اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے شوہروں کو

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ

اس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا

الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ

ان پر ہے شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ

(۶۰) شانِ نزول: اس آیت کا تفسیر احمدی میں اس طرح منقول ہے کہ اہل عرب جب اپنی بی بی سے دل برداشتہ ہوتے تو اسے غیرت کی وجہ سے طلاق تو نہ دیتے کہ دوسرے سے نکاح کرلے گی، مگر اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے پھر نہ اس کے پاس جاتے اور نہ اسے چھوڑتے، اس سے عورتوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی کہ وہ معلق ہو کر رہ جاتی تھیں نہ دوسرے سے نکاح کرسکتی تھیں اور نہ اول سے نباہ، پس اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایسی قسموں کا حکم بیان فرما کر عورتوں کی تکلیف اور پریشانی رفع فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی یعنی ان سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالیتے ہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر وہ اس مدت میں پھر آئے یعنی عورتوں سے صحبت کی تو عورت کو ان کی قسم سے جو ضرر و نقصان پہنچا ہے اسے اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر اس سے انہوں نے چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کرلیا ہے تو اللہ ان کے قول کو سنتا اور ان کے ارادہ کو جانتا ہے، شرع میں اس قسم کو ایلا کہا جاتا ہے، اس کی مدت چار ماہ ہے خواہ قسم میں اس کی مدت مقرر کی ہو یا نہ کی ہو، یا چار ماہ سے زیادہ کی ہو اور جو چار ماہ سے کم مدت مقرر کی ہوگی تو ایلا نہ ہوگا اور ایلا میں صراحۃً قربت کا لفظ ہونا اور کہتے وقت عورت کا مرد کے نکاح میں ہونا ضروری ہے ورنہ ایلا نہ ہوگا۔ مثلاً منکوحہ یا مطلقہ رجعیہ سے یوں کہے کہ خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہ کروں گا، یا چار ماہ یا سال بھر قربت نہ کروں گا اور حکم اس کا یہ ہے کہ اگر وہ چار ماہ کے اندر عورت سے صحبت کرے گا تو نکاح باقی رہے گا اور قسم کا کفارہ دینا واجب ہوگا ورنہ چار ماہ بعد عورت کو طلاق بائنہ ہوجائے گی اور وہ مرد کے نکاح سے نکل جائے گی، یہی قول حضرت عثمان و حضرت علی و ابن عمر و امام اعظم وغیرہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے۔ مسئلہ: اگر مرد اس درمیان میں بیمار ہوجائے صحبت کرنے کے قابل نہ رہے تو صرف زبان سے صحبت کرنے کا وعدہ کرلے اور جب قادر ہو تو اسے پورا کرے اور کم مدت کی صورت میں عورت مرد کے نکاح میں رہے گی اور مرد پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا خواہ وہ اس سے صحبت کرے یا نہ کرے۔

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ

غالب حکمت والا ہے۔ (۶۱) یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ

بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا

چھوڑ دینا ہے (۶۲) اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو

اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ

ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلا دے کر عورت چھٹی لے یہ اللہ کی

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ

(۶۱) شان نزول: چونکہ گذشتہ آیت میں ایلا کا بیان تھا اور وہ متضمن طلاق کو تھا اور طلاق کے لیے عدت لازمی تھی اور زمانہ جاہلیت میں لوگ عورت کو پریشان کرنے کے لیے عدت میں بہت سختی کرتے، سال سال بھر عورت کو عدت میں رکھتے تھے، نہ اس کا خرچ اٹھاتے تھے نہ اسے دوسرے سے نکاح کرنے دیتے، اس سے عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، انہوں نے آکر بارگاہ رسالت میں شکایت عرض کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور عدت کی مدت مقرر کی گئی اور طلاق والی عورت کے احکام بیان فرمائے گئے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق والی عورتیں اپنی جانوں کو تین حیض تک نکاح کرنے سے روکے رہیں اور انہیں حلال نہیں ہے کہ جو اللہ نے ان کے پیٹ میں حمل یا حیض پیدا کیا ہے اسے کسی غرض سے چھپائیں اگر وہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہیں، اور ان کے شوہروں کو اس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر وہ عورت سے اچھی طرح رکھنے کے لیے ملاپ کرنا چاہیں نہ اسے ستانے کے لیے، اور عورتوں کا مردوں پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر ہے شرع کے موافق، اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تنبیہ: امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قروء سے حیض مراد ہے اور یہی اکابر صحابہ و تابعین کا قول ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ابوداؤد وغیرہ کی حدیث "دعی الصلوٰۃ ایام اقرائك" اس کی تائید کرتی ہے تو آزاد عورت وطی کی ہوئی ہو اور اسے حیض آتا ہو اس کی عدت کی میعاد تین حیض ہے، اور باندی کی دو حیض ہیں جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے، باقی عورتوں کی عدت کی مدت آئندہ آیات میں بیان کی گئی ہے اور یہ پہلی آیت ہے جو عدت کے متعلق نازل ہوئی ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ﴾ [البقرۃ: ۲۲۸] میں حقوق زوج و زوجہ کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زوج و زوجہ کا حق پوچھا گیا فرمایا جو تو کھا وہ اسے کھلا، جو تو پہن وہ اسے پہنا، اور اس کے منہ پر نہ مار اور اسے بدصورت نہ کر اور اسے اکیلا نہ چھوڑ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ میں عورتوں کے لیے خود کو آراستہ کرنا پسند کرتا ہوں جیسا کہ اپنے لیے عورت کا آراستہ ہونا پسند کرتا ہوں (ابن کثیر)

(۶۲) شان نزول: چونکہ پہلی آیت میں مردوں کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے کا حق دیا گیا تھا اور طلاق کی کوئی مقدار

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ

ظالم ہیں۔ ف۲۳ پھر اگر تیسری طلاق اسے دے تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند

زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ

کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر

ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا

سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنھیں بیان کرتا ہے

مقرر نہ تھی، اس لیے بعض لوگ عورتوں کو تکلیف دینے کے لیے بے تعداد طلاقیں دیتے تھے اور جب ان کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتے، پھر طلاق دیتے پھر رجوع کرتے، اس اثناء میں نہ ان سے بیبیوں کا سا برتاؤ کرتے اور نہ انہیں چھوڑتے کہ وہ دوسرے سے نکاح کرلیں۔ چنانچہ ایک بار ایک انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے نہ شوہر والی رکھوں گا اور نہ بے شوہر والی اور اسے طلاق دیدی، جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو رجوع کرلیا، کئی باریوں ہی کیا تو عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آکر شکایت کی، انہوں نے حضور سے آکر عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور طلاق کی تعداد مقرر کی گئی (ابن کثیر وکبیر) مطلب یہ ہے کہ طلاق رجعی دو بار تک ہے، پھر ان کے بعد عورت کو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ بھل منسی سے اسے چھوڑ دینا ہے، یعنی اس کی عدت گذر جانے دینا اور رجوع نہ کرنا ہے تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرے اور معلق نہ رہے، اور دو طلاقیں بھی ایک دم نہ دی جائیں بلکہ ایک طلاق دینے کے بعد اگر دوسری طلاق کی ضرورت پڑے تو دی جائے ورنہ نہ دی جائے، شرعاً سب سے بہتر طریقہ طلاق دینے کا یہ ہے کہ عورت کو پاکی کی حالت جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو ایک طلاق صریح دی جائے اور طلاق دینے کے بعد اگر مرد عورت سے رجوع کرنا چاہے یعنی اسے اپنے نکاح میں رکھنا چاہے تو عدت کے اندر اسے بھلائی کے ساتھ روک لے اس سے رجوع کرلے، اور جو اسے نکاح میں نہ رکھنا چاہے تو اسے نہ روکے اور بھل منسی سے اس کی عدت گذر جانے دے، یہ نہ کرے کہ اسے دق وپریشان کرنے کے لیے طلاق دے اور جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو رجوع کرلے پھر طلاق دیدے پھر رجوع کرلے جیسا کہ بعض اہل عرب کیا کرتے تھے، یہی آیت کا مفہوم ہے اس طرح صرف ایک طلاق میں مرد کا مقصد پورا ہوجائے گا دوسری طلاق کی ضرورت نہ ہوگی کہ طلاق شرعاً ناپسندیدہ ہے ضرورت سے جائز رکھی گئی ہے، اور مرد کو تین طلاق تک کا مالک ومختار کیا ہے جن میں سے دو کا ذکر اس آیت میں کیا ہے اور ایک کا آئندہ آیت میں آئے گا۔

تنبیہ: شرعاً طلاق تین قسم کی ہوتی ہے: رجعی، بائنہ، مغلظہ۔ رجعی یہ کہ طلاق دینے کے بعد مرد کو رجوع کرنے کا حق ہوگا، یعنی بعد طلاق عدت کے اندر عورت سے زبانی کہہ دے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا عورت کے ساتھ مساس کرے یعنی صحبت کرے، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور بائنہ یہ کہ بعد طلاق رجعی عورت کی عدت گزر جائے یا اسے بالفاظ کنایہ یہ طلاق دے اس کے بعد مرد کو رجعت کا حق نہیں رہتا، اس کے بعد اگر وہ عورت کو اپنے پاس رکھنا چاہے اور عورت کو بھی منظور ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے، اور مغلظہ یہ ہے کہ اسے تین طلاقیں دے، اس کے بعد مرد عورت سے نہ رجوع کرسکتا ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، اس کا ذکر آئندہ آیت میں آئے گا باقی احکام ومسائلِ طلاق کتب فقہ میں دیکھیے۔

(۶۳) شان نزول: اس کا ثابت ابن قیس اور ان کی بی بی جمیلہ ہیں کہ ثابت ابن قیس خوبصورت نہ تھے اور جمیلہ سے بہت محبت کرتے تھے مگر جمیلہ ان سے نفرت کرتی تھی، اس لیے باہم رنجش اور بدمزگی رہتی تھی، بالآخر ایک دن جمیلہ نے حضور سے آکر عرض کی

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

دانش مندوں کے لیے۔ ف٦٤ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد آ لگے

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا

تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں

تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

ضرر دینے کے لیے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان

نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

کرتا ہے اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹا نہ بنالو اور یاد کرو اللہ کا احسان

کہ میرا دل اس سے بے حد نفرت کرتا ہے اور خوف ہے کہ حقوق شوہری میں کمی واقع ہونے کی وجہ سے مجھ سے مواخذہ ہو، آپ مجھے اس سے علاحدہ کردیجیے، حضور نے پہلے تو انہیں سمجھایا جب دیکھا کہ نباہ ان کا مشکل ہے تو حضور نے ثابت سے کہا، اس نے کہا بہتر ہے مگر میں نے اس کو ایک باغ دیا ہے وہ اسے واپس کردے، جمیلہ نے کہا باغ کے ساتھ کچھ اور بھی لے کر مجھے چھوڑ دیجیے، پس آپ نے فرمایا زیادہ نہیں اسے باغ لے کر چھوڑ دے۔ ثابت نے باغ لے کر اسے چھوڑ دیا۔ یہ پہلا خلع ہے جو اسلام میں واقع ہوا (حقانی وغیرہ) اس روایت کو بہت سے محدثین نے بطرق والفاظ مختلفہ مع زیادتی و کمی کے روایت کیا ہے اور عورت کا نام بھی مختلف لیا ہے جو ابن کثیر نے ذکر کی ہیں، مطلب یہ ہے کہ اے شوہرو! تمہیں عورتوں کو مہر وغیرہ میں دی ہوئی چیز میں سے کچھ واپس لینا روا نہیں ہے مگر جب کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ کرنے کا اندیشہ ہو پھر اگر تمہیں اپنے مقام پر خوف ہو کہ وہ دونوں زوج و زوجہ ٹھیک طور سے انہیں حدوں پر قائم نہ رہیں گے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کی ہیں تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مرد کو بدلہ دے کر چھٹی لے لے، یعنی عورت اپنے نفس کے بدلے مال دے کر مرد سے طلاق حاصل کرلے، اس دینے لینے میں مرد و عورت پر کچھ گناہ نہیں ہے، یہ احکام نکاح و طلاق و خلع وغیرہ اللہ کی حدیں ہیں اُن سے آگے نہ بڑھو، اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی ظالم ہیں۔

تنبیہ: بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زن و شوہر کو حقوق زوجیت نہ ادا ہوسکنے کا خوف ہو تو خلع کرنا جائز ہے ورنہ نہیں جیسا کہ زہری اور نخعی اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے مگر جمہور علماء کہتے ہیں کہ خوف ہو یا نہ ہو خلع درست ہے کہ کراہت مانع نفاذ نہیں۔

فائدہ: اگر خوف نشوز عورت کی طرف سے ہو کہ وہ سرکشی و نافرمانی کرتی ہو تو مرد کو بلا کراہت اپنی دی ہوئی چیز یا کچھ اور لے کر اسے چھوڑ دینا درست ہے، اور جو نشوز مرد کی جانب سے ہو کہ وہ عورت کو ناحق مارتا پیٹتا، تکلیف دیتا ہو کہ وہ تنگ آکر اسے مہر چھوڑ دے، یا مال دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرلے تو باتفاق ائمہ حرام ہے کہ سورہ نساء میں ہے ﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ﴾ [النسآء:١٩] فرمایا گیا ہے اور جو نشوز دونوں کی جانب سے ہو تو مرد کو قضاءً مال لینا جائز ہے عند اللہ جائز نہیں اور بلا وجہ و بلا خوف عورت کو خلع کرنا کچھ مال دے کر طلاق لینا مکروہ ہے کہ حدیث میں ہے: جو عورت بلا خوف مرد سے طلاق چاہے گی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے (ترمذی و امام احمد) اور خلع یا طلاق بالمال سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور پوری عدت لازم آئے گی، اور مرد کو عدت خلع میں بلا رضامندیٔ عورت رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا، ہاں اور طلاق دے سکتا ہے، یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور یہی حضرت علی و حضرت عثمان و ابن مسعود و حسن بصری و شعبی وغیرہ اکابر صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔

(٦٤) شان نزول: اس آیت کا عائشہ بنت عبد الرحمٰن ہیں کہ انہوں نے پہلے شوہر رفاعہ سے طلاق پانے اور عدت گزارنے

عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ

جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب و حکمت اتاری تمھیں نصیحت دینے کو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے ﴿۶۵﴾ اور جب تم عورتوں کو

النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہوجائے تو اے عورتوں کے والیو! انھیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ

جب کہ آپس میں موافق شرع رضا مند ہوجائیں یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو

کے بعد عبدالرحمن ابن زبیر سے نکاح کرلیا تھا مگر انہوں نے قبل صحبت طلاق دیدی تو عائشہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رفاعہ کے ساتھ پھر نکاح کرنے کی اجازت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا: جب تک نکاح کے بعد صحبت نہ ہو پہلے شوہر سے نکاح کرنا درست نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر دو طلاق کے بعد تیسری طلاق عورت کو دی تو اب وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے یعنی دوسرے مرد سے نکاح کر کے وطی نہ کرائے، (کما فی حدیث البخاری و مسلم) پھر اگر وہ دوسرا بعد وطی اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر زوجہ اور شوہر اول پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عدت کے بعد نکاح جدید کر کے آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں وہ دونوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے، یعنی حقوق زوجیت اچھی طرح ادا کریں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان فرماتا ہے اللہ سمجھنے والوں کے لیے۔

تنبیہ: اس آیت کا ربط آیت ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ [البقرة:٢٢٩] سے ہے اور یہ تیسری طلاق کا بیان ہے اور اس کے درمیان خلع کا ذکر یہ بات معلوم ہونے کے لیے کیا گیا ہے کہ طلاق کبھی بلا عوض ہوتی ہے اور کبھی بعوض ہوتی ہے اور نکاح سے مراد وطی ہے اور دوسرے شخص سے بشرط طلاق نکاح کرنا مکروہ ہے اور نکاح کے بعد مرد کو عورت سے وطی کرنا لازمی ہے ورنہ حلالہ نہ ہوگا، اس تیسری طلاق کو شرع میں طلاق مغلظہ کہتے ہیں اور اس کے احکام و مسائل کتب فقہ میں دیکھیے۔

(۶۵) شان نزول: اس کا ثابت ابن قیس ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور جب اس کی عدت گزرنے کے قریب ہوئی تو رجوع کیا تین بار ایسا ہی کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو اس وقت انہیں یا بھلائی کے ساتھ روک لو یعنی زبان سے کہہ کر یا صحبت کر کے رجوع کرلو یا بھلائی کے ساتھ انہیں چھوڑ دو، یعنی ان کی عدت پوری ہوجانے دو اور یہ روکنا یا چھوڑنا اس لیے نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور عورتوں کو ضرر دینے ان سے مال لینے ان کی عدت بڑھانے کے لیے ایسا کرو، اور جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے کہ اپنے نفس کو عذاب کے لیے پیش کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس و مجاہد و قتادہ و مسروق و ضحاک و حسن وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دیتے جب ان کی عدت گذرنے کے قریب ہوتی تو ان کو ضرر دینے کے لیے رجوع کرلیتے پھر طلاق دیتے پھر رجوع کرتے تا کہ ان کی عدت دراز ہوجائے اور وہ دوسرے سے نکاح نہ کرسکے، اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور اس پر وعید آئی۔ (ابن کثیر) اور فرمایا کہ اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ طلاق دے کر یا غلام آزاد کر کے کہہ دیتے تھے کہ ہم نے تو یوں ہی مذاق میں کہہ دیا تھا، مذاق میں طلاق دیدی تھی یا غلام آزاد کردیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے فرمایا جس نے قصداً یا مذاقاً طلاق دی یا غلام آزاد کیا یا نکاح کیا، کرایا وہ جائز ہوگیا۔ رواہ ابن ابی حاتم و اصلہ

مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ

تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ف۶۶ اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى

پورے دو برس اس کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے اور جس کا

حدیث ابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ "ثَلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ وفی روایۃ الحریۃ (ابن کثیر) آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اور اللہ نے جو تم پر احسان کیے ہیں انہیں یاد کرو کہ اسلام جیسا دین سب دینوں سے اعلیٰ اور اپنا حبیب جیسا نبی تمام نبیوں سے افضل تمہیں عطا فرمایا، اور یاد کرو جو تم پر کتاب وحکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو ان پر عمل کر کے میرا شکر ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اس پر کوئی بات کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔

تنبیہ: کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے یا احکام کتاب ہیں اور عورت کو ضرر دینے کے لیے روکنا اور اس پر تعدی کرنا حرام ہے، اور آیات اللہ ومسائل شرع کو ہنسی مذاق سمجھنا ان پر عمل نہ کرنا ان کے خلاف تاویلیں کرنا ممنوع وحرام ہے بلکہ شرع کی باتوں کی قصداً اہانت کرنا ان کا ہنسی مذاق اڑانا کفر ہے۔

(۶۶) شان نزول: اس کا معقل ابن یسار ہیں کہ ان کی بہن کو عبداللہ ابن عاصم نے طلاق دیدی تھی اور عدت گذر گئی تھی، بعد عدت عبداللہ نے پھر ان سے نکاح کرنا چاہا اور انہیں پیغام نکاح بھیجا انہوں نے منظور کیا مگر معقل نے ان سے کہا کہ میں ہرگز تم سے نکاح نہ ہونے دوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پس معقل نے عبداللہ کو بلا کر ان کے ساتھ بہن کا نکاح کر دیا (ابن کثیر) مطلب یہ ہے جب تم عورتوں کو طلاق دیدو ان کی میعاد وعدت پوری ہو جائے تو اے عورتوں کے والیو تم انہیں ان کے پہلے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ دونوں آپس میں موافق شرع بسر کرنے پر رضامند ہو جائیں، یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہو، یہ نہ روکنا تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور ان کے لیے بھی جنہیں زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہو، اور اللہ جانتا ہے اس کی مصلحتوں کو اور تم نہیں جانتے ہو پس تم اس کے حکم پر چلو اور جیسا کہ اس نے فرمایا ہے اس پر عمل کرو۔

تنبیہ: فلا تعضلوهن الخ میں اشارہ ہے کہ عورتوں کو اپنی مرضی سے نکاح کرنا جائز ہے اور خطاب اولیائے عورت کو ہے کہ وہ نکاح سے نہ روکیں، یا ان پہلے شوہروں کو ہے جو عورتوں کو بعد عدت نکاح کرنے سے جبراً روکتے تھے اور انہیں نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، یا خطاب ہر اس شخص کو ہے جو نکاح سے روکے۔ بہر حال عورتوں کو خود نکاح کر لینے کی اجازت اور انہیں نکاح کرنے سے روکنے کی ممانعت ہے۔ خواہ وہ پہلے شوہر سے نکاح کریں یا دوسرے مرد سے اور خواہ نکاح اول ہو یا ثانی، اور اولیا کا انہیں غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرنے سے روکنا اس میں داخل نہیں ہے کہ وہ حق اولیا ہے اگرچہ بلحاظ خصوص شان نزول آیت سے عورت کا شوہر اول سے دوبارہ نکاح کرنا مفہوم ہوتا ہے مگر بلحاظ عموم یہ سب باتیں اس سے مستفاد ہوتی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا شان نزول عام مروی ہے یعنی جو ایسا کرے اسے منع کیا گیا ہے جیسا کہ علی ابن طلحہ اور عوفی نے ان سے روایت کی ہے، اور مسروق وزہری وضحاک و ابراہیم نخعی کا اس کے موافق قول ہے (ابن کثیر) اور مدارک واحمدی میں ان میں سے بعض کی تصریح کی گئی ہے۔

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

اس پر عورتوں کا کھانا پہننا ہے حسب دستور
بچہ ہے کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا

اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق

مگر اس کے مقدور بھر، ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچے سے
اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچے اور نہ اولاد والا اپنی اولاد کو
اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے

مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں اور اگر تم چاہو کہ

تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ

دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ نہیں جب کہ جو دینا ٹھہرا تھا

اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بھلائی کے ساتھ انھیں ادا کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام

بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا

دیکھ رہا ہے۔ ف۶۷ اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ

يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ

چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں
تو جب ان کی عدت

(۶۷) چونکہ اس سے پہلے طلاق والی عورتوں کے احکام بیان ہوئے تھے اور ان کی گود میں دودھ پیتے بچے ہوتے تھے ان بچوں کے متعلق کوئی حکم نہیں کیا گیا تھا کہ کون انہیں دودھ پلائے اور کب تک پلائے اور کون انہیں پالے اور کون ان کا خرچ اٹھائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان سب باتوں کو بیان فرمایا، مطلب یہ ہے کہ اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے دو برس، اور یہ حکم اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہو اس پر عورتوں کا روٹی، کپڑا موافق دستور شہر کے لازم ہے جب کہ وہ مطلقہ ہوں، کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر، ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے کہ اسے دودھ پلانے کے لیے مجبور کیا جائے، یا اس سے بچہ علاحدہ کرلیا جائے، اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے ضرر دیا جائے کہ اس کی طاقت سے زیادہ خرچ طلب کیا جائے، اور جو باپ کا قائم مقام ہو اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے، یعنی اس پر بھی بچہ کی ماں کو روٹی کپڑا دینا اور ضرر نہ دینا واجب ہے اگر بچہ کا باپ مرگیا ہو، پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کے مشورہ سے قبل دو سال کے کسی مصلحت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں اور جو تم دائیوں سے دودھ پلوانا چاہو تو بھی تم پر اس میں مضائقہ نہیں ہے جب کہ ٹھہری ہوئی اجرت بھلائی کے ساتھ انہیں ادا کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ

پوری ہوجائے تو اے والیو! تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملے میں

بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

موافق شرع کریں اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ اور تم پر گناہ نہیں

فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ

اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں

فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا

چھپا رکھو اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے ہاں ان سے

تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا

خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور

تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا

نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ

تنبیہ: یرضعن خبر بمعنی امر ہے اور امر برائے ندب ہے یا برائے وجوب ہے جب کہ بچہ دوسری عورت کا دودھ نہ پئے، یا دودھ پلانے والی عورت نہ ملے، یا باپ اجرت دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور والدات سے مائیں مراد ہیں یا مطلقہ عورتیں مراد ہیں انہیں دودھ پلانے کا روٹی کپڑا دینا لازم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ باپ پر بچہ کو دودھ پلوانا واجب ہے ماں پر واجب نہیں، اگر وہ خوشی سے دودھ پلانے پر راضی ہو تو اچھا ہے ورنہ اس پر جبر نہ کیا جائے گا، باپ دودھ پلائی رکھ کر یا مطلقہ کو اجرت دے کر دودھ پلوائے کہ وہ احق ہے۔ اور حولین کاملین سے مدت رضاعت کا بتانا مقصود ہے کہ وہ پورے دوسال ہے جیسا کہ ابو یوسف و امام محمد وغیرہ کا مذہب ہے، مگر امام اعظم کے نزدیک مدتِ رضاعت ڈھائی سال ہے وحمله وفصاله ثلثين شهراً۔ اور ماں باپ کی طرف اضافت کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ماں باپ بچہ پر مہر و شفقت کریں، اسے تکلیف نہ دیں، اور لمن اراد میں اشارہ ہے کہ دو سال سے کم دودھ پلانا بھی روا ہے جب کہ بچہ کو ماں کا دودھ نقصان دیتا ہو یا اسے دودھ پینے کی حاجت نہ رہی ہو۔

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ

بخشنے والا حلم والا ہے۔ ف۶۸ تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو جب تک

تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ

تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا کوئی مہر مقرر کرلیا ہو اور ان کو کچھ برتنے کو دو مقدور والے پر

قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

اس کے لائق اور تنگ دست پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کی چیز، یہ واجب ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ

بھلائی والوں پر اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور

فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ

ان کے لیے کچھ مہر مقرر کرچکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑدیں یا

(۶۸) چونکہ عدت دو طرح کی ہوتی تھی۔ عدتِ طلاق و عدت وفات، لہٰذا پہلی قسم کو معہ اس کے حکم کے گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا اور دوسری قسم کو معہ اس کے احکام کے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اور تم میں سے جو لوگ مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ بیویاں چار مہینہ دس دن اپنے آپ کو باہر نکلنے، زینت کرنے سے روکے رہیں۔ تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر مواخذہ نہیں ہے اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملے میں موافق شرع کے کریں، یعنی زینت اور نکاح کی بات چیت، اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ اور اے مردو! تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں کہ پردے کے اندر یعنی در پردہ تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو نہ صاف طور سے، مثلاً ان سے یوں کہو، تم بہت خوبصورت ہو، تم بہت اچھی ہو، تمہاری مثل دوسری نہیں ہے کہ ایسے الفاظ اس کے سامنے کہنے میں اظہار مقصد بھی ہے اور صاف طور سے ذکر بھی نہیں ہے، یا اپنے دل میں قصد نکاح کو چھپا رکھو اللہ جانتا ہے کہ تم ان کی یاد کرو گے انہیں بغیر پیام نکاح دیئے نہ رہو گے، اس لیے یہ تعریض تمہارے لیے مباح کردی۔ لیکن ان سے خفیہ وعدہ نکاح نہ کر رکھو مگر اتنی ہی بات کہو جو شرع نے بتائی ہے، یعنی تعریض نکاح، اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو یعنی ان سے نکاح نہ کرو یا ان سے نکاح کا پکا وعدہ نہ لو جب تک کہ لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچے، یعنی ان کی عدت ختم نہ ہو جائے، اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی بات جانتا ہے پس تم اپنے عزم و ارادہ میں اس سے ڈرو کہ وہ سزا دے گا اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

تنبیہ: عدت وفات کے اندر صراحۃً پیغام نکاح دینا حرام ہے اور معتدہ رجعیہ کو سوائے اس کے شوہر کے دوسرے کو صراحۃً یا تعریضاً پیام دینا حرام ہے اور عدت کے اندر کسی معتدہ سے نکاح کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے، اور یہ چار مہینے دس دن عدت ان عورتوں کے لیے ہے جو وقت وفات شوہر حاملہ نہ ہوں، اور جو حاملہ ہوں تو ان کی عدت وضع حمل ہے جس کو دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے اور حدیث مسلم و بخاری میں آیا ہے۔ اور بالمعروف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ خلاف شرع کریں تو ان کے اولیاء کو انہیں روکنا اور منع کرنا لازم ہے ورنہ وہ گنہگار ہوں گے، اور عدت وفات عورتوں پر واجب ہے خواہ مرد نے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو کہ عموم آیت اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو جس کا شوہر بلا وطی کیے مر گیا تھا عدت وفات پوری کرنے کا حکم فرمایا، اس پر ایک شخص نے شہادت دی تھی کہ حضور نے بھی فلاں عورت کو ایسا ہی حکم فرمایا تھا (رواہ احمد) اور عدت وفات میں عورت کو سوگ کرنا یعنی بناؤ

يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا

وہ زیادہ دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اے مردو! تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور

تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا

آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ف۱۹ نگہبانی کرو

عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ

سب نمازوں اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے پھر اگر

خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے پھر جب اطمینان سے ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسا

سنگار نہ کرنا چاہیے اور سرمہ مسّی، مہندی، تیل پھلیل خوشبو وغیرہ اشیائے تزئین ترک کرنا واجب ہے مگر بضرورت جائز ہے جیسے گھر سے نکلنا، باقی مسائل عدت وسوگ کتب فقہ میں دیکھیے۔

(۶۹) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک عورت بنی حنفیہ سے بلا مہر مقرر کیے نکاح کیا پھر اسے قبل صحبت کے طلاق دیدی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے اس سے فرمایا اسے متعہ دے اگر چہ تیری ٹوپی ہو یعنی قلیل ہو (معالم) چونکہ گزشتہ آیات میں نکاح وطلاق کے احکام بیان کیے گئے تھے اور مہر لوازمات نکاح وطلاق سے تھا اس میں چار صورتیں درپیش ہوتی تھیں (اول) یہ کہ نکاح کے وقت کچھ مہر مقرر کیا ہو اور عورت سے صحبت کی ہو پھر اسے طلاق دی ہو اس میں کل مہر وعدت واجب ہے، (دوسرے) یہ کہ مقرر نہ کیا ہو اور نہ صحبت کی ہو اور طلاق دی ہو اس میں مہر وعدت واجب نہیں متعہ واجب ہے (تیسرے) یہ کہ مہر مقرر کیا ہو مگر صحبت نہ کی ہو اس میں آدھا مہر واجب ہے اور عدت نہیں (چوتھے) یہ کہ مہر مقرر نہ کیا ہو اور صحبت کی ہو پھر طلاق دی ہو اس میں مہر مثل وعدت واجب ہوگی۔ پہلی صورت کا بیان ضمناً گذر چکا اور دوسری اور تیسری صورت کا بیان اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ اور چوتھی صورت کا بیان آیت: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ میں کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں کے ساتھ تم نے نکاح کے بعد نہ صحبت کی ہو نہ خلوت کی ہو اور نہ وقت نکاح ان کا کچھ مہر مقرر کیا ہو، اگر تم انہیں طلاق دو تو تم پر کوئی مطالبہ یا کوئی گناہ نہیں ہے ہاں امیر اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے موافق حسب دستور شہرا سے کچھ ... تنے کو دے، یہ بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے جو نصف مہر سے زیادہ نہ ہو، اور وہ شرعاً کم سے کم ایک جوڑے کپڑے ہیں، اور جو تم نے قبل خلوت کیے انہیں طلاق دی اور ان کا مہر مقرر کر چکے تھے، تو جس قدر مہر ٹھہرا تھا اس کا آدھا عورت کو دینا واجب ہے۔ ہاں اگر یہ عورتیں اس میں سے کچھ چھوڑیں یا بالکل نہ لیں یا مرد انہیں نصف سے زیادہ یا کل دے تو روا ہے، اور اے مردو! تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے احسان کو نہ بھلا دو بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے پس اس کی جزا تمہیں دے گا۔

تنبیہ: ﴿بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ [البقرة: ۲۳۷] سے شوہر مراد ہے۔ طبرانی کی حدیث میں بھی یہی ہے اور یہی اس کی تفسیر میں حضرت علی وابن عباس اور سعید ابن مسیب اور ابن جبیر وغیرہ اکابر صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

اس نے سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔ ف۷۰ اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں

اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

وہ اپنی عورتوں کے لیے وصیت کرجائیں سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی بے نکالے

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انھوں نے اپنے معاملہ میں مناسب

مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

طور پر کیا، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور طلاق والیوں کے لیے بھی مناسب طور پر نان و نفقہ ہے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں کہ کہیں تمھیں

(۷۰) بعض مفسرین نے اس آیت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ لوگ عصر کی نماز میں دیر کرتے تھے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوجاتا، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ مسلمان اہل کتاب کی طرح نماز میں اشارہ اور باتیں کیا کرتے تھے، اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی (ذکرہ فی بیان السبحان) مطلب یہ ہے کہ تم سب نمازوں کی حفاظت ونگہبانی کرو اور بیچ کی نماز کی، اس طرح کہ ان کو ہمیشہ ان کے وقت میں مع ان کے شرائط وفرائض وواجبات وسنن ومستحبات کے ادا کرو جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے۔ حضور سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا یعنی وقت مستحب پر (آگے فرمایا) اور اللہ کے حضور ادب سے چپکے کھڑے ہو نماز پڑھتے میں بات چیت نہ کرو، جیسا کہ بخاری کی حدیث زید بن ارقم سے ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور ہمیں سکوت کا حکم کیا گیا اور کلام کرنے سے منع کیا گیا۔ اور معاویہ ابن الحکم نے جب نماز میں کلام کیا تو حضور نے ان سے منع فرمایا کہ یہ نماز جس میں باتیں کرنا روا نہیں ہیں بلکہ یہ صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر الٰہی ہے (مسلم) اور جب حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ سے لوٹ کر نماز پڑھتے میں حضور کو سلام کیا تو حضور نے جواب نہ دیا اور بعد نماز جواب دیکر فرمایا: اللہ نے نماز میں کلام کرنے کو منع فرمایا ہے (اس لیے میں نے جواب نہ دیا (آگے ارشاد ہوتا ہے) پھر اگر تم خوف میں ہو، یعنی دشمن وغیرہ کا تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار جس طرح بن پڑے نماز پڑھو، ٹھہر کر چلتے میں ہو، کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، اشارہ سے، قبلہ رخ وغیر قبلہ رخ، پھر جب خوف جاتا رہے اطمینان ہوجائے تو اللہ کی یاد کرو، نماز پڑھو جیسا اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

تنبیہ: یہ صلوٰۃ خوف کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے باقی کا بیان سورۂ نساء میں ہے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چلتے میں اور لڑتے میں نہ پڑھے جب ٹھہرنا میسر ہو تو پڑھے۔

تنبیہ: صلوٰۃ وسطیٰ میں اختلاف ہے کہ وہ کون سی ہے کہ ہر نماز وسطیٰ ہوسکتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ نماز عصر ہے کہ حضور نے یوم الاحزاب اس کے فوت ہوجانے پر کفار کے لیے ہلاکت کی دعا کی اور فرمایا، انہوں نے ہمیں بیچ کی نماز عصر سے مشغول کیا اللہ ان کے گھر والوں کو آگ سے بھردے، اور فرمایا: یہ وہ نماز ہے جس سے سلیمان (علیہ السلام) مشغول ہوئے یہاں تک کہ آفتاب چھپ گیا۔ اور مصحف حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں والصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر آیا ہے، اور اس لیے کہ وہ دن اور رات کی نمازوں کے بیچ میں ہے، یہی

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ

سمجھ ہو۔ اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا انھیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ

اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ

ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا مرجاؤ پھر انھیں زندہ فرمادیا، بے شک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ

اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ ہے کوئی

قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور اکثر علماء نے اسے اختیار کیا اور صحیح کہا ہے (مدارک) اور ابن کثیر نے بہت طریقوں سے اختیار کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نمازِ عصر ہے، اور حضرت حفصہ کے مصحف میں ہونے کی حدیث بھی انہوں نے کئی طریقوں سے ذکر کی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے غلام یونس سے اپنے مصحف میں صلوٰۃ وسطیٰ کے بعد وصلوٰۃ العصر لکھوایا اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یونہی سنا ہے، پھر یہ قراءت منسوخ ہوگئی کما فی روایۃ لمسلم۔ اور مصحف عثمان میں اس کا ذکر نہ کیا گیا اور نہ قراءت سبعہ میں سے کسی سے نقل ہوا اور نہ نقل متواتر سے ثابت ہوا، پس وہ لفظ قرآن میں داخل نہیں ہے اور نماز عصر کی حفاظت کرنے کی تاکید میں چند احادیث ذکر کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ جس نے نماز عصر فوت کی گویا اس نے اپنے اہل وعیال و مال کو چھوڑ دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بادل کے روز خفیہ نماز پڑھو کہ جس نے عصر ترک کی اس کے تمام عمل اکارت ہوئے۔ تیسری میں ہے کہ یہ نماز تم سے پہلوں پر پیش کی گئی تھی انہوں نے اسے ضائع کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ جس نے اسے ادا کیا اس کو دو چند ثواب ملے گا، اور امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک نماز صبح ہے، اور بعض نے اس سے ظہر کی نماز مراد لی ہے، اور بعض نے مغرب وعشا کی نماز مراد لی ہے، اور بعض نے نماز جُمُعہ مراد لی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کو اور نمازوں سے علاحدہ ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہ سب نمازوں میں اہم اور ثواب میں سب سے زیادہ ہے کہ اس وقت رات دن کے فرشتے جمع ہوتے کما فی الحدیث اور وہ لوگوں کے کاموں میں مشغول ہونے کا وقت ہے اس نماز کا خیال نہیں رہتا ہے اکثر ناوقت پڑھی جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ وتاکید فرمائی اور اسے کھول کر بیان نہیں فرمایا تاکہ لوگ سب نمازوں کی محافظت وادا کرنے کی کوشش اور اسے تلاش کریں جیسا کہ لیلۃ القدر اور ساعت اجابت یوم جُمُعہ واسم اعظم کو مبہم رکھا ہے کہ لوگ ان کے تلاش کرنے میں کوشش کریں اور قوموا سے نماز میں قیام فرض ہونے کا ثبوت ہے، اور احکام نکاح وطلاق کے درمیان ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ نکاح وطلاق وعدت دنیاوی مشغولات ہیں اور نماز وروزہ وغیرہ اخروی ہیں، دنیوی مشغولات میں پڑ کر آدمی اخروی کاموں کو جو باعث نجات ہیں نہ بھول جائے اور ان سے غفلت نہ کرے۔

(۱۷) شان نزول: اس کا معالم وسراج میں اس طرح لکھا ہے کہ حکم ابن حارث جب طائف سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو ان کے ساتھ ان کے بی بی، بچے اور ماں باپ بھی تھے۔ مدینے میں آکر ان کا انتقال ہوا تو حضور نے ان کا ترکہ والدین اور اولاد کو تقسیم کردیا، بی بی کو کچھ نہ دیا اور اولاد کو حکم دیا کہ ان کے شوہر کے ترکہ میں سے ایک سال کا نفقہ اور رہنے کو جگہ دیدیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ: اور تم میں جو لوگ مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لیے سال بھر تک نان نفقہ دینے کی

ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا

جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لیے بہت گنا

كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

بڑھا دے اور اللہ تنگی اور کشائش کرتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پھر جانا۔ ۷۳ اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا

الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ

بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا جب اپنے ایک پیغمبر سے بولے

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ

ہمارے لیے کھڑا کردو ایک بادشاہ کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں، نبی نے فرمایا: کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ

وصیت کر جائیں بغیر نکالے ہوئے، یعنی انہیں سال بھر تک گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اے اولیائے میت اس کا مواخذہ نہیں ہے جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر موافق شرع کے کیا، یعنی سوگ کرنا، نفقہ چھوڑنا، زینت اختیار کرنا، گھر سے نکلنا وغیرہ اور طلاق والیوں کے لیے بھی مناسب طور سے نان نفقہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں کہ کہیں تمہیں سمجھ ہو۔

تنبیہ: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کی عورت کو اس کے ترکہ میں سے سوائے ایک سال کے نان نفقہ اور رہنے کی جگہ کے کچھ نہ دیا جاتا تھا، اور اسے اختیار تھا کہ وہ سال عدت کا شوہر کے گھر میں گذارے یا دوسری جگہ چلی جائے۔ چلے جانے کی صورت میں اس کا نان نفقہ ساقط ہوجاتا تھا، اسی کو آیت میں بیان فرمایا گیا ہے، پھر حکم منسوخ فرمایا گیا۔ ایک سال کے نان ونفقہ کا حکم تو آیت میراث سے منسوخ ہوا اور ایک سال عدت کا حکم آیت: ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ [البقرۃ:۲۳۴] سے منسوخ ہوا۔ یہی جمہور مفسرین متقدمین ومتاخرین کا مختار ہے اور یہ آیت مکرر نہیں ہے بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے بلکہ پہلی آیت غیر ممسوسہ کے متعلق تھی اور یہ ممسوسہ وغیر ممسوسہ دونوں کو شامل ہے اور اس میں مطلقات کو بھی نفقہ دینے کا حکم ہے۔ پہلی آیت کے نزول کے بعد جب ایک شخص نے کہا کہ ہم چاہیں احسان کریں یا نہ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) اور متاع سے یہاں مراد نان ونفقہ ہے نہ متعہ جس کا پہلے ذکر ہوا، اور بعض کے نزدیک یہاں بھی متعہ ہے تو امام شافعی کے نزدیک واجب ہوگا اور ہمارے نزدیک مستحب ہوگا اور ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ﴾ سے قریب المرگ لوگ مراد ہیں کہ مرے ہوئے شخص سے وصیت غیر متصور۔

(۷۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے اور آمادہ کرنے اور مرنے کا خوف ان کے دل سے نکالنے اور سننے والوں کو تعجب میں ڈالنے کے لیے بنی اسرائیل کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کی ایک بستی میں طاعون پھیلا، ہزاروں آدمی بھاگ کر جنگلوں میں جا کر بسے مگر موت نے وہاں بھی انہیں نہیں چھوڑا اور خدا کے حکم سے ایک دم سب مرگئے اور گل سڑ گئے صرف ہڈیاں پڑی رہ گئیں، ایک زمانہ کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان پر گزر ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تیسرے خلیفہ تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے انہیں زندہ کرنے کی دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سے سب کو زندہ کردیا۔ مدتوں وہ زندہ رہے مگر موت کا اثر ان کے بدنوں سے زائل نہ ہوا جو کپڑا پہنتے تھے وہ کفن ہوجاتا تھا پھر وہ اپنی اپنی موت کے وقت مرے اور انہیں یقین ہوگیا کہ خدا ہی مارتا ہے اور خدا ہی جلاتا اور زندہ رکھتا ہے، تو ایسا ہی مجاہدین کو بھی یقین رکھنا چاہیے اور موت کے خوف سے جہاد سے پیٹھ پھیرنا نہ چاہیے کہ موت

سے مفر نہیں، اور جہاد میں مرنا دیسے مرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ موت کے وقت افسوس کرتے تھے کہ میں نے عمر بھر جہاد کیا اور جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس میں ضرب نہ آئی ہو، اب بستر پر مرتا ہوں۔ اس قصہ کو ارباب تفاسیر و تواریخ نے بالفاظ مختلفہ بہت طول طویل لکھا ہے، فقیر نے اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے تھے تو ان سے اللہ نے فرمایا مر جاؤ پس وہ مر گئے، پھر انہیں اُن کے نبی حزقیل کی دعا سے زندہ فرمایا، بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر ناشکرے ہیں۔ چوں کہ اس قصے کے ذکر سے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنا اور ترغیب مقصود تھی اس لیے اس کے بعد فرمایا اور لڑو اللہ کی راہ میں اس کے دین کو بلند کرنے کے لیے اور جان لو کہ اللہ تمہاری باتیں سنتا ہے تمہارے حالات جانتا ہے اس کی تمہیں جزا دے گا۔ ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے یعنی اس کی راہ میں جہاد وغیرہ میں بخوشی خرچ کرے تو اللہ اس کے لیے بہت گنا بڑھا دے، دس گنے سے سات سو گنے تک بلکہ اس سے زیادہ اور اللہ تنگی کرتا ہے جس کے رزق میں چاہتا ہے اور کشائش کرتا ہے جس کے رزق میں چاہتا ہے آزمائش کے لیے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے آخرت میں، پس وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب آیت ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ الخ﴾ [البقرة:۲۶۱] نازل ہوئی تو حضور نے ربّ زدنی امتی فرمایا تو آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ﴾ الخ [البقرة:۲۴۵] نازل ہوئی تب پھر حضور نے فرمایا رب زدنی امتی تو آیت ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [زمر:۱۰] نازل ہوئی۔ امام احمد وغیرہ کی روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حسنہ کو دو لاکھ گنا بڑھاتا ہے، سدی کہتے ہیں کہ اس کا اندازہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اور کعب احبار سے مروی ہے کہ اللہ کے ثواب دینے کی مقدار سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ آیت پڑھی اور فرمایا اضعافًا كَثِيْرَةً کو کون شمار کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو وحداح نے حضور سے عرض کیا ''کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے'' فرمایا: 'ہاں' عرض کی مجھے اپنا ہاتھ دیجیے، حضور نے ہاتھ ان کی طرف بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر عرض کیا ''میں نے اپنے رب کو اپنا احاطہ قرض دیا''، جس میں چھ سو درخت کھجور کے تھے اور اس میں ان کے بال بچے رہا کرتے تھے، پھر اپنی بیوی کو آواز دے کر کہا کہ اس میں سے نکل آؤ وہ میں نے اپنے رب کو قرض دیدیا (سراج وابن کثیر)۔

تنبیہ: وَهُمْ أُلُوْفٌ کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ چار ہزار تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے اور انہیں سے آٹھ ہزار بھی مروی ہیں۔ بعض نے نو ہزار بعض نے دس ہزار بعض نے تیس بعض نے چالیس بعض نے ستر ہزار بیان کیے ہیں، اور قرض حسن سے مراد یہاں جہاد میں خرچ کرنا ہے کہ پہلے جہاد کا حکم فرمایا اور جہاد کے لیے خرچ چاہیے تھا تو مال خرچ کرنے کے لیے فرمایا گیا تاکہ سامان جہاد اس سے فراہم کیا جائے، اور اس قصہ میں عبرت ہے اور دلیل قاطع ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی مردوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا اور موت سے کہیں مفر نہیں ہے اور طاعون وغیرہ وباء سے بھاگنا اور جہاں وبا ہو وہاں جانا گناہ ہے، آدمی کو اللہ کی تقدیر پر صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ صحیح احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے جن کو بخاری و مسلم وامام احمد نے روایت کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: طاعون سے بھاگنے والا کفار سے لڑائی میں بھاگنے والے کی مانند ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام کو جا رہے تھے راہ میں معلوم ہوا کہ وہاں وبا پھیلی ہے بس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی جگہ وبا پھیلی ہوئی سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، وہاں پھیلے تو اس سے نہ بھاگو پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوٹ آئے (بغوی بسندہ)

تنبیہ: الم تر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے اسی کو حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار کیا ہے اور رویت سے بصیرت قلبی یعنی علم مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب اگلے پچھلوں کا علم عطا فرمایا تھا اس کے بعد ایسے خطابات فرمائے ورنہ صحت خطاب میں تاویلات بعیدہ اختیار کرنا ہوں گی۔ قریب کی راہ چھوڑ کر راہِ بعید اختیار کرنا عقل سے بعید

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ

تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ

راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے تو پھر جب ان پر

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں کے تھوڑے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ ۷۳

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے بولے

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ

اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور [ہم] اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے

ہے۔ واللہ الہادی من یشاء۔

(۷۳) یہ قصہ بھی مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کے لیے بیان کیا گیا ہے، اس میں عبرت بھی ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنے، دشمن کی کثرت اور شان وشوکت پر نظر نہ کرنے، ان سے مرعوب نہ ہونے کی ہدایت بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محبوب کیا تم نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا جب کہ وہ اپنے ایک پیغمبر سے بولے (جن کا نام بقول مجاہد وعمر ابن اسحاق شمویل اور بقول سدی شمعون تھا، اور وہ لاوی ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے، چونکہ لاوی کی نسل میں بعد غلبہ عمالقہ سوائے ایک حاملہ عورت کے کوئی باقی نہ رہا تھا، بنی اسرائیل اس کی بہت حفاظت کرتے تھے، اس امید پر کہ اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہو اور ہماری گئی ہوئی عزت ووجاہت کو واپس کرے اور وہ عورت بھی دعا کرتی تھی، چنانچہ اس عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور اس نے بہت اچھی تربیت پائی اور بعد بلوغ اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت عطا فرمائی، یہی وہ نبی علیہ السلام ہیں جن کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے، ان سے بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ بناؤ جس کے ساتھ ہم خدا کی راہ میں لڑیں اور وہ ہمارا انتظام کرے۔ اور یہ درخواست اس بنا پر کی تھی کہ بنی اسرائیل میں ہمیشہ یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں بادشاہ ہوا کرتا تھا اور لاوی ابن یعقوب کی اولاد میں نبی ہوا کرتا تھا اور بادشاہ کا تقرر نبی کرتا تھا اور وہ نبی کا فرماں بردار رہتا تھا، اور جس کو نبی بادشاہ بنا دیتا تھا اسے سب لوگ تسلیم کرتے تھے، ایک ہی آدمی نبی اور بادشاہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ جب انہوں نے نبی علیہ السلام سے بادشاہ بنانے کی درخواست کی تو نبی علیہ السلام نے ان سے منع فرمایا کہ تمہارا انداز ایسا ہے کہ اگر تم پر جہاد لازم کیا جائے تو تم نہ لڑو گے، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے وطن اپنی اولاد سے نکالے گئے ہیں، یعنی جالوت شاہ عمالقہ نے ہمیں قتل وغارت، ذلیل وخوار کیا ہے اور گرفتار کر کے لے گیا ہے، ایسی حالت میں ہمیں لڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو وہ منہ پھیر گئے جہاد سے بزدل ہو کر بیٹھ رہے، مگر ان میں کے تھوڑے سے اپنے قول پر جمے رہے اور وہ تین سو تیرہ تھے موافق اعداد اصحاب بدر جو طالوت کے ساتھ دریا عبور کر گئے تھے، اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو یعنی جہاد سے بزدل ہو کر بیٹھ رہنے والوں کو۔

يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ

مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی فرمایا: اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے

بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ

اور اللہ وسعت والا علم والا ہے ف۷۴ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ

يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکے کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بے شک اس میں بڑی نشانی ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ

تمہارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو۔ ف۷۵ پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بولا

(۷۴) جب بنی اسرائیل نے حضرت شمویل سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی اور اس کے ساتھ جہاد کرنے کی رغبت ظاہر کی تو حضرت شمویل بادشاہ کی تلاش میں نکلے۔ انہیں حکم الٰہی ہوا کہ تمہیں جو شخص تمہاری لکڑی کی برابر قد میں ملے اسے بادشاہ مقرر کرو۔ چنانچہ انہیں ایک ایسا آدمی ملا جس کا نام طالوت تھا اور وہ موچی یا سقہ یا چرواہا تھا جو بہت تندرست اور قوی الجثہ اور سب بنی اسرائیل سے زیادہ علم والا تھا، تو ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: اور بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے، تو وہ بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی کہ وہ نہ یہودا کی اولاد سے ہے اور نہ لاوی کی نسل سے ہے اور نہ اس کے پاس مال و دولت ہے جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کو اپنا کرے اور مہمات ملکی انجام دے۔ ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں، تو ان سے ان کے نبی نے فرمایا: اسے اللہ نے بادشاہت کے لیے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم میں اور جسم میں کشادگی زیادہ دی ہے اور یہی دونوں باتیں بادشاہ میں ہونا ضروری ہیں اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے، جیسے تمہیں فرعون سے ملک دلایا اور فقیر سے غنی بنایا، تمہیں اس میں دخل دینے اور اعتراض کرنے کا کیا مجاز ہے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے یعنی اس کا فضل وسیع ہے اور علم کامل ہے ذرا دیر میں اپنے فضل سے فقیر کو غنی کر دیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو بادشاہت کے لائق ہے اور جو نالائق ہے شرافت نسبی اور مال و دولت کی اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۷۵) جب شمویل علیہ السلام نے ان کے اعتراضوں کا معقول جواب دیا تو کہنے لگے، اس کا کیا ثبوت ہے کہ اللہ نے اسے بادشاہ بنایا ہے تو ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا: اس کی بادشاہی کی یہ نشانی اور ثبوت ہے کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے دلوں کا چین اور سکون ہے اور جس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی کچھ چھوڑی ہوئی چیزیں ہیں جسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ بیشک اس میں میری سچائی اور طالوت کی بادشاہت پر تمہارے لیے بڑی نشانی اور ثبوت ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اس پر وہ راضی ہوئے اور فرشتے بحکم الٰہی اس تابوت کو لے کر آئے اور طالوت کے سامنے لا کر رکھ دیا، یہ سب معاملہ بنی اسرائیل

إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پیے وہ میرا نہیں اور جو

لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ

نہ پیے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے

فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ

تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے پھر جب طالوت

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ

اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت

وَجُنُوْدِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ

اور اس کے لشکروں کی، بولے وہ جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا

فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ

کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ کے حکم سے اور اللہ

دیکھ رہے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کے راضی ہونے کے بعد طالوت تلاش تابوت میں نکلے تو انہیں فرشتے تابوت کو ایک چھکڑے پرلادے ہوئے ملے اور ان کے حوالے کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب عمالقہ تابوت لے گئے تو انہیں راست نہ آیا، جہاں رکھا وہاں کوئی نہ کوئی مصیبت پیش ہوئی تو قیدیوں میں سے ایک عورت نے ان سے کہا کہ جب تک اسے واپس نہ کرو گے یہی مصیبتیں پیش رہیں گی اور اسی کی وجہ سے بنی اسرائیل مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ پس انہوں نے تابوت کو ایک گاڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کی طرف ہانک دیا۔ راہ میں فرشتوں نے اس پر قبضہ کیا اور اسے طالوت کے سامنے لا کر رکھ دیا تو سب نے یقین کیا اور ان کی بادشاہت تسلیم کی۔

تنبیہ: تابوت سے وہ صندوق مراد ہے جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اس میں انبیاء علیہم السلام کی صورتیں تھیں اور وہ ان سے منتقل ہوتا ہوا موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تھا، اس میں توریت کی تختیوں کے ٹکڑے اور ایک پیمانہ (من) اور کپڑے اور جوتا اور عصائے موسیٰ، جبہ یا عمامہ ہارون علیہما السلام بھی تھا۔ اس کی برکت سے بنی اسرائیل چین و آرام سے رہتے تھے، اپنے دشمنوں پر ہمیشہ غالب ہوتے تھے اور اسے تابوت سکینہ کہتے تھے، آیت میں اسے سکینہ فرمایا گیا ہے، وہ صندوق شمشاد کی لکڑی کا سونا منڈھا ہوا تین گز اور دو گز کا تھا، جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمایا اور قوم عمالقہ کو جو ان کی سب سے بڑی دشمن تھی اور وہ بحر روم کے کنارے مصر و فلسطین کے درمیان رہتی تھی ان کا بادشاہ جالوت تھا وہ بنی اسرائیل پر غالب آیا اور انہیں قتل و غارت کیا اور ان کے مردوں عورتوں کو گرفتار کر کے اور وہ تابوت ان سے چھین کر لے گیا جن میں چار سو چالیس شہزادیاں تھیں ان پر بڑی بڑی تکلیفیں دیں اور ذلیل و رسوا کیا اور ان پر جزیہ مقرر کیا۔

تنبیہ: آیت سے ظاہر ہے کہ بزرگان دین انبیاء اولیاء و صالحین کی استعمال کی ہوئی بچی ہوئی چیزیں تبرک ہوتی ہیں، ان سے برکت حاصل کی جائے ان کی عظمت اور توقیر کی جائے۔ وہابیہ ایسی چیزوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں کرتے ہیں کہ ان کی قدر و منزلت کرنے

مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا

صابروں کے ساتھ ہے ف۷۶ پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے، عرض کی

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی

اے رب ہمارے! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے پاؤں جمے رکھ اور کافر لوگوں پر

الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ

ہماری مدد کر۔ تو انھوں نے ان کو بھگا دیا اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے

جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ ؕ

جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا ف۷۷

انہیں متبرک سمجھنے سے لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ کی تعظیم جاگزیں ہوتی ہے اور تعظیم غیر اللہ ان کے نزدیک شرک ہے۔ وما ھو الّا الضّلال.

(۷۶) جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہت قبول کرلی اور اس کے ساتھ جہاد کرنے پر آمادہ ہوگئے تو طالوت نے ان میں سے ستر یا اسی جوان چھانٹے اور انہیں بیت المقدس سے لے کر چلا، وہ سخت گرمی کا زمانہ تھا اور پانی کی قلت تھی لوگوں کو شدت کی پیاس لگی تھی تو انہوں نے طالوت سے پانی مہیا کرنے نہر جاری کرنے کو کہا تو نبی علیہ السلام نے ان سے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جو اُردن اور فلسطین کے درمیان ہے تا کہ تم میں فرماں بردار اور نافرمان معلوم ہوجائے، تو جو شخص تم میں سے نہر کا پانی پئے گا وہ میرا نہیں ہے یعنی میرے تابعداروں میں سے نہیں ہے، اور جو اس کا پانی نہیں پئے گا وہ میرا ہے یعنی میرے تابعداروں میں سے ہے۔ مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے اور اس پر قناعت کرلے اس سے زیادہ لے کر نہ پئے، یہ ان کے لیے رخصت تھی۔ پس جب وہ نہر پر پہنچے تو سب نے اس نہر سے پانی خوب پیا مگر ان میں سے تھوڑوں نے نہ پیا صرف ایک چلو پر اکتفا کیا، خدا کی قدرت سے وہ ایک چلو پانی ان کے اور ان کے جانوروں کے لیے کافی ہوا اور سب کی پیاس بجھ گئی تسکین ہوگئی اور نہر سے اتر گئے تعداد ان کی تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی، موافق عدد اصحاب بدر کہ بغوی نے اسی کو صحیح کہا ہے اور اسی کی تائید حضرت براء کی روایت سے ہے، جو بخاری میں ہے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب لوط کے برابر تھی اور تین سو تیرہ بھی روایت کئے گئے ہیں۔ مگر سیر ہوکر پانی پینے والوں کی پیاس نہ بجھی بلکہ بڑھ گئی اور ان کے ہونٹ سیاہ ہوگئے اور نہر کے کنارے پڑے رہے (سراج) پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے تو ان لوگ جنہوں نے خوب پانی پیا تھا، بولے، آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے تو ان سے وہ ابھارنے کے لیے وہ لوگ بولے جنہیں آخرت میں اللہ سے ملنے کا یقین تھا اور جنہوں نے ایک چلو پانی پر صبر کیا تھا، کہ بارہا کم جماعت زیادہ گروہ پر غالب آئی ہے خدا کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے ان کی مدد کرتا اور انہیں فتح دیتا ہے دشمن کی کثرت کی پرواہ نہ کرنا چاہیے، خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے مگر انہوں نے نہ مانی اور طالوت کے ساتھ نہ گئے۔

(۷۷) جب طالوت کے ساتھ قلیل جماعت رہ گئی اور کثیر جدا ہوگئی تو طالوت اس قلیل جماعت کو لیکر جالوت کے مقابلے میں آیا جس کو اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ پھر جب سامنے آئے طالوت جالوت اور اس کے لشکر کے اور صف بندی کی اور لڑنے کے لیے تیار ہوئے تو اللہ سے عرض کی اے رب ہمارے، ہم پر صبر نازل فرما اور ہمارے پاؤں جمے رکھ کہ کافروں کے سامنے سے ہٹنے نہ پائیں اور کافروں پر ہماری مدد کر۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی پس انہوں نے کفار کو بھگا دیا اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ

تو ضرور زمین تباہ ہوجائے مگر اللہ سارے جہان پر

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ

فضل کرنے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں

اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ

کہ ہم اے محبوب! تم پر ٹھیک ٹھیک

بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ

پڑھتے ہیں اور تم بے شک

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

رسولوں میں ہو ۷۸

نے داؤد کو سلطنت وحکمت یعنی نبوت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا، یعنی ذرہ بنانا، جانوروں کی بولی سمجھنا، ان کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا، خوش گلوئی اور شیریں آواز عطا ہونا جس کو سن کر وحشی جانور اور پرند مست ہوجاتے اور ان کے گرداگرد جمع ہوجاتے، اور جاری پانی اور چلتی ہوا رک جاتی تھی، آج تک لحن داؤدی مشہور ہے۔ (سراج)۔

تنبیہ: واقعہ یہ ہوا کہ جب طالوت اپنی قلیل جماعت کو لیکر جالوت کے مقابلے میں آئے تو انہوں نے لوگوں کو جرأت دلانے کے لیے اعلان کیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا، اس سے میں اپنی لڑکی کا نکاح کردوں گا اور حضرت شمویل علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ اللہ سے دعا کریں کہ جالوت کا قاتل معلوم کردیں، چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی معلوم ہوا کہ ایشا کا بیٹا جوان کے ساتھیوں میں ہے جالوت کو قتل کرے گا۔ ایشا کے بارہ بیٹے تھے، حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو، ان کے بیٹوں میں گیارہ خوبصورت اور طاقتور تھے اور ایک بیٹا دبلا پتلا تھا، ایشا نے ان گیارہ بیٹوں کو لاکر حاضر کیا اور ایک کو ناقابل سمجھ کر پیش نہیں کیا۔ حضرت شمویل نے دیکھ کر فرمایا: ان میں کوئی قابل نہیں ہے بارہویں بیٹے کو لاؤ۔ جب حضرت داؤد سامنے لائے گئے تو فرمایا، ہاں! یہی جالوت کو قتل کرے گا پھر اپنے ہاتھ سے انہیں ذرہ پہنائی اور لڑنے کو بھیجا۔ حضرت داؤد سے راہ میں تین پتھروں نے کہا کہ ہمیں اٹھالو ہم سے تم جالوت کو قتل کروگے تو انہوں نے وہ پتھر اٹھا کر اپنے توبڑے میں رکھے اور اللہ کے بھروسہ پر جالوت کے سامنے آئے اور ان پتھروں کو گوپھن میں رکھ کر اس کے سر پر مارا کہ بھیجا پاش پاش ہوگیا اور مرگیا، یہ دیکھ کر اس کی فوج بھاگ گئی اور حضرت داؤد نے جالوت کی لاش لاکر طالوت کے سامنے ڈالدی تو حسب وعدہ اس نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد سے کردیا اور چالیس سال تک طالوت نے بادشاہت کی پھر اس کے بعد حضرت داؤد بادشاہ بنائے گئے۔ حضرت داؤد بنی اسرائیل میں سب سے پہلے وہ شخص ہیں جن کو نبوت اور بادشاہت عطا ہوئی اور طالوت کے بعد انہوں نے ستر سال بادشاہی فرمائی۔

(۷۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کرنے کی علت و مصلحت بیان فرمائی ہے جو ظاہر میں لوگوں کو بُرا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جانیں تلف ہوتی ہیں اور گراں گذرتا ہے کہ اس میں مشقت جھیلنا پڑتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ فرمائے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے، دنیا برباد ہو جائے، امن وچین زمانہ سے اٹھ جائے، ظالم وزبردست لوگ، کمزوروں، غریبوں، بیکسوں پر ظلم کریں، انہیں ستائیں اور مشرکین مسلمانوں کو قتل وغارت کریں، ان کی مساجد کو خراب کریں، اللہ کے ذکر کو بلند نہ ہونے دیں۔ مگر اللہ سارے جہاں پر فضل فرمانے والا ہے کہ بعض سے بعض کو دفع کرتا ہے، یہ ہزاروں کا مرنا پھر زندہ ہونا اور طالوت کا بادشاہ ہونا اور تابوت کا پھر ملنا اور جالوت جیسے زبردست کا ایک کمزور کے ہاتھ قتل ہونا اور اس کی فوج کثیر کا قلیل جماعت سے بھاگنا وغیرہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم اے محبوب تم پر ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور تم بے شک رسولوں سے ہو کہ بغیر پڑھے اور سنے ایسی خبریں دیتے ہو جو تمہاری رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس میں کفار کے قول لَسْتَ مُرْسَلًا کو بتاکید رد فرمایا گیا ہے۔

تنبیہ: اس قصہ میں اسرائیلیات کی آمیزش اور اختلاف مفسرین میں بہت زیادہ ہے۔ فقیر نے اسے معالم وابن کثیر وسراج وکبیر وغیرہ معتبر تفاسیر سے اخذ کر کے ترجمہ میں موقع بہ موقع درج کیا ہے، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلیٰ الہ وبارک وسلم۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی اور اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں

مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ

نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں لیکن وہ تو مختلف ہوگئے ان میں

مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ

کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہوگیا اور اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے مگر

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

اللہ جو چاہے کرے (ا) اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں ہمارے

(ا) چونکہ آیات مذکورہ میں رسولوں کا ذکر کیا گیا تھا مگر ان کا فرق مراتب ظاہر نہیں کیا گیا تھا، ان آیات میں ان کا فرق مراتب ظاہر کیا گیا اور بتایا گیا کہ رسولوں کے درجات باعتبار فضائل خصوص کے مختلف ہیں اور بعض ان کے بعض سے افضل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ رسول ہیں کہ ہم نے انہیں ایک کو دوسرے پر افضل کیا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [الاسرئ: ۵۵] بے شک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی کہ ان میں کسی سے اللہ نے بلا واسطہ کلام فرمایا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے شب معراج میں عرش پر بفاصلہ قوسین او ادنی کلام فرمایا جس سے دونوں کلاموں کا فرق ظاہر ہے۔ اور حدیث ابن حبان میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی کلام کیا تھا۔ [ابن کثیر] مگر اُس کا کلام جنس کلام بشر سے نہ تھا اس کی کیفیت وہی جانتا ہے یا وہ جس سے کلام کیا، اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا، جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کہ انہیں سب پر فضیلت وسیادت عطا فرمائی، طرح طرح کی خصوصیات سے نوازا، جہاں بھر کے لیے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا، سلسلہ نبوت ان پر ختم فرمایا، معجزات کثیرہ انہیں عطا فرمائے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور جس کا مثل آج تک کوئی نہ لا سکا، اور ان کی امت کو سب امتوں پر افضل کیا، اور ان کی شریعت کو سب شریعتوں کا ناسخ بنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں: میرا رعب لوگوں کے دلوں میں ڈالا گیا، میرے لیے زمین پاک کرنے والی اور مسجد بنائی گئی کہ جہاں چاہو نماز پڑھو، پانی نہ ملے تو اس سے پاکی حاصل کرو، اور میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا، اور مجھے شفاعت دی گئی اور پہلے نبی کسی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا اور میں تمام لوگوں سارے جہان کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں جوامع کلم دیا گیا یعنی جن کے لفظ تھوڑے اور معنی بہت ہیں اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ پھر آگے ارشاد ہوتا ہے: اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں جیسے مردے جلانا، اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھی

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ

دیے میں سے خرچ کرو وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ کافروں کے لیے دوستی

وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٥٤﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہ شفاعت، اور کافر خود ہی ظالم ہیں ف۲ اللہ ہے جس کے سوا کوئی

هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۥ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي

معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے

جذامی کو اچھا کرنا، جانور بنا کر اس میں روح ڈالنا، بچپن میں بات چیت کرنا اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی۔ یعنی جبرئیل ہر وقت ان کے ساتھ رہتے جہاں وہ جاتے ان کے ساتھ جاتے۔ اور اگر اللہ ان سب کی ہدایت چاہتا تو ان کے بعد والے، یعنی بنی اسرائیل آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکی تھیں لیکن وہ دین میں مختلف ہوئے، بعض نے بعض کو گمراہ و بے دین کہا، ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے نہ مختلف ہوتے مگر اللہ جو چاہے کرے جسے چاہے توفیق دے جسے چاہے نہ دے۔

تنبیہ: ﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ [البقرة:۲۵۳] سے عامۂ علما کے نزدیک حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں اور نام ظاہر نہ کرنے میں حضور کی عظمت شان و رفعت مکان کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ ایسے ہیں کہ ان کا نام ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے سمجھنے والے انہیں کو سمجھیں گے۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث میں جو "لا تفضلوا بین الانبیاء" آیا ہے وہ تواضعاً آپ نے فرمایا ہے، یا اپنی رائے سے فضیلت دینے کی نفی ہے نہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت دی ہے اسے ظاہر کرنے، اس پر یقین لانے کی جو احادیث و آیات کثیرہ سے ثابت ہے، اور بڑے بڑے علما نے اپنی تالیفات منیفہ میں انہیں جمع فرمایا ہے، اور حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور کے فضائل و خصائص اور سید الانبیاء والمرسلین ہونے میں ایک مبسوط رسالہ مسمّٰی بہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" تحریر فرمایا ہے اور اس میں بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے حضور کی افضلیت و سیادت ثابت فرمائی ہے اور ضمن کلام میں ایمان افروز باتیں بیان کی ہیں۔ اور آیت اس پر دلیل ہے کہ مدارج انبیا علیہم السلام جدا جدا ہیں اور ان میں بعض کو بعض پر بدلائل قطعیہ فضیلت دینا جائز ہے اور ﴿ما اقتتل﴾ سے اختلاف مراد ہے کہ وہ باعث جدال و قتال ہوتا ہے۔

(۲) چونکہ پچھلی آیات میں جہاد کا حکم فرمایا گیا تھا اور وہ مہمات دین سے تھا اس کے ساز و سامان کے لیے خرچ کی ضرورت تھی لہٰذا اس آیت میں تاکیداً اس کا حکم فرمایا گیا ہے اگرچہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ کے دیے ہوئے میں سے اللہ کی راہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں قیامت کا دن آنے سے پہلے خرچ کرو کہ اس روز نہ خرید و فروخت کام آئے گی نہ جان کے بدلے مال دینا کام آئے گا اور نہ کسی کی دوستی اور سعی کارگر ہوگی اور نہ کسی کی شفاعت نفع دے گی سوائے اس کے جس کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، اور کافر خود ہی ظالم ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اور غیر محل میں خرچ کرتے ہیں۔

تنبیہ: عطا سے مروی ہے کہ انھوں نے اس پر اللہ کی حمد فرمائی کہ اس نے ﴿وَالْكَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ [البقرة:۲۵۴] فرمایا: اور "والظالمون هم الكافرون" نہ فرمایا: کہ اس طرح فرمانے میں ظالم مسلمان بھی زمرۂ کفار میں داخل ہو جاتے۔

بِإِذْنِهٖ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ

حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے

مِّنْ عِلْمِهٖٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا

علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان و زمین اور اسے

يَـُٔودُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾ لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ

بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا ف۳ کچھ زبردستی نہیں دین میں،

قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنۢ

بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۖ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ

ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں، اور اللہ

(۳) چونکہ قرآن عظیم کا طریقہ یہ ہے کہ توحید و احکام و قصص وغیرہ باتوں کو اس طرح ملا جلا کر موقع اور محل کے مناسب بیان کرتا ہے کہ پڑھنے والوں کا اس کے پڑھنے میں دل لگے، لہذا اس آیت میں بھی جہاد اور اس کے مناسب قصے اور اس کی علت و مصلحت و منفعت ذکر کرنے کے بعد اپنی الوہیت و وحدانیت اور اپنی قدرت و صفات کو ذکر فرمایا ہے ۔مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ آپ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند آتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ میں اپنی قدرت سے آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہوں، اگر مجھے اونگھ یا نیند آتی تو وہ زائل ہو جاتے گر جاتے ۔[مدارک] آگے ارشاد ہوتا ہے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اسی کا ہے، یعنی وہ اس کا مالک و خالق ہے ۔وہ کون ہے جو اس کے بے حکم و بغیر اجازت اس کے یہاں سفارش کرے، یعنی ایسا کوئی نہیں ہے جو بغیر اس کے دربار میں کسی کی سفارش کرے ۔اس میں زعم مشرکین کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارے بت ہماری شفاعت کریں گے، اور خیال یہود کا رد و بطلان ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارے بزرگ ہماری شفاعت کریں گے ۔ہاں جس کو شفاعت کرنے کی اس کی سرکار سے اجازت ہوگی وہ شفاعت کرے گا جس کی خبر حدیث شفاعت میں دی گئی ہے اور "واشفع تشفع" فرمایا گیا ہے ۔بعض جاہل شفاعت سے بھی انکار کرتے اور ﴿وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ﴾ [الانعام: ۱۰۷] سے دلیل پکڑتے ہیں ۔وہ مخلوق کے تمام اگلے پچھلے حالات جانتا ہے اور مخلوق اس کے علم کو نہیں پاتی ہے مگر وہ جتنا چاہے، یعنی مخلوق اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر اتنا جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بتایا، اس کی کرسی میں آسمان و زمین سمائے ہوئے ہیں اور ان کی نگہبانی اسے بھاری نہیں ہے اور وہی بلند بڑائی والا ہے اپنی خلق پر۔

تنبیہ: اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں، اس میں جو کرسی کا لفظ فرمایا گیا ہے اس سے حقیقۃً یا تو بعینہ کرسی مراد ہے، اور وہ اس قدر بڑی ہے جس میں ساتوں آسمان و زمین سما جائیں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ساتوں آسمان اللہ کی کرسی میں ایسے ہیں جیسے ڈھال میں چند درہم پڑے ہوں ۔قاله ابن عباس رضی الله تعالی عنه ۔[جلال] یا علم مراد ہے یا ملک مراد ہے یا عرش مراد ہے ۔[حسن] یا وہ عرش کے سوا ہے جو عرش کے نیچے ہے یا سامنے ہے اور آسمان و زمین اس کے بیچ میں ہے، قاله السدی. حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہیں جیسے کسی جنگلی میدان میں ایک حلقہ پڑا ہو اور عرش کا فضل کرسی پر ایسا ہے جیسے میدان کو اس حلقہ پر ۔اس

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

سنتا جانتا ہے۔ اللہ والی ہے مسلمانوں کا انھیں اندھیریوں سے نور

النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ

کی طرف نکالتا ہے، اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں وہ انھیں نور سے

اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ اَلَمْ تَرَ

اندھیریوں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ دوزخ والے ہیں انھیں ہمیشہ اس میں رہنا۔ ف اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا

اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ

جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے بولا میں جلاتا

آیت کریمہ کا فضل وشرف اور ثواب بہت ہے۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد اسے پڑھے گا اسے سوائے موت کے کوئی چیز جنت میں جانے سے نہ روکے گی یعنی وہ مرنے کے بعد جنت میں جائے گا۔ [نسائی وابن حبان] اور جو اسے سوتے وقت پڑھے گا اللہ اسے اور اس کے پڑوسیوں کو امن میں رکھے گا۔ [بیہقی] اور فرمایا حضور پر نور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے: کہ آیۃ الکرسی سورۂ بقرہ کی سردار ہے اور جس گھر میں آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے اس میں تین دن تک شیاطین داخل نہیں ہوتے ہیں اور اس میں ساحر وساحرہ چالیس روز تک داخل نہیں ہوتے ہیں، یعنی اس میں سحر (جادو) کا اثر نہیں ہوسکتا ہے۔ اور جو اسے رات کو پڑھ کر سوتا ہے اللہ تعالی اس کی حفاظت کے لیے صبح تک ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے۔ [مدارک] امام احمد ومسلم کی حدیثوں میں ہے کہ افضل واعظم آیت قرآن عظیم میں آیت الکرسی ہے اور وہ ربع قرآن ہے یعنی اس کا ثواب چہارم قرآن کے برابر ہے اور وہ قرآن کی آیتوں میں بزرگ تر ہے اور جو اسے پڑھتا ہے تو اللہ تعالی ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے کہ دن بھر اس کی نیکیاں لکھے اور برائیاں مٹائے [ابن کثیر]

(۴) شان نزول: اس کا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے جن انصاریوں کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی وہ نذر کیا کرتے تھے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہے گا تو ہم اسے یہودی کردیں گے۔ جب قبیلہ بنونضیر مدینہ سے نکالا گیا تو ان میں ایسے بچے بھی تھے جن کو یہودی بنا دیا گیا تھا ان کے والدین پر ان کا جانا شاق ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ ہم نے اپنے بچوں کو اس لیے یہودی بنادیا تھا کہ ہم مشرک تھے اور یہودی اہل کتاب تھے ہم انہیں اپنے سے اچھا خیال کرتے تھے، اب چونکہ اللہ تعالی نے ہمیں دین اسلام عطا فرمایا ہے لہذا ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو بھی جبریہ مسلمان کرلیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں ممانعت فرمائی گئی۔ [رواہ ابن جریر عن السدی] بعض روایات میں ہے کہ حصین سالمی انصاری کے دولڑکے شام کے عیسائی تاجروں نے عیسائی بنالیے تھے جب وہ جانے لگے تو لڑکوں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا تو ان پر ان کا جانا گراں گزرا اور انھوں نے حضور سے آ کر پوچھا کیا میں انہیں جبریہ مسلمان کرلوں تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے انہیں جبریہ مسلمان کرنے سے منع فرمایا:۔ [ابن کثیر] مطلب یہ ہے کہ دین اسلام قبول کرنے میں کچھ زبردستی نہیں ہے کہ نیک راہ گمراہی سے خوب اچھی طرح جدا ہوگئی ہے، یعنی ایمان کفر سے جدا وممتاز ہوگیا ہے پس جو چاہے نیک راہ اختیار کرے ایمان لائے اسلام میں داخل ہو اور جو چاہے گمراہی اختیار کرے کفر وشرک میں پڑا رہنا پسند کرے۔ تو جو شیطان کو نہ مانے اور

وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

اور مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے

فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

تو [اس کو] پچھم سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ ۚ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ

ظالموں کو۔ ف٥ یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی پڑی تھی

عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ

اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو

اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی مضبوط گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں ہے، اور اللہ سنتا جانتا ہے اس کے اقرار واعتقاد کو، اللہ والی و مددگار ہے
مسلمانوں کا، انہیں کفروشرک وغیرہ کی اندھیریوں سے نور ایمان وعرفان کی طرف نکالتا ہے، اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں وہ انہیں نور
ایمان سے کفروشرک وغیرہ کی اندھیریوں کی طرف نکالتے ہیں، یعنی انہیں بہکا کر اسلام سے پھیرتے ہیں اور مرتد بناتے ہیں یا اسلام لانے
سے روکتے اور شرک وکفر کی تعلیم وتلقین کرتے ہیں، یہی لوگ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔
تنبیہ: یہ آیت بعض کے نزدیک آیت سیف سے منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک مخصوص باہل کتاب ہے اور بعض کے نزدیک
عام ہے۔ اس آیت پر اور اس کے شان نزول پر وہ لوگ غور کریں جو اسلام پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ وہ اسلام جبر یہ تلوار کے زور سے پھیلایا
گیا ہے کہ اگر اللہ کو جبراً اسلام پھیلانا منظور ہوتا تو ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [البقرة:۲۵۶] نہ فرماتا: اور اپنے رسول کو یہ حکم نہ فرماتا کہ
﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ الخ "[النحل:۱۲۵] یعنی اے نبی! تم دین اسلام کی طرف لوگوں کو حکمت اور
اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔ ﴿وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ [ق:۴۵] تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔ جبراً کسی کو مسلمان کرنے سے
اسلام کو کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا کہ وہ بے دلی سے بظاہر مسلمان ہوگا اور دل میں کفر ونفاق کو پوشیدہ رکھے گا،
مسلمانوں کے راز کی باتوں کی کفار کو خبر دیتا رہے گا اور جب موقع پائے گا اسلام سے پھر جائے گا کفار میں مل جائے گا۔ اسلام وہی خوب
ہے جو خوش دلی سے بلا کسی جبر ودباؤ کے اور بغیر کسی لالچ کے جان ودل سے قبول کیا جائے۔
(۵) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کا اللہ والی ومددگار ہے اور وہ انہیں اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتا ہے
اور انہیں راہ راست پر چلاتا ہے، اس کے ثبوت میں حضرت ابراہیم اور نمرود کا مناظرہ ذکر فرماتا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی مدد فر
مائی اور انہیں نمرود پر مناظرہ میں غالب فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محبوب کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب
کے وجود یا شان میں جھگڑا کیا اس غرور پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی۔ جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اپنے رب کی طرف بلایا اور
دعوی نبوت کیا تو اس نے پوچھا، تیرا رب کون ہے جس کی طرف تو بلاتا ہے، تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا: میرا رب وہ
ہے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ تو وہ بولا میں مارتا اور جلاتا ہوں اور اس کے ثبوت میں اس نے دو قیدیوں کو کہ ان میں ایک کو رہائی مل چکی تھی اور
دوسرے کو قتل کی سزا سنادی گئی تھی لہذا اس نے رہائی ملنے والے کو قتل کر دیا اور سزا یافتہ کو رہا کر دیا، جب ابراہیم علیہ السلام نے اس کی یہ
غباوت وحماقت دیکھی کہ وہ " یحیی ویمیت " کے معنی نہیں سمجھتا ہے تو اس سے زیادہ واضح دلیل پیش کی اور کہا کہ اللہ سورج کو پورب سے

اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ

اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کردیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا؟ عرض کی دن بھر

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى

ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم، فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۫ وَلِنَجْعَلَكَ

دیکھ کہ اب تک بو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ (کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ اس لیے کہ تجھے

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا

ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے ہیں[1] پھر انہیں گوشت

لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہوگیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ

قَدِيْرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ

کرسکتا ہے۔ ف٦ اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے! مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا

لاتا ہے تو اس کو پچھم سے لے آ تو اس کافر کے ہوش اڑ گئے مبہوت ومتحیر ہو کر رہ گیا کہ سورج کو پچھم سے لانا اس کی قوت سے باہر تھا اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا ہے۔

تنبیہ: نمرود کنعانیوں میں بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے، اس کی عمر چار سو سال کی تھی، خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور خدا کے وجود سے انکار۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی کے وقت میں تھے، اس نے انہیں قید کیا تھا اور آگ میں ڈالا تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مشرق سے مغرب تک زمین کے مالک دو مسلمان اور دو کافر بادشاہ ہوئے ہیں۔ حضرت سلیمان وذوالقرنین، اور کافر نمرود وبخت نصر۔ مقاتل کہتے ہیں کہ یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود میں اس وقت ہوا تھا جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑا تھا اور اس نے انہیں قید کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آگ میں ڈالنے کے بعد قحط پڑا تھا، لوگ غلہ لینے نمرود کے پاس آتے تو ان سے پوچھتا تمہارا رب کون ہے؟ جو اسے رب کہتا اسے غلہ دیتا۔ حضرت ابراہیم بھی اس کے پاس غلہ لینے گئے تو اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا تو آپ نے اسے جواب دیا جو آیت میں ذکر کیا گیا ہے تو اس نے انہیں غلہ نہیں دیا۔ پس آپ اپنے پلہ میں ریتا بھر کر لائے اور وہ ریتے کی گٹھری رکھ کر سو گئے تو ان کی بی بی نے گٹھری کھول کر دیکھا اس میں غلہ نکلا پس انہوں نے اسے پکایا اور آپ کے پاس لائیں آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ کہا تم ہی تو لائے تھے۔ پس آپ نے جان لیا کہ اللہ نے انہیں دیا ہے پس اللہ کا شکر ادا کیا۔ [سراج] اس آیت سے معاندین سے مناظرہ کا جواز ثابت ہے۔

(٦) ان آیات کو گزشتہ آیات کی تائید میں اپنی شان ربوبیت وقدرت ظاہر کرنے کے لیے ذکر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک ڈھئی ہوئی بستی پر گزرا اور اس کے ساتھ ایک گدھا اور کچھ انجیر اور شیرۂ انگور تھا تو اس نے اس بستی کو تباہ ہوا دیکھ کر کہا: کہ اللہ اس کے بسنے والوں کو مدت کے بعد کیسے جلائے گا۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا تو اللہ نے اسے سو برس مردہ رکھا، پھر اس کو زندہ کیا تا کہ وہ اپنی کیفیت دیکھے اور قدرت الٰہی کا معائنہ کرے اور اس سے پوچھا تو یہاں کتنے زمانے ٹھہرا تو اس نے عرض کی: دن بھر یا دن سے کچھ کم

أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ
کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا

أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ
چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلالے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر

مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
رکھ دے پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب

حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ
حکمت والا ہے۔ ف ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح

ع ۳۵

ٹھہرا ہوں گا۔ اور یہ اس بنا پر کہا تھا کہ شروع دن میں وہ سویا تھا اور سوتے میں اس کی روح قبض کی گئی تھی اور غروب کے وقت وہ زندہ کیا گیا تھا۔ پس اس نے ایک دن یا اس سے کچھ کم کا گمان کیا۔ تو اللہ نے فرمایا: نہیں تجھے سو برس گزر گئے۔ تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ وہ باوجود اتنا زمانہ گزرنے کے اب تک نہیں سڑا ہے۔ اور اپنے گدھے کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں۔ جب اس نے گدھے کو دیکھا تو وہ کب کا مر کر گل سڑ گیا تھا اس کی ہڈیاں پڑی چمک رہی تھیں۔ اور یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم تجھے لوگوں کے لیے بعد مرنے کے زندہ ہونے کی نشانی کریں اور اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم کیسے انہیں اٹھاتے اور متحرک کرتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ تو اس نے ان کی طرف دیکھا تو گدھا گوشت پوست سے مرکب ہو کر زندہ ہو گیا اور بولنے لگا۔ پس جب اس نے یہ خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا تو بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تنبیہ: وہ شخص جس کا ذکر آیت میں فرمایا گیا ہے اکثر کے نزدیک حضرت عزیر ہیں۔ اور بعض نے خضر اور بعض نے حزقیل کہا ہے۔ اور بستی سے مراد بیت المقدس ہے جس کو بخت نصر نے تباہ و برباد کیا تھا اور اس کی عمارتوں کو ڈھایا تھا اور اس کے بسنے والوں کا قتل عام کیا تھا اور باقی ماندہ کو گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چار سو برس پہلے کا ہے جب کہ بنی اسرائیل نے حضرت شعیا علیہ السلام کو شہید کیا تھا اور وہ طرح طرح کی بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر شاہ بابل کو مسلط فرمایا جس نے ان کا اور ان کی بستی کا یہ حال کیا تھا۔ جب اس پر حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر ہوا تو انہوں نے اس بستی کو تباہ و برباد ہوا دیکھ کر مشاہدۂ قدرت کرنے اور اپنا علم بڑھانے کے لیے تعجباً کہا کہ انہیں اللہ بعد مرنے کے کیسے زندہ کرے گا پس اللہ نے انہیں مشاہدۂ قدرت کرانے کے لیے موت دی پھر جلایا جس کو آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور اللہ کا ان سے سوال کرنا انہیں تنبیہ کرنے کے لیے تھا، جب وہ سو برس کے بعد زندہ ہو کر اپنے گھر آئے تو دروازہ پر ایک بوڑھی عورت اندھی بیٹھی ہوئی ملی، اس سے پوچھا عزیر کا گھر یہی ہے اس نے رو کر کہا ہاں یہی ہے اور انہیں مرے ہوئے سو برس ہوئے تو بولے کہ میں عزیر ہوں اس نے کہا اگر تم عزیر ہو تو میری آنکھیں اچھی کر دو، آپ نے دعا کی اس کی آنکھیں اچھی ہو گئیں اور اس نے دوڑ کر ان کے بیٹوں کی خبر کو جو ایک سو دس برس کے بوڑھے ہو گئے تھے انہیں بھی یقین نہ آیا مگر جب ان کی پشت میں مسہ دیکھا جو عزیر کے تھا تو انہیں یقین آیا، اور بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم میں سوائے عزیر کے کسی کو توریت یاد نہ تھی پس انہوں نے توریت پڑھ کر سنائی تو سب نے یقین کیا اور عزیر ابن اللہ کہا:۔ [سراج عن ضحاک وقتادہ]

(۷) یہ تیسرا قصہ ہے جو گزشتہ آیات کے مضمون کی تائید کرتا ہے اور اس کی شان ربوبیت و قدرت ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ

حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ وَاللّٰهُ
ہے جس نے اوگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ

یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ ف۸ وہ جو اپنے مال

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًىۙ لَّهُمْ
اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دیے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ تکلیف دیں

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ
ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے اور انھیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ اچھی بات

ہے کہ اور یاد فرمایئے اے نبی! جب کہ عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب! مجھے دکھادے کہ تو کیوں کر مردے جلائے گا۔ تو اللہ نے فرمایا کیا تجھے مردے جلانے کا یقین نہیں ہے۔ تو ابراہیم نے عرض کی یقین کیوں نہیں ہے مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے اور لوگوں پر تیری قدرت ظاہر ہوجائے ۔ پس اللہ نے فرمایا: تو چار پرندے لے کر ان کا گوشت پوست پر وغیرہ ریزہ ریزہ کر پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بموجب فرمان الٰہی کے چار پرندے لیے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے چار پہاڑوں پر رکھ دیا اور ان کے سر اپنے پاس رکھ لیے اور انہیں پکارا پس ان کے اجزا اڑ کر اپنے دوسرے اجزا سے مل گئے اور پھر اپنے اپنے سر سے آکر جڑ گئے۔ ان پرندوں میں ایک کوا، ایک مور، ایک مرغ، ایک کبوتر تھا۔ [قاله المجاهد وابن جرير] اور انہیں اس لیے مخصوص کیا تھا کہ وہ پیروں سے بھی آدمی کی طرح چلتے تھے۔ تنبیہ: ضحاک وحسن وقتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا سے ایسا سوال کرنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ایک مرے ہوئے جانور کو سمندر کے کنارے پڑا ہوا دیکھا کہ اسے دریائی اور صحرائی جانور نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں اور اس کے جو ریزے گرتے ہیں انہیں ہوا اڑا لے جاتی ہے تو انہیں تعجب ہوا اور انہوں نے جناب باری میں عرض کی کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تو ان کے اجزا کو جمع فرمائے گا مگر میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیسے جمع فرمائے گا تاکہ مجھے علم یقین سے عین الیقین ہوجائے۔ پس اللہ نے انہیں اپنی قدرت کا مشاہدہ کرایا جس طرح کہ آیت میں فرمایا گیا ہے۔ [سراج وغیرہ] حضرت ابن عباس وقتادہ سے مروی ہے کہ ان جانوروں میں سے ہر ایک کے چار حصے کر کے چار پہاڑوں پر رکھے تھے۔ اور سدی وابن جریج کہتے ہیں کہ ان کے سات حصے کر کے سات پہاڑوں پر رکھے تھے اور سر ان کے اپنے پاس روک لئے تھے۔ [واللہ تعالیٰ اعلم]

(۸) جب آیات گزشتہ میں خدا کی ذات وصفات وقیامت وغیرہ کا کافی ثبوت ہو چکا تو اب اس آیت میں قیامت کی تیاری اور توشۂ آخرت مہیا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس نے سات بالیں اگائیں جس کی ہر بالی میں سو دانے ہیں یعنی جس نے ایک دانہ بویا اس کا پیڑ نکلا اس پیڑ میں سات شاخیں نکلیں، ہر شاخ میں ایک ایک بالی آئی، اور ہر بالی میں سو دانے پڑے، تو اس دانہ بونے والے کو سات سو دانے ایک دانہ کے بدلے میں ملے۔ یونہی خدا کی راہ میں ایک پیسہ خوشی اور نیک نیتی سے خرچ کرنے والے کو سات سو پیسے یعنی سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ جس کے لیے چاہتا ہے اور مستحق زیادتی دیکھتا ہے بڑھاتا ہے کہ وہ فضل وسیع رکھنے والا مستحق کو جاننے والا ہے۔

مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

کہنا اور در گزر کرنا اس خیرات سے بہتر جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پرواہ

حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ

حلم والا ہے۔ ف۹ اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ

تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر

تنبیہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد جہاد و حج ہے یعنی جو لوگ جہاد و حج میں خرچ کرتے ہیں انہیں سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور مکحول کے نزدیک اس سے مراد صرف جہاد میں خرچ کرنا ہے کہ خرچہ جہاد کا ثواب احادیث میں سات سو گنا فرمایا ہے۔ جیسا کہ امام احمد و ترمذی و ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک حدیث میں حج کا ثواب مثل جہاد کے فرمایا ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ لہٰذا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جہاد و حج دونوں اس سے مراد لیے ہیں اور سعید ابن جبیر نے اس سے اللہ کی طاعت میں خرچ کرنا مراد لیا ہے۔ بہر حال اس سے ہر ایک نیک کام میں خرچ کرنا مراد ہوسکتا ہے خواہ وہ جہاد ہو یا حج ہو یا صدقہ و خیرات ہو یا دیگر امور خیر ہوں کہ بندے کی نیکیاں دس سے سات سو گنے تک بڑھتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھائی جاتی ہیں اس کی کوئی حد نہیں ہے کہ گزشتہ آیت میں ﴿اضعافاً کثیرۃ﴾ فرمایا گیا ہے، اس کا شمار سوائے اللہ تعالیٰ کے کون کرسکتا ہے۔

(۹) شان نزول: اس کی یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار نقد، ایک ہزار سواریاں مع ساز و سامان کے دی تھیں جن میں نو سو پچاس گھوڑے اور پچاس اونٹ تھے اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے چار ہزار دینار نقد دیے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے ان کے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔ [سراج] مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بخوشی خاطر اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دے کر نہ احسان دھرتے ہیں اور نہ طعنہ دے کر تکلیف دیتے ہیں ان کے دیے کا نیک اور ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں آخرت میں کچھ اندیشہ ہوگا اور نہ کچھ غم۔ چونکہ بعض وقت دینے کو آدمی کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے اور سائل اڑ جاتا ہے اس کے لیے فرمایا جاتا ہے کہ سائل سے اچھی بات کہنا اور در گزر کرنا اور نرمی سے جواب دینا اس خیرات سے بہتر و افضل ہے جس کے بعد ستانا ہو، یعنی دینے کے بعد احسان جتانا، طعنے دینا، عار دلانا، سختی سے گفتگو کرنا ہو جس سے سائل کا دل دکھے اسے تکلیف پہنچے اور وہ نادم و پشیمان ہو۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کوئی صدقہ اللہ کو قول معروف سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اور اللہ بے پروا حلم والا ہے اسے بندوں کی خیرات کی پروا نہیں ہے اور ان کے عذاب کو محض اپنے حلم سے موخر کرنے والا ہے۔ گویا نہ دینا اور نرمی سے سائل کو منع کر دینا ایسے دینے سے بہتر ہے جس کا دے کر احسان جتایا جائے کہ احسان جتانا بڑا گناہ ہے اور مسلمان کا دل دکھانا بھی گناہ ہے۔ احادیث میں دینے پر احسان جتانے اور مسلمان کا دل دکھانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے نہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ ان میں سے ایک منان ہے، یعنی دی ہوئی چیز پر احسان جتانے والا۔ [رواہ مسلم وغیرہ] اور نسائی کی حدیث میں ہے کہ منان جنت میں نہ جائے گا۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس نے مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ تنبیہ: مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا منع ہے جب کہ وہ لوگوں کی گردنیں اولانگتا ہو۔ [در مختار]

صَلۡدًا ؕ لَا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ مِّمَّا کَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی

کر چھوڑا اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو

الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ

راہ نہیں دیتا۔ ف اور ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں

اللّٰہِ وَتَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ کَمَثَلِ جَنَّۃٍۭ بِرَبۡوَۃٍ اَصَابَہَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ

اور اپنے دل جمانے کو اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو اس پر زور کا پانی پڑا تو

اُکُلَہَا ضِعۡفَیۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡہَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

دونے میوے لایا پھر اگر زور کا مینہ اسے نہ پہنچے تو اوس کافی ہے اور اللہ تمہارے کام

(۱۰) یہ گزشتہ آیات سے وابستہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم اپنے صدقوں کے ثواب احسان دھر کر ایذا دے کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے اور سخی مشہور ہونے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اس کا ثواب باطل کرتا ہے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا ہے اور وہ منافق ہے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چکنے پتھر پر کچھ مٹی پڑی ہو، اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے مٹی دھو کر اسے نرا صاف پتھر کر دیا، اسی طرح ریا ان کے عمل کے ثواب کو دھو دیتا ہے، یہ منافق ریا کار اور دکھاوے کے لیے مال خرچ کرنے والے اپنی کمائی سے کسی چیز کو نہ پائیں گے یعنی کسی چیز سے نفع نہ اٹھائیں گے کہ اس کا انہیں کچھ ثواب نہ ملے گا سب رائیگاں ہوگا اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا ہے۔

تنبیہ: دکھاوے اور شہرت اور ناموری کے لیے کوئی کام کرنا باطل ہے اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا ہے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ ریا صفت منافق ہے مسلمان کو اس سے بچنا اور ہر کام خلوص دل اور نیک نیتی سے خاص اللہ کے لیے کرنا چاہئے۔ بھتیرے مسلمانوں کی خیر خیرات اور نیک کاموں میں آج بھی ریا و نمود ٹپکتا ہے خلوص نہیں پایا جاتا جس سے ان کا کیا کرایا سب ملیامیٹ ہوتا ہے، اس سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے کہ ریا بڑا گناہ ہے احادیث میں اسے شرک اصغر فرمایا گیا اور علماء نے اسے شرک خفی سے تعبیر کیا ہے۔ حدیث میں ہے میں تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر کا خوف کرتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کی: شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریا۔ قیامت کے دن دکھاوے کے لیے نیک کام کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ تم اپنے عملوں کی جزا ان سے لو جن کے دکھانے کے لیے وہ کام کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے اول قاری اور مجاہد اور مال دار بلائے جائیں گے۔ قاری سے پوچھا جائے گا کہ تو نے قرآن پڑھ کر کیا عمل کیا۔ عرض کرے گا میں اسے رات دن پڑھا کرتا تھا تو اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو قاری کہلوانے کے لیے پڑھا کرتا تھا۔ اور مجاہد سے سوال ہوگا ہم نے تجھ پر جہاد فرض کیا تھا تو نے کیا کیا؟ عرض کرے گا میں لڑا یہاں تک کہ قتل ہوا، تو اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے بہادر کہلوانے کے لیے جہاد کیا تھا۔ اور مال دار سے سوال ہوگا کہ میں نے تجھے اس قدر مال دیا تھا تو نے اس میں کیا کیا؟ عرض کرے گا میں نے اسے صلہ رحمی اور خیر خیرات میں صرف کیا۔ فرمائے گا تو جھوٹا ہے۔ تو نے اسے اپنے کو سخی کہلوانے کے لیے خرچ کیا۔ یہ تینوں آدمی اول خلق اللہ ہیں جن سے آتش جہنم بھڑکائی جائے گی۔ [سراج] اسی پر نماز روزہ وغیرہ دوسرے اعمال کو قیاس کر لینا چاہیے جو خالص اللہ کے لیے نہیں کیے جاتے بلکہ دکھاوے اور شہرت و ناموری کے لیے یا کسی دوسری غرض و نیت سے کیے جاتے ہیں یا ملامت و بدنامی کے خوف سے کیے جاتے خواہ وہ کام دینی ہوں یا دنیوی کہ ان سب پر مواخذہ ہوگا۔ ریا کی مذمت و وعید دیگر احادیث میں بھی آئی ہیں جو بخوف طوالت ترک کی گئیں۔

بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ

دیکھ رہا ہے ف۱۱ کیا تم میں کوئی اسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ

جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے اور اسے بڑھاپا

الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ

آیا اور اس کے ناتواں بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی

فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

تو جل گیا ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ ف۱۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا

اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے

لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ

تمہارے لیے زمین سے نکالا اور خاص ناقص کا ارادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے اور تمہیں ملے

تنبیہ: بعض کے نزدیک صدقہ کا ثواب احسان جتانے سے بالکل باطل ہو جاتا ہے کچھ نہیں ملتا ہے اور احسان جتانے کا گناہ علاحدہ ہو
تا ہے جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صدقہ کا ثواب ملتا ہے مگر مضاعف نہیں ہوتا ہے اور احسان جتانے کا گناہ جدا ہوتا ہے۔

(۱۱) چونکہ گزشتہ آیتوں میں منافقوں ریاکاروں کا خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا نتیجہ و مآل ذکر فرمایا تھا اور مسلمانوں کو اس
طرح خرچ کرنے سے منع فرمایا تھا، اس آیت میں مسلمانوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا نتیجہ و مآل ذکر فرماتا ہے تا کہ دیکھنے والے
موازنہ کرکے دیکھیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا جو طریقہ اچھا ہو اسے اختیار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنا مال اللہ کی رضا
چاہنے میں اور اپنے دل جمانے کو باعتقاد ثواب خرچ کرتے ہیں ان کی کہاوت اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر یعنی ایک سی اونچی زمین پر ہو
اس پرزور کا پانی پڑا تو وہ بہ نسبت دوسرے باغ کے دونے میوے لایا اور جو زور کا مینہ اسے نہ پہنچے تو اوس یا ہلکا سا جھلا اسے کافی ہے اور اللہ تمہارے
کام دیکھ رہا ہے پس ان کی جزا دے گا۔ اسی طرح خلوص سے خدا کی راہ میں تھوڑا یا بہت سا مال خرچ کرنا بہت زیادہ پھل لاتا ہے اور بڑھتا ہے۔

(۱۲) پہلی آیت میں راہ خدا میں خرچ کرنے کی مثال ایک پرنفع باغ سے دی تھی، اس آیت میں بھی باغ سے مثال دی ہے مگر
اس کے ضمن میں منافقوں، ریاکاروں، احسان جتانے والوں کی حالت ظاہر کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم میں کوئی اسے پسند کرے گا
کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں انگوروں کا جس میں نہریں بہتی ہوں، اس میں ہر قسم کے پھل اس کے لیے ہوں اور اسے بڑھاپا آیا
کہ مزدوری سے عاجز ہوا اور اس کے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ہیں جو محنت مزدوری کے قابل نہیں ہیں۔ پس اس پر ایک بگولہ ہوا کا آیا
جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا اور وہ بوڑھا آدمی اور اس کی اولاد ہاتھ مل کر حیران ہو کر رہ جائیں۔ یعنی کوئی اسے پسند نہیں
کرے گا کہ اس کا ایسا باغ ایسے وقت میں جل جائے۔ یونہی منافقوں ریاکاروں احسان جتانے والوں کی حالت ہے کہ ان کا دیا ہوا اسی
طرح رائیگاں ہوگا اور انہیں آخرت میں اس سے کوئی نفع نہ ہوگا۔ اللہ تم سے اپنی آیتیں ایسے ہی بیان کرتا ہے کہ کہیں تم دھیان کرو۔

بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾

تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو، اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ سراہا گیا ہے۔ ف١٣

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً

شیطان تمھیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش

مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ ۖ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے

(١٣) گزشتہ آیات میں خدا کی راہ میں مطلقاً خرچ کرنے کا حکم فرمایا گیا تھا جو صدقات واجبہ و نافلہ وغیرہ کو شامل تھا اور اس کی کیفیت بیان نہیں کی گئی تھی کہ کیسا ہونا چاہئے اچھا یا برا۔ اس آیت میں صدقہ واجبہ یعنی زکاۃ کو مع اس کی کیفیت کے بیان فرمایا گیا ہے۔

شان نزول: اس کا وہ انصار ہیں جو اپنے باغوں کی ناقص و خراب کھجوریں اچھی کھجوروں میں ملا کر اصحاب صفہ کے لیے مسجد نبوی میں لٹکا جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور برا اور ردی مال خدا کی راہ میں دینے سے منع فرمایا گیا۔ [ابن کثیر] مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں سے کچھ دو اور اس میں سے کچھ دو جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے نکالا ہے، غلہ پھل وغیرہ۔ اور ان میں سے ناقص و خراب دینے کا ارادہ نہ کرو۔ اور حال یہ ہے کہ اگر تمہیں ایسی ناقص و خراب چیز دی جائے تو تم اسے نہ لو گے مگر آنکھیں سکوڑ کر بے دلی سے (تو تم خدا کی راہ میں ایسی خراب چیزیں کیسے دیتے ہو) اور جان لو کہ اللہ بے پرواہ ہے تمہارے صدقہ سے، سراہا گیا ہے ہر حال میں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری چیز کے بدلے کوئی خراب چیز لا کر دے تو تم کبھی اسے اچھی کے حساب میں نہ لو گے۔ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ اگر تمہیں ایسی خراب چیز ہدیہ بھیجی جائے تو اسے لینے میں تامل کرو گے اور بے دلی سے لو گے تو کیسے ایسی خراب چیز اللہ کے لیے دینے میں راضی ہوتے ہو جو اپنے لیے پسند نہ کرو گے، لیکن اگر تمام مال خراب ہو تو خراب دینا روا ہے۔ [سراج]

تنبیہ: ﴿ما کسبتم﴾ سے ثابت ہے کہ تجارت، صنعت و حرفت سے جو مال پیدا کیا جائے اس میں زکاۃ واجب ہے اور کسب کرنا مباح ہے۔ بڑے بڑے انبیا، اولیاء، صحابہ، تابعین کسب کرتے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ پاکیزہ تر کھانا وہ ہے جو کسب کر کے کھایا جائے۔ اور اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانا سب سے بہتر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھایا کرتے تھے۔ اور ﴿مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم﴾ [البقرة: ٢٦٧] سے اناج اور پھلوں، میووں، ترکاریوں، ساگ پات وغیرہ میں جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں عشر واجب ہوگا۔ [سراج] حاصل یہ ہے کہ اس آیت سے تین مسئلے نکلتے ہیں: سونا چاندی تجارتی مال پر جب کہ بقدر نصاب ہو زکاۃ واجب ہے۔ اور زمین سے جو غلہ، میوہ، پھل، ترکاری پیدا ہوتی ہے ان میں عشر یعنی ان کا دسواں حصہ دینا واجب ہے جب کہ اسے خود محنت کر کے پانی نہ دیا ہو ورنہ بیسواں حصہ۔ اور زمین سے نکلی ہوئی سونا چاندی وغیرہ دھاتوں کی کان میں پانچواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔ اور آیت مذکورہ میں صدقہ سے بعض کے نزدیک زکاۃ مراد ہے کہ بصیغہ امر حکم فرمایا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک صدقہ مستحبہ مراد ہے۔ اور اکثر کے نزدیک ہر قسم کا صدقہ مراد ہے واجبہ ہو یا نافلہ ہو۔ یہی حضرت علی سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اچھا اور کھرا مال خدا کی راہ میں دینے کا حکم فرمایا ہے اور ناقص اور خراب مال دینے کی ممانعت فرمائی ہے کہ اللہ پاک ہے اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے اور ﴿طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو چیز تم نے حلال و جائز طریقہ سے پیدا کی ہو اس میں سے اچھی اور عمدہ چیز خدا کی راہ میں دو کہ اللہ حرام مال کو بری چیز کو قبول نہیں فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے جو مال حرام طور سے کما کر خیرات کرے گا وہ قبول نہ ہوگا اور نہ اس مال میں برکت ہوگی۔ [احمد]

يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا

حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر

الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

عقل والے۔ اور تم جو خرچ کرو یا منت مانو اللہ کو

يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

اس کی خبر ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔ ف۱۴ اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ

اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ

(۱۴) چونکہ گزشتہ آیات میں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم فرمایا گیا تھا، اس سے بخیل طبیعتوں میں شیطان یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اگر تم اپنے مال خدا کی راہ میں یونہی خرچ کرتے رہے تو چندروز میں مال ختم ہو جائے گا اور تم فقیر ہو جاؤ گے اس خیال کو اس آیت میں دفع فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان تمہیں خیرات کرنے سے فقیر محتاج ہونے کا خوف دلاتا ہے اور کنجوسی سکھاتا ہے اور دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اپنا مال خدا کی راہ میں یونہی خرچ کروگے تو چندروز میں تمہارا مال ختم ہو جائے گا اور تم فقیر محتاج ہو جاؤ گے اور بے حیائی کی باتوں کا اور زکاۃ نہ دینے اور صدقہ وخیرات نہ کرنے کا حکم کرتا ہے۔ اور اللہ تم سے خیرات کرنے کے بدلے گناہ بخشنے اور زیادہ رزق دینے کا وعدہ فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا علم والا ہے۔ جو اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے جانتا اور اسے جزا دیتا ہے تو خدا کے وعدہ کا یقین کرو اور شیطانی خیالات میں نہ پڑو۔ فقر محتاجی کا خوف نہ کرو کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن ہمیشہ یونہی بہکایا کرتا اور نقصان پہنچایا کرتا ہے اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے یعنی علم قرآن یا علم شریعت یا تفقہ فی الدین یا علم نافع عطا فرماتا ہے اور جسے اللہ کے یہاں سے علم نافع ملا اسے بہت سی بھلائی ملی جو اسے سعادت ابدیہ کی طرف لے جائے گی اور نصیحت کو عقل مند لوگ ہی مانتے ہیں اور اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ اور ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ﴾ الخ کو درمیان نفقہ کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ علم میں بھی زکاۃ ہے اور وہ دوسروں کو سکھانا پڑھانا ہے۔ کہ حدیث میں آیا ہے: جس علم سے نفع نہیں اٹھایا جاتا ہے وہ اس خزانے کی طرح ہے جس کی زکاۃ نہ دی گئی ہو۔ [احمدی] اور تم جو تھوڑا یا بہت علانیہ یا چھپا کر صدقہ دو گے یا بشرط یا بے شرط منت مانو گے اور اسے پورا کرو گے اسے اللہ جانتا ہے اس کی تمہیں جزا دے گا۔ اور ظالموں کا (جو زکاۃ وصدقات سے منع کریں یا گناہ کی نذر کریں یا بیجا خرچ کریں ان کا کوئی مددگار نہیں ہے جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچائے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَنفق اُنفق علیك" یعنی تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ اور حضرت اسماء سے مروی ہے کہ ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خرچ کر اور شمار نہ کر کہ اللہ تجھ سے شمار کرکے حساب لے گا اور بچا کر نہ رکھ کہ اللہ بھی بچا کر رکھے گا۔ یعنی اگر تو خرچ کرنے سے ہاتھ روکے گا تو اللہ تجھے دینے سے ہاتھ روکے گا۔ [سراج]

تنبیہ: ﴿اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ﴾ [البقرة: ۲۷۰] سے مشروعیت نذر ثابت ہے اور اس کا پورا کرنا بعینہ واجب ہے جب کہ کسی کار خیر کو معین کرکے کی ہو۔ جیسے کوئی کہے کہ اللہ کے لیے حج کروں گا یا روزے رکھوں گا اور یہ اعتقاد نہ ہو کہ وہ نذر قضائے الٰہی کو پھیر دے گی۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ نذر قضائے الٰہی کو مانع نہیں ہوتی ہے اور جو معین نہ کی ہو صرف یہ کہا ہو کہ اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے تو اس میں کفارہ لازم آئے گا۔ حدیث میں ہے: جس نے نذر معین کرکے کی اس پر شئی معین لازم ہے اور جس نے نذر معین کرکے نہ کی اس پر کفارۂ یمین لازم ہے۔ [کبیر]

سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ

گھٹیں گے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ ف۱۵ انہیں راہ دینا تمہارے ذمے لازم نہیں

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ

ہاں اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو اچھی چیز دو تو تمہارا ہی بھلا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ

اور تمہیں خرچ کرنا مناسب نہیں مگر اللہ کی مرضی چاہنے کے لیے اور جو مال دو تمہیں پورا

تنبیہ: نذر کے معنی کسی غیر واجب شئے کو اپنے ذمہ پر واجب کر لینا ہیں۔ وہ دو قسم کی ہوتی ہے: ایک نذر شرعی دوسری نذر عرفی۔ نذر شرعی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے نزدیکی حاصل کرنے کے لیے کسی غیر واجب شئی کو جو عبادت مقصودہ میں سے ہو اپنے ذمہ پر واجب کرلے۔ یہ قسم نذر کی اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر اللہ کے لیے اسے کرنا حرام و باطل ہے۔ اور نذر عرفی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بزرگ کسی معزز کو خوش کرنے اسے اپنی طرف متوجہ اور ملتفت کرنے کے لیے کوئی چیز اس کے سامنے پیش کرے یا پیش کرنے کا وعدہ کرے۔ یہ قسم نذر کی غیر اللہ کے لیے ہوتی ہے اور اس کا اطلاق غیر اللہ کے لیے بکثرت ہوتا ہے اور روزمرہ بولا جاتا ہے۔ حکیم صاحب، ڈاکٹر صاحب، وکیل صاحب کو نذرانہ دیا، مولوی صاحب راجہ صاحب پیر صاحب کو نذر دی۔ بادشاہوں ولی عہدوں کو جو تخت نشینی یا سال گرہ کے وقت امرا وزراء اراکین سلطنت وغیرہ علی حسب مراتب جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ نذر کہی جاتی ہے۔ نئے زمین دار کو کاشت کار لوگ جو اول بار پیش کرتے ہیں اسے بھینٹ نذرانہ کہتے ہیں۔ اور نیاز کا لفظ تو اس سے بھی زیادہ عام ہے، ہر شخص کہتا ہے اور لکھتا ہے مجھے ان سے نیاز حاصل ہے، میں آپ کا نیاز مند ہوں، نیاز مند عبداللہ وغیرہ، اسی طرح سے محبوبان خدا اولیاء اللہ کے حضور جو چیز پیش کی جاتی ہے یا ان کے نام پر خیرات کی جاتی ہے اسے نیاز، نذر، منت کہتے ہیں اور جو چیز ان کے مزار پر بھیجی جاتی ہے اسے چڑھاوا بولتے ہیں۔ اس سے تقرب وعبادت غیر اللہ مقصود نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو نذر اولیائے کرام اللہ تعالیٰ ہی کی نذر ہے کہ جو چیز کسی ولی اللہ کی نذر کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر دی جاتی ہے اور اس کا ثواب اس ولی اللہ کی روح کو پہنچایا جاتا ہے۔ تو اس معنی کر اس قسم کی نذر بلاشک وشبہ جائز وروا ہے اور نذر شرعی سے جدا ہے۔ مگر وہابیہ اس قسم کی نذر کو بھی شرک کہتے ہیں اور نیاز ونذر کی چیز کا کھانا حرام بتاتے ہیں۔ چنانچہ امام الوہابیہ نے "تقویۃ الایمان" میں نذر و نیاز ومنت کو شرک لکھا ہے اور اس کے کرنے والے کو مشرک کہا ہے۔ ان کی اتباع میں اکابر وہابیہ نے بھی بہشتی زیور کے حصہ اول میں اسے شرکیات میں داخل کیا ہے اور حصہ سوم بیان منت میں صراحۃً اسے حرام وشرک لکھا ہے اور منت کی چیز کو کھانا حرام بتایا ہے۔ جس کا رد فقیر نے اصلاح بہشتی زیور حصہ اول میں بخوبی کیا ہے۔

(۱۵) شان نزول: اس کی حضرت صدیق اکبر وعمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا نصف مال لاکر خدمت حضور میں پیش کیا، فرمایا اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کی نصف ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں کہ اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کل مال چھپا کر لائے اور خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کیا، فرمایا: تم اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کی اللہ اور اللہ کے رسول کا وعدہ، حضرت عمر یہ سن کر رو پڑے اور بولے اے ابوبکر! میرے ماں باپ تجھ پر قربان میں نے جس امر خیر میں تجھ پر سبقت کرنا چاہی نصیب نہ ہوئی۔ آپ ہم سب سے آگے بڑھ گئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [ابن کثیر] مطلب یہ ہے کہ علانیہ خیرات کرنا بہت اچھی بات ہے اور چھپا کر فقیروں کو دینا تمہارے لیے سب سے بہتر و افضل ہے اور اس میں تمہارے گناہ گھٹیں گے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے کہ تم نے چھپا کر خیرات کی یا علانیہ۔ بعض روایات میں ہے

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ

ملے گا اور نقصان نہ دیے جاؤ گے۔ ف۱۶ ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ

روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں

اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ

تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا لوگوں سے سوال نہیں کرتے

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ علانیہ صدقہ دینا افضل ہے یا چھپا کر دینا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔[سراج] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ صدقات نافلہ کو چھپا کر دینا علانیہ دینے سے ستر گنا افضل ہے اور صدقۂ واجبہ کو علانیہ دینا چھپا کر دینے سے پچیس گنا افضل ہے۔[بیضاوی وغیرہ] مگر آیت سے چھپا کر دینے کی افضلیت ظاہر ہوتی ہے کہ چھپا کر دینے میں ریا داخل نہیں ہوتا ہے بخلاف علانیہ کے اگرچہ اس کی نیت نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ سات آدمی قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوں گے اس میں ایک وہ ہے جس نے چھپا کر خیرات کی، اس طرح کہ اس کے دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہوئی[بخاری ومسلم] ہاں اگر وہ ایسا ہو جس کو دیکھ کر لوگ اقتدا کریں اس کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے۔ اور زکوٰۃ کو علانیہ دینا افضل ہے تا کہ لوگ اس کی اقتدا کریں اور اس پر نہ دینے کا شبہ نہ کریں جیسے نماز فرض کہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں[سراج] امام احمد وغیرہ کی ایک بڑی حدیث میں ہے کہ خلق میں سخت تر یعنی افضل وہ آدمی ہے جو اپنے سیدھے ہاتھ سے خیرات کرتا ہے اور اسے الٹے ہاتھ سے چھپاتا ہے۔ ابوذر کی روایت میں ہے کہ میں نے حضور سے پوچھا کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا چپکے سے فقیر کو دے دینا اور یہ آیت پڑھی۔ شیخ ابن کثیر کا رجحان اسی طرف ہے اور ائمہ حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ بعض اس کے خلاف کے قائل ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صدقہ کا لفظ فرض ہے اور زکوٰۃ مستحبہ نافلہ پر بھی بولا جاتا ہے کہ قولہ تعالیٰ ﴿خذ من اموالهم صدقة﴾ یعنی ان کے مالوں سے صدقہ لو۔ حدیث میں ہے "نفقة المرء على عياله صدقة" یعنی آدمی کا اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا صدقہ ہے لہٰذا آیت میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں لیکن آیت اور احادیث سے چھپا کر صدقہ دینے کی افضلیت ظاہر ہے کہ چھپا کر دینا بہتر بتایا ہے اور زکوٰۃ کا علانیہ فقراء کو دینا چھپا کر دینے سے بہتر افضل ہے تا کہ شبہ سے محفوظ رہے۔

(۱۶) شان نزول: شروع میں ہر فقیر کو خیرات دی جاتی تھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ جب مسلمان فقیروں کی زیادتی ہوئی تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مشرک فقیروں کو خیرات دینے کی ممانعت فرمائی تا کہ مسلمان فقیروں کی حاجت روائی ہو اور کافر فقیر تنگ ہو کر مسلمان ہو جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور سب کو دینے کا حکم فرمایا گیا۔[رواہ ابن ابی شیبہ] اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حج کیا تو ان کے پاس ان کی مشرکہ ماں ان سے کچھ مانگنے آئیں تو انہوں نے انہیں منع کر دیا تو یہ آیت اتری۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسلام سے پہلے بعض مسلمان اپنے مشرک و یہودی رشتہ داروں کو خیرات دیا کرتے تھے جب وہ اسلام لائے تو انہیں ان کو خیرات دینا ناگوار ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔[سراج] بہر حال مطلب یہ ہے کہ اے نبی فقرائے مشرکین کو ہدایت کرنا اور مسلمان بنانا تم پر لازم نہیں ہے کہ اس کے واسطے انہیں خیرات دینے کی ممانعت کرو۔ ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا راہ اسلام دکھاتا ہے اور تم جو اچھی چیز خدا کی راہ میں دو گے تو اس کا ثواب آخرت میں تمہیں کو ملے گا اگرچہ اس سے دنیا میں فقیر نفع اٹھائیں گے، لہٰذا لوگوں کو اس کے دینے سے روکنا اور منع کرنا نہ چاہیے، اور تمہیں خرچ کرنا نہ چاہیے مگر اللہ کی رضا چاہنے کے لیے نہ کسی اور غرض کے لیے، اور جو مال تم راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا پورا ثواب تمہیں ملے گا اس میں ذرا کمی نہیں کیے جاؤ گے۔

تنبیہ: یہ حکم صدقہ نافلہ کا ہے نہ صدقہ واجبہ کا کہ صدقہ فقیر محتاج کو دینا جائز ہے۔

اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ

کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے۔ ف۱۷ وہ جو

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لیے ان کا نیگ ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ ف۱۸ وہ جو سود کھاتے

(۱۷) شان نزول: اس کا اصحاب صفہ ہیں یہ قریب چار سو آدمی تھے، اپنا گھر بار، مال ومتاع چھوڑ کر مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور مسجد شریف کے چبوترہ پر بسر کرتے تھے۔ تلاوت قرآن وتعلیم احادیث ان کا کام تھا، نہ انہیں کھانے پینے کی فکر تھی نہ کوئی اور دنیوی غم تھا، اگر کسی نے کچھ کھانے کو لا کر دے دیا کھا لیا ورنہ بھوکے سو رہے، اگر کہیں تبلیغ وغیرہ دینی کام میں ان کی ضرورت ہوتی تو بجالاتے اور چھوٹے دستہ فوج میں بھی وقت ضرورت بھیجے جاتے۔ غرض کہ ہمہ وقت دینی کاموں میں مشغول رہتے اور دنیوی معاملات سے علاحدہ۔ مدینہ میں نہ ان کا گھر تھا نہ کوئی رشتہ دار تھا نہ مدینہ سے باہر کمائی کرنے جاتے تھے۔ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ صدقہ ان فقیروں کے لیے ہے جو راہ خدا میں روکے گئے ہیں اور دینی کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے زمین پر چل پھر کر اپنی روزی تلاش نہیں کر سکتے ہیں اور نہ کسی سے سوال کرتے ہیں، انہیں جاہل نادان لوگ نہ مانگنے کی وجہ سے مال دار سمجھتے ہیں تو انہیں اے دیکھنے والے ان کی محتاجوں جیسی صورت اور حالت دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے ہیں کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو گے اللہ اسے جانتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حیادار بردبار سوال سے بچنے والے کو محبوب رکھتا ہے اور بے حیا اور بہت الحاح وزاری کے ساتھ سوال کرنے والے کو مبغوض رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لاد کر لانا اور اس سے گزر کرنا لوگوں سے کوئی چیز مانگنے سے بہتر ہے۔ تیسری حدیث میں ہے۔ جس نے سوال کیا اس حال میں کہ اس کے پاس اتنا ہو کہ وہ اسے سوال سے بے پرواہ کرے تو قیامت کے دن اس کا سوال اس کے منہ پر کھرونچیں مارے گا۔

تنبیہ: بے ضرورت شدید سوال کرنا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا حرام ہے، احادیث صحیحہ میں اس کی ممانعت ومذمت فرمائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مال دار اور کسب کی طاقت رکھنے والے کو سوال کرنا حرام ہے مگر فقیر ضرورت شدید رکھنے والے اور قرض دار باعث رسوائی کو حرام نہیں ہے۔ [مشکاۃ] آج کل بہت سوں نے اسے پیشہ بنا لیا ہے ان کو اس سے باز رہنا اور اپنی حالت کو بدلنا لازم ہے ورنہ گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔

۱۸۔ شان نزول: یہ آیت حضرت ابوبکر وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں نازل ہوئی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار ایک ہزار دینار دن میں اور ایک ہزار رات میں اور ایک ہزار علانیہ اور ایک ہزار چھپا کر خیرات کیے تھے۔ اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے پاس صرف چار درہم تھے، انہوں نے ایک درہم دن میں اور ایک رات میں اور ایک علانیہ اور ایک چھپ کر خیرات کیا تھا۔ [سراج] مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رات اور دن میں، علانیہ اور چھپا کر اپنے مال خیرات کرتے ہیں ان کے لیے ان کا ثواب اللہ کے پاس ہے۔ ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔

تنبیہ: آیت میں صدقہ کرنے کی ترغیب ہے اور جملہ اوقات واحوال میں خیرات کرنے کی دلیل ہے۔

الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو

الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ

یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ

بیع اور حرام کیا سود تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے

مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہیں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ

وہ اس میں مدتوں رہیں گے اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکر بڑا گنہگار۔ ف۱۹ بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے

الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور نہ انھیں کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ ف۲۰ اے ایمان والو!

(۱۹) چونکہ مال کی زیادتی دنیا میں بھی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔ پس آخرت میں مال بڑھنے کی صورت تو مفصل طور سے گزشتہ آیات میں گزر چکی کہ وہ خدا کی راہ میں دینے سے سینکڑوں گنا بڑھتا ہے اور وہ سب آخرت میں دینے والے کو ملتا ہے۔ اب دنیا میں مال بڑھنے کی صورت بیان فرمائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل مال کو سود پر دیا جائے یا اسے تجارت میں لگایا جائے تو وہ بڑھے گا تو سود سے جو مال بڑھے گا وہ حرام ہوگا اور تجارت سے جو بڑھے گا وہ حلال ہوگا۔ اس کی تفصیل اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن آسیب زدہ، خبطی مرگی والے کی طرح بدحواس کھڑے ہوں گے اور یہ حال ان کا اس لیے ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں خدا پر بے جا اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے۔ یعنی جس طرح سود سے مال بڑھتا ہے اسی طرح بیع سے مال بڑھتا ہے تو سود بھی بیع کی طرح حلال ہوا۔ اس کے رد میں اللہ تعالی فرماتا ہے: کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، اس لیے کہ بیع میں خوشی سے ایک چیز دوسری چیز کے معاوضہ میں دی جاتی ہے وہ حلال ہے۔ اور سود کے معاوضہ میں کوئی چیز نہیں دی جاتی ہے بلکہ وہ اصل سے زیادہ بلا معاوضہ جبراً وصول کیا جاتا ہے اور مال مسلم بغیر عوض لینا حرام ہے، لہذا سود حرام ہوا تو جس نے اس کے رب کے پاس سے نصیحت پائی اور وہ سود کھانے سے باز رہا تو اس ممانعت سے پہلے کے لیے ہوئے سود کا مواخذہ نہ ہوگا اور نہ اسے واپس کرنا

پڑے گا،اس کی معافی کا کام خدا کے سپرد ہے وہ معاف کرنے والا ہے۔اور جواب ایسی حرکت کرے گا یعنی بعد ممانعت سود کھائے گا وہ مدتوں دوزخ میں رہے گا۔یا اب جو اسے بیع کی مانند حلال جان کر کھائے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اپنے کفر کی وجہ سے۔اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور پالتا، بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ پسند نہیں کرتا ہے ناشکرے اور بڑے گنہگار کو۔بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ صدقہ کو قبول فرماتا ہے اور اسے پالتا بڑھاتا ہے جیسے کہ تم میں کوئی بچہ کو پودے کو پالتا پرورش کرتا ہے۔امام احمد کی روایت میں ہے کہ کوئی مال صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا ہے۔

تنبیہ: بیع کے معنی ہیں ایک مال کو دوسرے مال سے بدلنا۔اور وہ نفع اٹھانے کے لیے مشروع و جائز کی گئی ہے۔اور ربوٰ کے معنی بھی زیادتی اور نفع کے ہیں تو بیع اور ربوٰ کے معنی میں اجمال اور وابہام رہا کہ کونسی زیادتی حلال اور کونسی زیادتی حرام فرمائی گئی ہے،اس اجمال وابہام کو حدیث "الحنطة بالحنطة الخ نے دور کردیا اور بیان کردیا کہ جب دو چیزیں جنس میں اور قدر میں یعنی ناپ تول میں متحد ہوں تو انہیں برابر سرابر نقد بیچنا حلال ہوگا اور ان میں زیادتی کمی کر کے بیچنا یا ادھار بیچنا حرام وسود ہوگا۔مثلاً چاندی کو چاندی کے بدلے یا گیہوں کو گیہوں کے بدلے برابر سرابر نقد بیچا تو جائز وحلال ہوگا اور زیادتی کے ساتھ بیچنا یا ادھار بیچنا حرام وسود ہوگا، جیسے تولہ بھر چاندی یا سیر بھر گیہوں سوا تولہ چاندی یا سوا سیر گیہوں کے بدلے نقد یا ادھار بیچے۔اور اگر وہ دونوں چیزیں جنس میں متحد اور قدر میں مختلف ہوں جیسے گیہوں اور جو تو انہیں زیادہ کو نقد بیچنا حلال ہوگا اور ادھار بیچنا حرام ہوگا۔اور اگر وہ دونوں چیزیں جنس وقدر میں متحد نہ ہوں تو ان میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہوگا۔جیسے روپیہ سے غلہ، کپڑا وغیرہ بیچنا خریدنا۔

تنبیہ: حدیث مذکور میں جو چیزیں وزنی ہیں یعنی اس وقت تول کر بیچی جاتی تھیں اور جو چیزیں کیلی ہیں یعنی اس وقت پیمانہ سے ناپ کردی جاتی تھیں وہ ہمیشہ وزنی اور کیلی ہی رہیں گی اگرچہ اختلاف رواج کے باعث وزنی کیلی اور کیلی وزنی ہوجائے۔اور جن چیزوں میں بعلت مذکورہ ربوٰ ثابت ہوگا ان میں کھرا کھوٹا اچھا برا سب برابر ہوگا یہ نہ ہوگا کہ کھری چاندی کے بدلے کھوٹی چاندی اور اچھے گیہوں کے بدلے ردی گیہوں زیادہ لے لیے جائیں بلکہ برابر لیے جائیں گے ورنہ سود ہوگا۔اور سود جیسے بڑھنے سے ہوتا ہے ویسے ہی ادھار سے ہوتا ہے۔مثلاً تولہ بھر چاندی کو تولہ بھر چاندی کے بدلے نقد بیچا تو جائز ہے اور ادھار بیچا تو حرام۔اگر روپیہ یا اور کوئی چیز جن میں ربوا ہوتا ہے کسی کو اس شرط پر قرض دی کہ اس سے زیادہ دینا یا میرا یہ کام کرنا تو سود ہوگا۔سود کا مسئلہ نہایت اہم اور مشتبہ ہے اس کی مزید تفصیل وتحقیق کتب فقہ میں دیکھ کر عمل کیا جائے اور اس کے شبہہ سے بھی بچا جائے،اس کی تمام قسمیں حرام ہیں اور قرآن وحدیث میں ان پر سخت وعیدات وارد ہیں۔اول اس کے کھانے والے آسیب زدوں مرگی والوں کی طرح قیامت کے دن اٹھیں گے۔دوسرے ممانعت کے بعد اس کو کھانے والے دوزخی ہیں اور اسے حلال جان کر کھانے والے کافر ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔تیسرے سود کے مال کو اللہ ہلاک کرتا ہے۔چوتھے سود خواروں کو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑنے کا اعلان کردو۔حدیث صحیح میں سود کے دینے اور لینے اور لکھنے اور گواہی کرنے والے پر لعنت آئی ہے۔[مسلم وغیرہ] بیہقی کی حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اور خفیف یہ ہے جیسے کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا۔(العیاذ باللہ تعالی) ابن ماجہ وابوداؤد واحمد کی حدیث میں ہے لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں سود کھائیں گے۔پوچھا گیا کیا سب لوگ سود کھائیں گے فرمایا جو نہ کھائے گا اسے اس کا غبار پہنچے گا۔ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے حجۃ الوداع میں فرمایا آگاہ ہو کہ جاہلیت کے تمام سود ساقط ہوگئے اب تمہارے لیے اصل مال ہے اس میں زیادتی ہے نہ نقصان۔

(٢٠) گزشتہ آیت میں سود خواروں اور سود کو بیع کے مثل کہنے والوں کا ذکر ہوا تھا اس آیت میں سود نہ کھانے والوں خدا کے حکم کی تعمیل کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی کی عادت کریمانہ اسی طرح جاری ہے کہ جہاں کہیں نہ ماننے والوں کے لیے کوئی وعید ذکر فرماتا ہے تو اس کے ساتھ ماننے والوں کے لیے وعدۂ انعام بھی ذکر فرماتا ہے اور ﴿یا ایها الذین امنوا﴾ سے یہاں بعض کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو سود کے حرام ہونے پر ایمان لائے تھے۔[مدارک] باقی مطلب آیت کا ترجمہ سے واضح ہے۔

اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود، اگر مسلمان ہو

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ

پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو

فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ

تو اپنا اصل مال لے لو، نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو ف۲۱ اور اگر

كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ

قرض دار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ

تمہارے لیے اور بھلا ہے اگر جانو اور ڈرو اس دن سے جس میں

اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اللہ کی طرف پھرو گے اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۲۲

(۲۱) شان نزول: یہ آیت بنی ثقیف کے حق میں نازل ہوئی کہ ان کا بنی مغیرہ پر کچھ قرض آتا تھا، جب اس کی ادائیگی کا وقت آیا تو انہوں نے اصل اور ممانعت سے پہلے کے سود کا مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور بنی ثقیف نے کہا کہ ہم میں اللہ ورسول سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔[مدارک وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی رہا ہوا سود چھوڑ دو اگر تم اپنے ایمان میں سچے ہو کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنا سچے مومن کی علامت وشان ہے۔ پس اگر تم ایسا نہ کرو گے جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا یقین رکھو۔ اور جو تم پچھلا سود لینے سے توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو زیادہ لے کر نقصان پہنچاؤ اور نہ تمہیں نقصان ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سود خواروں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے ہتھیار اٹھائیں اور لڑائی کے لیے تیار ہوں۔

(۲۲) شان نزول: جب پچھلا سود لینے کی ممانعت ہوئی تو بنی ثقیف نے بنی مغیرہ سے اصل روپیہ کا سخت تقاضا کیا اور فوراً ادا کرنے کو کہا، بنی مغیرہ نے مہلت چاہی تو انہوں نے مہلت نہ دی اور کہا کہ جب ہم نے سود چھوڑ دیا تو اصل وصول کرنے میں کیوں مہلت دیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر قرض داروں میں سے کوئی قرض دار تنگ دست ہو اس وقت اس کے پاس دینے کو نہ ہو تو اسے مہلت دو آسانی ہونے تک یعنی اس کے پاس روپیہ آنے تک اور قرض بالکل اس کو چھوڑ دینا معاف کر دینا تمہارے لیے اچھا ہے مہلت دینے سے اگر تم اس کی اچھائی اور کثرت ثواب کو جانو۔ اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے یعنی روز قیامت سے پھر اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی پوری دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اہل معانی فرماتے ہیں کہ اللہ کی لڑائی آگ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لڑائی تلوار ہے۔ یعنی دنیا میں ان کے لیے تلوار ہے اور عقبیٰ میں ان کے لیے عذاب نار ہے۔

تنبیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی جب جبرئیل امین اسے لے کر

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دَین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا

اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ

عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ

اسے اللہ نے سکھایا ہے تو اسے لکھ دینا چاہیے اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے

اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ

ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے پھر جس پر

الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ

حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا

وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ

ولی انصاف سے لکھائے ف٢٣ اور دو گواہ کر لو اپنے مَردوں میں سے پھر اگر

آئے تو کہا کہ اسے سورۂ بقر کی دو سو اسی آیتوں پر رکھو۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف نو، دس رات یا باختلاف روایات کچھ زیادہ زندہ رہے۔ [مدارک وغیرہ] اور اس آیت سے قرض دار کو مہلت دینے یا اسے بالکل معاف کر دینے کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس نے غریب تنگ دست کو مہلت دی یا معاف کیا اللہ اسے اس روز اپنے سائے میں جگہ دے گا جس روز سوائے اس کے کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ دوسری حدیث میں جو شخص اپنے قرض دار کو ڈھیل دے گا اسے ہر روز اتنے روپے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ تیسری حدیث میں ہے جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا معاف کیا اللہ اس سے قیامت کی سختی دور فرمائے گا۔ چوتھی روایت میں ہے کہ ایک شخص کی روح سے فرشتے ملاقات کریں گے اور اس سے پوچھیں گے تو نے کوئی نیک کام کیا ہے۔ وہ کہے گا نہیں۔ فرشتے کہیں گے خوب یاد کر تو وہ کہے گا میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے آدمیوں سے کہتا تھا کہ امیر کو مہلت دینا اور غریب تنگ دست سے در گزر کرنا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا تم بھی اس شخص سے در گزر کرو۔ [سراج] امام احمد کی روایت میں ہے کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو اور اس کی سختیاں دور ہوں تو وہ غریب تنگ دست پر آسانی کرے۔ انہیں کی دوسری روایت میں ہے جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا معاف کیا اسے اللہ تعالیٰ جہنم کی آنچ سے محفوظ رکھے گا اور جس نے تنگ دست کو خوش حال ہونے تک کی مہلت دی اللہ اس کے گناہوں میں توبہ کرنے تک کی مہلت دے گا۔

(٢٣) یہ قرآن عظیم کی سب سے بڑی آیت ہے اور آیت مداینت کہلاتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اموال میں احتیاط کرنے کے لیے ابھارا ہے کہ وہ مصالح معاش و معاد کا سبب ہیں اور حلال و حرام میں واقع ہونے کا باعث ہیں، اگرچہ بظاہر یہ آیت معاملۂ دین کے متعلق ہے، مگر حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے بیع سلم مراد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کو اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور بہت بڑی آیت اس کے متعلق قرآن عظیم میں نازل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے۔

[احمدی عن الہدایہ] انہیں سے مروی ہے کہ یہ آیت بیع سلم میں نازل ہوئی ہے جب کہ اللہ نے سود حرام کیا تو اس کے عوض سلم کو مباح کیا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ کھجوروں میں دو دو تین تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے۔ پس حضور نے فرمایا جو بیع سلم کرے، بہر حال اس سے بیع سلم بھی مراد ہو سکتی ہے اور دوسرے دیون بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ وہ سب کو شامل ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ اے ایمان والو! جب تم ایک مدت مقررہ کے لیے کسی سے کسی دین کا معاملہ کرو یعنی کوئی ادھار لین دین کرو خواہ وہ بیع سلم ہو یا کوئی اور دین تو اسے مضبوطی اور یادداشت کے لیے لکھ لو۔ اور لکھنے والے کو تمہارے درمیان دین کا کاغذ تمسک ٹھیک ٹھیک لکھنا چاہیے نہ اس میں مال کی کمی زیادتی کرے نہ مدت کی، اور جب وہ لکھنے کے لیے بلایا جائے تو اس کے لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے لکھنا سکھایا ہے ویسے ہی وہ بھی لکھے اور دونوں کو نفع پہنچائے، اس میں بخل و سستی نہ کرے اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے بتاتا جائے کہ اس نے اتنا قرض اتنی مدت کے وعدہ پر لیا ہے، اور اس کے لکھانے میں اللہ سے ڈرے کہ جو اس کا رب ہے اور حق میں کچھ کمی نہ کرے۔ پھر جس پر حق آتا ہے اگر وہ بے عقل یا کمزور ہو بچپنے یا بڑھاپے کے سبب یا گونگا یا جاہل ہونے کی وجہ سے لکھا نہ سکے تو اس کا ولی و وارث انصاف سے صحیح صحیح لکھائے۔

تنبیہ: ﴿إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ﴾ [البقرة:۲۸۲] سے یا کسی چیز کو ادھار خریدنا مراد ہے یا ادھار بیچنا مراد ہے۔ اول میں چیز نقد اور قیمت ادھار ہوتی ہے اور دوسری میں قیمت نقد اور چیز ادھار ہوتی ہے اور دین کو لکھنا مباح ہے واجب نہیں ہے۔ اور ﴿وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ [البقرة:۲۸۲] دلیل ہے اس کی کہ کاتب احتیاط کے ساتھ لکھے، لکھنے میں زیادتی کمی نہ کرے ورنہ مواخذہ دار ہوگا اور کاتب عالم شرائط وثیقہ ہونا چاہیے۔ اور کاتب کو لکھنے سے انکار کرنا منع ہے۔ تفسیر احمدی میں زاہدی سے ہے کہ شروع اسلام میں لکھنے کا حکم تھا، کاتب و شاہد کم ہونے کی وجہ سے پھر منسوخ ہو گیا۔ اور کتابت یادداشت کے لیے ہوتی ہے اور بھولنے پر کام آتی ہے۔ چنانچہ امام احمد کی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے ان کی عمر پوچھی۔ فرمایا: ساٹھ برس۔ عرض کی کچھ بڑھا دے۔ فرمایا: تیری عمر میں سے بڑھا دوں۔ پس آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس برس انہیں دیے تو ان سے اس کی تحریر لکھا کر فرشتوں کی اس پر گواہی کرائی۔ جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا اور موت کے فرشتے آئے تو انہوں نے ان سے کہا میری عمر کے ابھی چالیس برس باقی ہیں۔ فرشتے بولے تم نے اپنی عمر کے چالیس اپنے بیٹے داؤد کو دیے ہیں تو آدم علیہ السلام نے انکار کیا پس وہ تحریر ان کے سامنے پیش کی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہزار برس حضرت آدم علیہ السلام کے اور سو برس حضرت داؤد کے پورے کر دیے۔ اور اگر ﴿إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [البقرة:۲۸۲] سے بیع سلم مراد لی جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ تو یہ جاننا چاہیے کہ بیع سلم شرعاً وہ بیع ہے جس میں چیز کی قیمت پہلے دینا اور چیز بعد کو مدت مقررہ پر لینا ہو، گویا خریدی ہوئی چیز ادھار رہتی ہے۔ بیع سلم میں قیمت کو راس المال اور بیچی ہوئی چیز کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔ مثلاً دس روپیہ کے گیہوں دس سیر کے حساب سے فصل پر دینا ٹھہرے اور روپے پیشگی دیدیے تو روپیہ راس المال ہوا اور گیہوں مسلم فیہ ہوئے اور یہ بیع سلم ہوئی۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بیع سلم کے جواز کی سات شرطیں ہیں۔ چیز معلوم ہو۔ اور چیز کی قسم۔ اور صفت۔ مقدار اور دینے کی مدت۔ اور جگہ۔ اور قیمت کی مقدار معلوم ہو۔ اور دین عام طور سے قرض ادھار کو کہتے ہیں لیکن اصل میں دین اور قرض میں فرق ہے کہ دین میں مدت ادائیگی مقرر ہوتی ہے اور وہ ذمہ پر واجب ہوتا ہے اور اختتام مدت پر دائن کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور خلاف جنس ادائیگی ہوتی ہے۔ اور قرض میں اس کا مثل و ہم جنس واپس کرنا لازم ہوتا ہے اور اس میں مدت ادائیگی مقرر نہیں ہوتی ہے، اسی لیے قرآن عظیم میں اسے قرض حسن فرمایا گیا ہے۔ یعنی بلا مدت و مطالبہ کا قرض۔ اور قرض دینے والا جب کسی کو دے تو اس پر کوئی نفع کسی قسم کا نہ لے ورنہ سود ہوگا کہ حدیث میں ہے کہ جس قرض سے نفع اٹھایا جائے وہ سود ہے۔ گویا وہ ایک قسم کا صدقہ ہے اسی لیے دینے والے کو تاخیر مطالبہ میں روزانہ صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ [کما فی الحدیث] رہا یہ کہ قرض میں قرض لینے والے کو مدت ادائیگی کا ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تو

لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، ایسے گواہ جن کو پسند

الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا

کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے اور

يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا

گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دَین چھوٹا ہو

اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ

یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اوراس میں

لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہہ نہ پڑے مگر یہ کہ کوئی سردست کا سودا

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ

دست بدست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ؕ

اور جب خرید فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ

اور جو ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ف۲۴ اور اگر تم سفر میں ہو اور

حدیث ابورافع سے اس کا جواز ثابت ہے کہ حضور نے ایک یہودی سے رجب کا چاند دیکھے جانے کی مدت کے وعدہ پر آٹا قرض منگایا۔ [رواہ البزار وابو یعلی کما فی الاتقان] نیز بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور عطار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ قرض میں مدت لگانا جائز ہے جیسا کہ آج کل رائج ہے۔

(۲۴) یہ آیت مداینت کا جز ہے اس میں قرض پر گواہ بنانے اور اس کا کاغذ لکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اور اس دین پر اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں گواہ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو اور یہ دو عورتوں کا گواہ ہونا اس لیے ہے کہ اگر ان میں سے بوجہ نقصان عقل شہادت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے اور گواہ جب گواہی کے لیے بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور کتابت کو بھاری نہ جانو خواہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کر لو۔ یہ لکھنا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف

تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو ہو قبضہ میں دیا ہوا اور اگر تم میں ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو

فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا

تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور

الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو

عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا

جانتا ہے۔ ف۲۵ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے

ع ۳۹ / ۷

کی بات ہے۔اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور شک واقع نہ ہوگا کہ لکھا ہوا دین مدت وغیرہ سب باتوں کو یاد دلائے گا۔مگر یہ کہ سودا تمہارے درمیان نقد ہاتھوں ہاتھ ہو تو لکھنے کی ضرورت نہیں اور نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہ ہوگا۔اور جب خرید وفروخت کرو تو گواہ کرلو کہ گواہی اختلاف دور کرتی ہے اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے اور نہ کسی گواہ کو، یا صاحب حق کو نہ لکھنے والا ضرر دے اور نہ گواہ۔اور جو تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہارے کاموں کی مصلحت سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تنبیہ: آیت میں امر، ہر دو جگہ اباحت کے لیے ہے۔یعنی لکھنا اور گواہ بنانا واجب نہیں ہے۔اور حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی شہادت مرد کے ساتھ سوائے حدود وقصاص کے سب باتوں میں معتبر ہے نہ تنہا عورتوں کی۔مگر ولادت وازالہ بکارت وعیوب نساء میں صرف ایک عورت کی شہادت معتبر ہے اور گواہوں کا عادل مسلم ہونا شرط ہے جس کی طرف ﴿مِن رِّجَالِكُمْ فَاِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾[البقرۃ:۲۸۲] سے اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اپنا مسلمان ہوگا اور عادل کو ہر ایک پسند کرے گا اور ﴿لَا يَاْبَ الشُّهَدَاءُ﴾ سے گواہی کا فرض کفایہ ہونا معلوم ہو رہا ہے، اور گواہوں کو گواہی سے انکار کرنا گناہ ہے جب کہ وہ گواہی کے لیے بلائے جائیں۔نقد لین دین میں لکھنے کی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔اور کاتب وگواہ کا صاحبان حق کو کاغذ میں تحریف کرکے یا صحیح شہادت نہ دے کر ضرر دینا گناہ ہے۔یا یہ معنی ہیں کہ صاحبانِ حق کاتب وشاہد کو ضرر وتکلیف نہ دیں، ان کا گواہی دینے کو آنے جانے کا خرچہ دے دیں اگر وہ قریب ہوں اور بے ضرورت انھیں آنے جانے کی تکلیف نہ دیں۔

(۲۵) یہ آیت بھی آیت مداینت کا تتمہ ہے اور یہ دوسرا طریقہ لین دین کا بتایا گیا ہے اور اس میں کوئی چیز رہن رکھ کر روپیہ وغیرہ کوئی چیز لینے اور شہادت نہ چھپانے کا ذکر ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور لین دین کی ضرورت پڑے اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز اطمینان کے لیے رہن رکھ دو۔اور جو تم میں ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو تو رہن رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔مدیون، دائن کا دین ادا کردے اور اس کی ادائیگی میں اللہ سے ڈرو، بلاوجہ اس میں تاخیر اور خیانت نہ کرو، نیک نیتی سے بلا تاخیر ادا کردو، اور گواہی نہ چھپاؤ جب کہ گواہی کے لیے بلائے جاؤ اور جو گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا کہ دل رئیس الاعضاء محل شہادت ہے جب وہ گنہگار ہوگا تو باقی اعضا بھی گنہگار ہوں گے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شہادت کا چھپانا اکبر الکبائر ہے۔

تنبیہ: سفر میں کاتب نہ ملنے کی حالت میں جو رہن رکھنے کو فرمایا گیا ہے یہ محض توثیقاً ہے ورنہ رہن سفر وحضر میں باوجود کاتب موجود ہونے کے بھی جائز ہے جیسا کہ اصحاب صحاح نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنی زرہ ایک

فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے گا بخشے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ

اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ف٢٦ رسول ایمان لایا اس پر

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے سب نے مانا اللہ

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫

اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا

اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا تیری معافی ہو اے رب ہمارے! اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔ ف٢٧

يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر، اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی

یہودی کے پاس بیس صاع جو کے بدلے رہن رکھی .اور ''فرهن مقبوضة'' سے رہن کی مشروعیت اور اس میں قبضہ کا شرط ہونا ثابت ہے۔اور ﴿ولا تکتموا﴾ گواہوں سے خطاب ہے۔

(٢٦) شان نزول: جب یہ آیت نازل ہوئی صحابہ کرام پر بہت گراں گزری اور انھوں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہم نماز، روزہ، جہاد، زکاۃ وغیرہ اعمال کے مکلّف کیے گئے تھے انہیں کی ہم میں طاقت نہ تھی اب یہ آیت نازل ہوئی ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے ہیں تو حضور نے فرمایا: کہ تم اللہ کے حکم کو بغیر چون و چرا کے مان لو، یہود و نصاریٰ کی طرح حیل وحجت نہ کرو "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" نہ کہو بلکہ "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" کہو۔وہ تمہاری طاقت اور اپنے حکم کو جانتا ہے تو انہوں نے بھی کلمات عاجزانہ کہنا شروع کیے اس کے بعد ہی ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ نازل ہوئی جب اس کے موافق دعا کی تو اللہ نے اس آیت کے حکم کو ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:٢٨٦] سے منسوخ فرمایا۔[رواہ مسلم وغیرہ] یہی قول حضرت علی وعبد اللہ ابن مسعود وابن عمر وحضرت عائشہ وابو ہریرہ وغیرہ ایک جماعت صحابہ وتابعین کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔اور بعض کے نزدیک وہ محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔باقی آیت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

(٢٧) شان نزول: اس کا اس سے پہلی آیت میں ذکر کیا گیا۔مطلب اس کا یہ ہے کہ رسول اور مسلمان اس پر ایمان لائے جو رسول اس کے رب کی طرف سے اترا۔اور سب نے مانا اللہ اور فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کہا۔اور کہا کہ ہم نے حکم الٰہی کو سنا اور مانا، ہم تجھ سے تیری معافی کا سوال کرتے ہیں اے رب ہمارے اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔

تنبیہ: رسول سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم مراد ہیں اور ﴿بما انزل﴾ سے قرآن عظیم مراد ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ

اے رب ہمارے! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے! اور ہم پر

اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا اے رب ہمارے! اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وقفة وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وقفة

جس کی ہمیں سہار نہ ہو اور ہمیں معاف فرمادے اور بخش دے

وَارْحَمْنَا ۟ وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

اور ہم پر مہر کر تو ہمارا مولیٰ ہے تو

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

کافروں پر ہمیں مدد دے۔ ف۲۸

ع ۸

(۲۸) شان نزول: یہ آیت بھی شان نزول مذکورہ کے تحت ہے اور صحابہ کرام کی شکایت مذکورہ دور کرنے اور انہیں اطمینان دلانے کے لیے نازل ہوئی اور اس سے اول آیت کا حکم منسوخ ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے، جو اس نے نیک کام کیے اس میں اس کا فائدہ ہے اور جو اس نے برے کام کیے اس میں اس کا نقصان ہے اور جو کام اس نے نہیں کیے دل میں ان کے کرنے کا خیال گزرا ان کا مواخذہ اس سے نہ ہوگا کہ وہ اس کی طاقت سے باہر ہیں، اور وہ اس طرح دعا کیا کرے ﴿ربنا الخ﴾ باقی آیت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

تنبیہ: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [البقرة:۲۸۶] سے ظاہر ہے کہ جب تک بندہ کوئی فعل نہیں کرے گا اس کی سزا و جزا کا مواخذہ اس سے نہ ہوگا اگرچہ اس نے اس فعل کے کرنے کا عزم وارادہ کیا ہو، اس سے دل میں پیدا ہونے والے وسوسے اور خیالات خارج ہیں کہ وہ بندہ کی طاقت سے باہر ہیں۔ حدیث میں ہے اللہ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کو معاف فرمایا ہے جب کہ وہ انہیں نہ کریں یا کہیں نہیں۔ رہا یہ کہ برے کام کے عزم کا مواخذہ ہوگا یا نہیں تو جمہور کے نزدیک ہوگا۔ شیخ ابو منصور اور شمس الائمہ حلوانی کا اسی طرف میلان ہے۔ اسی لیے عزم کفر کو کفر کہا گیا ہے۔ [مدارک] اور بعضوں کے نزدیک نہیں ہوگا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ جو بندہ بدی کا قصد کرے اسے نہ لکھو۔

تنبیہ: اس دعا میں چند باتیں تعلیم فرمائی گئی ہیں۔ اول:۔ خطا ونسیان سے درگزر چاہنا۔ حدیث میں ہے میری امت سے بھول چوک اور زبردستی گناہ کرانا اٹھالیا گیا ہے یعنی اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ [رواہ احمد وابوداؤد] دوسرے بھاری بوجھ اور احکام شاقہ سے بچانا۔ تیسرے طاقت سے زیادہ بوجھ نہ رکھنا۔ چوتھے گناہ معاف کرنا، بخشنا، رحم فرمانا، کفار کے مقابلہ میں مدد کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب کی امت مرحومہ کی دعا قبول فرمائی کہ جو بوجھ اور احکام شاقہ الخ! سے اگلوں پر تھے وہ اس پر نہ رکھے گئے اور ہر کام میں ان کے لیے آسانی کی گئی۔ مثلاً اگلوں پر چوتھا حصہ مال کا زکاۃ میں دینا فرض تھا ہم پر چالیسواں حصہ فرض کیا گیا ہے۔ ان کی توبہ بغیر قتل قبول نہیں ہوتی تھی ہماری صرف زبان سے کہنے اور استغفار کرنے سے قبول ہوتی ہے۔ ان کا نجس کپڑا اس قدر کاٹنے سے پاک ہوتا تھا ہمارا صرف تین بار دھونے سے اور نچوڑنے سے پاک ہوتا ہے۔ وہ جو نسیان کرتے تھے فوراً عذاب دیے جاتے اور جب کوئی خطا کرتے تھے تو کوئی حلال

چیز ان پر حرام کی جاتی تھی اور جو گناہ رات کو کرتے تھے وہ صبح ان کے دروازے پر لکھا پایا جاتا تھا۔ اپنے محبوب کی امت پر یہ نوازش واکرام ہے کہ ان کا خطاؤنسیان معاف فرمایا۔ گناہوں کو چھپایا اور ان کے لیے تمام طیبات حلال فرمائے جیسا کہ ان کے حق میں فرمایا گیا ہے ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف: ۱۵۷] دور کرتا ہے وہ بوجھ ان کے اور وہ احکام شاقہ جو ان پر تھے۔ حدیث میں ہے کہ میری امت سے خسف و مسخ وغرق دور کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ کو لائق نہیں ہے کہ اے محبوب تم ان میں ہو اور وہ انہیں عذاب دے، اللہ انہیں عذاب نہیں دینے والا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کرتے رہیں گے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہم سے اٹھائی گئیں اور تکالیف شاقہ سے بچایا گیا اور طرح طرح کی آسانیاں اور تخفیفیں احکام میں کی گئیں۔ حضرت سعید ابن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ﴿غُفْرَانَكَ رَبَّنَا﴾ وغیرہ الفاظ کی تفسیر میں راوی کہ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے: میں نے تجھے بخش دیا اور مواخذہ نہ کروں گا اور نہ تجھ پر بوجھ رکھوں گا اور نہ تجھ پر ایسا بوجھ لادوں گا جس کے اٹھانے کی طاقت تو نہیں رکھتا ﴿واعف عنا﴾ میں نے تجھے معاف کیا اور تجھ پر رحم کیا اور کافروں کے مقابلہ میں تیری مدد کی۔ [احمدی] مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب یہ دعا پڑھتے تھے تو اس کے ہر کلمہ کے بعد کہتے تھے۔ "قد فعلت" [سراج] فائدہ: ان آیات کی فضیلت احادیث بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ میں بہت آئی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک فرشتے نے حاضر ہو کر خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو نور عطا فرمائے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ ہے اور دوسرا سورۂ بقر کی آخری آیتیں ہیں، ان میں سے کوئی حرف نہیں پڑھو گے مگر دیے جاؤ گے اور جو کوئی ان دونوں آیتوں کو رات میں پڑھے گا وہ اسے کافی ہوں گی یعنی قیام لیل سے یا شر جن وانس اور جملہ مکروہات۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی بعد عشا ان آیات اخیرہ کو پڑھے گا وہ قیام لیل کے لیے کافی ہوں گی، یعنی اسے قیام لیل کا ثواب ملے گا اور جس گھر میں وہ تین رات پڑھی جائیں گی اس میں شیطان کا دخل نہ ہوگا۔ دارمی کی خدیث میں ہے کہ حضور سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنی امت کو کونسی آیت کا ثواب پہنچانا زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزائن رحمت تحت العرش سے ہیں جو اس امت کو دی گئی ہیں، وہ دنیا وآخرت کی ہر خیر وبرکت پر مشتمل ہیں۔ انھیں کی دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے خزانہ تحت العرش سے عطا ہوئی ہیں، لہذا ان کو سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ کہ وہ صلاۃ ہیں اور قربان ہیں اور دعا ہیں، یعنی ان کے پڑھنے سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے، قرب خدا حاصل ہوتا ہے، اور اس کی جناب میں عرض حاجت کی جاتی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد دفن میت کے سرہانے شروع سورۂ بقرہ کی آیتیں مُفْلِحُوْن تک اور پائینتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر تک پڑھنا مستحب ہے (شامی) کہ باعث آسانی جواب نکیرین اور موجب تخفیف عذاب قبر ہوگا کہ تلاوت قرآن مطلقاً باعث خیر وبرکت وموجب ورود رحمت ہے، نہ کہ ایسی معظم ومتبرک آیات کو پڑھنا جن کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہو اور میت کو اس وقت سخت ضرورت ہو، یونہی بعد دفن میت قبر پر اذان کہنا علمائے اہل سنت کے نزدیک مندوب ومستحب ہے کہ وہ اللہ کا ذکر ہے اور ذکر الٰہی باعث ورود رحمت ومغفرت و برکت سے آسان فرمائے کہ اذان میں ان کی تلقین ہے بلکہ خود اذان کی بابت ماثور ہے کہ وہ جس جگہ ہوگی عذاب الٰہی اس جگہ سے دور دافع عذاب ہے، کچھ عجب نہیں بلکہ امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے عذاب قبر دور فرمائے اور سوالات نکیرین کا جواب اپنے ذکر کی ہوگا، شیطان بھاگے گا، آگ ٹھنڈی ہوگی، علاوہ اس کے میت کے لیے اس میں اور فائدے بھی ہیں جو حضرت مترجم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں بیان کیے ہیں اور قبر پر عذاب کہنے کو شرعاً مندوب ومستحب بلکہ فرد سنت لکھا ہے، مگر وہابیہ کے نزدیک قبر پر اذان کہنا بدعت وگناہ ہے، ان کی عادت ہے کہ جس بات کے ناجائز ہونے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہو اسے بدعت کہہ دیا کرتے ہیں اگرچہ اس کی اصل شرع میں پائی جاتی ہو۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ — اٰيَاتُهَا ٢٠٠ — رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحمت والا۔

الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ

اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا۔ اس نے تم پر یہ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ

سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور اس نے اس سے پہلے توریت

وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۥ اِنَّ

اور انجیل اتاری۔ لوگوں کو راہ دکھاتی اور فیصلہ اتارا۔ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب،

ذُوانْتِقَامٍ ﴿٤﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا

بدلا لینے والا ہے۔ ف۲۹ اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ

(۲۹) یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی اس کا نام آل عمران ہے کہ اس میں آل عمران کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ بسم اللہ اور الم کی تفسیر شروع سورۂ بقر میں دیکھنا چاہیے۔

شان نزول: کلبی اور ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ یہ وفد نصاریٰ نجران کے حق میں نازل ہوئی جو حضور سے مناظرہ کرنے آئے تھے، وہ ساٹھ آدمی تھے جن میں چودہ اشراف تھے، ان چودہ میں تین آدمی سردار وصدر وفد تھے، ان کا نام عبد مسیح، ایہم، ابوحارثہ تھا۔ ابوحارثہ بڑا پادری تھا، عصر کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہو کر مشرق کی طرف نماز پڑھی، حضور نے فرمایا: پڑھنے دو۔ پھر عبد مسیح اور ایہم حضور کی طرف مخاطب ہوئے پس حضور نے ان سے فرمایا: تم اسلام لاؤ؟ بولے: ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے، تو حضور نے فرمایا: تم غلط کہتے ہو۔ تین وجہوں سے تم اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ اول اللہ کے لیے بیٹا مانتے ہو۔ دوسرے صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ تیسرے خنزیر کھاتے ہو۔ بولے: عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ تھے تو ان کا باپ کون تھا؟ تو حضور نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے ہو کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ بولے: ہاں۔ پھر حضور نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہمارا رب زندہ ہے مرنے والا نہیں ہے اور عیسیٰ پر فنا طاری ہوئی بولے ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا: کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہمارا رب سب چیزوں کی حفاظت کرتا ہے رزق دیتا ہے بولے ٹھیک ہے۔ فرمایا: پس بتاؤ کہ عیسیٰ ان میں سے کوئی کام کر سکتے ہیں؟ بولے نہیں۔ پھر حضور نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ پر کوئی چیز آسمان وزمین کی چھپی نہیں ہے۔ بولے ہاں۔ فرمایا: تو کیا عیسیٰ اس میں سے کچھ جانتے ہیں سوائے اس کے جو اللہ نے انہیں بتایا تھا؟ بولے نہیں۔ پھر حضور نے فرمایا: ہمارے رب نے عیسیٰ کو رحم مادر میں جیسا چاہا بنایا، اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، بولے ٹھیک ہے۔ فرمایا: کیا تم نہیں جانتے ہو کہ عیسیٰ کو ان کی ماں نے حمل میں رکھا پھر انہیں جنا تھا جیسے دوسری عورتیں حمل رکھتی اور بچہ جنتی ہیں پھر انہیں اور بچوں کی طرح کھلایا پلایا، سب نے کہا ٹھیک ہے، پس حضور نے فرمایا: تو کیسے ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بیٹے ہوں؟ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ [سراج] محمد ابن اسحاق کی روایت

فِی السَّمَآءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ

آسمان میں۔ وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے اس کے سوا

اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ

کسی کی عبادت نہیں عزت والا حکمت والا ف۳۰ وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ

مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا

آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے

الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ

گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے

میں یہ زیادہ ہے کہ جب وہ لاجواب ہوئے تو حضور نے ان سے فرمایا اگر تمہیں اب بھی شبہہ ہے تو آؤ ہم تم مباہلہ کریں تو انہوں نے کہا کہ ہم مشورہ کر کے اس کا جواب دیں گے اور آپس میں آ کر کہا کہ یہ شخص بلاشبہ خدا کا سچا رسولؐ ہے اگر ہم اس سے مباہلہ کریں گے تو ہم پر خدا کا غضب نازل ہوگا اور سب ہلاک ہو جائیں گے اور وہ گھر واپس گئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالات کے رد میں ابتدائے سورت سے آیت مباہلہ تک آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہے۔ وہ خود زندہ ہے دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے اس نے تم پر اے نبی سچی کتاب اتاری، یعنی قرآن جو اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے اور اس قرآن سے پہلے توریت اور انجیل اتاری جو اس وقت کے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتی ہے، گمراہی سے بچاتی ہے، اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا قرآن اتارا۔ بے شک وہ جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہوئے یعنی قرآن عظیم وغیرہ کتب کے، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ غالب بدلا لینے والا ہے نافرمانوں سے۔

تنبیہ: فرقان سے مراد یا تو سب کتب سماویہ ہیں کہ وہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہیں یا صرف قرآن عظیم ہے کہ وہ حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور وہ عظمت شان ظاہر کرنے کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے، سلف سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ [ابن جریر عن قتادہ] اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے چوتھی کتاب زبور مراد ہے۔

فائدہ: حدیث میں ہے کہ اسم اعظم قرآن کی تین سورتوں میں ہے۔ (۱) سورۂ بقر میں ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (۲) سورۂ آل عمران میں ﴿الٓمّٓ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ اور (۳) سورہ طٰہٰ میں ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ﴾ اور روایت کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسم اعظم پوچھا، کہا: الحی القیوم ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام جب مردہ زندہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو فرماتے تھے یا حی یا قیوم۔ اور کہا گیا ہے کہ آصف بن برخیا نے تخت بلقیس آنے کے وقت یہی دعا کی تھی۔ [سراج] لیکن اکثر علمائے محققین کے نزدیک اسم اعظم اللہ ہے۔

(۳۰) اس آیت سے اللہ تعالیٰ کو اپنی الوہیت ثابت کرنا اور زعم نصاریٰ، ابنیت و الوہیت مسیح کو باطل کرنا مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ پر زمین و آسمان میں کچھ چھپا نہیں ہے، کیوں کہ اس کا علم تمام دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے، وہی ہے کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورت جیسی چاہتا ہے بناتا ہے، اچھی، بری، کالی، گوری، کامل، ناقص، مرد کی، عورت کی۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے

وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ

اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے ف۳۱ اے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے

هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔ ف۳۲

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اے رب ہمارے! بے شک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لیے جس میں کوئی شبہ نہیں بے شک اللہ کا

یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

وعدہ نہیں بدلتا ف۳۳ بے شک وہ جو کافر ہوئے ان کے مال

وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ ۙ كَدَاْبِ

اور ان کی اولاد اللہ سے انھیں کچھ نہ بچا سکیں گے اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں۔ جیسے

ہے، وہ عزت والا حکمت والا ہے۔

تنبیہ: اس میں وفد نجران کا رد ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا کہ وہ غیب کی خبریں دیتے تھے اور بتاتے تھے کہ تو نے گھر میں یہ کیا اور یہ کھایا اور مردے زندہ کرتے تھے، کوڑھی اور اندھے کو اچھا کرتے تھے، مٹی کا پرند بنا کر اس میں روح ڈالتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں کہ اللہ نے انہیں ماں کے پیٹ میں صورت عطا فرمائی اور مصوِر مصوَّر کا باپ نہیں ہوتا ہے، اور حضرت عیسیٰ کا بعض باتوں کی خبر دینا یا کوڑھی اندھے کو اچھا کرنا یا پرند بنا کر اس میں جان ڈالنا اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے تھے بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے انہیں یہ کرامت اور معجزے عطا فرمائے تھے۔ حدیث میں ہے کہ نطفہ رحم میں چالیس روز رہ کر خون بستہ ہوتا ہے، پھر چالیس روز میں گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے، پھر اللہ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی صورت بناتا ہے جیسا حکم ہوتا ہے، پھر نر و مادہ اور شقی و سعید ہونا اور رزق و عمر اس کی پوچھ کر لکھ لیتا ہے۔

(۳۱) جب عیسائی اپنا مدعا ثابت کرنے سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے کہ آسمانی کتابوں میں مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور آپ کے قرآن میں ان کو روح اللہ و کلمۃ اللہ کہا گیا ہے، اس لیے ہم انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور نیز جب اللہ کا قول "الم" نازل ہوا تو یہود نے بقاعدہ ابجد حساب لگا کر اس میں یہ تاویل کی کہ امت محمدیہ کی بقا صرف اکہتر سال ہے، ہم ایسے دین کا کیسے اتباع کریں جس کی بقا صرف اکہتر سال ہے۔ تو حضور یہ سن کر مسکرائے تو یہود نے پوچھا کیا اس کے سوا کچھ اور ہے فرمایا: آلمٓصٓ، تو بولے یہ تو اول سے زیادہ ہے۔ کیا اس کے سوا کچھ اور ہے۔ فرمایا: آلمر تو کہنے لگے ہم پر بات خلط ملط ہوگئی، ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کس پر عمل کریں، پس ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [تفسیر احمدی از زاہدی] بہر حال یہود و نصاریٰ نے الفاظ قرآن: الم، روح الله، کلمة الله وغیرہ کی غلط تاویل کی اور انہیں غلط معنی پہنائے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ وہی ہے جس نے اے نبی تم پر کتاب اتاری اس کی

کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری مشتبہ ہیں یعنی صاف معنی نہیں رکھتی ہیں، جیسے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طٰہٰ: ۵] ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ وغیرہ تو جن کے دلوں میں کھوٹ اور کجی ہے وہ مشتبہ آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی میں جانے اور برا پہلو ڈھونڈنے کو، اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم ان مشتبہ آیات پر ایمان لائے محکم و مشتبہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ اور نصیحت نہیں مانتے ہیں قرآن کی مگر عقل والے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن عظیم کی بعض آیات محکم ہیں، یعنی ان کے معنی صاف ہیں مراد ان کی ظاہر ہے ان میں کوئی احتمال اور اشتباہ نہیں ہے، اور بعض آیات متشابہ ہیں یعنی ان کے معنی صاف نہیں ہیں ان میں اشتباہ و احتمال ہے۔ آیات محکمات پر اہل حق راسخ فی العلم یعنی اہل سنت و جماعت عمل کرتے ہیں اور متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محکم و متشابہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہیں۔ اور متشابہات کی اہل ہوا، بدعتی و گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں، ان کا متشابہات کی پیروی کرنا اور ان کے معانی ڈھونڈنا لوگوں کو گمراہ کرنے فتنہ میں ڈالنے کے لیے ہے۔

تنبیہ: متشابہات کے اتارنے کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا امتحان ہو جائے اور اہل حق گمراہ ہونے سے جدا و ممتاز ہو جائیں کہ اہل حق متشابہات پر ایمان لائیں گے اور گمراہ ان کے معانی میں تاویلیں ٹٹولیں گے۔ وہ اہل ہوا بدعتی گمراہ فرقے ہیں۔ جیسے رافضی، خارجی، مرجیہ، قدریہ، وغیرہ۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب تم متشابہات کی پیروی کرنے والوں کو دیکھو تو ان سے ڈرو کہ اللہ نے ان کا نام زیغ رکھا ہے۔ امام احمد کی حدیث میں ہے کہ وہ خوارج ہیں، ان کا زور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے زمانہ میں ہوا اور نہروان میں انہیں قتل کیا گیا اور جو باقی رہے تھے ان میں بعد کو بہت سی شاخیں پھوٹیں اور اہل بدع و ہوا پیدا ہوئے۔ پھر قدریہ پھر معتزلہ پھر جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے جن کی خبر حدیث میں دی گئی تھی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک۔ پوچھا گیا وہ ایک کون ہے؟۔ فرمایا: جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ یعنی اہل سنت و جماعت۔ [ابن کثیر] مالک ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ "راسخون" کون ہیں فرمایا: عالم باعمل اور ان کے غیر نے کہا: کہ جس کے علم میں چار باتیں پائی جائیں وہ راسخ فی العلم ہیں۔ ایک تقویٰ، دوسرے تواضع، تیسرے زہد، چوتھے مجاہدہ۔ اس میں اختلاف ہے کہ متشابہات کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے یا راسخون فی العلم بھی جانتے ہیں۔ مجاہد اور ربیع کا قول ہے کہ راسخون فی العلم بھی ان کی تاویل جانتے ہیں۔ اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت عائشہ و ابن زبیر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ ان کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ قول ثانی اوجہ و اشبہ بظاہر الآیۃ ہے، اسی کو حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار کیا ہے اور جمہور حنفیہ اسی کے قائل ہیں اور اکثر صحابہ اسی کی طرف گئے ہیں اور اسی پر روایۃ عبدالرزاق عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دلالت کرتی ہے کہ وہ "الا اللہ" کے بعد "ویقول الراسخون" پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ واو استینافیہ ہے۔ (کمالین)

(۳۲) یعنی جب راسخون فی العلم کسی کو متشابہات میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں تو اللہ سے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے رب! ہمارے دل ہدایت کرنے کے بعد حق سے نہ پھیر جیسے کہ متشابہات کی پیروی کرنے والوں کے دل حق سے پھیر دیئے ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے ثابت قدمی عطا فرما۔ بیشک تو بڑا دینے والا ہے۔ اے رب ہمارے! بے شک تو سب لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرنے والا ہے۔ بے شک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا ہے، خلاف نہیں ہوتا ہے اس نے جس سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

(۳۳) پچھلی آیتوں میں اہل ایمان کی حالت بیان کی گئی تھی اس آیت میں کفار کی حالت کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کے مال واولاد اللہ کے عذاب سے انہیں ذرا نہیں بچا سکتے ہیں اور وہ دوزخ کے ایندھن ہیں ان کفار کا طریقہ فرعون والوں اور ان سے اگلوں کی طرح ہے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا اور اللہ کا عذاب سخت ہے اسی طرح اللہ ان کفار کو بھی پکڑے گا اور عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس و عکرمہ و مجاہد وغیرہ نے ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۱] کی تفسیر "کصنیع ال فرعون" کی ہے یعنی مثل طریقہ و روش آل فرعون کے۔ اور دوسرے مفسرین نے داب کے معنی عادت، حال، شان طرز کے بھی لیے ہیں مآل سب کا ایک ہے۔

اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا طریقہ، انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو اللہ نے

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ

ان کے گناہوں پر ان کو پکڑا اور اللہ کا عذاب سخت۔ فرما دو کافروں سے، کوئی دم جاتا ہے کہ تم مغلوب ہوگے

وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ

اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت ہی برا بچھونا۔ بے شک تمہارے لیے نشانی تھی

فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ

دو گروہوں میں جو آپس میں بھڑ پڑے ایک جتھا اللہ کی راہ میں لڑتا اور دوسرا کافر

يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

کہ انہیں آنکھوں دیکھا اپنے سے دونا سمجھیں اور اللہ اپنی مدد سے زور دیتا ہے جسے چاہتا ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ

بے شک اس میں عقلمندوں کے لیے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔ ف۳۴ ف۳۵ لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان

(۳۴) شان نزول :۔ جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جنگ بدر فتح کر کے واپس آئے تو بازار بنی قینقاع میں یہود کو جمع کر کے فرمایا: کہ اے یہودیو! خدا سے ڈرو کہیں تم پر بھی ایسا ہی غضب نازل نہ ہو جیسا کہ قریش پر ہوا لہذا قبل ایسا ہونے کے تم ایمان لے آؤ ورنہ قریش کا سا حال تمہارا ابھی ہوگا تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں جیسا تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔ تو یہود نے جواب دیا: قریش نا تجربہ کار تھے لڑائی کے داؤ پیچ سے واقف نہ تھے ان کو شکست دے کر آپ کو مغرور نہ ہونا چاہئے جب ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر بہادر ہیں تو یہ آیت ''اولی الابصار'' تک نازل ہوئی۔ [سراج] مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! تم ان کافر یہودیوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ آیت میں مغلوب ہوگے فرمایا گیا۔ شکست کھاؤ گے نہیں فرمایا گیا کہ شکست جنگ کے ساتھ مخصوص ہے اور مغلوب ہونا شکست وقتل وغارت جلا وطنی وتقرر جزیہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اور یہی ہوا کہ جنگ بدر کے بعد ہی یہود کو سخت ذلت اٹھانا پڑی۔ بنو قریظہ قتل کیے گئے، بنو نضیر جلا وطن کیے گئے، خیبر فتح ہوا، یہودیوں کو شکست ہوئی انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور اللہ تعالی کا ارشاد حرف بحرف پورا ہوا اور یہود کو دنیا میں ہر قسم کی ذلت نصیب ہوئی اور آخرت میں انہیں ایمان نہ لانے کے باعث جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بعد نزول اس آیت کے یہودیوں سے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں مغلوب فرمایا اور تمہیں جہنم کی طرف ہانکا۔ یہ بھی صریح اعجاز ہے۔

(۳۵) یہ پچھلی آیت کا تتمہ ہے اس میں بدر کی لڑائی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ مختصر واقعہ جنگ بدر کا یہ ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تب بھی کفار کی سازشوں، ریشہ دوانیوں سے چین نہ ملا اور مدینہ کے یہود و منافقین کو مسلمانوں کے تنگ کرنے اور مدینے سے نکال دینے پر آمادہ کیا اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے انہیں مدینہ آنے سے روکتے اور تکلیفیں دیتے تھے بالآخر مسلمانوں نے بھی ایسی تدابیر کرنا چاہیں جن سے کفار کا زور ٹوٹے اور اسلام کو تقویت پہنچے۔ ایک دن معلوم ہوا کہ

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے واپس آرہا ہے پس حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس قافلہ پر حملہ کرنے اور اسے لوٹنے کے لیے مسلمانوں کو جمع فرمایا اور انہیں لے کر بدر پر پہنچے اور قافلہ کے انتظار میں وہاں ٹھہر گئے (بدر اس مقام کا نام ہے جہاں بدر ابن مخلد کا بنایا ہوا کنواں ہے اس کی وجہ سے اس جگہ کو بدر کہا جاتا ہے) ابوسفیان کو بھی کسی طرح مسلمانوں کے ارادہ کی خبر ہوگئی اور اس نے فوراً اس کی خبر قریش کو کی اور خود دوسرے راستے سے بچ کر نکل گیا۔ قریش یہ خبر پا کر ایک جماعت کثیرا اپنے ساتھ لے کر بدر پر آپہنچے۔ چونکہ مسلمان ان سے تعداد میں بہت کم اور بے سروسامان تھے مسلمانوں نے حضور سے عرض کی کہ ہم لڑائی کے سامان سے یہاں نہیں آئے تھے بلکہ قافلہ کو لوٹنے آئے تھے تو حضور نے انہیں تسکین دی اور فرمایا: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ مجھے قافلہ دے گا یا کفار پر فتح عطا فرمائے گا اور میدان بدر میں پھر کر سرداران کفار کے مرنے کی جگہ بتائی۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصار تھے اور ان کے پاس ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں، اور اسی تلواریں تھیں باقی سب پیدل اور بے ہتھیار کے لٹھ، پتھر، اور تیر لیے ہوئے تھے۔ مہاجرین کے علم بردار حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تھے اور انصار کے علم بردار سعد ابن عبادہ تھے اور کفار مکہ کی تعداد نو سو پچاس، ساز وسامان سے لیس تھی۔ عتبہ ابن ربیعہ اور ولید ابن عتبہ اور شیبہ اور ابوجہل وغیرہ ان کی فوج کے علم بردار و سردار تھے۔ شروع میں مسلمانوں کو کفار کی تعداد زیادہ نظر آئی اور کفار کو مسلمان کم نظر آئے لیکن جب لڑائی شروع ہوئی اور فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آئے تو کفار مسلمانوں کو اپنے سے زیادہ دیکھتے تھے اور مسلمان کفار کو اپنے سے کم دیکھتے تھے۔ کفار کی طرف سے عتبہ اور شیبہ اور ولید لڑنے کو نکلے اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ وحضرت علی مرتضی وحضرت عبیدہ ان کے مقابلہ کو نکلے۔ حضرت حمزہ نے عتبہ کو اور حضرت علی نے ولید کو قتل کیا اور شیبہ بھی مارا گیا اور ابوجہل کو معوذ ومعاذ دو لڑکوں نے قتل کیا۔ پھر حضور نے مٹھی بھر کنکریاں لے کر اور ﴿ شاهت الوجوه ﴾ کہہ کر کفار کے ماریں پس وہ کنکریاں کفار کی آنکھوں میں پڑیں اور انہوں نے بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی، تمام سرداران قریش مارے گئے اور ستر گرفتار کئے گئے، مکہ میں کہرام مچ گیا گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ یہ پہلی فتح تھی جو ہجرت کے دوسرے سال اللہ تعالی نے مسلمانوں کو عطا فرمائی اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے شک تمہارے لیے نشان عبرت تھی ان دو گروہوں میں جو بدر کے دن آپس میں لڑ پڑے تھے ایک گروہ ان میں کا راہ خدا میں لڑتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو مسلمانوں کو ظاہر ظہور آنکھوں سے دیکھ کر اپنے سے دوگنا سمجھے اس لیے کہ اپنے سے زیادہ دیکھ کر مرعوب ہوں نامرد ہو جائیں بھاگتے نظر آئیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں نے کفار کو اپنی تعداد سے دونا دیکھا یعنی ۶۲۶ اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوی کرتا ہے جیسا کہ اہل بدر کی مدد فرما کر انہیں قوی کیا۔ بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔

تنبیہ: ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ﴾ میں خطاب مشرکین قریش سے ہے یا یہود سے۔ اور ''یرونهم مثليهم'' کے یہ معنی ہیں کہ کفار نے لڑتے وقت مسلمانوں کو اپنے سے تعداد میں دونا دیکھا یعنی انیس سو ۱۹۰۰ ریا مسلمان انہیں تعداد میں دونے نظر آئے یعنی ۶۲۶ یا مسلمانوں کو کفار نے دونا دیکھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کافروں کو شروع میں اپنے سے دونا دیکھا پھر دوبارہ دیکھا تو زیادہ نہ پایا، پھر دیکھا تو اپنے سے کم پایا تو میں نے اپنے پاس والے آدمی سے پوچھا کہ تم انہیں ستر پاتے ہو تو اس نے کہا کہ میں سو دیکھتا ہوں۔ بات یہ تھی کہ لڑائی سے پہلے مسلمان مشرکوں کو کم دکھائی دیے تاکہ وہ دلیر ہوں بھاگیں نہیں، اور لڑائی کے وقت مسلمان مشرکوں کو زیادہ نظر آئے تاکہ وہ مرعوب اور نامرد ہو کر بھاگ جائیں اور مسلمانوں کو کفار کم دکھائے گئے تاکہ مسلمان دلیر ہوں۔ [معالم وغیرہ]

الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ

چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ جیتی دنیا کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ

پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ف٣٦ تم فرماؤ کیا میں تمہیں

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

اس سے بہتر چیز بتادوں پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ

نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیبیاں اور اللہ کی

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا

خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے ف٣٧ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے

(٣٦) اس آیت میں دنیا کی دل فریبی مع بے ثباتی ذکر فرمائی گئی ہے تاکہ مسلمان دنیا کی چیزوں سے دل نہ لگائیں اور جو اللہ کے پاس ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ وہ دنیا کی چیزوں سے بدرجہا بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت آراستہ کی گئی ہے، یعنی ان کے نفس جن چیزوں کی خواہش کرتے ہیں انہیں آراستہ کیا گیا ہے اور وہ عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور عمدہ عمدہ چھٹے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی باڑی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ کے پاس اس سے بہتر ٹھکانہ ہے اور وہ جنت ہے جس میں ہر قسم کی پائیدار نعمتیں ہیں۔

تنبیہ: جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا چیزوں کو بندوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالی نے مزین فرمایا ہے، اور حسن کے نزدیک شیطان نے مزین کیا ہے۔ [مدارک] اور قنطار سے مال کثیر مراد ہے اور بعض روایتوں میں اس کی تعداد بھی آئی ہے اور مزین کی ہوئی چیزیں اگر بہ نیت محمود دوست رکھی جائیں تو جائز وروا ہے ورنہ گناہ ہے۔ مثلاً عورتیں اگر عفت وتکثیر امت کے لیے دوست رکھی جائیں تو مرغوب ومندوب۔ اور محبت اولاد بہ نیت تکثیر نسل وامت محمود اور بغرض تفاخر غیر محمود اور دوستی مال کی فخر وتکبر کے لیے مذموم اور قربات الٰہی میں خرچ کرنے کے لیے محمود وممدوح، یونہی گھوڑے اور جانور اور کھیتیاں وغیرہ بغرض تفاخر وتکبر رکھنا مذموم اور بہ نیت خیر رکھنا جائز ومحمود اور یہ دونوں پہلو احادیث سے ثابت ہیں۔ [ابن کثیر ملخصا]

(٣٧) شان نزول:۔ جب آیت ﴿زین للناس﴾ نازل ہوئی تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا اے ہمارے رب اب تو نے ہمارے لیے دنیا کی چیزوں کو زینت دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواہ ابن جریر] مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم اپنی قوم سے فرماؤ کہ کیا میں تمہیں ان دنیوی چیزوں سے بہتر چیز بتادوں پرہیزگاروں کے لیے۔ ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بی بیاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے پس ہر ایک کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ

تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ صبر والے اور سچے

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ

اور ادب والے اور راہ خدا میں خرچنے والے اور پچھلے پہرے معافی مانگنے والے ف۳۸ اللہ نے گواہی دی کہ

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر، اس کے سوا

اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا

کسی کی عبادت نہیں، عزت والا حکمت والا۔ ف۳۹ بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور

اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

پھوٹ میں نہ پڑے کتابی مگر بعد اس کے کہ انھیں علم آچکا

النصف

تنبیہ: حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی اہل جنت سے پوچھے گا کیا تم راضی ہوئے؟ جنتی عرض کریں گے ہم کیوں نہ راضی ہوتے کہ تو نے ہمیں وہ دیا جو کسی کو نہ دیا۔ تو اللہ تعالی فرمائے گا میں تمہیں افضل چیز دوں گا عرض کریں گے اے رب اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز ہوگی۔ تو اللہ تعالی فرمائے گا: میں نے اپنی رضا تمہارے لیے حلال کی اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ پس اس آیت سے اللہ تعالی نے خبردار کیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں دنیا کی نعمتیں ادنی ہیں اور نعیم جنت وسطی ہیں اور اللہ کی رضا سب سے اعلی نعمت ہے ﴿رزقنا اللہ ولسائر المسلمین﴾ [سراج، ورواہ البغوی بسندہ]

(۳۸) یہ ان لوگوں کی صفت ہے جن کا پہلی آیت میں ذکر ہوا ہے اور صابرین وہ لوگ ہیں جو طاعت وعبادت کی مشقتوں اور دنیا کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں ان کا فضل وشرف اسی پارہ میں آیہ ﴿اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [البقرۃ:۱۵۳] اور آیہ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ﴾ [البقرۃ:۱۵۵] کے تحت مفصل گزرا۔ اور صادقین، قتادہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو سچی نیت اور نیک دل اور زبان ظاہر وباطن میں یکساں رکھتے ہیں۔ اور قانتین سے اطاعت وعبادت کرنے والے۔ اور متصدقین سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے۔ اور مستغفرین سے پچھلی رات کو اٹھ کر دعا کرنے والے، خدا سے معافی مانگنے والے مراد ہیں کہ وہ وقت نیند اور غفلت اور قبولیت دعا کا ہوتا ہے۔ حسن رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ شروع رات میں نوافل پڑھتے تھے جب صبح قریب ہوتی تھی تو دعا واستغفار کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی روزانہ تہائی رات رہے فرماتا ہے کہ ہے کوئی جو دعا کرے اور میں قبول کروں، ہے کوئی جو مجھ سے مانگے میں اسے دوں، ہے کوئی جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں۔ اور حسن نے حکایت کی ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹے تو مرغ سے کم مت ہو کہ وہ صبح کو آواز دیتا ہے اور تو پڑا سوتا رہے۔ [سراج]

(۳۹) شان نزول: اس کی بروایت کلبی یہ ہے کہ ملک شام کے دو عیسائی عالم مدینہ آئے اور شہر کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ شہر تو مدینۃ النبی آخر الزماں معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حلیہ مبارک دیکھ کر پہچانا اور کہا کہ آپ محمد ہیں (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) فرمایا: ہاں، بولے کیا آپ احمد ہیں؟ فرمایا: ہاں میرا نام محمد بھی ہے اور احمد بھی ہے۔ بولے ہم آپ سے ایک بات پوچھتے ہیں اگر آپ نے ٹھیک جواب دیا تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضور نے فرمایا: اچھا پوچھو، بولے کہ بتائیں کہ علم الہی میں سب سے بڑھ کر

بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ف

فَاِنْ حَاۗجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ

پھر اے محبوب! اگر وہ تم سے حجت کریں تو فرمادو میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں اور جو میرے پیرو ہوئے اور

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

کتابیوں اور ان پڑھوں سے فرماؤ کیا تم نے گردن رکھی پس اگر وہ گردن رکھیں جب

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

تو راہ پا گئے اور اگر منہ پھیریں تو تم پر تو یہی حکم پہنچادینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

کون سی گواہی ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نفس پر گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور انبیاء اور علماء نے گواہی دی کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے دنیا و مافیہا پیدا کرنے سے پہلے خود ہی اپنے نفس پر شہادت دی اور فرمایا: نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی معبود۔ [معالم] وہ عزت والا حکمت والا ہے۔ بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور وہی اللہ کو محبوب و پسند ہے، اور نہیں پھوٹ میں پڑے یہود و نصاریٰ مگر علم توحید آنے کے بعد اپنے دلوں کی جلن سے۔ اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو تو بے شک اللہ اس سے جلد حساب لینے والا ہے۔

تنبیہ: حدیث میں ہے: جس نے سوتے وقت یہ آیت پڑھی اللہ اس سے ستر ہزار مخلوق پیدا فرماتا ہے جو اس کے لیے قیامت تک استغفار کرتے ہیں اور جس نے اس کے پڑھنے کے بعد یہ کہا ﴿وانا اشهد بما شهد الله﴾ اور اپنی اس شہادت کو اللہ کی ودیعت میں دیا، تو اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائے گا کہ بے شک میرے بندے کا میرے پاس عہد ہے اور میں اس عہد کے وفا کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہوں لے جاؤ میرے بندے کو جنت میں۔ [مدارک وسراج رواه الطبراني والبيهقي] امام احمد کی روایت میں حضرت زبیر سے ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو عرفات میں اس آیت کو پڑھتے سنا اور اس کے اخیر میں حضور نے فرمایا: ﴿وانا على ذالك من الشاهدين يا رب﴾ اور شہادۃ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی وحدانیت مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہی ظاہر فرمادی اور ایسے دلائل و آیات اس پر قائم کردیے جن کو دیکھنے کے بعد توحید بالکل واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے اور فرشتوں اور علماء کی شہادت، اللہ کی الوہیت و وحدانیت کا اقرار کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ کے اختلاف سے یا تو ان کا توحید میں مختلف ہونا مراد ہے کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور نصاریٰ تثلیث کے قائل ہوئے۔ یا نبوت حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں مختلف ہونا مراد ہے کہ بعض ایمان لائے اور اکثر ایمان نہ لائے اور بعض کے نزدیک انبیا پر ایمان لانے میں مختلف ہوئے کہ بعض ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور باقی انبیا پر ایمان نہ لائے اور یہ اختلاف آپس میں حسد رکھنے کی وجہ سے ہوا۔ [سراج] کلبی کہتے ہیں: کہ آیت ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ﴾ الخ [آل عمران: ۱۹] یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے دین اسلام قبول نہ کیا اور نبوت حضور میں معلوم ہو جانے کے بعد اختلاف کیا [معالم اور ﴿اُولُوا الْعِلْمِ﴾ کو ملائکہ کے برابر ذکر کرنے سے علمائے حق کی فضیلت و علو شان ظاہر ہوتی ہے۔

(۴۰) پچھلی آیت میں دین اسلام کی حقانیت اور اس کا دین الٰہی ہونا بیان کیا گیا تھا، اس آیت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر با

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ

وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں، انھیں خوش خبری دو دردناک

اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

عذاب کی۔ یہ ہیں وہ جن کے عمل اکارت گئے دنیا و آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

اور ان کا کوئی مددگار نہیں ف۴۱ کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جنھیں کتاب کا ایک

وجود اسلام کی حقانیت اور دین الٰہی ثابت ہونے کے وفد نجران اسے نہ مانیں اور اس میں جھگڑا کریں تو تم اے محبوب ان سے فرمادو کہ میں اور میرے پیرو اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوئے ہیں، یعنی اسلام لائے ہوئے ہیں اور وہ دین قدیم وقویم ہے اس کی حقانیت تمہارے نزدیک بھی ثابت ہے میں کوئی نئی چیز لے کر نہیں آیا ہوں جس میں تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو﴿تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ [اٰل عمران:۶۴] اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سے فرماؤ کیا تم نے گردن جھکائی اسلام لائے۔ پس اگر وہ گردن جھکائیں اسلام لائیں جب تو وہ راہ پائیں گے اور اگر وہ اسلام سے منہ پھیریں تو تم پر صرف حکم الٰہی ان تک پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ معالم میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے اہل کتاب کو سنائی تو وہ بولے ہم تو مسلمان ہیں، خدا کے احکام کو بدل و جان مانتے ہیں تو حضور نے ان سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عزیر و عیسیٰ (علیہما السلام) خدا کے رسول اور اس کے بندے تھے، بولے معاذ اللہ کہ وہ بندے ہیں۔ تب آیت: ﴿وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ﴾ [اٰل عمران:۲۰] نازل ہوئی۔

تنبیہ: یہ حکم قبل حکم جہاد کے تھا۔ [جلال] اور جمہور کے نزدیک ﴿فَإِنْ حَآجُّوكَ﴾ سے وفد نجران مراد ہے، اور بعض کے نزدیک ﴿أأسلمتم﴾ استفہام بمعنی امر ہے۔

(۴۱) پچھلی آیت میں اللہ کے حضور سر جھکانے اسلام لانے کو فرمایا گیا تھا اس پر اہل کتاب وغیرہ کہہ سکتے تھے کہ ہم تو دین حق پر ہیں اور حکم الٰہی بجالاتے ہیں تمہارے دین میں کیوں داخل ہوں جیسا کہ یہود نے جواب دیا تھا جو پچھلی آیت کے شان نزول میں گزرا اس خیال کا رد اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ مطلب آیت کا ترجمہ سے واضح ہے اور لوگ جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور انبیا اور نصیحت کرنے والوں کو قتل کیا وہ بنی اسرائیل تھے کہ انہوں نے ایک دن میں تینتالیس پیغمبروں اور ایک سو ستر نصیحت کرنے والوں کو قتل کیا۔ اور یہود نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کئی بار قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدۃ:۶۷] حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کس کا ہوگا فرمایا: جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا یا اس سے منع کرنے والے نصیحت کرنے والے کو قتل کیا ہوگا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں سورج بلند ہونے تک ۴۳ انبیاء کو قتل کیا اور سورج ڈوبنے سے پہلے ۱۷۰ مسلمانوں کو جنہوں نے انہیں قتل سے باز رہنے کی نصیحت کی تھی قتل کیا تھا۔ اللہ نے انہیں کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے۔ [رواہ البغوی وابن ابی حاتم] حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے دن چڑھے تک تین سو انبیا کو قتل کیا

مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى

حصہ ملا کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کا فیصلہ کرے پھر ان

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا

میں کا ایک گروہ اس سے روگرداں ہو کر پھر جاتا ہے یہ جرأت انھیں اس لیے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں ہرگز ہمیں

النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دنوں اور ان کے دین میں انھیں فریب دیا اس جھوٹ نے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۫ وَوُفِّيَتْ

جو باندھتے تھے تو کیسی ہوگی جب ہم انھیں اکٹھا کریں گے اس دن کے لیے جس میں شک نہیں اور ہر

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ ف۴۲ یوں عرض کر: اے اللہ ملک کے

تھااور پچھلے دن ان کی کھیتیاں فروخت کرنے کا بازار لگایا تھا۔[ابن کثیر] بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ہر فرقہ کی ہدایت کے لیے بکثرت نبی آئے اور ہر شہر و بستی میں سو، سو، پچاس، پچاس نبی ہوا کرتے تھے ان پر صرف وحی آتی تھی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی پس ہر نبی اپنی قوم کو نصیحت کرتا تھا وہ اسے قتل کرڈالتے تھے اور جو انہیں قتل کرنے سے منع کرتا تھا اسے بھی قتل کرڈالتے تھے یوں ایک دن میں انہوں نے اتنے انبیاو صلحا کو قتل کیا تھا جیسا کہ معالم میں ہے۔ تو ممکن ہے کہ ابوعبیدہ کی روایت میں صرف ایک شہر کی تعداد بیان کی گئی ہو اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت میں کل شہروں کی تعداد ملا کر بیان کی ہو۔

(۴۲) شان نزول: عکرمہ و سعید، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ایک بار نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور انہیں دین کی طرف بلایا تو ان میں نعیم ابن عمر اور حارث ابن زید بولے کہ آپ کس دین پر ہیں؟ فرمایا: دین ابراہیمی پر، تو بولے وہ تو یہودی تھے۔ تب حضور نے فرمایا: اچھا توریت لاؤ وہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی، یہود اس پر راضی نہ ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور کلبی انہیں سے راوی کہ خیبر کے یہودیوں میں سے کسی نے زنا کیا، زانی کی سزا توریت میں رجم تھی مگر اس میں انہوں نے ترمیم کررکھی تھی کہ رذیل کو رجم کرتے اور شریف کو تجلید کرتے تھے، یہ زانی و زانیہ شریف تھے انہیں یہ سزا دینی مناسب نہ سمجھی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے آئے۔ حضور نے سنگسار کرنے کا حکم فرمایا: یہ سن کر یہود بولے یہ ظلم ہے ایسا حکم نہیں ہے۔ تو حضور نے فرمایا: اچھا ہمارے تمہارے درمیان توریت فیصلہ کردے گی، تم میں بڑا عالم کون ہے؟ بولے: ابن صوریا، اسے بلایا گیا اور توریت منگوائی گئی اور اس سے پڑھنے کو کہا جب وہ آیت رجم پر پہنچا تو وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر آگے پڑھنے لگا، حضرت عبداللہ ابن سلام نے اسے ٹوکا اور اس کا ہاتھ ہٹا کر آیت رجم پڑھی۔ بالآخر حضور نے دونوں کو سنگسار کرایا اور یہودی ناراض ہو کر چلے گئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔[معالم وجلال] مطلب یہ ہے کہ یہاں کتاب سے توریت مراد ہے اور جنہیں توریت سے کچھ حصہ ملا ہے علمائے یہود ہیں، جب وہ توریت کے بموجب کسی معاملہ میں فیصلہ کے لیے بلائے جاتے تھے تو وہ اس سے انکار اور اعراض کرتے تھے اور یہ توریت سے انکار و اعراض کرنا ان کا محض اس گھمنڈ پر ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمیں عذاب نار چند روز ہوگا۔ یعنی بقدر ایام گؤسالہ پرستی پھر چھٹی ہوگی کہ اللہ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کرلیا ہے کہ تیری ذریت کو عذاب نہ دے گا۔ ان افتراؤں نے انہیں دھوکے میں ڈالا ہے کہ انہوں

الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ

مالک! تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت

مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

دے، اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کچھ

قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَ تُخْرِجُ

کر سکتا ہے تو رات کا حصہ دن میں ڈالے اور دن کا حصہ رات میں ڈالے اور مردے سے

الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَ تَرْزُقُ

زندہ نکالے اور زندے سے مردہ نکالے اور جسے

مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ

چاہے بے گنتی دے۔ ق ۴۳ مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں

نے اپنے کو اللہ کا بیٹا، اللہ کا پیارا سمجھ رکھا ہے، تو کیا حال ہوگا ان کا جب کہ ہم انہیں قیامت کے دن جمع کریں گے اور ہر شخص اپنے اعمال کی پوری جزا پائے گا نہ اس میں کمی ہوگی نہ زیادتی۔

(۴۳) شان نزول: جب فتح مکہ کے بعد نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مسلمانوں کو ملک روم و فارس کے فتح کرنے کی خوش خبری سنائی تو یہود و منافق بولے کہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو مکہ و مدینہ کافی نہ ہوا جو ملک روم و فارس فتح کرنے کی خواہش ہوئی بھلا ان میں سلطنت روم و فارس فتح کرنے کی کہاں طاقت ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم و مدارک] اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ جب مسلمانوں نے حضور کے ساتھ مدینہ کے آس پاس خندق کھودنا شروع کیا تو اس میں ایک بہت بڑا پتھر نکلا جو کسی سے نہ ٹوٹا۔ اس کی خبر حضور کو کی گئی۔ پس حضور نے آکر اس پتھر پر ضرب لگائی جس سے وہ ٹوٹ گیا اور اس میں ایک ایسی چمک ظاہر ہوئی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے روشن ہو گئے پس سب نے اللہ اکبر کہا اور حضور نے فرمایا اس چمک میں مجھے حیرہ کے مکانات نظر آئے۔ پھر دوبارہ ضرب لگائی تو اس میں پھر چمک پیدا ہوئی اور حضور نے فرمایا کہ اس میں مجھے روم کے سرخ مکانات نظر آئے۔ پھر تیسری بار ضرب لگانے سے بھی اس میں روشنی ظاہر ہوئی اور حضور نے فرمایا: کہ اس میں مجھے صنعا کے مکانات نظر آئے اور جبرئیل نے مجھ سے آکر کہا کہ آپ کی امت ان سب ممالک کی مالک ہوگی۔ تو منافقوں نے مسلمانوں سے کہا تم اپنے نبی کی جھوٹی باتوں پر تعجب نہیں کرتے ہو حالانکہ تم خوف کے مارے خندق کھود رہے ہو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی [سراج] مطلب آیت کا ترجمہ سے واضح ہے کہ اے محبوب! تم اللہ سے یوں عرض کرو الخ۔ کلبی کہتے ہیں کہ "تو تی الملك" سے محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم مراد ہیں اور تنزع الملك سے روساء و سرداران قریش مراد ہیں، یونہی تعز من تشاء سے حضور اور حضور کے اصحاب مراد ہیں اور "تذل من تشاء" سے ابو جہل وغیرہ کفار ان مکہ مراد ہیں۔ [سراج] کہ اللہ نے مسلمانوں کو ملک عرب و عجم کا مالک بنا کر عزت دی اور کفاران مکہ وغیرہ سے یہ ملک نکال کر انہیں ذلت دی اور حضور کی اس پیشین گوئی کو صرف چھ سال کے اندر سچا فرمایا۔

فائدہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کہ جس نے ہر نماز کے بعد آل عمران کی دو آیتیں ﴿شهد الله﴾ سے ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹] تک اور ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ [آل

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ

مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى

مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو اور اللہ تمھیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور

اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔ ف۴۴ تم فرمادو کہ اگر تم اپنے جی کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ

اللہ کو سب معلوم ہے اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور ہر

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

چیز پر اللہ کا قابو ہے۔ جس دن ہر جان نے جو بھلا کام کیا

مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ

حاضری پائے گی اور جو برا کام کیا امید کرے گی کاش مجھ میں اور اس میں

عمران:۲۶] سے ﴿بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ تک مع آیت الکرسی وسورۂ فاتحہ کے پڑھیں اس کا جنت میں ٹھکانہ ہوگا اور وہ حظیرہ قدس میں رکھا جائے گا۔ اور اللہ اس کی طرف ہر روز ستر بار نظر عنایت فرمائے گا اور ستر حاجتیں اس کی روا فرمائے گا اور اس کو ہر دشمن اور ہر حاسد سے اپنی پناہ میں رکھے گا اور اس کی مدد فرمائے گا۔ [سراج و معالم] طبرانی وابن ابی الدنیا حضرت معاذ سے راوی کہ انہوں نے حضور سے قرض دار ہونے کی شکایت کی تو حضور نے انہیں یہ آیت ﴿قل اللھم مالك الملك﴾ تا ﴿بغير حساب﴾ تعلیم فرمائی۔ کہ اسے پڑھ کر کہا کریں اے رحمٰن الدنیا والاخرہ اے رحیم الدنیا والآخرہ تو ہی دنیا وآخرت میں جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے، مجھ پر رحم فرما ایسی رحمت کہ اس کے سوا میں دوسرے کی رحمت سے بے پروا ہو جاؤں۔ اے اللہ مجھے مالدار کر دے محتاجی سے اور میرا قرضہ ادا کردے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اسم اعظم ہے جو اس کے ساتھ دعا کرے گا قبول ہوگی۔

[رواہ الطبرانی ابن کثیر]

(۴۴) شان نزول:۔ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ ابن الحقیق اور قیس ابن زید کی حجاج ابن عمرو یہودی سے دوستی تھی، بعض مسلمانوں نے انہیں حجاج سے دوستی رکھنے سے منع کیا کہ کہیں وہ انہیں بہکا نہ دے ان لوگوں نے نہ مانا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور کلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ وہ یہود اور مشرکین سے دوستی رکھتے تھے اور انہیں مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے اور مقاتل وابن حبان کہتے ہیں: کہ یہ آیت حاطب ابن بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کے خیال سے مشرکین کو خط لکھا تھا اور مسلمانوں کے ارادے کی انہیں خبر دی تھی بعد کو انہیں معافی دی گئی تھی کہ وہ سچے مسلمان تھے۔ [معالم وسراج] بہر حال حکم عام ہے اور مسلمانوں کو کفار سے موالات کرنا قطعاً ممنوع وحرام ہے مگر بمجبوری۔ باقی مطلب آیت کا ترجمہ سے واضح ہے۔ اور موالات کرنے والوں کے لیے یہ سخت وعید ہے کہ وہ اللہ

اَمَدًا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ ف۴۵

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ

اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور

لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۴۶ تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ

کی ولایت سے خارج ہیں۔ ﴿فليس من الله في شيء﴾

(۴۵) یہ پچھلی آیت کا تتمہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کو کفار سے موالات کرنے کی ممانعت کی گئی تھی اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ظاہر میں ان سے موالات کرنا ممنوع ہے نہ دل میں چھپا کر۔ اس خیال کو اس آیت میں دفع فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب تم مسلمانوں سے کہہ دو کہ خواہ تم دل میں چھپا کر کفار سے موالات کرو یا ظاہر طور سے کرو اللہ کو اس کا علم ہے اس کی سزا تمہیں دے گا۔ باقی آیت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

تنبیہ: کفار سے موالات ظاہر و پوشیدہ ہر طرح حرام ہے، اس پر وعید شدید وارد ہے اور متعدد جگہ قرآن عظیم میں اسکی ممانعت فرمائی گئی ہے مگر بحالت مجبوری اس کی اجازت ہے وہ بھی زبان سے نہ دل و جان سے قالہ ابن عباس وغیرہ۔ [ابن کثیر]

(۴۶) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ قریشی کعبہ کے اندر بتوں کی پوجا کر رہے تھے اور انہیں خوب سجایا اور آراستہ کیا تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی کعبہ میں داخل ہوئے اور یہ حالت دیکھ کر فرمایا: اے قریشیو! واللہ تم اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل (علیہما السلام) کے طریقہ سے پھر گئے۔ تو وہ بولے ہم تو انہیں اللہ کی محبت اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے پوجتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج] بعض نے کہا ہے کہ جب یہود نے اپنے کو اللہ کا بیٹا، اللہ کا محبوب بتایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں: کہ یہ وفد نجران کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے کہا: ہم تو اللہ کی محبت حاصل کرنے کے لیے مسیح کی عبادت کرتے ہیں۔ بہر حال آیت کا حکم عام ہے اور وہ مدعیان محبت خدا کے آزمانے کی بے مثل کسوٹی ہے، آج کل بھی بہت سے اس کے دعوے دار بنتے ہیں مگر اس کسوٹی پر سچے نہیں اترتے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محبوب! تم ان مدعیان محبت سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ان کے گناہوں کو جو میری فرمانبرداری کرتے ہیں اور ان سے کہہ دو کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو اس میں جس کا وہ تمہیں حکم کریں، پھر اگر وہ اطاعت سے منہ پھیریں تو اللہ کو کافر خوش نہیں آتے ہیں۔ یعنی وہ انہیں دوست نہیں رکھتا ہے، وہ عذاب دیے جائیں گے۔ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زمانۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بعض لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں پس اللہ نے ان کے قول کی ان کے فعل سے تصدیق کرنا چاہی۔ تو جو دعوی محبت الٰہی کرے اور سنت رسول اللہ کی ممانعت کرے وہ جھوٹا ہے اسے کتاب اللہ جھوٹا بتا رہی ہے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو عبداللہ ابن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی طاعت کو اللہ کی طاعت کی طرح ٹھہراتے ہیں اور ہمیں اپنی محبت کا حکم کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کا دم بھرا تھا تو آیت: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ نازل ہوئی۔ [سراج] بغوی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا: میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا، صحابہ نے پوچھا کہ کون انکار کرے گا؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا

منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔ بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح

وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ

اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے یہ ایک نسل ہے ایک

بَعْضٍؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۚ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ

دوسرے سے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ جب عمران کی بی بی نے عرض کی اے رب میرے!

اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ

میں تیرے لیے منّت مانتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے کہ خالص تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول کرلے، بے شک تو ہی ہے

تنبیہ: آیت میں دو باتیں ذکر فرمائی گئی ہیں ایک تو بندہ کا اللہ سے محبت رکھنا دوسرے اللہ کا بندے سے محبت رکھنا۔ علما فرماتے ہیں: کہ بندہ کے اللہ سے محبت رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے اس کی ذات وصفات کو پہچانے اس کا خوف کرے، دن رات اس کا مطیع وفرمانبردار رہے ہر وقت اس کا ذکر کرے۔ حدیث میں ہے جو اللہ سے محبت رکھے گا اس کا ذکر زیادہ کرے گا۔ اور اللہ کے بندے سے محبت رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اس سے راضی ہو اور خوش ہو، ملائکہ اور مخلوق میں اس کی تعریف کرے اور اس کی خطائیں معاف کرے۔ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالی کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ پس وہ اسے دوست رکھتے ہیں اور تمام آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو اللہ دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو پس وہ سب اسے دوست رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت اور محبت پیدا ہوتی ہے اور تمام خلق اسے محبوب رکھتی ہے۔ [مسلم] لیکن یہ محبت الٰہی بغیر محبت واتباع واطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حاصل نہیں ہوسکتی ہے کہ آیت میں اللہ تعالی نے اپنی محبت کو مشروط باتباع محمد رسول اللہ کیا ہے اور ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [ال عمران: ۳۱] فرمایا ہے اور مشروط بغیر شرط پایا نہیں جا سکتا ہے اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے "من احبنی فقد احب الله"، یعنی جس نے مجھے محبوب رکھا اس نے خدا کو محبوب رکھا۔ اور "من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله"، یعنی جس نے میری اطاعت کی پس اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ بلکہ خود اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰] جس نے رسول کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تو حضور کی محبت واطاعت عین محبت واطاعت خدا ہے بلکہ اسے اصل ایمان بلکہ ایمان کی بھی جان کہا جائے تو بجا ہے۔ حدیث میں ہے "لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین (وفیه روایة) من اهله وماله (وفیه روایة من نفسه"، یعنی تم میں کا کوئی مسلمان نہیں ہوتا ہے جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے بیٹے اس کی جان ومال سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ رزقنا الله تعالی ولجمیع المسلمین حب سیدالمرسلین صلی الله تعالی علیه وعلی آله وصحبه اجمعین۔

(۴۷) شان نزول:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: کہ جب یہود نے اپنے کو ابراہیم واسحاق ویعقوب (علیہم السلام) کی اولاد بتایا اور کہا کہ ہم ان کے دین پر ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اللہ نے انہیں اسلام کے لیے چھانٹ لیا ہے اور تم غیر دین اسلام پر ہو۔ [معالم] تو تم کیسے ان کے برابر ہو سکتے ہو کہ اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جسے منتخب فرماتا ہے وہ اپنے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ

سنتا جانتا۔ پھر جب اُسے جنا، بولی اے میرے رب! یہ تو میں نے لڑکی جنی

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی، اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا اس لڑکی سا نہیں اور میں نے اس کا نام

مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں راندے ہوئے شیطان سے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا

تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اسے اچھا پروان چڑھایا اور اسے

زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ

زکریا کی نگہبانی میں دیا، جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے

قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک

زمانے کے دوسرے لوگوں سے افضل ہوتا ہے اور اس کی اطاعت لازم و واجب ہوتی ہے۔ اس سے یہ خیال بھی رد ہو گیا کہ یہ تو ہم جیسا ایک شخص ہے یا ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے اپنی اطاعت کرانا چاہتا ہے ہم کیوں اس کی اطاعت کریں کہ خود خاندانی ہونا موجب اطاعت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا اسے برگزیدہ کرنا موجب اطاعت ہے۔

تنبیہ: آل ابراہیم سے ان کے لڑکے حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق اور ان کی اولاد مراد ہے۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی ہوئے حضور کے سوا اور کوئی نبی ان کی اولاد میں نہیں ہوا۔ اور حضرت اسحاق کی اولاد میں حضرت عیسیٰ تک برابر نبی ہوتے رہے اور آل عمران سے ان کے لڑکے حضرت موسیٰ و ہارون اور حضرت عیسیٰ مراد ہیں کہ عمران دو تھے ایک تو عمران ابن مصہر جو حضرت موسیٰ و ہارون کے والد تھے اور لاوی ابن یعقوب کی اولاد میں تھے۔ اور دوسرے عمران ابن ماثان جو حضرت مریم کے باپ اور حضرت عیسیٰ کے نانا تھے اور یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے تھے اور حضرت یحییٰ کے خالو اور حضرت زکریا کے ساڑھو تھے اور ان عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو برس کا فاصلہ ہوا ہے۔ تو آیت میں آل عمران سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ دونوں کی اولاد میں نبی ہوئے ہیں مگر آئندہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران سے عمران بن ماثان حضرت مریم کے والد مراد ہیں ابن کثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

تنبیہ: آیت کریمہ سے عامہ بشر کا ملائکہ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے کہ عالمین میں ملائکہ داخل ہیں اور اس میں سے آدم و نوح وغیرہ افراد بشر کو برگزیدہ کیا گیا ہے تو وہ لامحالہ ملائکہ سے افضل ہوئے کہ مقصود آیت سے بیان تفضیل جنس بشر علی الملائکہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامہ بشر سے افضل ہیں بوجہ رسول ہونے کے اور عامہ بشر عامہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ خلافا للمعتزلہ وبعض الاشاعرة والفلاسفة۔ [احمدی]

اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا

اللہ جسے چاہے بے گنتی دے ۴۸ یہاں پکارا زکریا

رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ

اپنے رب کو، بولا: اے رب میرے! مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد، بے شک تو ہی

سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ

ہے دعا سننے والا۔ تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

بے شک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمے کی تصدیق کرے گا

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

اور سردار اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے بولا اے میرے رب! میرے لڑکا

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ

کہاں سے ہوگا مجھے تو پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ فرمایا:

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ

اللہ یوں ہی کرتا ہے جو چاہے عرض کی اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی کردے فرمایا

اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارے سے اور اپنے رب کی

(۴۸) چونکہ اس سے پہلی آیت میں آل عمران کا منتخب ہونا بیان فرمایا گیا تھا اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں مسلسل آل عمران کی کیفیت اور حضرت مریم وحضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش وغیرہ کا پورا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ عمران ابن ماثان اگرچہ نبی نہ تھے مگر رئیس بنی اسرائیل تھے اور نہایت متقی وپرہیزگار امام بیت المقدس تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی ایک دن ان کی بی بی حنہ ایک پیڑ کے نیچے بیٹھی تھیں، دیکھا کہ ایک جانور اپنے بچے کو بھرا رہا ہے تو ان کے دل میں بچہ کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے لڑکا عطا فرما چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ حاملہ ہوئیں تو انھوں نے اس خیال سے کہ ان کے لڑکا ہوگا نذر مانی کہ میرے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوگا اسے میں صرف بیت المقدس کی خدمت کے لیے چھوڑ دوں گی الٰہی تو میری نذر قبول فرما۔ (اس قسم کی نذر اس وقت جائز تھی) جب عمران سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا تم نے یہ کیا کیا معلوم نہیں لڑکا ہوگا یا لڑکی، اگر لڑکی ہوئی تو خدمت بیت المقدس کے لائق نہ ہوگی۔ پس دونوں غمگین ہوئے اس اثنا میں عمران کا انتقال ہوگیا اور حنہ کے خلاف امید لڑکی پیدا ہوئی جو بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہ تھی کہ خادم بیت المقدس لڑکے ہوتے تھے۔ تو حنہ نے بہت حسرت سے معذرت کے طور پر عرض کی اے رب میں نے لڑکی جنی ہے (اور اللہ خوب

جانتا ہے جو کچھ وہ جنی اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا تھا اس لڑکی سا نہیں ہوتا) اور میں نے اس کا نام مریم (عابدہ) رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان سے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچہ کو وقت پیدائش شیطان چھوتا ہے تو بچہ چیختا چلاتا ہے مگر مریم اور ان کا بچہ یعنی حضرت عیسیٰ حنہ کی دعا کے سبب شیطان کے مس سے محفوظ رہے۔ پس اللہ تعالی نے مریم کو خاص طور سے قبول فرمایا۔ ان سے پہلے کوئی لڑکی بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول نہیں ہوئی تھی۔ اور بہت اچھی طرح بلا کسی نقص و عیب کے انہیں پالا پرورش کیا کہ وہ ایک دن میں اس قدر بڑھتی تھیں جس قدر ایک سال میں کوئی بچہ بڑھتا ہے۔ جب حضرت مریم کی ماں انہیں لے کر منتظمان بیت المقدس کے پاس گئیں اور ان سے کہا لو یہ نذر تو ہر ایک نے ان کے لینے کی خواہش کی کہ وہ ان کے امام کی لڑکی تھی تو حضرت زکریا نے جوان کے خالو تھے کہا کہ میں اس کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوں کہ اس کی خالہ ایشاع بنت فاقوذ میری بی بی ہے وہ اسے ماں کی طرح پالیگی اس پر کوئی راضی نہ ہوا، بالآخر یہ طے ہوا کہ قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے وہ اسے پرورش کرے۔ چنانچہ وہ سب اپنے اپنے تورات لکھنے کے قلم لے کر نہر اردن پر آئے اور وہ انیس آدمی تھے سب نے اپنے اپنے قلم اس شرط پر نہر میں ڈالے کہ جس کا قلم پانی پر ٹھہرا رہے گا وہی اس کی پرورش کا مستحق ہوگا۔ پس خدا کی قدرت سے حضرت زکریا کا قلم پانی پر ٹھہرا رہا اور سب کے بہہ گئے تین بار ایسا ہی ہوا۔ پس حضرت زکریا نے حضرت مریم کو پرورش کے لیے لے لیا اور ان کے رہنے کے لیے بیت المقدس میں ایک بہت بلند غرفہ بنایا جس میں سیڑھی کے ذریعہ چڑھا جاتا تھا اور ان کے سوا اس میں کوئی نہیں جا سکتا تھا جب وہ کہیں جاتے تھے تو اس میں تالا ڈال جاتے تھے اور جب وہ ان کی ضروریات کی چیزیں ان کے پاس لے کر جاتے تو ان کے پاس بے فصل کے میوے پاتے۔ ایک دن انہوں نے حضرت مریم سے پوچھا کہ یہ میوے تیرے پاس کہاں سے آتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ وہ اللہ کے پاس سے جنت سے میرے لیے آتے ہیں اللہ جسے چاہتا ہے بے محنت و مشقت رزق دیتا ہے۔ [معالم وسراج] اور یہ جواب انھوں نے بچپنے ہی میں دیا تھا۔ اور پستان سے دودھ کبھی نہیں پیا، جنت کے میوے کھا کر پرورش پائی۔ اور یہ ان کی کرامت تھی، نہ معجزہ۔ جیسا کہ حضرت سیدہ کی یہ کرامت تھی کہ زمانہ قحط میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایک دن بھوکے تھے، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا نے دو روٹیاں اور گوشت کا ٹکڑا ایک طباق میں ڈھک کر بھیجا، حضور اسے لے کر ان کے پاس آئے اور اسے کھولنے کو فرمایا: جب کھولا تو وہ طبق روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ پس انہوں نے پوچھا کہ اے فاطمہ یہ کہاں سے آیا عرض کی اللہ کے پاس سے آیا ہے تو حضور نے فرمایا: الحمدللہ کہ تجھے اللہ نے بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار کے مانند کیا پھر حضور نے انہیں اور حضرت علی اور حسن و حسین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم کو ساتھ لے کر کھایا یہاں تک کہ سب کا پیٹ بھر گیا اور کھانا ویسے ہی بچ رہا تو اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پڑوسیوں کو تقسیم فرمایا۔ یہ کرامت اولیا کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ [بیضاوی]

تنبیہ: ﴿سمیتھا مریم﴾ میں دلیل ہے اس پر کہ بچہ کا نام پیدا ہونے کے بعد ہی رکھنا چاہئے جیسے کہ فرمایا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے: میرے رات لڑکا ہوا ہے میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم کے نام پر رکھا ہے۔ اور انس ابن مالک اپنے بھائی کو بعد پیدا ہونے کے حضور کی خدمت میں لائے پس آپ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ ایک صحابی نے عرض کی میرے رات لڑکا ہوا ہے اس کا کیا نام رکھوں فرمایا: عبدالرحمٰن۔ [بخاری و مسلم] پس عقیقہ والی حدیث جو امام احمد و اصحاب سنن نے روایت کی ہے وہ اس کے معارض نہیں ہے کہ اس میں عقیقہ کے دن تک تاخیر کی اجازت ہے یا اسی نام کو عقیقہ میں مقرر کرنے کی ہدایت ہے، مگر اولی اول ہے۔ ممکن ہے کہ عقیقہ کرنے سے پہلے بغیر نام کے بچہ مرجائے اور وہ قیامت کے دن اللہ سے شکایت کرے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔

كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ

بہت یاد کر اور کچھ دن رہے اور تڑکے اس کی پاکی بول۔ ف۴۹ اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک

اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ

اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہان کی عورتوں سے تجھے پسند کیا اے مریم!

اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ

اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس کے لیے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ

الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ

غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمھیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے

أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ إِذْ قَالَتِ

کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے اور یاد کرو جب

الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ

فرشتوں نے مریم سے کہا: اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمے کی جس کا نام ہے

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ

مسیح عیسیٰ، مریم کا بیٹا رُوْدار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

قرب والا اور لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہوگا۔

قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ

بولی اے میرے رب! میرے بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا فرمایا اللہ

(۴۹) جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کے پاس بے فصل کے میوے آتے دیکھے تو جان لیا کہ جو بے وقت میوے لانے پر قادر ہے وہ بے وقت بڑھاپے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے۔ پس انہوں نے اللہ تعالی سے آدھی رات کو نماز پڑھتے میں دعا کی کہ اے اللہ تو مجھے اپنے پاس سے ستھرا بیٹا عطا فرما۔ باقی مطلب آیت کا ترجمہ سے واضح ہے، آیت میں دلیل اس پر ہے کہ آدھی رات کو نماز پڑھ کر دعا کرنا، حاجت چاہنا چاہئے کہ قبول ہوا اور اس میں حضرت زکریا کی دعا سے حضرت یحیی کا پیدا ہونا اور ان کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم کے سردار اور نبی اور خاصان خدا سے ہوں گے عورتوں سے پرہیز کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں گے۔ چنانچہ ابن جریج نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام خالہ زاد بھائی تھے (گزشتہ تحقیق کے مطابق ماموں بھانجے تھے) اور یحیٰ کی ماں حضرت مریم سے کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تیرے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے یہی ان کی

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

یوں ہی پیدا کرتا ہے جو چاہے جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا

فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اسے سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل۔ اور رسول ہوگا

اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ

بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا

میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ

اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سپید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے

اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ

حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو بے شک

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور تصدیق کرتا آیا ہوں

يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

اپنے سے پہلی کتاب توریت کی اور اس لیے کہ حلال کروں تمہارے لیے کچھ وہ چیزیں جو تم پر حرام تھیں

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ

اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔ بے شک

تصدیق ہے۔ ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کی۔ اور حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ بڑے تھے اور حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے سے پہلے حضرت یحییٰ قتل کیے گئے۔ حضرت عیسیٰ نے انہیں تبلیغ بنی اسرائیل کے لیے مقرر کیا تھا انہوں نے انہیں قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب نازل ہوا کہ بخت نصر نے آ کر ایک دن میں ستر ہزار بنی اسرائیل قتل کیے باقی کو گرفتار کر کے لے گیا۔ اور ﴿ان لا تکلم الناس﴾ کے یہ معنی ہیں کہ سوائے اللہ کے ذکر کے لوگوں سے بات نہ کریں گے نہ یہ کہ بالکل زبان گنگ ہوگی۔ اور محراب سے مسجد۔ اور ملائکہ سے جنس ملائکہ یعنی جبرئیل مراد ہیں۔

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّآ

میرا تمہارا سب کا رب اللہ ہے تو اسی کو پوجو یہ ہے سیدھا راستہ۔ ف۵۰ و۵۱ و۵۲ پھر جب

اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں؟ اللہ کی طرف،

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾

حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾

اے رب ہمارے! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے اور یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ!

ع ۵ الثلثة

اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھا لوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

اور تیرے پیرووں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا

(۵۰) اس آیت کا ربط ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ﴾ [اٰل عمران:۳۵] سے ہے اور اس کے درمیان میں حضرت زکریا اور یحییٰ کا ذکر بطور جملہ معترضہ کے واقع ہوا ہے۔ اور اس میں حضرت مریم کی فضیلت ظاہر فرمائی گئی ہے کہ اللہ نے انہیں برگزیدہ کیا کہ ان کی نذر قبول کی اور انہیں اچھی طرح پالا اور جنت سے انہیں رزق دیا اور شرک وکفر اور گناہوں کی نجاست اور حیض کی پلیدی سے پاک وصاف کیا اور انہیں جہان بھر کی عورتوں سے پسند کیا۔ اور انہیں اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے اور اس کے لیے رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع وسجود کرنے یعنی جماعت سے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت مریم نماز میں اس قدر کھڑی رہتی تھیں کہ ان کے ٹخنے ورم کر گئے تھے اور ان سے خون پیپ بہنے لگا تھا۔ انہیں اوصاف کی بنا پر بعض نے ان کے نبی ہونے کا گمان کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ نبی نہ تھیں۔ بیضاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ کبھی کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اور آیت ﴿وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم﴾ سے اس پر استدلال کیا ہے۔ یعنی ہم نے تم سے پہلے مرد ہی رسول بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھجتے تھے۔ اور حضرت جبرئیل کا ان سے خطاب بطور وحی نہ تھا بلکہ کرامت مریم یا ارہاص عیسیٰ علیہ السلام تھا۔ اور ﴿نساء عالمین﴾ سے صرف ان کے زمانہ کی عورتیں مراد ہیں اور حضرت مریم کو ان پر فضیلت دی گئی تھی نہ ہر زمانہ کی عورتوں پر، کہ صحیح احادیث بخاری ومسلم اور ترمذی وغیرہ میں ''خیر نسائها مریم بنت عمران'' فرمایا گیا ہے۔ یعنی اپنے زمانے کی عورتوں سے حضرت خدیجہ افضل ہیں اور اپنے زمانہ کی عورتوں سے حضرت مریم افضل ہیں۔ اور فضیلت عائشہ کی عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی کھانوں پر۔ اور یہ کسی

ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾

پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے تو میں تم میں فیصلہ فرمادوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا فِی الدُّنۡیَا

تو وہ جو کافر ہوئے میں انھیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب

وَ الۡاٰخِرَۃِ ۫ وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے

فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِکَ نَتۡلُوۡہُ عَلَیۡکَ

اللہ ان کا نیگ انھیں بھرپور دے گا اور ظالم اللہ کو نہیں بھاتے۔ یہ ہم تم پر پڑھتے ہیں

نہیں ہے کہ کوئی عورت سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے تمام زمانہ کی عورتوں سے افضل ہو۔ اور یہ سب غیبی خبریں ہیں جن پر اللہ تعالی نے اپنے حبیب کو مطلع فرمایا: اور ملائکہ سے یہاں بھی جنس ملائکہ یعنی جبرئیل مراد ہیں۔

تنبیہ: ﴿اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ﴾ [ال عمران:۴۴] سے امور نزاعیہ میں دفع نزاع کے لیے اور کسی ایک کو چند اشخاص میں سے ترجیح دینے کے لیے قرعہ ڈالنے کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سفر کو جاتے تو اپنی بی بیوں میں سے ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالتے۔ لاٹری کو اس پر قیاس نہ کیا جائے کہ وہ ناجائز وحرام ہے جوئے کے مانند ہے۔

(۵۱) اس آیت میں حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی ہے اور ان کا نام مع لقب اور کنیت کے بتایا گیا ہے اور ان کے بعض اوصاف ذکر فرمائے گئے ہیں۔ کہ اس کا لقب مسیح اور نام عیسیٰ اور کنیت ابن مریم ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں بڑے مرتبہ والا ہوگا اور اللہ کے مقربوں سے ہوگا اور بچپنے میں پالنے میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور سن کہولت کو پہنچے گا لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا اور صالحین سے ہوگا۔

تنبیہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ وہ کلمہ کن سے بے باپ کے پیدا کئے گئے تھے بخلاف دوسرے لڑکوں کے کہ وہ باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف نسبت کیے جاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں اپنی ماں کی برأت ظاہر کرنے کے لیے کلام کیا تھا، جب کہ یہودیوں نے ان پر تہمت زنا لگائی تھی جیسا کہ سورۂ مریم میں آئے گا۔

(۵۲) جب حضرت مریم کو فرشتہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی تو انہوں نے متعجب ہو کر کہا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا کہ بچہ بغیر مرد کے چھوئے ہوئے نہیں ہوتا ہے اور مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا ہے، فرمایا: اللہ کا حکم ایسا ہی ہے کہ تیرے بغیر مرد کے چھوئے ہوئے بچہ پیدا ہو کہ اللہ جب کوئی کام کرنا یا کسی شئی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس بچہ کے اوصاف وفضائل ومعجزات بیان فرمائے کہ اللہ اسے لکھنا سکھائے گا، اور علم نبوت اور توراۃ وانجیل تعلیم فرمائے گا (بغیر کسی کے پڑھائے لکھائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہترین خوش نویس تھے، اور علم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے اور حافظ توراۃ و انجیل تھے) اور اسے رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گا، وہ بنی اسرائیل کو دعوت دے گا اور ان سے کہے گا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے اپنی سچائی پر نشانی لے کر آیا ہوں (جب انہوں نے بنی اسرائیل سے یہ کہا تو انہوں نے کہا وہ کیا نشانیاں ہیں جو اپنی سچائی پر لے کر آئے ہو۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والا ہوتا ہے (چنانچہ انہوں نے بنی اسرائیل کے سامنے مٹی سے چمگادڑ کی شکل بنائی اور اس میں پھونک ماری وہ اڑنے لگا، اور جب

ان کی آنکھوں سے غائب ہوا تو مر کر گر گیا۔ اور سب جانوروں میں چمگادڑ کو اس لیے مخصوص کیا کہ بنی اسرائیل نے اس کی فرمائش کی تھی، یا اس لیے کہ اس کی خلقت سب پرندوں میں کامل ہے اور انسان کے مشابہ ہے کہ اس کے دانت، کان اور اس کی مادہ کی چھاتیاں ہوتی ہیں۔ اور حیض بھی آتا ہے۔ اور اس کے بچے بھی ہوتے ہیں، انڈے نہیں دیتا ہے۔ اور ہنستا ہے اور دن میں نہیں دیکھتا ہے۔ اور فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور انہیں اس لیے خاص کیا کہ اس وقت طبابت کا بہت زور تھا جالینوس وغیرہ موجود تھے مگر تمام اطبا انہیں اچھا کرنے سے عاجز تھے اور معجزہ حسب ضرورت وقت عطا فرمایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر و ساحری کا بہت زور تھا انہیں اس کے باطل کرنے کا معجزہ عطا فرمایا گیا تھا اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بہت زور تھا۔ لہذا قرآن عظیم جیسا کلام معجز نظام عطا فرمایا جس کی مثال لانے سے وہ آج تک عاجز رہے اور باوجود تحدی کے آج تک نہ لا سکے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دن میں پچاس ہزار اندھے اور کوڑھی بشرط ایمان اچھے کیے۔ اور فرمایا: میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے، چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ عاذر نامی ایک شخص کو اور ایک بڑھیا کے بیٹے کو اور ایک عشر وصول کرنے والے کی لڑکی کو زندہ کیا جو عرصہ تک زندہ رہے اور ان کے اولاد ہوئی اور سام ابن نوح کو زندہ کیا وہ تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ اور فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو جس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ پس جو چیز جو شخص کھاتا اسے بتاتے اور جو گھر میں جمع کرتا اس کی خبر دیتے، مکتب کے لڑکوں کو بتا دیتے کہ تمہارے باپ نے یہ چیز کھائی ہے وہ گھر جا کر ماں باپ سے وہی چیز ضد کر کے مانگتے۔ اور فرمایا: میں توریت موجودہ کی تصدیق کرنے اور بعض حرام چیزیں تمہارے لیے حلال کرنے آیا ہوں۔ جیسے مچھلی، اونٹ کا گوشت، اور بے پنجوں کے جانور جو شریعت موسوی میں بنی اسرائیل پر ان کے ظلم کے باعث حرام کر دیے گئے تھے۔ اور یہ بشارت حضرت مریم کو اس لیے پہلے سے کی گئی تھی کہ ان کے دل سے بے باپ کے بچہ جننے کا خوف نکل جائے اور لوگوں کی ملامت وطعن و تشنیع کا اندیشہ نہ رہے اور وہ اس بچے کے فضائل دیکھ کر خوش ہوں کہ اللہ نے انہیں ایسا مرتبہ والا بیٹا عطا فرمایا۔ مختصر واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا یہ ہے کہ جب حضرت مریم سن بلوغ کو پہنچیں تو ایک دن غسل کر کے اپنے حجرے میں بیٹھی تھیں کہ حضرت جبرئیل بشکل آدمی انہیں نظر آئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ اے شخص اگر تو پاک دامن ہے تو یہاں کیوں آیا۔ جبرئیل نے کہا میں فرشتہ ہوں خدا کے حکم سے آیا ہوں یہ کہہ کر حضرت جبرئیل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ حاملہ ہو گئیں جب وضع حمل کے دن قریب آئے اور درد زہ شروع ہوا تو حضرت مریم بیت اللحم کے ایک گوشہ میں کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے جا کر پڑ گئیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، ان کی برکت سے وہ خشک درخت سرسبز ہوا اور اس میں کھجوریں آئیں۔ جب یہود کو معلوم ہوا تو وہ گروہ کے گروہ دیکھنے کو آتے اور حضرت مریم کو ملامت کرتے کہ تو تو پاک دامن تھی تو نے یہ کیا کیا۔ چونکہ حضرت مریم کو جبرئیل نے یہ سب باتیں بتا دی تھیں انہوں نے یہود سے کہا کہ تم اس بچہ سے پوچھو۔ بولے ہم اس سے کیا پوچھیں، یہ بولنے کے قابل کب ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بول اٹھے اور حضرت مریم کی پاکدامنی کی شہادت دی۔

تنبیہ: اس میں اختلاف ہے کہ شریعت موسوی کو شریعت عیسوی نے بالکل منسوخ کر دیا تھا یا اس کے بعض احکام منسوخ کیے تھے۔ اول کو بیضاوی نے اختیار کیا ہے اور ''لاحل لکم'' کو اس پر دلیل بنایا ہے۔ اور شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض احکام توریت کو منسوخ کیا تھا نہ کل کو اور یہی صحیح ہے۔ اور قول ابن انس اور روایت ابن منبہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام شرع موسوی پر عمل کرتے تھے اور ہفتہ کے دن تعظیم کرتے تھے اور استقبال بیت المقدس کرتے تھے اور بنی اسرائیل سے کہتے تھے کہ میں تمہیں توریت کے خلاف نہیں بلاتا ہوں سوائے اس کے کہ جو بعض چیزیں تم پر حرام کی گئی تھیں انہیں تمہارے لیے حلال کروں اور تمہارے ذمہ سے گناہ دور کر دوں، مگر ان بد بختوں نے کچھ نہ سنا اور ان کے معجزات کو جادو بتایا اور انہیں اور ان کی ماں کو برا کہنا گالیاں دینا شروع کیں، اور دن بدن ان کی سرکشی اور دشمنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان کے قتل کے درپے ہوئے اور ان کے ہلاک کرنے کی فکریں کرنے لگے۔

مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ

کچھ آیتیں اور حکمت والی نصیحت، ف۵۳ ف۵۴ عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک

اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ

آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ اے سننے والے! یہ

رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا

تیرے رب کی طرف سے حق [ہے] تو شک والوں میں نہ ہونا، پھر اے محبوب! جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا

کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں

وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ

اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت

عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

ڈالیں یہی بے شک سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا

(۵۳) پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی یہ حالت دیکھی اور یقین کرلیا کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے، راہ راست پر نہ آئیں گے تو انہوں نے لوگوں سے پکار کہا کہ کون میرا مددگار ہے اللہ کی طرف بلانے اور اس کے دین کی مدد کرنے میں۔ تو ان میں سے بارہ آدمیوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں اور وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان پر گواہ بنایا اور حواری کہلائے جن کے نام شمعون، اندریاس، یعقوب،، یوحنا، فیلیوس، برہتوعا، ہتوما، متی، یعقوب ثانی، مہدی، شمعون، یہودا تھے۔ اور انہوں نے خدا سے عرض کی اے ہمارے رب ہم انجیل پر ایمان لائے اور عیسیٰ کا ہم نے اتباع کیا، تو ہمیں وحدانیت ورسالت پر شہادت دینے والوں میں شمار فرما۔ اور کفار بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مکر کیا کہ ان کے قتل کرنے کے لیے ایک آدمی کو خفیہ مقرر کیا اور ان کے حواریوں میں سے یہودا نامی ایک شخص کو لالچ دے کر توڑ لیا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کل حال ان سے کہہ دیا کہ ان کے پاس کوئی قوت اور ہتھیار وغیرہ نہیں ہیں پس یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھیر کر پکڑ لیا اور ایک مکان میں لاکر بند کیا۔ اللہ نے ان کا مکر انہیں پر لوٹا دیا اور ان کو ان کے مکر کی سزا دی کہ جس کو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان سے لاکر سولی دینے کے لیے بھیجا تھا اسی کو ان کے مشابہ کر دیا اور حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھالیا۔ بنی اسرائیل نے اس آدمی کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ پاکر سولی چڑھا دیا اور وہ دھوکے میں رہے کہ یہی عیسیٰ ہیں اور آج تک اسی دھوکہ میں ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی دئے گیے۔

تنبیہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگاروں کو حواری اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اجلے پوش صاف عقیدہ کے تھے۔ یا کپڑوں کو دھویا اور اجلا کیا کرتے تھے، کہ حوار کے معنی سفید خالص کے ہیں۔ سدی ومجاہد کہتے ہیں کہ وہ چند شکاری اجلے پوش تھے، حسن کہتے ہیں کہ وہ دھوبی تھے کپڑے دھویا اور سفید کیا کرتے تھے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ وہ صاف دل تھے اس لیے انہیں حواری کہا گیا۔ بہر حال حواریوں سے مددگاران عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ جیسا کہ یوم خندق حضور نے حضرت زبیر

رضی اللہ کی نسبت فرمایا: ''لکل نبی حواری وحواری الزبیر'' یعنی ہر نبی کے لیے مددگار ہوتے ہیں اور میرا مددگار زبیر ہے۔[بخاری ومسلم] اس
لحاظ سے قریش میں سے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وحمزہ وزبیر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب حضور کے حواری تھے۔[معالم] اور شاہدین
سے انبیا مراد ہیں یا امت محمد یہ مراد ہے کہ وہ روز قیامت سب پر شاہد ہوگی گویا حواریوں نے امت اسلامیہ میں شمار ہونے کی دعا کی یہی
حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں مروی ہے۔[ابن کثیر]

(۵۴) یہ گزشتہ آیت کا تتمہ ہے اور مکر اللہ کا ظرف ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قید کیا اور آپس میں انہیں سولی
دینے کا فیصلہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بتقاضائے بشریت بہت غمگین ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے امداد چاہی پس اللہ تعالیٰ نے انہیں تسکین
دینے کے لیے فرمایا: کہ اے عیسیٰ! تم غمگین نہ ہو یہ تمہیں قتل نہیں کر سکتے میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف زندہ اٹھالوں گا
اور تجھے ان کافروں سے پاک کردوں گا محفوظ رکھوں گا، اور تیرے پیروں یعنی نصاریٰ کو قیامت تک کافروں یعنی یہودیوں پر غالب
رکھوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کچھ دنوں بعد فیطوس نے آکر بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا اور
ہزاروں کو قید کر کے لے گیا، باندی غلام بنایا، اس وقت سے اب تک دنیا میں کوئی یہود کی حکومت نہ ہوئی اور یہودی کبھی عیسائیوں پر غالب
نہ آئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود کے ہاتھ سے اس طرح بچایا کہ ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا وہ حضرت عیسیٰ کو اٹھا کر آسمان پر لے چلا تو
آپ کی ماں آپ سے لپٹ گئیں اور روئیں تو آپ نے ان سے کہا کہ اب ہم تم قیامت کے دن جمع ہوں گے اور ملیں گے۔ اس وقت
حضرت عیسیٰ کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ بعد اس کے ان کی ماں چھ سال زندہ رہیں۔[جلال] ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر
اٹھائے جانے کے بعد نصاریٰ میں اختلاف پیدا ہوا، بعض تو ایمان پر قائم رہے اور خدا کو ایک اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ اور رسول جانتے
رہے اور بعض نے انہیں خدا، خدا کا بیٹا کہا اور بعض تثلیث کے قائل ہوئے، ان سب کا رد قرآن عظیم نے کیا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کی
روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب زمانہ قیامت کے آسمان سے اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے اور جزیہ اٹھائیں گے۔ اور
مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ سات برس اور ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ وہ چالیس سال زندہ رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور
مسلمان ان کے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔ غالباً ابوداؤ کی حدیث میں پوری مدت ان کی زمین پر رہنے کی بیان کی گئی ہے جو قبل رفع
۳۳ سال تھی اور بعد نزول سات سال، کل چالیس سال ہوئی۔

تنبیہ: آیت میں ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ فرمایا گیا ہے: اس کے معنی ایک تو پورا کرنے کے ہیں دوسرے قبضہ کرنے کے ہیں۔ تو مطلب
یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کہ میں تمہاری عمر پوری کروں گا، یا تمہیں اپنے قبضہ میں کروں گا اور کفار کے ہاتھ سے تمہیں قتل نہ ہونے
دوں گا۔[بیضاوی] اور بعض نے اس کے معنی نیند کے لیے ہیں کہ وہ مثل موت کے ہے اور کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ پر نیند طاری ہوئی اور
سوتے میں وہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ مگر یہ معنی روایت جلال سے ٹکراتے ہیں جس میں آپ کا جاگتے میں آسمان پر اٹھایا جانا اور ان کی والدہ
کا انہیں لپٹ کر رونا اور ان کا انہیں تسکین دینا مذکور ہے۔ اور جلال بالالتزام ارجح واضح اقوال لکھتے ہیں۔ پس جن روایات میں حضرت عیسیٰ
کا تھوڑی دیر کے لیے مرنا پھر زندہ ہو کر آسمان پر اٹھایا جانا آیا ہے وہ محض غیر معتبر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں کسی اثر میں ان کا پتہ نہیں ہے
صحیح یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ سے بھی مرسلاً یہی روایت ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں وہ قیامت سے پہلے تمہاری
طرف لوٹیں گے۔ بلکہ آیت: ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ﴾[النساء:۱۵۷] میں صاف طور سے فرمایا ہے کہ انہیں یہود
نے قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ انہیں مشتبہ کیا تھا۔ ﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾[النساء:۱۵۹] بھی اسی پر
دلالت کرتی ہے۔

إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ

کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب ہے حکمت والا۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو

عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ

اللہ فسادیوں کو جانتا ہے۔ ۵۵ تم فرماؤ: اے کتابیو! ایسے کلمے کی طرف آؤ جو

ع ٦ / ١٤

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا

ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور

يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا

ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ مانیں

(۵۵) شان نزول:۔ اس کی سراج میں اس طرح لکھی ہے کہ جب وفد نجران جو حضور سے مناظرہ کرنے آیا تھا، جواب ہوا جس کا ذکر شروع سورۂ آل عمران میں کیا گیا ہے تو کہنے لگا کہ آپ تو حضرت مسیح کو گالی دیتے ہیں تو حضور نے ان سے فرمایا: کہ میں تو انہیں گالی نہیں دیتا ہوں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر تھے، بولے یہی تو گالی ہے۔ اچھا آپ کوئی اور ایسا آدمی بتا سکتے ہیں جو بے باپ کے پیدا ہوا ہو پس یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ اللہ نے ان کے پتلے کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا زندہ ہو جا پس وہ زندہ ہو گیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز کہ عیسیٰ بے باپ کے ماں سے پیدا ہوئے اور آدم بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے، یونہی عیسیٰ سے کن فرمایا: پس وہ بے باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ بات بالکل حق ہے اللہ کی جانب سے اس میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر باوجود اس کے اگر وہ اسے نہ مانیں اور تم سے حجت کریں تو ان سے کہہ دو کہ آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلائیں اور جمع ہو کر دعا کریں کہ عیسیٰ کے بارے میں جو جھوٹا ہو اس پر خدا لعنت کرے، تو وفد نجران بولا ہمیں مشورہ کرنے کی مہلت دیجیے، حضور نے انہیں مہلت عطا فرمائی، انہوں نے آپس میں آ کر مشورہ کیا تو عاقب نے ان سے کہا تم جانتے ہو کہ یہ نبی ہیں اور جس قوم نے نبی سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہوئی ان سے صلح کر لینی چاہیے، ادھر حضور نے مباہلہ کی تیاری کی اور اپنے ساتھ حسن و حسین و فاطمہ و علی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو لے کر نکلے اور ان سے فرمایا: میں جب دعا کروں تو تم آمین کہنا اتنے میں وفد نجران کے آدمی بھی آئے اور ان کے بڑے صدر وفد نے حضور اور اولاد حضور کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا اے گروہ نصاریٰ میں وہ صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ اللہ سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹ جانے کی دعا کریں گے تو ہٹ جائے گا ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا، پس سب نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا، تب حضور نے ان سے فرمایا: کہ اسلام لاؤ اس سے بھی انہوں نے انکار کیا، تو حضور نے ان سے لڑنے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو عرب سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے ہم آپ سے اس پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہم سے نہ لڑیں اور ہمیں ذلیل نہ کریں اور ہمارے دین سے ہمیں نہ پھیریں ہم آپ کو اس کے بدلے ہر سال دو ہزار کپڑے نصف صفر میں نصف رجب میں اور تیس زرہ اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ اور تیس ہر قسم کے ہتھیار دیا کریں گے۔ پس حضور نے منظور کیا اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے عذاب الٰہی اہل نجران کے قریب تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو سب بندر اور سور ہو جاتے اور اہل نجران کی اللہ ایسی بیخ کنی کرتا کہ درختوں پر جانور تک باقی نہ رہتا اور ایک سال کے اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور مباہلہ کے لیے نکلے تو آپ بالوں کی بنی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ

تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ ف۵۶ اے کتاب والو! ابراہیم کے بارے میں کیوں

اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا

جھگڑتے ہو توریت و انجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد، تو کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

عقل نہیں! سنتے ہو! یہ جو تم ہو اس میں جھگڑے جس کا تمھیں علم تھا

فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

تو اس میں مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

نہیں جانتے ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ

جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے بے شک سب لوگوں سے

حضرت حسن آئے آپ نے انہیں چادر میں داخل کیا پھر حسین آئے انہیں داخل کیا پھر حضرت فاطمہ اور حضرت علی آئے تب آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [الاحزاب:۳۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ [معالم، سراج وجلال]

تنبیہ: ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ [ال عمران:۶۰] میں خطاب عام ہے یا خطاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور مراد اس سے حضور کی امت ہے۔ انہیں امر عیسیٰ میں شک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور حق پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ [جامع البیان وسراج ومعالم]۔

(۵۶) جب آیت سابقہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود ونصاریٰ کے تمام شبہات بدلائل قاطعہ رد کردیے تو اب اس آیت میں دوسری طرح سے انہیں دعوت اسلام دی جاتی ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی تم ان یہود ونصاریٰ سے کہو کہ اگر تم میری نہیں مانتے ہو تو اس کلمہ کی طرف آؤ اور اس پر عمل کرو جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے سب انبیاء ورسل اس میں متفق ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو سوائے اللہ کے رب نہ بنائے۔ یعنی رب جیسی ان کی تعظیم وتابعداری نہ کرے جیسی کہ تم اپنے علما ومشائخ کی کرتے ہو۔ پس اگر وہ اس سے اعراض کریں اور نہ مانیں تو تم ان سے کہو کہ تم اس پر گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اللہ کے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت ﴿اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا﴾ [التوبۃ:۳۱] نازل ہوئی تو عدی ابن حاتم نے کہا کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ تو حضور نے اس سے فرمایا: کیا وہ تمہارے لیے چیزوں کو حرام وحلال نہیں کرتے ہیں اور تم ان کے کہنے پر عمل کرتے ہو تو اس نے اقرار کیا، فرمایا: یہی تو آیت میں فرمایا گیا ہے۔ [سراج]

بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ

ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے اور ایمان والوں کا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ

والی اللہ ہے۔ کتابیوں کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

اور وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں ف۵۷ اے کتابیو! اللہ کی

تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو حالاں کہ تم خود گواہ ہو اے کتابیو! حق میں

(۵۷) شان نزول اس کی سراج ومعالم میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وفد نجران مدینہ میں آیا اور یہود سے ملاقات کی تو وہ دونوں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ یہود نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں اور سب سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ نصرانی تھے ہم ان کے دین پر ہیں ہم سب سے زیادہ ان کے قریب ہیں، پس حضور نے ان سے فرمایا: تم دونوں فریق حضرت ابراہیم سے اور ان کے دین سے بری ہو، وہ حنیف ومسلمان تھے اور میں ان کے دین پر ہوں، پس تم دین اسلام کا اتباع کرو۔ تو یہود بولے: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں رب بنالیں۔ جیسا کہ نصاریٰ نے مسیح کو بنایا ہے۔ اور نصاریٰ بولے: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں ایسا سمجھیں جیسا کہ یہود عزیر علیہ السلام کو سمجھتے ہیں۔ پس اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور فرمایا گیا اے یہود ونصاریٰ تم کیوں ابراہیم کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ توریت وانجیل ان کے بہت دنوں بعد اتری اور یہودیت ونصرانیت ان کے نزول کے بعد حادث ہوئی کیا تمہیں عقل نہیں ہے اور اپنے قول کے بطلان کو سمجھتے نہیں ہو کہ حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم کے تقریباً ایک ہزار سال بعد ہوئے اور ان پر توراۃ نازل ہوئی اور یہودیت حادث ہوئی اور حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کے تقریباً دو ہزار سال بعد ہوئے اور ان پر انجیل اتری اور انجیل کے نزول کے بعد نصرانیت پھیلی تو حضرت ابراہیم کیسے یہودی یا نصرانی ہوئے۔ سنتے ہوائے جھگڑنے والو تم جو موسیٰ اور عیسیٰ کے بارے میں جھگڑے اس کا تو تمہیں کچھ علم تھا اب تم اس معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو کہ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ حنیف ومسلمان تھے تمام ادیان باطلہ سے ایک دین مستقیم کی طرف مائل خالص موحد تھے اور مشرکین سے نہ تھے تو تمام لوگوں سے ابراہیم کے وہ لوگ زیادہ حقدار تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور ان سے خاص طور سے تعلق رکھا اور یہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کی امت کے مسلمان ان کے زیادہ حقدار ہیں کہ انہوں نے ان کے دین کی اکثر باتوں کی موافقت کی اور ان پر عمل کیا۔ پس وہ یہ کہنے کے لائق ہیں کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں نہ تم لوگ۔ اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ومحافظ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہر مسلمان حضرت ابراہیم کا ولی ہے یعنی ان کے ساتھ نزدیکی اور تعلق رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر نبی کے لیے انبیا میں سے ولی ہوتے ہیں اور میرا ولی میرا باپ اللہ کا خلیل ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی: [ترمذی وابن ابی حاتم]

تنبیہ: ترجمہ میں کتاب والوں سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ اور ﴿مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۳۵] سے مشرکین قریش کا بھی رد ہو گیا کہ وہ اپنے کو دین ابراہیمی پر کہتے تھے اور شرک کرتے تھے۔ اور آیت سے ثابت ہے کہ جس بات کا علم نہ ہو اس میں

تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ

باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالاں کہ تمہیں خبر ہے۔ ف٥٨ اور

طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا

کتابیوں کا ایک گروہ بولا وہ جو ایمان والوں پر اترا صبح کو اس پر

وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوا

ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ، شاید وہ پھر جائیں اور یقین نہ لاؤ

إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ

مگر اس کا جو تمہارے دین کا پیرو ہے تم فرمادو کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے (یقین کاہے کا نہ لاؤ)

أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ

اس کا کہ کسی کو ملے جیسا تمہیں ملا یا کوئی تم پر حجت لا سکے تمہارے رب کے پاس تم فرمادو

إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ف٥٩

جھگڑا کرنا حجت کرنا برا ہے۔ بلکہ معلوم بات میں بھی بے ضرورت بحث و جھگڑا نہ کرنا چاہئے ﴿حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ [آل عمران:٦٦] میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث میں ہے جس نے جھگڑا نہ کیا اگرچہ وہ حق پر ہو تو میں اس کا ضامن ہوں اللہ اس کو جنت کی سیرگاہ میں ایک مکان عطا فرمائے گا اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ اسرائیلیوں کی اکثر روایات جہالت پر مبنی ہیں۔ [مواہب]

(٥٨) شان نزول:۔ جب مدینہ کے یہودیوں نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حذیفہ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہکانا اور اسلام سے پھیرنا اور اپنے دین میں داخل کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم وغیرہ] اور فرمایا گیا کہ اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح وہ تمہیں ورغلا کر گمراہ کردیں، اسلام سے پھیر دیں اور نہیں گمراہ کرتے ہیں وہ مگر اپنے نفسوں کو کہ اس کا وبال انہیں پر عائد ہوگا اور مسلمان ان کے قول کو نہیں مانیں گے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اے کتابیو اللہ کی آیات یعنی قرآن عظیم کا جو نعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشتمل ہے کیوں انکار کرتے ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ اے کتابیو! تم توراۃ وانجیل میں جو آیات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ہیں ان سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے۔ اے کتابیو تم حق میں باطل کو کیوں ملاتے ہو یعنی اس میں کیوں تحریف کرتے اور سچ میں کیوں جھوٹ ملاتے ہو اور حق کو یعنی نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے۔

(٥٩) شان نزول:۔ جب بظاہر مسلمانوں کو ورغلانے سے کچھ کام نہ چلا تو عبداللہ ابن صیف اور عدی ابن زید اور حارث ابن عوف نے خفیہ آپس میں یہ مشورہ کیا کہ صبح کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور شام کو ان سے پھر جاؤ اور کہو کہ ہم نے توریت میں لکھی

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ

اور کتابیوں میں کوئی وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کر دے گا

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

اور ان میں کوئی وہ ہے کہ اگر ایک اشرفی اس کے پاس امانت رکھے تو وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک تو

عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ

اس کے سر پر کھڑا رہے یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں ان پڑھوں کے معاملے میں ہم پر کوئی

سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى

مواخذہ نہیں، اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں ہاں

مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری کی اور بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں۔ ف۶۰

ہوئی نشانیاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہیں پائیں اس لیے ہم پھر گئے۔ شاید مسلمان یہ دیکھ کر اور دھوکہ میں آکر دین اسلام سے پھر جائیں۔ قتادہ وسدی وحسن کہتے ہیں کہ بارہ عالم یہود خیبر سے آئے تھے انہوں نے آپس میں اس طرح مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا تھا۔ [معالم] چنانچہ ایسا کیا کہ صبح کو ایمان لاتے نماز میں شریک ہوتے اور مسلمانوں پر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے دوپہر کو پھر جاتے۔ [ابن کثیر] اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے مکر سے آگاہ کیا۔ اور فرمایا: کہ کتابیوں کے ایک گروہ نے آپس میں کہا کہ وہ جو قرآن مسلمانوں پر اترا ہے صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ شاید مسلمان یہ دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں اور یہ خیال کریں کہ اگر اسلام حق ہوتا تو یہ لوگ باوجود عالم ہونے کے اس سے نہ پھر جاتے۔ اور اپنے لوگوں سے یہ بھی کہہ دیا اور سمجھا دیا کہ تم یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمہارے دین کا پیرو ہو کہ تمہارا دین سچا اور حق ہے یا تم تصدیق نہ کرنا مگر صرف اس کی جو تمہارے دین کے موافق ہو کہ تمہارا دین حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معترضاً جواب میں فرمایا: کہ اے محبوب! تم ان سے فرمادو کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا گمراہی ہے یعنی اسلام ہی حق وہدایت ہے اس کے سوا دوسرا دین اختیار کرنا گمراہی ہے تو تمہارا یہ کہنا اور اپنے سفلوں کو یہ سمجھانا محض غلط ہے کہ جو یہودیت کی موافقت نہ کرے اس کو سچا نہ جانو اور اس کی تصدیق نہ کرو کہ تمہاری مثل دوسرے کو بھی کتاب وحکمت وفضیلت دی گئی ہے کہ اگر دوسرے کے لیے بھی ایسا ہی مانو گے تو تمہاری خصوصیت جاتی رہے گی اور وہ دوسرا اس میں شریک ہو جائے گا یا وہ خدا کے روبرو تم پر حجت قائم کرے گا کہ انہوں نے باوجود قرآن کو ماننے کے یہودیت کو نہ چھوڑا اسلام نہ لائے، کیوں کہ قرآن اسلام میں داخل ہونے کو کہتا ہے اس لیے نہ اس پر ایمان لاؤ نہ اسے سچا مانو کہ مسلمان تم پر حجت پکڑیں اور تمہیں لاجواب ہونا اور اپنی فضیلت کو کھونا پڑے۔ اللہ اس کے جواب میں فرماتا ہے: کہ اے محبوب تم ان سے کہو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت علم والا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے خاص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان مکاروں کے فریب سے آگاہ فرمایا اور ان کے کید ومکر اور ضرر سے محفوظ رکھا۔ یہ پوری آیت کا مطلب ہے جس میں مفسرین نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔

(۶۰) شان نزول:۔ چونکہ یہود میں خائن اور بددیانت لوگ بھی تھے اور دیانت وامانت دار بھی تھے اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام کے پاس ایک یہودی نے دو ہزار اوقیہ سونا امانت رکھا تھا جب اس نے ان

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا

وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں

أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا

آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف

يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ انہیں پاک کرے اور ان کے لیے دردناک عذاب

أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

ہے اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں

لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُولُونَ

کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى

یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں اور اللہ پر

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ

دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں ف٦١ کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ

سے طلب کیا تو انہوں نے فورا لاکر اسے دے دیا۔ اور کعب ابن اشرف کے پاس ایک قریش نے ایک اشرفی امانت رکھی تھی جب اس سے طلب کی تو اس نے دینے سے انکار کیا اللہ تعالی نے ان دونوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی حالت بیان کی جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور ''قنطار'' سے مال کثیر اور ''دینار'' سے مال قلیل مراد ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ ﴿مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ﴾ [ال عمران: ٧٥] سے عبداللہ ابن سلام وغیرہ مومنین اہل کتاب مراد ہیں اور ؟. کفار یہود مراد ہیں۔ جیسے کعب ابن اشرف اور اس کے اصحاب۔ اور اسی کی مثل ابن عباس سے مروی ہے۔ اور '' اُمِّيِّينَ '' سے مراد اہل عرب ہیں کہ وہ بے پڑھے تھے اور یہود کے دین کے مخالف تھے اور مخالف دین کا مال مارنا یہود کے نزدیک حلال تھا وہ کہتے تھے کہ ہماری کتاب میں یونہی لکھا ہے، اللہ نے اس آیت میں ان کی تکذیب فرمائی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ حضور نے اس آیت کے نزول کے وقت فرمایا: کہ خدا کے دشمنوں نے جھوٹ کہا، زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے یعنی منسوخ ومتروک ہے مگر امانت کہ وہ نیک وبد کی بھی ادا کی جائے گی۔ اور قرض امانت میں داخل ہے واجب الادا ہے، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت ہے۔ [سراج ومعالم]

(٦١) شان نزول میں اس کے اختلاف ہے، عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ علماے یہود کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنی وجاہت اور ذرائع معاش برقرار رہنے کے لیے تورات میں سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے اوصاف وفضائل اڑا دیے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ایک شخص بازار میں اپنا مال جھوٹی قسمیں کھا کر بیچتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے اس مال کی اتنی قیمت ملتی تھی تا کہ

اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا

اللہ اسے کتاب اور حکم و پیغمبری دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ

عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ

اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ

کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ

تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ

فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھیرا لو کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ

کوئی مسلمان اسے خرید لے اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [بخاری] حضرت اشعث ابن قیس کہتے ہیں کہ میرا ایک یہودی سے زمین کا جھگڑا تھا میں اسے خدمت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لایا اور واقعہ عرض کیا، فرمایا: کوئی گواہ ہے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: اس سے قسم لو میں نے عرض کی یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال ہضم کر لے گا۔ فرمایا: جو شخص جھوٹی قسم کھا کر مال حاصل کرے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضب فرمائے گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال شان نزول کوئی بھی ہو حکم عام ہے ہر عہد و میثاق اور قسمیں اس میں داخل ہیں خواہ اللہ و رسول کے ساتھ ہوں یا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں ان کا وفا کرنا واجب ہے اور نہ وفا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور مطلب آیت کا ترجمہ سے ظاہر ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تین آدمیوں سے قیامت کے دن کلام نہ فرمائے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ ان کی خطا معاف فرمائے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہوگا۔ راوی حدیث ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا وہ کون آدمی ہیں؟ فرمایا: نیچا پائجامہ پہننے والا اور چغل خور اور جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے والا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر مسلمانوں کا مال ہضم کرنے والا اور عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانے والا کہ میں نے تجھے تیرے مال سے زیادہ دیا ہے اور اپنی حاجت سے زائد پانی مانگنے والے کو نہ دینے والا۔ [سراج] تیسری حدیث میں ہے جس نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام اور دوزخ واجب کرے گا۔ صحابہ نے عرض کی اگر چہ تھوڑی سی چیز ہو فرمایا: اگر چہ پیلو کی بالشت بھر لکڑی ہو تین بار یہی فرمایا۔ [معالم]

تنبیہ: آیت میں "عَهْدِ اللّٰهِ" سے وہ عہد مراد ہے جو انہوں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور امانت ادا کرنے کا کیا تھا اسے اپنی ریاست برقرار رکھنے کے لیے توڑا اور دنیا کی حقیر چیز سے بدلا اور خدا کی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مال کو بیچتے اور تجارت کو فروغ دیتے ہیں ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں ہے اور قیامت میں اللہ بوجہ ناراضگی ان سے کلام نہ کرے گا اور نہ بہ نظر رحمت انہیں دیکھے گا اور نہ انہیں خطاؤں سے پاک کرے گا۔ اور "فریقا" سے کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب اور مالک ابن صیف وغیرہ ان کے ساتھی مراد ہیں اور ﴿یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ﴾ [ال عمران:۷۸] سے مراد یہ ہے کہ وہ توراۃ کو اس طرح زبان پھیر کر پڑھتے ہیں کہ جاہلوں کو ان کا تحریف کیا ہوا اصلی معلوم ہو اور اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ کتاب ہے اور نہ وہ اللہ کا کلام ہے اور قفال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ عمداً اعراب الفاظ میں تغیر و تحریف کرتے ہیں جس سے الفاظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ [کبیر] اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے توراۃ میں آیت رجم اور نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو متغیر کیا تھا اور بدل ڈالا تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے توراۃ و انجیل میں تحریف کی تھی اور اللہ کے کلام میں جو نہ تھا وہ انہوں نے اس میں ملا دیا تھا۔ [خازن]

إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ

تم مسلمان ہو لیے ۶۲ اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا

لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ

جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول

مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ

کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: کیوں تم نے اقرار کیا؟

وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا

اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ

(۶۲) شان نزول:۔ محمد ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ علماے یہود اور نجرانی عیسائی خدمت حضور میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو دعوت اسلام دی تو ابو رافع یہودی نے کہا آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائی، مسیح کی عبادت کرتے ہیں اسی طرح ہم آپ کی کریں۔ جب سردار نصاریٰ نے ابو رافع کا یہ قول سنا تو وہ بھی کہنے لگا کہ ہاں آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں اور اسی کی ہمیں دعوت دیتے ہیں، تو حضور نے ان سے فرمایا: معاذ اللہ میں سوائے خدا کے کسی کی عبادت کرانا نہیں چاہتا ہوں اور نہ میں کسی کو اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس لیے بھیجا گیا ہوں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت نجرانی عیسائیوں کے رد میں نازل ہوئی کہ وہ کہتے تھے حضرت مسیح نے ہمیں اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ معالم میں لکھا ہے کہ کسی صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ ہم حضور کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جس طرح آپس میں ہم کرتے ہیں کیا حضور کو ہم سجدہ کیا کریں تو حضور نے فرمایا: اللہ کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ تمہیں اپنے نبی کی تعظیم و توقیر کرنی چاہئے اور ان کے اہل کا حق پہنچانا چاہیے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جلال نے آخرین کو مختصر بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کو خدا نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی ہے اسے لائق نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ (کتاب پڑھنے پڑھانے کے سبب عالم فقیہ باعمل بن جاؤ کہ تعلیم و تعلم کا فائدہ یہی ہے کہ اس پر عمل کرکے ربانی بن جاؤ خدا پرست اور اللہ والے ہو جاؤ جیسا کہ ابن الحنفیہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے انتقال پر کہا: کہ اس امت کا ربانی فوت ہو گیا) اور نہیں حکم کرے گا وہ تمہیں یہ کہ تم ملائکہ کو اور نبیوں کو خدا ٹھہرالو (جیسا کہ صابیہ نے فرشتوں کو، یہود نے عزیر کو، نصاریٰ نے عیسیٰ کو رب بنایا) کیا وہ تمہیں مسلمان ہونے کے بعد کفر کا حکم کرے گا (ہرگز نہیں یہ اس کے لائق نہیں ہے) حضرت ابن عباس نے ''بشر'' سے محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور کتاب سے قرآن مراد لیا ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو جب کہ انہیں اللہ نے قرآن دیا ہے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ یہ کہیں کہ میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔ اور مقاتل اور ضحاک نے ''بشر'' سے حضرت عیسیٰ مراد لیے ہیں۔ آیت کا اخیر جملہ دلالت کرتا ہے کہ خطاب ان مسلمانوں سے ہے جنھوں نے سجدے کی اجازت چاہی تھی۔ اور ربانی کے معنی علماء نے مختلف بیان کیے ہیں اور وہ رب کی طرف بزیادتی الف نون منسوب ہے۔ یعنی رب کو اچھی طرح جاننے پہچاننے والا، یا وہ تربیت سے ماخوذ ہے اور الف نون اس میں مبالغہ کے لیے ہے اور واحد اس کا ربان ہے یعنی علم میں کمال حاصل کرنے والا اور اس کی پرورش کرنے والا اور اسے پھیلانے والا۔ [خازن وغیرہ]

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ

اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ ف۶۳ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ

فاسق ہیں تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں؟ اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں جو

فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف پھریں گے۔ ف۶۴

(۶۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی رفعت شان وعظمت مکان اور فضل وشرف ظاہر فرماتا ہے اور تمام انبیا ومرسلین صلوۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین سے حضور پر ایمان لانے اور حضور کی مدد کرنے کا عہد ومیثاق لیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے محبوب یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا الی آخر ترجمہ۔ اور ''رسول مصدق'' سے عامہ علما کے نزدیک حضور سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں۔ حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' میں آیت مذکورہ کا ترجمہ فرمانے کے بعد لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اجل ابو جعفر طبری وغیرہ محدثین اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیا بھیجے سب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا کہ اگر یہ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد فرمائے اور اپنی امت سے اسی مضمون کا عہد لے۔ یونہی ابن جریر اور ابن عساکر وغیرہ نے عالم قرآن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں سدی سے روایت کیا جس کو امام اجل سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خصائص کبریٰ میں ذکر فرمایا۔ اسی عہد ربانی کے مطابق ہمیشہ انبیا علیہم السلام حضور کے مناقب ومحامد اپنی پاک مجالس میں ذکر فرماتے اور اپنی امتوں سے حضور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے رہے یہاں تک کہ وہ پچھلا مژدہ رساں حضرت مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوۃ اللہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کہتا تشریف لایا اور جب وہ سب ستارے مہ پارے ممکن غیب میں گئے تو اس آفتاب عالم تاب خاتمیت نے طلوع اجلال فرمایا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین۔ ابن عساکر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں آدم اور ان کے بعد کے سب انبیاء علیہم السلام سے پیشین گوئی فرماتا رہا اور قدیم امتیں حضور کی تشریف آوری کی خوشیاں مناتی اور حضور کے توسل سے اپنے دشمنوں پر فتح مانگتی آئیں جس کا ذکر قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ﴾ الخ [البقرۃ:۸۹] یعنی وہ لوگ اس نبی کے ظہور سے پہلے کافروں پر اس کے وسیلہ سے فتح چاہتے پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف لایا تو منکر ہو بیٹھے۔ سو خدا کی پھٹکار ہے منکروں پر۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب یہود مشرکوں سے لڑتے تو دعا کرتے تھے الٰہی تو ہمیں ان پر اس نبی آخر الزماں کے صدقہ میں فتح دے، جس کی نعت ہم توراۃ میں پاتے ہیں۔ پس انہیں فتح دی جاتی، اسی بیان الٰہی کے سبب حضور فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر آج موسیٰ دنیا میں ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کچھ گنجائش نہ ہوتی۔ [رواہ احمد وغیرہ] اور یہی سبب ہے کہ جب آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو باوجود منصب نبوت پر فائز ہونے کے حضور کے امتی بن کر رہیں گے، حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور حضور کے ایک امتی ونائب امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے، حدیث میں ہے کہ تم لوگوں کا کیسا حال ہوگا جب کہ ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ [رواہ البخاری ومسلم]

(۶۴) شان نزول:۔ اس کی معالم وغیرہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے یہود بھی دین ابراہیمی کے مدعی

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا

مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیا کو ان کے رب سے، ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق

مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ

نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں۔ اور جو اسلام کے سوا

دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا

کیونکر اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لاکر کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے تھے

اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

کہ رسول سچا ہے اور انہیں کھلی نشانیاں آچکی تھیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

نہیں کرتا۔ ان کا بدلا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

اور آدمیوں سب کی۔ ہمیشہ اس میں رہیں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو

تھے اور نصاریٰ بھی دین ابراہیمی کے مدعی تھے انہوں نے اپنا دعویٰ فیصلہ کے لیے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے فرمایا: تم دونوں دین ابراہیمی پر نہیں ہو۔ تو وہ کہنے لگے ہم آپ کے اس فیصلہ کو نہیں مانتے اور آپ کے مذہب کو قبول نہیں کرسکتے تب یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں حالانکہ آسمان وزمین میں جو چیز ہے وہ خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں اور اسی کی طرف پھریں گے کہ وہ مرجع خلائق ہے۔ "طوعاً وکرھاً" کے معنی میں اختلاف ہے، حسن کہتے ہیں کہ آسمان والے خوشی سے اسلام لائے اور زمین والوں میں بعض خوشی سے اسلام لائے اور بعض بخوف جان ومال مسلمان ہوئے وغیرذلک۔

فائدہ: طبرانی کی حدیث میں ہے کہ بدخلق غلام باندی، لڑکا لڑکی، اور سرکش جانور کے کان میں یہ آیت پڑھ کر پھونکے گا تو وہ اللہ کے حکم سے سیدھا ہو جائے گا۔

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اور نہ انھیں مہلت دی جائے۔ مگر جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی

وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ

اور آپا سنبھالا تو ضرور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۶۵ بے شک وہ جو ایمان لا کر کافر

اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی

الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

ہیں بہکے ہوئے۔ وہ جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

ان میں کسی سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

اگرچہ اپنی خلاصی کو دے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ان کے لیے دردناک عذاب ہے

وَّمَا لَهُمْ مِّنْ

اور ان کا [کوئی]

نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

یار نہیں۔ ف۶۶

(۶۵) شان نزول:۔ اس کی معالم وغیرہ میں یہ بیان کی گئی ہے بارہ مسلمان مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلے گئے ان میں حارث
ابن سوید بھی تھے بعد کو پشیمان ہوئے اور حارث نے اپنے بھائی جلاس ابن سوید کو لکھا کہ حضور سے عرض کرو کہ حارث توبہ کرنا چاہتا ہے کیا
اس کی توبہ قبول ہوگی؟ جلاس نے حضور سے عرض کیا: حضور نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا اس پر آیت: ﴿الا الذین تابوا﴾ نازل ہوئی۔ جلاس
نے یہ آیت انہیں لکھ کر بھیج دی۔ حارث اسی وقت تائب ہو کر مدینہ کو چل دیے اور پکے مسلمان ثابت ہوئے۔ اور باقیوں کے حق میں
﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ سے وَلَا هُمْ ينظرون﴾ کا نزول رہا کہ وہ اسلام نہ لائے مرتد ہی رہے۔ ابن جریر نے بطریق عکرمہ ابن عباس سے مثل اس
کے روایت کی ہے اور نسائی اور حاکم اور ابن حبان نے بھی ایسی ہی روایت کی اور عبد الرزاق نے حارث کا کافر ہونا پھر اسلام لانا وغیرہ
روایت کیا ہے۔ [ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ]

(۶۶) شان نزول:۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ توریت وانجیل میں حضور اکرم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف پاکر ایمان لائے۔ پھر جب حضور مبعوث ہوئے تو ان پر ایمان نہ لائے اور اس پر یہ زیادتی کی کہ اپنے
عناد پر جمے رہے۔ اور حسن وقتادہ کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ یہود کے حق میں نازل ہوئی جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے پھر
حضرت عیسیٰ وانجیل کا انکار کر کے کافر ہوئے پھر حضور کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں اضافہ کیا۔ اور کلبی کہتے ہیں کہ وہ
ان گیارہ آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جو حارث کے ساتھ مرتد ہو کر مکہ گئے تھے، فتح مکہ کے دن ان میں
سے جو ایمان لایا اس کی توبہ قبول ہوئی اور جو ان میں سے کافر مرا اس کی توبہ قبول نہ ہوئی اور وہ ﴿إِنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ [البقرة:۱۶۱] میں داخل ہوا کہ جان نکلنے کے وقت کی توبہ
مقبول نہیں ﴿وليست التوبة للذين الخ﴾ [معالم] ان کی توبہ قبول نہ ہوگی کہ دم نکلنے
کے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ بندہ کی توبہ قبول ہوتی ہے
جب تک کہ وہ غرغرہ نہ کرے۔ [ترمذی] بلکہ آیت ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ
لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
إِنِّي تُبْتُ الْآنَ﴾ [النساء:۱۸] اس پر صراحۃ دلالت کرتی
ہے کہ ﴿لَن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ [ال عمران:۹۰] سے
وہ لوگ مراد ہیں جو کفر پر مرے اور غرغرہ سے
پہلے انہوں نے توبہ نہ کی اور ایمان نہ لا
ئے کہ غرغرہ کے وقت کا ایمان
وتوبہ بالاتفاق مقبول
نہیں ہے۔

کی صفت وفضیلت بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ گھر برکت والا ہے۔ ہزاروں ظاہری وباطنی برکتوں سے بھرا ہے اور سارے جہان کو راہ بتانے والا ہے کہ ان کا قبلہ اور عبادت گاہ ہے، اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ من جملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے جو چند نشانیوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے جو اس میں داخل ہوا وہ قتل وغارت، حدود وقصاص وغیرہ سے مامون ہوا۔ اور اس میں حجر اسود ہے اور حطیم ہے اور زمزم ہے اور اس میں نیکیاں بڑھتی ہیں اور گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اور کوئی جانور اس پر سے اڑ کر نہیں جاتا ہے اور نہ اس کے آس پاس کی گھانس کاٹی جاتی ہے۔ اور نہ اس کے کسی جانور کو شکار کیا جاتا ہے اور نہ اس میں کوئی جانور کسی جانور کو ستاتا ہے اور اس کی جو بے حرمتی کرتا ہے اس کو فوراً سزا دی جاتی ہے جیسا کہ ابرہہ اور اس کے لشکر کو جو اس کی بے حرمتی کرنے آیا تھا ذرا دیر میں ابابیلوں نے آ کر ہلاک کیا جس کا تذکرہ سورۂ فیل میں فرمایا گیا ہے۔ اور اساف ونائلہ کو پتھر کا کر دیا کہ انہوں نے وہاں زنا کیا تھا بخلاف بیت المقدس کے کہ وہ کئی بار مسمار کیا گیا اور اس میں قتل عام کیا گیا۔ تو خانہ کعبہ شرف وعظمت اور قدامت میں اس سے بڑھ کر ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں داخل ہونے والا عذاب نار سے مامون رہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی دونوں حرموں میں سے ایک میں مرے گا وہ قیامت کے دن آگ سے مامون اٹھایا جائے گا۔ یعنی حرم مکہ وحرم مدینہ میں۔ [ابوداود ودار قطنی] دوسری حدیث میں ہے کہ جو حرم مکہ کی گرمی ایک ساعت برداشت کرے گا اس سے جہنم سو برس کی راہ دور کیا جائے گا۔ [مدارک] ایسے بزرگ گھر کی زیارت کا لوگوں کو حکم فرمایا جاتا ہے کہ اللہ کے لیے ان لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔ استطاعت کی تفسیر حاکم وغیرہ کی حدیث میں زادراہ وسواری فرمائی گئی ہے۔ مگر فقہائے کرام نے اس میں صحت بدن وامن راہ اور سفر کی قدرت اور عورت کے ساتھ محرم کا ہونا اضافہ فرمایا ہے کہ وہ استطاعت میں داخل ہیں۔ اور زادراہ میں آنے جانے کا پورا خرچ جو اس کے اہل وعیال کے خرچ سے واپس آنے تک فاضل ہو مراد لیا ہے۔ یعنی جو شخص ان سب باتوں پر قادر ہو اس پر حج کو جانا واجب ہے۔ اور نفس وجوب حج کے لیے مسلمان عاقل بالغ آزاد ہونا شرط ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے سب دین والوں کو جمع کر کے فرمایا: کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ پس حج کرو تو مسلمانوں نے اسے مانا۔ اور پانچ دین والوں نے اسے ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہم اس کی طرف نماز پڑھیں اور نہ حج کریں۔ اور پانچ دین والے یہود، نصاریٰ، مجوس صابی، مشرک، بت پرست تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا: اور جو منکر ہو حج سے باوجود استطاعت کے حج کو نہ جائے تو اللہ تعالیٰ دنیا بھر سے بے پرواہ ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص باوجود زادراہ پر قادر ہونے کے حج کو نہ گیا اور وہ مرا تو وہ یہودی مرے یا نصرانی۔ (ترمذی)

تنبیہ: جمہور کے نزدیک اس آیت سے وجوب حج ثابت ہے اور کہا گیا ہے کہ ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرۃ:۱۹۶] سے ثابت ہے۔ اور اول اظہر ہے۔ اور متعدد احادیث میں آیا ہے کہ حج ارکان اسلام سے ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور وہ عمر میں ایک بار بالاجماع مکلف پر فرض ہے۔ امام احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کرو تو ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ پس حضور خاموش رہے۔ یہاں تک کہ تین بار اس نے پوچھا۔ پس آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہوتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ الحدیث۔ دوسری روایت میں ہے "الحج مرة فمن زاد فهو تطوع" "حج ایک مرتبہ فرض ہے پس جو اس سے زیادہ کرے وہ نفل ہے۔" [ابن کثیر] باقی حج کی کیفیت وغیرہ سورۂ بقرہ میں تحت آیت ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ گزری۔ اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنایا تھا اور اس پر ان کے پیروں کے نشان بن گئے تھے اور وہ باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے اور لوگوں کے ہاتھوں میں رہنے کے اس پر باقی ہیں۔ بلکہ وہ چند آیت پر مشتمل ہے۔ اول سخت پتھر کا نرم ہونا۔ دوسری اس پر نشان قدم بننا۔ تیسری اس کے بعض حصہ کا نرم ہونا اور بعض کا سخت رہنا۔ چوتھی اس پر نشان قدم رہنا۔ پانچویں اس کا اس قدر بلند ہوتا جانا جس قدر چنائی اونچی ہوتی جاتی تھی۔ چھٹی اس کا اس قدر دشمنان اسلام کے ہاتھ سے اب تک محفوظ رہنا اور ان کی دست برد سے بچا رہنا۔ (مدارک وسراج)

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

اور تمہارے کام اللہ کے سامنے ہیں۔ ف۴ تم فرماؤ اے کتابیو! کیوں اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ

روکتے ہو اسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا

اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔ اے ایمان والو! اگر تم کچھ کتابیوں

فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

کے کہے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے ف۵

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ

اور تم کیوں کر کفر کرو گے تم پر تو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف فرما ہے

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا

مسلمان۔ اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا

(آیت نمبر ۹۸) ۴۔ یہ آیات سابقہ کا نتیجہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب تم کیوں خدا کی آیات عقلیہ ونقلیہ کو جو قرآن کے سچا ہونے پر دلالت کرتی ہیں نہیں مانتے۔

تنبیہ: آیت میں اہل کتاب کو خطاب کے ساتھ مخصوص کرنا دلیل ہے اس پر کہ ان کا کفر سب سے زیادہ قبیح ہے کہ وہ توراۃ وانجیل پر اپنا ایمان بتاتے ہیں حالانکہ وہ دونوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اور دوبارہ استفہام وخطاب مبالغہ کے لیے اور یہ تفریع کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنا دونوں قبیح اور موجب عذاب ہیں۔ [بیضاوی]

(آیت نمبر ۹۹/۱۰۰) ۵۔ شان نزول: جب اوس وخزرج کو شاس بن قیس وغیرہ یہودیوں نے ان کی پرانی عداوت یاد دلا کر بہکانا اور فتنہ میں ڈالنا اور اسلام سے پھیرنا چاہا۔ قریب تھا کہ ان میں پرانی عداوت کی آگ بھڑک اٹھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ پس حضور نے مع صحابہ کے آکر ان سے فرمایا: کیا تم جاہلیت کی باتیں یاد کرتے ہو حالانکہ میں تمہارے بیچ میں ہوں اور اللہ نے تمہیں اسلام عطا کیا اور تمہارے درمیان الفت ومحبت واقع کی۔ پس انہوں نے جان لیا کہ یہ نزغہ شیطان اور یہود کی شیطانیت ہے۔ پس وہ روئے اور آپس میں بغل گیر ہوئے۔ اور تابعداروں کی طرح حضور کے ساتھ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [مدارک ومعالم] اور انہیں

نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ

احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا

فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ

تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے

فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

تو اس نے تمھیں اس سے بچادیا اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ۔ ف ۶

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا

اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور ان جیسے نہ ہونا

بلکہ جملہ مسلمانوں کو نصیحت اور ہدایت کی گئی کہ تم اہل کتاب کے بہکائے میں نہ آؤ۔

(آیت نمبر ۱۰۱/۱۰۲/۱۰۳) ۶۔شان نزول: یہ پچھلی آیت کا تتمہ ہے اور اوس وخزرج کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ ان میں کے دو آدمیوں یعنی ثعلبہ ابن غنم اوسی اور اسد ابن دراہ خزرجی نے بعد اسلام فخر کیا، اوسی نے کہا کہ ہم میں فلاں فلاں شخص ایسے اور ایسے ہیں اور خزرجی نے کہا کہ ہم چنین وچنان مناقب کے لوگ ہیں۔ اس پر بات بڑھی اور جھگڑا ہونے کی نوبت پہنچی تو حضور ان میں تشریف لائے اور جھگڑا کرنے سے باز رکھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] پھر فرماتا ہے: ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔ اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھام لو اور آپس میں بعد اسلام کے متفرق نہ ہو جیسا کہ اہل کتاب ہوئے اور تم زمانہ جاہلیت میں تھے۔

تنبیہ: حبل اللہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک دین اللہ مراد ہے۔ اور قتادہ وسدی کے نزدیک قرآن عظیم مراد ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿ان هذا لقرآن هو حبل الله المتين وفوز المبين﴾ [الحديث] وفيه اقوال أُخر۔ [معالم] اور قرآن کو حبل اللہ اس لیے کہا گیا ہے کہ رسی کو مضبوط پکڑنے والا گرنے سے محفوظ رہتا ہے ایسا ہی کتاب اللہ کو پکڑنے والا اس پر عمل کرنے والا گمراہی سے محفوظ رہتا ہے اور دوزخ میں گرنے سے بچا رہتا ہے۔ [کمالین] آیت: ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ [اٰل عمران: ۱۰۳] میں مسلمانوں کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کی رسی یعنی دین اسلام اور کتاب اللہ کو سب مل کر مضبوط پکڑیں اس پر عمل کریں ادھر ادھر نہ بہکیں۔ دوسرے یہ کہ آپس میں متفق ومتحد ہو کر رہیں اور باہم میل ومحبت رکھیں افتراق و انتشار پیدا نہ کریں کہ محبت والفت اور اتحاد واتفاق نعمت الٰہی ہے جو مسلمانوں کو عطا فرمائی گئی ہے، جو ان کی ترقی اور قوت وشوکت کا باعث ہے اور عداوت ونااتفاقی مثل آگ کے ہے جو ذرا دیر میں جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور باعث تباہی وبربادی ہوتی ہے۔ اسی لیے آئندہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح متفرق ومختلف نہ ہو۔ صحیح حدیث میں مسلمانوں کو یہی تعلیم فرمایا گیا ہے اور انہیں مثل ایک عمارت کے او ایک تن واحد کے فرمایا گیا ہے کہ جیسے عمارت کا ایک جز دوسرے جز کو مضبوط کیے ہوتا ہے اور بدن کا کوئی عضو دکھنے سے سارا بدن بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمانوں کی حالت ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی پشت و پناہ رہیں اور اگر ایک مسلمان کو کوئی دکھ درد ہو تو سب بے قرار ہو جائیں۔ [رواه البخاری ومسلم] غرض کہ مسلمانوں کو آیت میں اتحاد واتفاق سے رہنے کی ہدایت اور متفرق ومختلف ہونے کی

كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰٓئِكَ

جو آپس میں پھٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انھیں آچکی تھیں اور

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا

ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جس دن کچھ منھ اونجالے ہوں گے اور کچھ منھ کالے تو وہ

الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۟ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا

جن کے منھ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے تو اب

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ

عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلا۔ اور وہ جن کے منھ اونجالے ہوئے

فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ۗ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں

نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ

کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اللہ ہی کا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾ كُنْتُمْ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔ تم

ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالی مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۹) ۷۔ یہ آیات بھی آیات گذشتہ سے پیوستہ ہیں، ان میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو دوسرے لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں اسلام کی دعوت دیں اور اچھی باتیں کرنے کا حکم دیں اور بری باتیں کرنے سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہوں جو آپس میں پھٹ گئے، متفرق ہو گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی، بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

تنبیہ: اس آیت سے وجوب امر بالمعروف ونہی عن المنکر ثابت ہے۔ اور وہ فرض کفایہ ہے "ولا تکن" "صیغہ امر ہے اور "منکم" "میں" "من" "تبعیضیہ" ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ تم میں کے بعض لوگ ایسے ہونا واجب ہیں۔ اور خیر سے افعال حسنہ مراد ہیں اور معروف سے موافق شرع باتیں مراد ہیں جو شرعاً وعقلاً اچھی ہوں۔ اور منکر سے وہ باتیں مراد ہیں جو شرعاً وعقلاً قبیح و بری ہوں۔ یا معروف سے طاعت اور منکر سے معاصی مراد ہیں۔ اور فرض کفایہ اسے کہتے ہیں جو بعض کے کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے ورنہ سب گنہگار۔ حدیث میں ہے کہ جو قوم گناہوں میں مبتلا ہوئی اور ان میں وہ لوگ ہیں جو منع کرنے پر قادر ہوں اور منع نہ کریں اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے جو شخص کسی کو برا کام کرتا دیکھے اسے ہاتھ سے منع کرے۔ اگر ہاتھ سے منع کرنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے منع کرے۔ اور زبان سے بھی منع کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے اپنے دل سے برا جانے اور یہ کمزور تر ایمان کا درجہ ہے۔ پھر

خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ

بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا،

لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۗ

ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر۔ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی۔ ف۸ ان پر

جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ذمہ کرلیا ہو یا امام نے اسے اس کے لیے مقرر کیا ہو تو اس پر فرض عین ہو جاتا ہے اور اسے محتسب کہا جاتا ہے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کا کرنے والا اس کا اہل ہو اور وہ موجب فتنہ وفساد اور زیادتی گناہ نہ ہو۔ موقع ومحل اور حال زمانہ دیکھ کر کرے اور کسی کے پوشیدہ گناہ کی تلاش نہ کرے اور جو وہ خود نہ کرتا ہو دوسروں کو اس کا امر نہ کرے۔ پس جو شخص اس کا اہل ٹھہرے وہ پہلے اپنے نفس کو امر کرے۔ پھر اپنے اہل وعیال کو پھر اپنے کنبہ والوں اور دوست واحباب کو پھر دوسروں کو کرے اور اس کے کرنے کے قاعدے اور طریقے جانتا ہو۔ مثلاً پہلے نرمی سے بتائے یا منع کرے پھر سختی سے اور جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں نرمی اور جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی سے امر و نہی کرے۔ [تفسیر احمدی] حدیث میں ہے: جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وہ زمین میں اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہے کہ افضل الجہاد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ امام احمد کی حدیث میں ہے: حضور سے پوچھا گیا کہ بہتر لوگوں کا کون ہے؟ فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا جس میں مردار گدھا انہیں امر و نہی کرنے والے سے زیادہ محبوب ہوگا۔ [سراج ومدارک] اور ﴿وَلْتَكُن﴾ خطاب عامہ امت کو ہے مگر مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو امر و نہی کرنے کے لائق ہوں کہ ہر شخص اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اسی سے فرض کفایہ لیا گیا ہے۔ [بیضاوی] اور ﴿الَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا﴾ سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں کہ وہ بعد حق بات معلوم ہو جانے کے دین میں مختلف اور متفرق ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ اہل کتاب دین میں بہتر فرقے ہو گئے اور یہ امت تہتر فرقے ہوگی۔ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک فرقہ (اور وہ اہل سنت وجماعت ہے) [رواہ الامام احمد وغیرہ] اس لیے آیت میں مسلمانوں کو مجتمع ہونے کا حکم فرمایا گیا ہے اور متفرق ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ اور دن سے قیامت کا دن مراد ہے۔ اور منہ اجالا مومنین کا ہوگا اور منہ کالا کافروں کا ہوگا۔ اور گویا منہ اجالا ہونا کنایہ بہجت وسرور سے ہے۔ اور منہ کالا ہونا کنایہ حزن وملال سے ہے۔ [جامع البیان وغیرہ] اور ﴿بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ میں ایمان سے مراد ایمان یوم میثاق ہے۔ تو تمام کفار مخاطب ہوں گے۔ یہی حضرت ابی کا قول ہے اور یہی ظاہر ہے۔ وفیہ اقوال اُخر۔ [مدارک] اور اختلاف منہی عنہ سے مراد اختلاف فی الاصول ہے نہ فروع کہ اختلاف امت فی الفروع رحمت ہے۔ [بیضاوی]

(آیت نمبر ۱۱۰/۱۱۱) ۸۔ شان نزول: جب یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم تم سے بہتر وافضل ہیں کہ ہمارا دین تمہارے دین سے پہلے کا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں امت محمدیہ کا فضل وشرف اور ان کا تمام امتوں سے بہتر ہونا بیان کیا گیا تاکہ اہل کتاب وغیرہ اسلام کی طرف مائل وراغب ہوں۔ اور یہ آیت فضیلت امر بالمعروف پر بھی دلالت کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے امت محمدیہ تم

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ

جمادی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی

النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ

ڈور سے اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے اور ان پر جمادی گئی محتاجی

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور پیغمبروں کو ناحق

بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ

شہید، یہ اس لیے کہ نافرماں بردار اور سرکش تھے۔ سب ایک سے نہیں،

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ

کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں

وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ

اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ

اللہ کے علم میں ان سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، تم بھلائی کرنے کا حکم دیتے ہو اور برائی کرنے سے منع کرتے ہو اور
اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاتے تو ان کے لیے اچھا ہوتا۔ ان میں کچھ مسلمان ہیں، جیسے
عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب اور زیادہ کافر ہیں وہ تمہیں اے مسلمانو سوائے زبان سے ستانے کے اور کوئی ضرر و نقصان نہ پہنچائیں
گے، اگر وہ تم سے لڑیں گے تو بھاگ جائیں گے اور تمہیں قتل نہ کر سکیں گے۔ پھر تمہارے مقابلہ میں ان کی مدد نہ ہوگی۔ ان پر ذلت و خواری
جمادی گئی ہے جہاں کہیں ہوں ان کے لیے عزت و قوت اور امان نہ ہوگی مگر اللہ کی اور مسلمانوں کے عہد و ذمہ میں۔ یعنی اللہ اور مسلمان کے سوا
کہیں انہیں امان نہ ملے گی اس طرح کہ وہ ایمان لائیں یا ذمی یا مستامن بنیں یا جزیہ دینے کا عہد کریں۔ اور وہ غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے اور
ان پر محتاجی جمادی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے تھے سرکش اور نافرمان ہونے کے سبب۔

تنبیہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ [البقرۃ:۱۱۰] میں خطاب عام ہے صحابہ وغیرہ سب اس میں داخل ہیں یہی صحیح ہے، اس پر حدیث
احمد "جعلت امتی خیر الامم" دلالت کرتی ہے۔ اور بہت سی احادیث میں ان کا فضل و شرف اور خیر الامم ہونا بیان ہوا ہے۔ اور
یہاں ﴿بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران:۱۱۲] سے عہد و ذمہ مراد ہے۔ اور اہل کتاب پر ذلت و فقر جمادینے کے یہ معنی
ہیں کہ وہ ان سے کہیں کسی وقت کسی حال میں چھوٹ نہیں سکتے ہیں، اور آیت ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ﴾ [آل عمران:۱۱۱] اس وقت نازل ہوئی
جب کہ یہود نے عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب کو ایذا دینی چاہی تو انہیں تسکین دی گئی۔ قالہ المقاتل۔ [معالم]

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ

لوگ لائق ہیں۔ اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے گا اور اللہ

عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

کو معلوم ہیں ڈر والے ف۹ وہ جو کافر ہوئے ان کے مال

وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

اور اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچائیں گے اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ

رہنا کہاوت اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس

رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو وہ ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ ف۱ اے ایمان والو!

(آیت نمبر ۱۱۲ تا ۱۱۵) ۹۔شان نزول: یہ آیت عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب کے حق میں نازل ہوئی اور اس میں مومنین اہل کتاب کی تعریف اور کفار کی مذمت فرمائی گئی ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس و مقاتل فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تو علماے یہود بولے کہ ہم میں کے برے اور شری آدمی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لائے۔اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑتے۔تو یہ آیت نازل ہوئی۔[معالم وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ سب اہل کتاب ایک سے نہیں ہیں۔کچھ ان میں سے وہ ہیں جو حق پر قائم ہیں۔اللہ کی آیتیں رات میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں۔اور یہ لوگ نیکوں میں سے ہیں اور سراہنے کے لائق ہیں۔اور بعض ان میں سے ایسے نہیں ہیں اور نہ نیکوں سے ہیں۔اور جو لوگ بھلائی کریں گے ان کا حق نہیں مارا جائے گا بلکہ انہیں اس کا ثواب ملے گا،

تنبیہ: آیتوں سے قرآن عظیم پڑھنا مراد ہے اور راتوں کو سجدہ کرنے سے نماز عشا یا تہجد پڑھنا مراد ہے۔اور اسے اس طرح اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب نماز عشا نہیں پڑھتے تھے۔اور بعض اوقات نماز میں سجدہ نہیں کرتے تھے یونہی اس کے بعد کے اوصاف بھی ان میں نہیں پائے جاتے تھے۔حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عشا میں دیر کی،صحابہ انتظار میں تھے،پھر تشریف لاکر وجہ تاخیر یہ بیان فرمائی کہ تمہارے سوا کوئی دین والا ان گھڑیوں میں اللہ کی یاد نہیں کرتا ہے۔[بیضاوی و جامع البیان]

(آیت نمبر ۱۱۶ ،۱۱۷) ۱۰۔چونکہ گزشتہ آیت میں یہ فرمایا گیا تھا کہ کفار کے مال و اولاد کچھ نفع نہ دیں گے۔اس سے بظاہر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ جو کفار اپنے مال نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں انہیں اس کا ثواب ملنا چاہئے کہ انہیں اس کے ثواب سے محروم رکھنا ظلم کے مترادف ہے۔اس آیت میں اس شبہہ کو بصورت تمثیل دفع فرمایا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بغیر ایمان لائے دنیا کی زندگی میں

لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ

غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے

قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ

بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا، اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے، ہم نے

بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ

نشانیاں تمہیں کھول کر سنادیں اگر تمہیں عقل ہو سنتے ہو! یہ جو تم ہو، تم تو انہیں چاہتے ہو

وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ

اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے

وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ

اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصے سے تم فرما دو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫

اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔ تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے

وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ

اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کیے رہو تو ان کا داؤں

كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع وَاِذۡ غَدَوۡتَ

تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا، بے شک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں۔ ف۱۱ اور یاد کرو اے محبوب! جب تم صبح کو

برائی یا بھلائی میں مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو یا گرمی ہو، وہ ایسی قوم کی کھیتی میں پڑی جو کفرو معصیت کرکے اپنا ہی برا کرتے تھے۔ پس اسے وہ ہوا مار گئی تباہ و برباد کرگئی۔ جیسے پالے اور تسار یا سخت لُو سے کھیتی ماری جاتی اور جل جاتی ہے اور کھیت والے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے اسی طرح ان کا نیک کاموں میں مال خرچ کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا ہے۔ ضائع اور برباد ہوتا ہے۔ تو یہ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ یا یہ معنی ہیں کہ کفار اپنے نفقات کو لائق قبول نہیں بناتے ہیں، اس لیے اللہ انہیں قبول نہیں کرتا ہے اور ان پر ثواب نہیں دیتا۔ تو یہ خود ان کا قصور ہے نہ خدا کا ظلم۔

اور ابن عباس ومجاہد وغیرہ کے نزدیک

تنبیہ: قتادہ وضحاک وحسن وغیرہ کے نزدیک "صر" سے پالا بھری ہوئی ہوا مراد ہے،

آگ سے بھری ہوئی ہوا یعنی لو مراد ہے او بالعکس۔

(آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۰) ۱۱۔ چونکہ بعض مسلمان بوجہ ہمسائیگی یا رشتہ داری کفار سے میل جول رکھتے تھے اور انہوں نے زمانہ جاہلیت میں عہد و پیمان کرلیا تھا اس لیے ان کو اپنا رازدار سمجھتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کی دشمنی سے آگاہ کیا گیا ہے، انہیں حکم فرمایا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے سوا کفار کو اپنا رازدار اور دوست نہ بنائیں۔ ان پر اعتماد نہ کریں خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرک بت

مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

اپنے دولت خانے سے برآمد ہوئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے اور اللہ سنتا

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى

جانتا ہے۔ جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ

مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے۔ اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل

اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہ کہیں تم شکر گزار ہو۔ جب اے محبوب! تم مسلمانوں سے فرماتے تھے

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے

پرست وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! اپنوں کے سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہارے ساتھ برائی کرنے میں کمی نہ کریں گے۔ ان کی آرزو ہے کہ جس قدر ہو تمہیں ایذا پہنچے اچھا ہے۔ یعنی وہ تمہارا مضرتوں میں پڑنا سختیوں میں مبتلا ہونا پسند کرتے ہیں۔ اور اس کی آرزو رکھتے ہیں، ان کی دشمنی تمہارے ساتھ ان کی باتوں سے ظاہر ہے کہ مشرکین کو تمہاری خفیہ باتوں کی خبر دیتے ہیں اور تمہیں برا کہتے ضرر و نقصان پہنچانا چاہتے ہیں عداوت و دشمنی تمہاری ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے۔ وہ بہت زیادہ ہے اس سے جو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی عداوت کی نشانیاں ہم نے کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو تو ان سے دوستی نہ کرو۔ سنتے ہو اے موالات کرنے والو تم تو انہیں دوستی و قرابت کی وجہ سے چاہتے ہو. اور وہ تمہیں دینی مخالفت کی وجہ سے نہیں چاہتے ہیں۔ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے تو تم ان سے عداوت رکھنے کے مستحق اور قطع موالات کرنے کے سزاوار ہو۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب وہ اکیلے ہوں تو تم پر غصہ سے انگلیاں چبائیں۔ اے نبی تم ان سے فرما دو کہ مر جاؤ تم اپنے غصہ میں۔ یعنی مرتے وقت تک تم جلن و غصہ میں رہو گے اور تمہاری آرزو پوری نہ ہوگی۔ خوشی دیکھنا نصیب نہ ہوگی۔ اللہ ان کے دلوں کی بات خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی منفعت پہنچے جیسے فتح و نصرت مال غنیمت تو انہیں برا لگے ملال ہو اور جو کوئی تمہیں برائی پہنچے جیسے شکست و نقصان جان و مال تو اس پر وہ خوش ہوں۔ اور اگر تم اے مسلمانو ان کے ستانے اور ان کی دوستی سے پرہیز کرتے رہو گے تو ان کا مکر و فریب تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا۔ بے شک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں وہ انہیں جانتا ہے۔ پس اس کی انہیں سزا دے گا۔

تنبیہ: ﴿ان تمسکم الخ﴾ کا ﴿واذا لقوا﴾ سے اتصال ہے۔ اور ﴿قبل موتوا الخ﴾ جملہ معترضہ ہے، اور ﴿اذا لقوا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت سے منافق مراد ہیں۔ اور بطانہ کے معنی استر کے ہیں اس مناسبت سے، اندرونی باتوں کو جاننے والے کو بطانہ کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ راز دار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے ایک حیرہ کے نصرانی کو جو فن کتابت میں ماہر تھا منشی بنانے کو کہا۔ تو آپ نے انکار فرمایا: اور کہا کیا میں اپنے کو چھوڑ کر غیر کو راز دار بناؤں۔ پس یہ اثر و آیت دلیل ہے کہ ذمی وغیرہ کو راز داری کے کاموں میں ملازم نہ رکھنا چاہیے کہ راز فاش ہو۔ یونہی حدیث "لا تستضیئوا بنار المشرکین" کی تفسیر میں حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ اپنے کاموں میں مشرکوں سے مشورہ نہ کرو۔ [ابن کثیر]

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

اتار کر۔ ہاں کیوں نہیں، اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا ف۱۲

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ

اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اسی لیے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا

اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے اس لیے کہ

مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ

کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے یا انھیں ذلیل کرے کہ نامراد پھر جائیں۔ ے

(آیت نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۵) ۱۲۔ جمہور کے نزدیک اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس میں اس روز مسلمانوں کے صبر نہ کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم نہ ماننے سے جو ذلت و نقصان اٹھانا پڑا اس کا بیان ہے۔ یہی حضرت عبدالرحمن ابن عوف اور ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی صحیح ہے۔ مختصر واقعہ جنگ احد کا یہ ہے کہ جب کفار مسلمانوں سے لڑنے اور جنگ بدر کا بدلا لینے کے لیے تین ہزار فوج لے کر مدینہ کے قریب احد کے پاس آ کر ٹھہرے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو بعد نماز جُمعَہ مسلمانوں سے مشورہ کیا تو عبداللہ ابن ابی منافق کے گروہ کی رائے ہوئی کہ مدینہ میں رہیں۔ اگر یہاں کفار آئیں تو ان کا مقابلہ کیا جائے اور حضور کی بھی یہی مرضی تھی۔ مگر مسلمانوں کے دوسرے گروہ کی مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کی رائے ہوئی کہ گھر سے باہر نکل کر نہ لڑنے سے کفار کی ہمت بڑھ جائے گی۔ وہ مسلمانوں کو کمزور سمجھیں گے۔ تب حضور ہتھیار جنگ لگا کر باہر آئے تو انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ اگر آپ کی رائے باہر نکل کر لڑنے کی نہیں ہے تو مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کیجیے۔ فرمایا: کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ وہ ہتھیار لگا کر بے لڑے لوٹے۔ اب جو خدا چاہے گا وہ ہوگا۔ تو مسلمان بھی ایک ہزار کے قریب جمع ہوئے اور حضور انہیں ہفتہ کے دن ۷؍شوال ۳ھ کو ساتھ لے کر چلے۔ راہ میں سے ابن ابی اپنے تین سو آدمیوں کے گروہ کو لے کر واپس ہوا، کہ اس کی رائے کے خلاف تھا اور اس سے دوسرے مسلمانوں کو بزدل بنا کر جہاد سے لوٹانا مقصود تھا۔ چنانچہ اسے لوٹتا دیکھ کر بنوسلمہ و بنوحارثہ کے دل میں بھی لوٹنے کا خیال پیدا ہوا مگر اللہ نے انہیں ثابت قدم رکھا اور لوٹنے کے خیال کو ان کے دل سے دور کیا۔ پس حضور بقیہ سات سو آدمی لے کر میدان احد میں آئے اور پہاڑ کو پشت پر لے کر مورچے قائم کیے اور پچاس آدمی بسرداری عبداللہ ابن جبیر درہ پہاڑ پر مقرر کیے۔ اور حکم فرمایا: کہ وہ یہاں سے نہ ہٹیں خواہ فتح ہو یا شکست۔ اگر کفار ادھر سے آئیں تو انہیں دفع کریں، پھر لڑائی شروع ہوئی۔ شروع میں تو مسلمان غالب ہوئے۔ اور کفار بھاگ پڑے مگر آخر میں لڑائی کی ہوا پلٹ گئی اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ حضرت حمزہ وغیرہ جلیل القدر صحابی شہید ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک پر ایک پتھر آ کر لگا جس سے حضور کے آگے کے چار دانت ٹوٹ گئے سر زخمی ہوا۔ خود کی کڑی فرق مبارک میں گھس گئی۔ کفار نے یورش کی، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ حضور کو بچاتے بچاتے شل ہو گیا۔ لیکن پھر مسلمانوں کو ہوش آیا اور خیال ہوا کہ ہم حضور کو اکیلا چھوڑ کر بھاگے ہیں تو سب لوٹ پڑے اور اس دلیری سے لڑے کہ کفار بھاگ نکلے اور

مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ انہیں واقعات کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔اس روز آل عمران کی ساٹھ آیتیں اتریں ان میں سے ایک یہ ہے، اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم صبح کو اپنے گھر یعنی حجرۂ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکلے، مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے اور لڑائی کے لیے صفیں درست کرتے ہوئے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے، تمہارے اقوال اور احوال کو جو تم نے تیر اندازوں کی جماعت سے کہا تھا اور جو تم میں اختلاف رائے ہوا تھا اور عبداللہ ابن ابی اپنے گروہ کو لے کر واپس لوٹا تھا اور اسے لوٹتا دیکھ کر جب تم میں کے دو گروہ بنوسلمہ خزرجی اور بنوحارثہ اوسی کا ارادہ ہوا تھا کہ نامرد ہو جائیں، گھر کو لوٹ جائیں تو اللہ نے انہیں سنبھالا یعنی مرد بنایا ثابت قدم رکھا۔ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے نہ قلت و کثرت پر۔ پھر اسی کو مسلمانوں کے ذہن میں بٹھانے کے لیے انہیں واقعہ جنگ بدر یاد دلاتا ہے کہ دیکھو بے شک اللہ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ صرف تین سو تیرہ آدمی تھے، ان میں بھی سوا بعض کے سب بے ہتھیار تھے اور دشمن ایک ہزار سروسامان سے آراستہ تھے۔ تو اس وقت اللہ ہی نے تمہاری مدد فرمائی اور باوجود قلیل ہونے کے تمہیں کثیر پر غالب کیا۔ تو اللہ سے ڈرو، اس کے شکر گزار ہو۔ یاد فرمائیے اے محبوب! جب تم مسلمانوں سے ان کے دلوں کو تسکین و اطمینان دلانے کے لیے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے۔ ہاں کیوں نہیں ہے یعنی کافی ہے۔ پھر فرمایا: اگر تم صبر کرو گے دشمن کی کثرت پر اور اللہ سے ڈرو گے نافرمانی کرنے میں اور دشمن اسی دم تم پر آ پڑیں گے تو اللہ تمہاری مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا جیسا کہ جنگ بدر میں تم نے صبر کیا تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ فرشتوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا جو عمامہ باندھے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے، اور یہ بدر میں فتح اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمائی تھی کہ تم خوش ہو اور تمہارے دلوں کو چین ملے اور تم اپنی قلت اور دشمن کی کثرت سے گھبرا نہ جاؤ کہ مدد اللہ غالب حکمت والے ہی کے پاس سے ہوتی ہے، ساز و سامان و امداد ملائکہ پر منحصر نہیں ہے۔ اور یہ اس لیے کہ کفار کا ایک حصہ کاٹ دے ہلاک کر دے یا انہیں ذلیل کرے کہ وہ نامراد پھر جائیں بھاگ جائیں۔ جیسا کہ یوم بدر ہوا کہ ستر سرداران قریش مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی بڑی ذلت و خواری کے ساتھ بھاگ گئے۔ اور جو امیدیں دل میں ٹھان کر آئے تھے وہ پوری نہ ہوئیں۔

تنبیہ: یہاں تین ہزار فرشتوں سے مدد فرمانا بیان کیا گیا ہے اور سورۂ انفال میں ایک ہزار سے بیان فرمایا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ شروع میں ایک ہزار فرشتے آئے، پھر تین ہزار ہوئے، پھر پانچ ہزار ہوئے جیسا کہ آگے فرمایا گیا ہے ﴿یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلَافٍ﴾ [آل عمران: ۱۲۵] اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ آیت ﴿اِذۡ ھَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ﴾ [آل عمران: ۱۲۲] بنوحارثہ و بنوسلمہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور فرشتوں کی علامت و رنگ عمامہ میں اختلاف ہے۔ عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ ان کی علامت عمامہ تھی جن کا رنگ زرد تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس روز زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ ویسے ہی فرشتے بھی زرد عمامہ باندھ کر آئے۔ یہی ہشام و کلبی کا قول ہے۔ اور حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ان کے عمامے سفید تھے۔ اور ضحاک سے روایت ہے کہ ان کے گھوڑوں کی کلغی سفید اون کی تھی۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے گھوڑوں کی دُمیں کٹی ہوئی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے بدر کے دن فرمایا: اپنی کوئی علامت مقرر کرو کہ فرشتوں نے اپنی ٹوپیوں اور خودوں میں سفید اون لگائی ہے۔ جیسا کہ فوج کے رسالہ پلٹنوں کی کوئی نہ کوئی علامت شناخت کے لیے مقرر ہوتی ہے۔ فرشتے سوائے یوم بدر کے کہیں نہیں لڑے، آتے تھے مگر لڑتے نہیں تھے۔ [سراج و معالم] اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ بدر کا ہے یا احد کا ہے۔ حسن بصری، عامر شعبی، ربیع وغیرہ کے نزدیک بدر کا واقعہ ہے۔ اور وہ ﴿اذ تقول﴾ کو ﴿لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ﴾ [آل عمران: ۱۲۳] کے متعلق کہتے ہیں۔ مجاہد و عکرمہ اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ احد کا ہے۔ مگر مسلمانوں کے صبر نہ کرنے اور بھاگ پڑنے کی وجہ سے امداد نہیں کی گئی۔ اور وعدہ کو ﴿اذ غدوت﴾ کے متعلق کرتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ احد کے ضمن میں واقعہ بدر کو مسلمانوں کی تقویت کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جنگ احد بعد جنگ بدر ہوئی تھی۔

لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ

بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انھیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ

ظالم ہیں۔ ف۱۳ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، جسے

يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰٓاَيُّهَا

چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ایمان والو! سود دُونا دُون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار رکھی ہے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ

اور اللہ و رسول کے فرماں بردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ اور دوڑو اپنے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ

رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین آجائیں پرہیزگاروں کے لیے

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ

تیار رکھی ہے وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے

(آیت نمبر ۱۲۶ تا ۱۲۸) ۱۳ شان نزول: جب جنگ احد میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے حکم کے خلاف حضور کو اکیلا چھوڑ کر مسلمان بھاگ پڑے صرف حضرت صدیق اکبر و حضرت علی و حضرت عباس و حضرت طلحہ چند رفقاے خاص رہ گئے تو اس وقت حضور نے سواری سے اتر کر نہایت دلیری۔ سے خود لڑنے کا قصد فرمایا۔ اسی حالت میں حضور کے ایک پتھر آ کر لگا جس سے آگے کے چار دانت شہید ہوئے اور سر میں چوٹ آئی خون بہہ کر چہرہ مبارک پر آیا۔ اس وقت حضور نے کفار کے حق میں بد دعا کرنا چاہی اور فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے دانت توڑے اور چہرے کو خون سے رنگین کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور کو تنبیہ کی گئی کہ وہ بد دعا نہ کریں کہ ان میں اور ان کی اولاد میں سے مسلمان ہوں گے۔ اگر یہ ہلاک ہو گئے تو کون اسلام لائے گا۔ چنانچہ انہیں میں سے بعد کو حضرت خالد ابن ولید جیسے بہادر لوگ مسلمان ہوئے اور اسلام کے سچے حامی و مددگار ثابت ہوئے۔ اگر حضور بد دعا فرماتے تو یقیناً یہ سب ہلاک ہو جاتے۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن حضور نے حارث ابن ہشام اور صفوان ابن امیہ پر لعنت فرمائی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج] حاصل ارشاد یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پس تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے، یعنی اسلام لانے کی یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ

اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی اور اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے

فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا

اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے اور اپنے کیے

عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن

پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ ایسوں کا بدلا ان کے رب کی

رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

بخشش اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں

وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ

اور کامیوں کا کیا اچھا نیگ ہے تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں

(آیت نمبر ۱۲۹ تا ۱۳۴) ۱۴۔ شانِ نزول: زمانہ جاہلیت میں بنی ثقیف بنی نضیر کو ایک مدت مقررہ کے لیے سودی روپیہ قرض دیتے تھے اور وقت پر نہ ادا ہونے کی صورت میں اس کے سود کو اصل رقم میں شامل کر کے اس پر آئندہ سود لگایا کرتے تھے۔ اس طرح سود در سود بالائے سود ہو کر قرض دار کی تمام مال و جائیداد ان کے قبضہ میں آجاتی تھی۔ اس سود در سود کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ اہل طائف کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ ایک درہم قرض دے کر دو لیتے تھے۔ انہیں اس طرح سود لینے اور اسے حلال سمجھنے سے منع کیا گیا۔ [احمدی] یعنی اے ایمان والو سود دو نا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو سود کھانے میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ آیت میں دونا دون سود کھانے کی قید محض ان کی عادت کی بنا پر لگائی ہے ورنہ سود مطلقاً حرام ہے۔ جیسا کہ آیت ﴿احل اللہ البیع وحرم الربوٰ﴾ کے تحت گزرا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو تہدید کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو جیسے سود وغیرہ کو حلال نہ جانیں جس پر عذاب نار واجب کیا گیا ہے۔ [خازن] سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ قرآن عظیم بھر میں سب سے زیادہ خوف ناک آیت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس آگ کا وعدہ فرمایا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اگر وہ محارم اللہ سے نہ بچیں گے۔ [مدارک وغیر] اور ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۳] سے ظاہر ہے کہ جنت اور دوزخ پیدا ہو چکی ہیں موجود ہیں۔ اور اس کی چوڑائی آیت میں بطور تمثیل بیان فرمائی گئی ہے نہ فی نفسہ، مطلب یہ ہے کہ اگر جنت کی چوڑائی کو بیان کیا جا سکتا تو یہی کہا جا سکتا کہ وہ آسمان و زمین کے مثل ہے۔ [ابن عباس] زہری کہتے ہیں کہ: آیت میں جنت کا صرف عرض بیان کیا گیا ہے طول کا علم خدا کو ہے۔ امام احمد کی حدیث میں ہے کہ ہرقل نے حضور سے پچھوایا کہ آپ جنت کا عرض آسمان و زمین کے برابر کہتے ہیں تو نار کہاں ہے۔ حضور نے فرمایا: سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔ یوں ہی یہود نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ جب جنت کا عرض اس قدر ہے تو آگ کہاں

فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾

تو زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوا

یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے۔ ف۱۵ اور نہ سستی کرو

وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِنْ

اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ اگر

يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ

تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں۔ اور یہ

الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا

دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی

ہے۔ فرمایا: جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔ تو یہود بولے اس کی مثل تورات میں ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ جہاں اللہ چاہتا ہے سوتے ہیں۔ اور حضرت انس بن مالک سے پوچھا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں۔ فرمایا: کون سا زمین و آسمان جس میں جنت سما سکتی ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہے؟ فرمایا: ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے۔ [سراج وابن کثیر] اور مغفرت کی طرف دوڑنے سے ان چیزوں کی طرف دوڑنا مراد ہے جو موجب مغفرت ہوں یعنی اعمال صالحہ۔ اگرچہ اس سے دوسرے معنی بھی مراد لیے گئے ہیں مگر وہ سب اعمال صالحہ کے تحت داخل ہیں۔ [خازن وغیرہ] اور غصہ کھانے والوں اور لوگوں کو معاف کرنے والوں کا بڑا ثواب ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے غصہ کو باوجود انتقام پر قادر ہونے کے کھایا تو اللہ اس کے قلب کو امن وایمان سے بھر دے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ میری امت میں غصہ کھانے والے کم ہیں اگلی امتوں میں زیادہ تھے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ بہادر وہ نہیں ہے جو کشتی میں دوسرے کو پچھاڑے۔ بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔ بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے اجر اللہ پر ہیں۔ پس کوئی نہیں اٹھے گا مگر وہ شخص جس نے معاف کیا ہوگا۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جس کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اس پر بھی وہ ٹھنڈا نہ ہو تو لیٹ جائے۔ انہیں کی حدیث میں ہے کہ غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے ہے اور پانی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ پس جب کوئی تم میں کا غصہ ہو تو وضو کرے۔ حاکم کی حدیث میں ہے کہ جو خوش ہو اس سے کہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے جائیں اور اس کے درجہ بلند کیے جائیں تو وہ اسے معاف کرے جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور دے اسے جس نے محروم کیا ہو، اور صلہ رحمی کرے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن منادی ندا کرے گا، کہاں ہیں لوگوں کو معاف کرنے والے اپنے رب کے پاس آئیں اور اپنے ثواب لیں۔ اور مسلمانوں کے لیے حق ہے کہ وہ معاف کرے اور جنت میں داخل ہو۔ [ابن کثیر] مروی ہے کہ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روسائے قریش کی دعوت کی۔ باندی کھانا لا رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے شوربے کا پیالا فرش پر گر گیا آپ نے اس کو غصہ کی نظر سے دیکھا۔ اس نے یہ آیت پڑھی۔ آپ نے فرمایا: جا میں نے تجھے معاف کیا۔ تو اس نے ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴] پڑھا: آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

(آیت نمبر ۱۳۵ تا ۱۳۸) ۱۵۔ شان نزول: ابوسعید تمار سے ایک حسین عورت چھوارے لینے آئی تو انہوں نے اس سے کہا کہ گھر

وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ

اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔ اور اس لیے کہ

اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ

اللہ مسلمانوں کا نکھار کر دے اور کافروں کو مٹا دے ف۱۶ کیا اس گمان میں ہو کہ

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ

جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی

الصّٰبِرِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ

آزمائش کی اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کے ملنے سے پہلے

میں اچھے چھوارے رکھے ہیں، پس اسے گھر لے جا کر لپٹایا پیار کیا۔ پس اس عورت نے کہا اللہ سے ڈرو، تو انہوں نے چھوڑ دیا اور نادم ہوئے۔ پھر حضور کی خدمت میں آکر عرض حال کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مقاتل وسدی کہتے ہیں کہ ایک ثقفی نے ایک انصاری کی عورت کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس کا قصہ طویل ہے سراج میں مذکور ہے۔ ان کی بابت ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ بڑا گناہ کریں جیسے زنا یا اپنی جانوں پر ظلم کریں یعنی زنا سے کم سزا کا جرم کریں۔ جیسے غیر عورت کو پیار کرنا۔ پھر اللہ کے حکم کو اور وعید کو یاد کر کے اور نادم وپشیماں ہو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہیں، توبہ کریں اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں ایسوں کا بدلہ مغفرت وجنت ہے اللہ کی طرف سے۔ حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہ استغفار کے ساتھ اور صغیرہ گناہ اصرار کے ساتھ نہیں رہتا ہے۔ یعنی کبیرہ گناہ استغفار سے معاف ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ اصرار سے صغیرہ نہیں رہتا ہے کبیرہ ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے لیے مغفرت نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں: مگر اہل سنت کے نزدیک جو اسلام پر مرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اور اصرار کرنے والوں کی مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے چاہے اسے بخشے چاہے نہ بخشے۔۔ حدیث میں ہے کہ جس مومن بندہ نے گناہ کرنے کے بعد اچھی طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھ کر استغفار کیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جس بندہ نے گناہ کرنے کے بعد کہا: اے رب! میں نے گناہ کیا پس تو مجھے معاف کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ بخشتا ہے، اور مواخذہ کرتا ہے پس اس کے لیے بخشا جاتا ہے۔ تیسری حدیث میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے: اے ابن آدم! جو تو مجھ سے دعا کرے گا اور امید رکھے گا تو میں بخشوں گا جو تو نے کیا۔ اے ابن آدم اگر تو شرک نہ کرے گا، زمین بھر خطائیں لے کر مجھ سے ملے گا تو میں زمین بھر مغفرت کے ساتھ تجھ سے ملوں گا۔ اور اے ابن آدم اگر تو بلندی آسمان تک گناہ کرے گا، پھر استغفار کرے گا تو میں بخش دوں گا۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے مجھے مغفرت گناہ پر قادر سمجھا اسے میں بخش دوں گا اور نہیں پرواہ کروں گا میں جب تک کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان رویا۔ [سراج]

(آیت نمبر ۱۳۹/۱۴۰/۱۴۱) ۱۶۔ شان نزول: ۔ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور پانچ مہاجر اور ستر انصار شہید ہوئے اور مسلمانوں کے دل شکستہ ہوئے تو انہیں تسکین دینے اور انہیں ابھارنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ تم سے پہلے لوگوں میں ایسے ہی طریقے اور واقعات گزر چکے ہیں کہ جب کافروں اور دین داروں سے مقابلہ ہوا تو شروع میں کفار کو غلبہ ہوا مگر آخر میں مسلمان ہی غالب رہے۔ اے مسلمانو! ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ یہ لوگوں کو دکھانا اور

فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

تو اب وہ تمھیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے۔ ﴿۱۷﴾ اور محمد تو ایک رسول ہیں

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى

ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں

اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ

پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا

اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا اور کوئی جان بے حکم خدا

بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ

مر نہیں سکتی سب کا وقت لکھا رکھا ہے اور جو دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں سے اسے دیں

گمراہی سے بچانا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔ پس تم اے مسلمانو! اس شکست کا غم نہ کرو اور نہ سست ہو کر ہمت ہار کر مقابلہ کفار سے بیٹھ رہو حالانکہ تمہاری شان اعلی ہے کہ تم حق پر ہو اور وہ باطل پر ہیں۔ آخر میں تمہیں غالب آؤ گے اگر تم مومن ہو ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۱۷۳] اگر تمہیں یوم احد کفار کے ہاتھ سے تکلیف پہنچی ہے تو وہ لوگ بھی ایسے ہی بدر کے دن تمہارے ہاتھ سے تکلیف پا چکے ہیں۔ اس پر بھی وہ ہمت نہ ہارے اور تمہارے مقابلہ میں آئے۔ تو تم ان کے مقابلہ میں ہمت نہ ہار و ست نہ ہو۔ اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں کہ کسی دن کوئی کسی پر غالب ہوتا ہے اور کسی دن کوئی اور۔ یہ دنوں کی لوٹ پھیر اس لیے بھی رکھی ہے کہ اللہ ایمان والوں اور منافقوں کی پہچان کرا دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا رتبہ دے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے بلکہ انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ وہ غالب ہو کر خوش ہوں اور اللہ سے بغاوت کریں۔ اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے۔ گویا کفار کا غالب ہونا ان کی ہلاکت کا سبب ہے اور مسلمانوں کا مغلوب ہونا اور تکلیف پانا ان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور ان کا رتبہ بلند ہونے کا باعث ہے۔

تنبیہ: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ [اٰل عمران: ۱۳۹] میں مسلمانوں کو بشارت ہے کہ اگر وہ پکے مسلمان رہیں گے تو کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ ہمیشہ غالب اور عالی رہیں گے۔ اور ﴿فسیروا﴾ میں حکم ندبی ہے نہ وجوبی۔ اور مقصود اس سے گزری ہوئی امتوں کے حال کی خبر رکھنا ہے تاکہ عبرت ہو۔ اور ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [اٰل عمران: ۵۷] جملہ معترضہ ہے۔ درمیان تعلیل کے اور ظالمین سے بقول حضرت ابن عباس کے مشرکین مراد ہیں۔

(آیت ۱۴۲ ، ۱۴۳) ۱۷۔ اس کا تعلق گزشتہ آیات سے ہے اور اس میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کے لیے جوش دلانا مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کیا تم اے مسلمانوں اس خیال میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالی نے ابھی تمہارے نمازیوں کا امتحان نہیں لیا ہے اور نہ سختیوں پر صبر کرنے والوں کی آزمائش کی ہے۔ اور تم تو موت آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ یعنی یہ کہا کرتے تھے کاش بدر کا سا دن ہمیں بھی نصیب ہوتا تاکہ ہم بھی شہید ہو کر شہدائے بدر کی طرح اجر و ثواب پاتے۔ تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے۔ یعنی تم نے اسے آنکھوں سے دیکھا پھر تم اس سے کیوں بھاگے اور جہاد سے منہ پھیرا۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اس میں سے اسے دیں اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو صلہ عطا کریں۔ ف۱۸

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا

اور کتنے ہی انبیا نے جہاد کیا ان کے [ساتھ] بہت خدا والے تھے تو نہ سست پڑے

لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا

ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انھیں پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا

اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔ وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوا اس دعا کے

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

کہ اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمارے قدم جمادے

(آیت ۱۴۴/۱۴۵) ۱۸۔شان نزول: اس کی یہ ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی زخمی ہو کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔تو شیطان نے یا کسی اور نے آواز دی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مارے گئے۔اور ابن قمیہ نے جس کو حضور نے زخمی کیا تھا لوٹ کر مشرکوں سے کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کیا تو یہ سن کر لوگوں میں اضطراب واقع ہوا۔ اور منافق بولے کہ اگر محمد نبی ہوتے تو نہ مارے جاتے۔اور بعض نے کہا کہ جب محمد نہ رہے تو اپنا مذہب کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔اور بعض مسلمان ہمت ہار کر بھاگ کھڑے ہوئے اور بعض نے کفار سے امان چاہنے کو اچھا خیال کیا۔اور بعض پختہ ایمان والوں نے کہا کہ جب رسول اللہ نہ رہے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔جس حق پر حضور نے جان دی اسی پر ہم بھی جان دیں گے اور لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمیں فتح دے یا شہید کر کے رسول اللہ سے ملائے۔غرض کہ یہ لوگ سراسیمگی کی حالت میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔کہ کعب ابن مالک نے حضور کو پہچانا اور مسلمانو سے پکار کر کہا کہ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ وسلامت۔یہ آواز سن کر سب آکر جمع ہوئے تو حضور نے انہیں ملامت فرمائی،انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ یہ خبر سن کر ہمارے دل ٹوٹ گئے تھے اور اوسان خطا ہو گئے تھے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔اور انہیں تنبیہ فرمائی گئی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں خدا نہیں ہیں۔ان سے پہلے اور رسول ہو چکے ہیں تو کیا اگر وہ اور رسولوں کی طرح انتقال فرمائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔یعنی اسلام چھوڑ کر کافر ہو جاؤ گے۔اور جو دین سے پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اپنا نقصان کرے گا۔اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں یعنی دین پر قائم رہنے والوں کو صلہ دے گا۔طبرانی کی حدیث میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حضور کی حیات ہی میں فرمایا کرتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کی تو واللہ اب ہم الٹے پاؤں نہیں پلٹیں گے۔واللہ اگر حضور کی وفات ہو گئی یا شہید ہوئے تو مرتے دم تک اسی راہ پر لڑیں گے۔جس پر رسول اللہ لڑے۔اور زہری نے ابن عباس سے روایت کی کہ حضور کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں سے نکلے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مردہ کہے گا میں اسے قتل کروں گا۔تو حضرت عمر کو بٹھا کر حضرت ابو بکر نے بعد حمد فرمایا: جو شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا گئے۔اور جو خدا کو پوجتا تھا تو

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

ہمیں ان کافر لوگوں پر مدد دے تو اللہ نے انھیں دنیا کا انعام دیا

وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔ ف اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى

ایمان والو اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمھیں الٹے پاؤں

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

لوٹا دیں گے پھر ٹوٹا کھا کے پلٹ جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا مولی ہے اور وہ سب سے بہتر

النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ

مددگار۔ کوئی دم جاتا ہے کہ ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کہ

اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ

انھوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس پر اس نے کوئی سمجھ نہ اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

اللہ زندہ ہے مرے گا نہیں۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ تب یہ آیت لوگوں کو یاد ہوئی اور لوگوں نے اسے بار بار پڑھنا شروع کیا۔ [ابن کثیر] پھر فرمایا: اللہ تعالی نے کوئی جاندار بے حکم خدا مر نہیں سکتا سب کا وقت لکھا رکھا ہے نہ اس سے پہلے کوئی مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ تو تمہارا جہاد سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ اور نہ جہاد میں رہنا مار سکتا ہے۔ اور جو اپنے کیے کا ثواب دنیا میں چاہے گا ہم اس میں سے اسے دیں گے۔ اور جو آخرت کا انعام چاہے گا ہم اس میں سے اسے دیں گے۔ اور عنقریب ہم شکر کرنے والوں کا یعنی درہ پر جمے رہنے والوں کو اس کا صلہ عطا کریں گے۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں حضور نے پہاڑ کے درہ پر کفار کو روکنے کو مقرر فرمایا تھا۔ اور وہ خلاف حکم حضور درہ خالی چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے چلے گئے تھے۔ کہ انہوں نے دنیا میں اپنے کیے کا بدلا چاہا وہ انہیں دیا گیا۔ اور جو ان میں سے درہ پر جمے رہے اور شہید ہوئے انہیں آخرت کا انعام دیا جائے گا اور وہ دس آدمی مع عبداللہ ابن جبیر تھے۔ جو وہیں شہید ہوئے مگر درہ سے نہ ہٹے۔

(آیت ۱۴۶/۱۴۸) ۱۹۔ یہ گزشتہ آیت کے مضمون کی تائید ہے اور اس سے جنگ احد سے بھاگنے والوں کو عتاب آمیز طرز میں جہاد پر جوش دلانا مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ افتاد صرف تمہیں پر نہیں پڑی ہے اور نہ یہ کوئی نئی بات ہے بلکہ کتنے ہی انبیا نے جہاد کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے خدا والے تھے تو نہ وہ جہاد کی مصیبتوں سے اور نہ قتل انبیاء سے سست ہوئے اور نہ جہاد سے کمزور ہوئے۔ اور نہ وہ جہاد میں کافروں سے دبے لچے۔ انبیا کے قتل ہونے اور خود مصیبتوں میں مبتلا ہونے کے وقت سوائے یہ دعا مانگنے کے کچھ بھی نہیں کہتے تھے: کہ اے رب بخش دے ہمارے گناہ اور وہ جو زیادتیاں ہم نے اپنے کاموں میں کی ہیں۔ اور جہاد میں ہمارے قدم جما دے۔ اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے غالب فرما۔ تو اللہ نے انہیں دنیا کا انعام دیا کہ ان کی مدد کی انہیں عزت دی۔ انہیں غالب فرمایا اور آخرت میں انہیں بہترین ثواب عطا فرمائے گا۔ اور اللہ کو نیکی والے پیارے ہیں۔

وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ

اور کیا برا ٹھکانا ناانصافوں کا۔ ف۲۰ اور بے شک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى

جب کہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور حکم میں

الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ

جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمہیں دکھا چکا تمہاری خوشی کی بات تم میں کوئی

يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا [تھا] پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

کہ تمہیں آزمائے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىٓ

جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے اور دوسری جماعت میں ہمارے

اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

رسول تمہیں پکار رہے تھے تو تمہیں غم کا بدلا غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا

(آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱) ۲۰۔ شان نزول:۔ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو منافقوں نے ان سے کہا کہ اپنے دین اور اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ آؤ۔ اور بعض نے کہا کہ ابوسفیان سے امان مانگو۔ وہ تمہیں اپنے دین میں لوٹا لیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [بیضاوی وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم ان کافروں کے کہنے پر چلو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے۔ یعنی کفر کی طرف پھیر دیں گے۔ پس تم ٹوٹا کھا کے نقصان اٹھا کے پلٹ جاؤ گے۔ بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے، تو اسی کی فرمانبرداری کرو نہ کفار کی۔ عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب و خوف ڈالیں گے کہ انہوں نے بے دلیل اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ جیسا کہ جنگ احد کی واپسی میں راہ میں ابوسفیان وغیرہ کفار نے آپس میں کہا کہ تم نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا تھوڑے سے رہ گئے تھے انہیں بھی قتل کیا ہوتا تاکہ قصہ ختم ہوتا۔ چلو پھر انہیں لوٹ کر مارو۔ پس اللہ نے ان کے دلوں میں خوف و ہراس اور بزدلی پیدا فرمائی کہ وہ نہ لوٹے۔ [خازن وسراج] بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: مجھے پانچ چیزیں عطا ہوئی ہیں جو کسی نبی کو نہ ملیں۔ میرا رعب دشمنوں کے دل میں ڈالا گیا۔ زمین میرے لیے پاک اور مسجد کی گئی۔ مال غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا۔ شفاعت مجھے دی گئی۔ اور میں تمام خلق کی طرف بھیجا گیا۔ عوفی ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں راوی کہ اللہ نے ابی سفیان کے دل میں رعب ڈالا وہ مکہ کو لوٹ گیا۔ [ابن کثیر]

تنبیہ: کہا گیا ہے کہ یہ آیت عام ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ کسی کافر کی تابعداری نہ کریں۔ اس کی بات نہ مانیں۔

وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ

اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ پھر

عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَۃً مِّنْکُمْ ۙ

غم کے بعد تم پر چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی

وَطَآئِفَۃٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے

الْجَاھِلِیَّۃِ ؕ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ

جاہلیت کے سے گمان، کہتے اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے؟ تم فرمادو کہ

الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ ؕ

اختیار تو سارا اللہ کا ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے

یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰھُنَا ؕ قُلْ لَّوْ

کہتے ہیں ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ تم فرمادو کہ اگر

کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقَتْلُ اِلٰی

تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک

مَضَاجِعِھِمْ ۚ وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰہُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلِیُمَحِّصَ

نکل کر آتے اور اس لیے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے اور جو کچھ

مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے بے شک وہ

تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ

جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انھیں شیطان ہی نے لغزش دی ان کے بعض

مَا کَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انھیں معاف فرمادیا بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ ف۲۱ ف۲۲

(آیت ۱۵۲ تا ۱۵۵) ۲۱۔ شان نزول: جب مسلمان جنگ احد سے مدینہ واپس آئے تو انمیں سے بعض نے کہا کہ خدا نے تو ہم سے فتح کا وعدہ کیا تھا پھر شکست کیوں ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج] مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ نے اپنا وعدہ تمہیں سچ کر دکھایا

جب کہ تم شروع میں اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے اور وہ بھاگتے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور رسول کے حکم میں جھگڑا ڈالا اور اس کی نافرمانی کے بعد اس کے کہ اللہ تمہیں تمہاری خوشی کی بات دکھا چکا تھا یعنی فتح تمہاری ہو چکی تھی کہ بعض تم میں کے مر کز چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے دوڑے اور بعض وہیں جمے رہے، اور قتل ہوئے۔ تو فتح شکست سے بدل گئی کہ تم میں کا کوئی دنیا چاہتا تھا اور کوئی آخرت چاہتا تھا۔ پھر تمہارا منہ آزمانے کے لیے ان سے پھیر دیا اور تمہارا قصور معاف کیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے۔

تنبیہ: وعدہ سے وعدہ فتح مراد ہے اور ''حس''. کے معنی قتل کے ہیں اور تنازع کے معنی اختلاف رائے ہونے کے ہیں کہ جب مشرکین بھاگے تھے تو جو لوگ درّہ احد پر مقرر تھے ان میں اختلاف رائے ہوا، ان میں سے اکثر نے کہا کہ اب مشرک بھاگ نکلے ہم یہاں کھڑے ہو کر کیا کریں چلو مال غنیمت لوٹیں، اور بعض نے کہا کہ ہم خلاف حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہٹ نہیں سکتے اور یہ صرف دس آدمی تھے باقی چالیس مال لوٹنے کو چلے گئے۔ جب خالد ابن ولید وعکرمہ ابن ابی جہل نے یہ دیکھا تو ان پر حملہ کیا اور وہ دسوں شہید ہوئے پس لڑائی کی ہوا پلٹ گئی اور مسلمان بھاگ نکلے۔ بس یہی شکست کا سبب ہوا۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے ﴿مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا﴾ سے مال غنیمت لوٹنے کو جانے والے۔ اور ﴿مَّن يُرِيدُ الآخِرَةَ﴾ [آل عمران: ۱۵۲] مال غنیمت لوٹنے کو نہ جانے والے درہ سے نہ ہٹنے والے مراد ہیں۔ [معالم وغیرہ]

(توضیح ۲۲) یہ آیات بھی جنگ احد کے متعلق ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم اپنی اس نافرمانی کو یاد کرو جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے اور خوف ودہشت کی وجہ سے پیٹھ کر کے کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول تمہیں پکارتے کہ " اِلَیَّ یا عباداللہ "۔ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ، تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا یعنی رسول کو جو تم نے غم مخالفت دیا اس کے بدلے تمہیں غم شکست وقوت مال غنیمت دیا اور جو ''با'' کو بمعنی ''علی'' لیا جائے گا تو یہ معنی ہوں گے کہ تمہیں غم پر غم دیا، ایک تو مال غنیمت نہ ملنے کا دوسرے شکست ہونے کا۔ اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری جس نے تمہاری ایک جماعت کو گھیر لیا کہ وہ اپنی ڈھالوں کے سائے میں اونگھ گئے۔ تلواریں ہاتھ سے گر پڑیں جیسا کہ بخاری نے حضرت ابی طلحہ سے روایت کی ہے کہ میں بھی انہیں اونگھنے والوں میں تھا یہاں تک کہ تلوار گر پڑی پھر اٹھائی پھر گر پڑی۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی تیز ہوئی اور خوف زیادہ ہوا تو اللہ نے ہم پر نیند اتاری پس ہم میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی ٹھوڑی سینہ کو نہ لگی ہو یعنی وہ اونگھا نہ ہو۔ اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں: لڑائی میں اونگھ اللہ کی جانب سے ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے۔ اور فرماتا ہے تبارک وتعالی: اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی۔ وہ اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان اس لیے مدد نہیں ہوئی۔ یہ گروہ منافقوں کا تھا جنہیں نہ دین کا غم تھا نہ رسول کی فکر تھی بلکہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ رسول اور مسلمان یہاں سے زندہ بچ کر جائیں گے ہی نہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اور وہ کہتے تھے کہ اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے۔ یعنی فتح ونصرت میں ہمارا بھی حصہ ہے، تم فرمادو ان سے اے نبی کہ اختیار تو سارا اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے چاہتا ہے فتح دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ تم ان سے فرمادو: اے نبی اگر تم گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل کر آتے اور قتل ہوتے ان کا گھروں میں بیٹھنا موت سے نہ بچاتا کہ اللہ کا حکم ضرور پورا ہو کر رہتا۔ اور یہ احد میں جو کچھ ہوا اس لیے ہوا کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے اور اللہ تمہارے دلوں کی بات جانتا ہے۔ اس پر کوئی شئ چھپی نہیں۔ یہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لیے آزمائش کی ہے۔ بے شک جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں اور سوا بارہ آدمیوں کے باقی لوگ لڑائی سے پھر گئے تھے انہیں شیطان ہی نے بہکایا تھا ان کے بعض اعمال کے باعث اور وہ رسول کی مخالفت تھی اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا کرم والا ہے۔ قفال رحمۃ اللہ تعالی علیہ کہتے ہیں: ﴿غماً بغم﴾ سے صرف دو ہی غم مراد نہیں ہیں جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے بلکہ غموں کا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنھوں نے [اپنے] بھائیوں کی نسبت کہا

اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا

جب وہ سفر یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

نہ مرتے نہ مارے جاتے اس لیے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے

وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ

اور اللہ جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ اور بے شک اگر تم

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ

ان کے سارے دھن دولت سے بہتر ہے۔ اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف

تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ

اٹھنا ہے ف۲۳ تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر

پے درپے پہنچنا مراد ہے۔ جن میں بعض سراج میں لکھے ہیں۔ حضرت ابن عباس وعبدالرحمٰن ابن عوف سے مروی ہے پہلا غم ہزیمت اور دوسرا غم خبر شہادت حضور ہے جو سب سے زیادہ بڑا تھا۔ [رواہ ابن مردویہ وابن ابی حاتم] اور جو بارہ آدمی حضور کے ساتھ گئے تھے اور انہوں نے جانبازی کی یہ ہیں: (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت علی (۴) حضرت طلحہ (۵) حضرت زبیر (۶) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف (۷) حضرت سعید بن مالک (۸) حضرت ابوعبیدہ مہاجرین سے، اور (۹) خباب ابن منذر (۱۰) ابودجانہ (۱۱) حارث ابن حمنہ (۱۲) سعید ابن معاذ، انصار سے۔ اور بعض نے اس سے زیادہ شمار کیے ہیں بہرحال مشہور بارہ ہی ہیں ۔ بعد کو اضافہ ہوتے گئے کہ منتشر تھے۔ [کمالین] حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس روز اسی (۸۰) زخم آئے تھے اور حضور کو بچاتے بچاتے ہاتھ شل ہوگیا تھا۔ [رواہ البخاری] اس روز مسلمان دوطرفہ حملہ سے ایسے گھبرا گئے تھے کہ اپنے ہی آدمیوں کو دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کرنے لگے تھے اور دوست و دشمن سے تمیز نہ رہی تھی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ کے والد کو قتل کیا باوجودیکہ حذیفہ کہتے رہے کہ یہ میرے والد ہیں۔ مگر کسی نے نہ سنا۔ اسی گھبراہٹ میں بہت سے انصاری شہید ہوئے۔ ان آیات سے بہت سی باتیں مستفاد ہوتی ہیں مگر ان کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

(آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸) ۲۳۔ ان آیات کا تعلق بھی جنگ احد سے ہے کہ منافق کہتے تھے اگر جنگ ہمارے اختیار میں ہوتی تو ہم گھر سے باہر نہ نکلتے اور یہاں نہ ہوتے، اس کا جواب پچھلی آیات میں دے کر ان آیات میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ایسے اعتقاد نہ رکھیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم کافروں کی طرح نہ ہونا جنھوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا (جب وہ سفر

فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ

تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انھیں معاف فرماؤ

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر

عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ

بھروسا کرو بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے

فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ

تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد

بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ

کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے۔ ف۲۴ اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہو سکتا

یا جہاد کو گئے اور مر گئے یا مارے گئے (کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے۔ یعنی ان کی طرح یوں نہ کہنا اور ایسا اعتقاد نہ رکھنا کہ وہ تقدیر الٰہی کے منافی ہے۔ ایسا کہنے کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس قول کا افسوس رکھے یعنی عاقبت میں ان کے اس قول کو ان کے لیے باعث افسوس وحسرت بنائے اور مسلمان اس سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ جلاتا ہے اور مارتا ہے گھروں میں بیٹھے رہنا موت سے نہیں بچا سکتا ہے۔ اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد میں مارے جاؤ گے یا مر جاؤ گے تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان کے سارے دھن و دولت سے بہتر ہے۔ اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ کی طرف اٹھنا ہے۔

تنبیہ: کافروں سے منافق مراد ہیں۔ اور بھائیوں سے یا تو نفاق میں ان کی موافقت کرنے والے لوگ مراد ہیں یا رشتہ کے بھائی مراد ہیں۔

(آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰) ۲۴۔ جنگ احد میں جو لوگ بھاگے تھے مدینہ میں پہنچ کر مخلص مسلمان انہیں حقارت سے دیکھتے تھے اور کسی بات میں ان سے صلاح نہیں لیتے تھے، اس سے ان کی دل شکنی ہوتی تھی۔ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے کچھ نہ کہا تھا اور نہ برتاؤ میں فرق کیا تھا۔ اس آیت میں بظاہر ان سے درگزر کرنے اور ان کے استغفار کرنے اور ان کا مومنین سے کاموں میں مشورہ لینے کو فرمایا گیا ہے تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ مگر حقیقت میں اس سے امت محمدیہ کو بتانا اور سکھانا مقصود ہے، کیوں کہ انہوں نے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا تھا اور ان سے مشورہ لینا ترک کیا تھا نہ حضور نے۔ مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! کیسی اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔ اگر تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے (بھاگ جاتے) تو تم انہیں معاف فرماؤ جو کچھ انہوں نے کیا۔ اور ان کی شفاعت کرو۔ یعنی ان کے گناہوں کی بخشش چاہو۔ اور ان کے دل خوش کرنے کے لیے لڑائی وغیرہ کے کاموں میں ان سے مشورہ کرو۔ چنانچہ حضور بہت زیادہ ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کسی کو لوگوں میں حضور سے زیادہ مشورہ کرتے نہ دیکھا۔ یعنی حضور سب سے زیادہ اپنے کاموں میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ حسن کہتے ہیں کہ اگر چہ حضور کو مشورہ کی حاجت نہ تھی مگر اس کا طریقہ جاری ہونے کے لیے حکم فرمایا گیا ہے۔ [معالم] کعب احبار کہتے ہیں کہ اگلی کتابوں میں حضور کے یہی اوصاف مذکور تھے۔ حسن بصری کہتے ہیں: کہ ﴿فبما رحمته﴾ خلق محمدی کا

أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ

کہ وہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا پھر

تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمَنِ

ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ تو کیا جو

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ

اللہ کی مرضی پر چلا وہ اس جیسا ہوگا جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا

اور کیا بری جگہ پلٹنے کی۔ وہ اللہ کے یہاں درجہ درجہ ہیں اور اللہ ان کے کام

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

دیکھتا ہے۔ ف۲۵ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہو مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول

بیان ہے جس کے ساتھ آپ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ پھر فرماتا ہے اور جب مشورہ کر کے کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو نہ مشورہ پر۔ بے شک توکل کرنے والے اللہ کو پیارے ہیں ۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ (جیسا کہ یوم بدر میں ہوا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ (جیسا کہ جنگ احد میں ہوا) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے نہ غیر پر۔ احادیث میں اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کی بہت تعریف آئی ہے۔ بعض احادیث میں حضور نے انہیں ان ستر میں شمار فرمایا ہے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ اور فرمایا ہے: کہ اگر تم اللہ پر پورا توکل کرو گے تو تمہیں پرندوں کی طرح روزی دے گا جو صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے سوتے ہیں۔ [معالم]

(آیت ۱۶۱ تا ۱۶۳) ۲۵۔ شان نزول: جنگ بدر میں جو مال غنیمت ملا تھا اس میں سے ایک چادر گم ہوگئی تھی تو کسی منافق نے حضور پر شبہہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواہ الترمذی وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما] اور سراج و معالم میں اس کی اور بھی شان نزول لکھی ہیں بہر حال اس میں حضور کی براءت ظاہر کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ وہ مال غنیمت میں سے کچھ چھپا کر رکھے کہ خیانت منافی نبوت ہے اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ان سے خیانت کا سرزد ہونا ناممکن ہے نہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت شبہہ کرنا۔ اور جو کوئی مال غنیمت میں سے کچھ چھپا رکھے گا وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی ہوئی چیز گردن پر لے کر آئے گا۔ تو اسے اس کی پوری سزا دی جائے گی۔ اس کو بطور عموم بیان فرمایا جاتا ہے: کہ پھر ہر جان کو اس کی کمائی بھرپور دے جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ تو کیا جو اللہ کی مرضی پر چلا اور خیانت وغیرہ معصیت سے دور رہا وہ اس جیسا ہوگا، جس نے اللہ کا غضب اوڑھا۔ (خیانت وغیرہ معصیت میں پڑا) اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا بری جگہ پلٹنے کی ہے۔ وہ اللہ کے یہاں درجہ درجہ ہیں۔ اور اللہ ان کے کام دیکھتا ہے۔ یعنی اللہ کے یہاں ان کے درجے علاحدہ علاحدہ ہیں ان کے موافق انہیں ثواب و عذاب دے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی مرضی پر چلنے والوں اور غضب الٰہی اوڑھنے والوں کے اللہ کے نزدیک مختلف درجے ہیں۔ پس جو اللہ کی مرضی پر چلا اس کے لیے اجر عظیم ہے اور جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اس کے لیے عذاب الیم ہے۔ [معالم]

تنبیہ: مال غنیمت میں غلول کرنے کی مذمت و حرمت میں اور غلول کرنے والوں کی سزا میں بہت سی احادیث آئی ہیں جو ابن

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا اور انہیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾

کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ع ۲۶

النصف

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو تو کہنے لگو کہ یہ کہاں سے آئی

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾

تم فرمادو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ۙ

اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کرادے ایمان والوں کی۔

کثیر نے ذکر کی ہیں۔ آیت میں کسی پر بدگمانی کرنے امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ظاہر ہے۔ اور دوسری آیات و احادیث سے بھی اس کا حرام وگناہ ہونا ثابت ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے۔

(آیت ۱۶۴) ۲۶۔ گزشتہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سے خیانت کا الزام دفع کیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا کہ ان سے جرم خیانت سرزد نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ معصوم ہیں اس کی مزید تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ معصوم ہی نہیں بلکہ ان کی ذات کریمہ بہت سے اوصاف کی حامل ہے اور وہ مومن کے لیے نعمت الٰہی ہیں انہیں بندوں کے اخلاق کی درستی اور ہدایت وارشاد کے لیے بھیجا گیا ہے تو وہ ایسی قبیح حرکت خود کیسے کرسکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہوا کہ اس نے ان میں انہیں میں سے ایسا ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں قرآن عظیم پڑھتا ہے اور انہیں گناہوں اور برے عقائد واخلاق سے پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن وحکمت و سنت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ یعنی فسق وفجور قتل وغارت وکفر وشرک وبت پرستی وغیرہ میں مبتلا تھے۔

تنبیہ: آیت میں ''رسول'' سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں اور مومنین کو اس لیے خاص کیا کہ حضور کی بعثت سے انہوں نے زیادہ فائدہ اٹھایا اور ان کے نفسوں میں سے بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی جنس سے ان کی مثل عربی میں کلام کرنے والا آدمی بھیجا۔ کوئی فرشتہ یا جن یا کوئی عجمی آدمی نہیں بھیجا تا کہ وہ اسے اپنے مثل اپنی ہم جنس سمجھ کر اس کی طرف مائل ہوں اس سے انسیت حاصل کریں اور اس کی بات کو سمجھیں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کہ جنس اپنے جنس کی طرف طبعاً مائل وراغب ہوتی ہے۔ اور اس سے انسیت و الفت کرتی ہے اگر ان کا ہم جنس وزبان ان میں نہ بھیجا جاتا تو وہ اس سے وحشت کرتے اور اس کا کلام سمجھنے اس سے بات چیت کرنے میں انہیں دقت ہوتی۔ یا یہ معنی ہیں کہ انہیں ان کی نسل سے ان کے قبیلہ وخاندان سے عربی قریشی ذریۂ ابراہیم واسماعیل سے رسول بھیجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عرب میں کوئی قبیلہ کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے حضور کو قرابت ورشتہ نہ ہوتا کہ وہ اس کو اپنا ہم قبیلہ وہم خاندان اپنا عزیز وقریب سمجھ کر اس پر ایمان لائیں۔ اس کی مدد واعانت کریں اور اسے اپنا فخر خاندان سمجھیں۔ یہ خدا کا احسان جس کا ذکر آیت شریفہ میں فرمایا گیا ہے اور یہ احسان اہل عرب پر کیا گیا ہے مگر تمام مسلمان اس میں داخل ہیں کہ حضور کی بعثت تمام عرب وعجم کے لیے تھی اور حضور کا اتباع سب پر واجب ہے۔ اور ایک قراءت میں ﴿اَنفَسِهِم﴾ آیا ہے۔ اور یہی قراءت حضرت فاطمہ

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ

اور اس لیے کہ پہچان کرادے ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں

اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ

لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے وہ

يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ

اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں، اپنے منہ سے کہتے ہیں جو

فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں وہ جنھوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا

وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ

اور آپ بیٹھ رہے کہ وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے، تم فرمادو: تو اپنی ہی

الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي

موت ٹال دو اگر سچے ہو ف۲۷ اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے۔جس کے یہ معنی ہوں گے کہ تم میں نفیس تر اور شریف تر رسول بھیجا۔حدیث میں ہے کہ اللہ نے عرب وعجم دو فرقے کیے۔ان میں عرب کو افضل کیا اور مجھے ان میں رکھا۔پھر عرب کے دو فرقے کیے: قریش اور غیر قریش اور ان میں قریش کو افضل کیا اور مجھے ان میں رکھا تو میں تمام اقوام وقبائل سے بہتر وافضل ہوں۔دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو اور اولاد اسماعیل سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو چھانٹ لیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کیا۔

(آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸) ۲۷۔یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ منافق مسلمانوں کو بہکانے کے لیے یہ کہتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے نبی تھے اور ان سے خدا نے مدد کا وعدہ کیا تھا تو یہ شکست کیوں ہوئی۔اس کا جواب اگرچہ ضمناً ہو چکا ہے۔مگر اس آیت میں مکمل دیا گیا ہے۔اگر اس کو ان آیات کی شان نزول قرار دیا جائے تو روا ہے۔مطلب یہ ہے کہ کیا یہ زیبا ہے کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے (جیسی کہ احد میں پہنچی حالانکہ تم اس سے دونی بدر کے دن پہنچا چکے ہو کہ: ان کے اس روز ستر مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور تمہارے احد میں صرف ستر شہید ہوئے) تو تعجب سے کہنے لگو یہ مصیبت کہاں سے آئی ہم تو مسلمان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے۔تم فرمادو ان سے اے محبوب! کہ وہ مصیبت تمہاری طرف سے آئی ہے، تمہاری ہی بلائی ہوئی ہے۔کہ تم نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر اصرار کیا اور باوجود شدید ممانعت کے مرکز چھوڑ کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے پس یہ مصیبت نازل ہوئی، بیشک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملیں اور تمہیں شکست ہوئی یعنی یوم احد وہ اللہ کے حکم سے تھی، اور اس لیے تھی کہ پہچان کرادے اللہ ایمان والوں کی اور منافقوں کی کہ کون اس میں سچا مسلمان ہے اور کون جھوٹا ہے۔اور جب عبداللہ ابن ابی وغیرہ منافق لڑائی سے لوٹنے لگے تو ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے لڑو یا ہم میں رہ کر انہیں دفع کرو ہٹاؤ کہ تکثیر سواد باعث دفع ہوتی ہے۔تو بولے اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ

ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے نہ کچھ غم۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

خوشیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا

اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

اجر مسلمانوں کا ۲۸ وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں

اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

زخم پہنچ چکا تھا ان کے نکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے۔

دیتے اور اس روز حاضری دیتے۔ یعنی آج ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے ہیں وہ آج بہ نسبت ایمان کے کھلے کفر سے قریب ہیں۔ کہ انہوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا اور جھوٹا عذر کیا۔ وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے یعنی وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتے ہیں دل میں اسلام نہیں رکھتے ہیں۔ کفر چھپائے ہوئے ہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو وہ چھپا رہے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا جو مارے گئے تھے۔ اور آپ جہاد سے بیٹھ رہے اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے جیسا کہ ہم نہ مارے گئے۔ تو تم فرما دو ان سے اے حبیب اگر تم قول میں سچے ہو تو اپنی موت ٹال دو۔

تنبیہ: اکثر کے نزدیک یہ مقولہ ابن ابی کا ہے اور اصم کے نزدیک ان لوگوں کا ہے جو جہاد سے بیٹھ رہے تھے۔ [سراج] اور دونوں فوجوں سے کفار و اہل اسلام مراد ہیں۔ اور آخر آیت عبداللہ ابن ابی اور اس کے گروہ کے حق میں نازل ہوئی۔ [خازن]

(آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱) ۲۸۔ شان نزول: یہ آیت حضرت قتادہ و ربیع ابن انس وضحاک کے نزدیک حضرت حمزہ وغیرہ شہدائے احد کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ احد کے روز جو لوگ شہید ہوئے انہیں اللہ کے یہاں ہر طرح کا آرام ملا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ جو نعمت ہمیں ملی ہے اس کی خبر ہمارے بھائیوں کو ہو جاتی تاکہ وہ جہاد میں سستی نہ کرتے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [رواہ الحاکم امام احمد ابن جریر] مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی رزق پاتے ہیں۔ شاد ہیں وہ اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ان سے ابھی نہیں ملے کہ ان پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم ہے۔ یعنی وہ ان کے امن وچین سے رہنے کی خوشیاں مناتے ہیں کہ شہدا کو ان کا جو ابھی شہید نہیں ہوئے ہیں، امن وچین سے رہنا معلوم ہوتا ہے۔ اور خوشیاں مناتے ہیں وہ خدا کی نعمت اور فضل کی۔ اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا ہے اجر مسلمانوں کا۔ سدی کہتے ہیں شہدا کو ایک پرچہ دیا جاتا ہے جس میں شہید ہو

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لیے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو

فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا

تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز تو پلٹے

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ

اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انھیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر

اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ

چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے وہ تو شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں سے

اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَا

دھمکاتا ہے تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو ف۲۹ اور اے محبوب!

کران سے ملنے والوں کا نام اور دن لکھا ہوتا ہے۔ پس وہ اسے پڑھ کر ایسے خوش ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو غائب کے آنے کی خوشی ہوتی ہے۔[جامع البیان]

تنبیہ: آیت میں خطاب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے ہے یا تمام مومنین سے ہے۔ اور ﴿یرزقون﴾ سے شہدا کا حال بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ اللہ کے پاس زندوں کی طرح کھاتے پیتے عیش و آرام میں خوش و خرم رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے: کہ تمہارے بھائی جو احد میں شہید ہوئے ان کی روحوں کو اللہ تعالی نے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھا ہے۔ وہ جنت کی نہروں میں گھومتے ہیں اور جنت کے میوے کھاتے ہیں اور سونے کی قندیلوں میں جو عرش کے سایہ میں معلق ہیں رہتے ہیں۔ [مدارک] معالم میں ہے کہ شہدا زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور اللہ کے لیے عرش کے نیچے رکوع و سجود کرتے ہیں اور وہ قبر میں گلتے سڑتے نہیں ہیں اور نہ زمین انہیں کھاتی ہے۔ اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ باقی حالات شہدا کے سورۂ بقرہ میں تحت آیت کریمہ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ﴾ [البقرۃ:۱۵۴] گزرے۔ خازن میں ہے اس حدیث میں دلیل ہے کہ جنت پیدا ہو چکی ہے اور روحیں فنا نہیں ہوتی ہیں باقی رہتی ہیں، یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: کہ حدیث امام احمد "نسمة المومن طائر" الحدیث۔ میں ہر مومن کے لیے بشارت ہے کہ اس کی روح بشکل طائر جنت میں رہتی ہے سیر کرتی پھرتی ہے اور اس کے پھل کھاتی ہے۔ اور اللہ کی نعمتوں اور اس کی کرامتوں کو دیکھتی ہے اور اس سے مستفیض ہوتی ہے۔ فرق یہ کہ ارواح شہدا سبز پرندوں کے پوٹوں میں ستاروں کی طرح ہوتی ہیں اور قندیلوں میں زیر عرش رہتی ہیں۔ اور عام مومنین کی روحیں بشکل پرند جنت میں پھرتی ہیں۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرا بھی ایمان پر خاتمہ کرے۔

(آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵) ۲۹: شان نزول: جب مسلمان جنگ احد سے لوٹ کر مدینہ آئے اور کفار مکہ کو گئے تو اتوار کی صبح کو کسی نے مسلمانوں کو خبر دی کہ ابوسفیان مقام روحا میں اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ تم نے بڑی غلطی کی کہ جو چند مسلمان باقی رہ گئے تھے انہیں زندہ جانے دیا اگر انہیں بھی مار دیتے تو قصہ ختم ہو جاتا۔ چلو پھر لوٹ کر انہیں بھی مار لیں۔ یہ سن کر حضور نے منادی کرادی کہ کل جو لوگ میرے ساتھ تھے وہ لڑائی کے لیے پھر تیار ہو جائیں۔ یہ سن کر کے جاں نثاران حضور باوجود زخموں سے چور ہونے کے لڑائی کے لیے تیار

يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

تم ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے۔

شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ

بڑا عذاب ہے۔ وہ جنھوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ف اور ہرگز کافر اس گمان میں

ہوئے اور جس حال میں تھے اسی حال میں حضور کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ بعض کو بعض اٹھا کر لے چلے جب حمراء الاسد میں جو مدینہ سے آٹھ میل ہے پہنچے تو وہاں معید خزاعی ملا اس نے جا کر ابوسفیان سے کہا کہ مسلمان تمہارے پیچھے جماعت کثیر لے کر آ رہے ہیں، یہ سن کر وہ گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر مع اپنے ساتھیوں کے مکہ کو چلا گیا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض نے اس کا نزول بدر صغریٰ کے متعلق لکھا ہے۔ [سراج وغیرہ] ابن کثیر نے اس آیت کی شان نزول میں متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے باوجودیکہ وہ جنگ احد میں زخم کھا کر خستہ حال ہو چکے تھے ان کے نیکوں اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت میں بڑا ثواب ہے کہ انہوں نے رسول کی فرمانبرداری کی وہ ستر آدمی تھے۔ نعیم بن مسعود اشجعی نے آ کر کہا ابی سفیان اور اس کے اصحاب نے تمہارے مٹانے کے لیے جتھا جوڑا ہے لشکر جمع کیا ہے تو تم ان سے ڈرو۔ اور یہ کہنے کے لیے ابوسفیان نے نعیم کو لالچ دے کر حضور کے پاس بھیجا تھا تاکہ مسلمان خوفزدہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو مسلمانوں کا ایمان اس کے اس قول سے اور زائد ہوا۔ اور وہ بولے کہ اللہ ہم کو بس کافی ہے وہ کیا اچھا کارساز ہے۔ اور وہ حضور کے ساتھ گئے اور ابوسفیان کے دل میں اللہ نے رعب ڈالا تو وہ مکہ کو چلا گیا مدینہ نہ آیا۔ پس پلٹے وہ یعنی مسلمان اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی۔ یعنی لڑائی نہ کرنی پڑی قتل و زخمی نہ ہوئے۔ اور اللہ کی خوشی پر چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ وہ یعنی نعیم ابن مسعود شیطان سے ہے کہ اپنے دوستوں سے مسلمانوں کو دھمکاتا ہے تاکہ وہ ڈر کر جہاد سے باز رہیں۔ تو تم اے مسلمانو! ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو کہ مقتضائے ایمان یہی ہے۔

تنبیہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو یہی کلمہ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [اٰل عمران: ۱۷۳] انہوں نے پڑھا تھا۔ اور یہی حضور نے نعیم سے "ان الناس" سن کر پڑھا۔

فائدہ: یہ کلمہ ہر حاجت کے لیے بعد نماز صبح پانچ سو بار پڑھا جائے تو ان شاء اللہ حاجت بر آئے۔ وہ مشائخ قادریہ کے معمولات سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ تمہیں مہم پیش آئے۔ اور ایک روایت میں ہے جب تم پر کوئی امر غلبہ کرے تو ﴿حسبنا اللہ ونعم الوکیل﴾ کہو۔ [احمد و ابن ماجہ وغیرہ] طبرانی کی روایت میں ہے کہ جب کسی چیز کا خوف ہو تو یہ کلمہ کہے اللہ اس کو اس کے خوف سے بچائے گا۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ یہ کلمہ ہر خائف کے لیے امان ہے۔

(توضیح ۳۰) (آیت ۱۷۶، ۱۷۷) شان نزول: یہ آیت بعض کے نزدیک کفار مکہ اور منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جو مرتد ہو گئے تھے ان کے ارتداد سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غم لاحق ہوا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ اے محبوب! تم ان لوگوں کا غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں۔ وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اپنا ہی نقصان کریں گے اور اللہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ رکھنا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ

نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لیے بھلا ہے ہم تو اسی لیے انہیں ڈھیل دیتے ہیں

لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ

کہ اور گناہ میں بڑھیں اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ مسلمانوں کو اسی حال پر

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ

چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ

اور اللہ کی شان یہ نہیں، کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے

رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ

وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔ ف۳۱ اور جو بخل کرتے ہیں

نہیں چاہتا ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

تنبیہ: پہلی آیت سے مرتد مراد ہیں اور دوسری آیت سے کافر مراد ہیں۔ [مدارک]

(توضیح ۳۱) (آیت ۱۷۸/۱۷۹) شان نزول: مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور عطا کہتے ہیں کہ بنو قریظہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ [سراج ومعالم] مطلب یہ کہ کافر ہرگز اس گمان میں نہ رہیں کہ ہمارا انہیں ڈھیل دینا ان کے لیے بھلا ہے، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں پڑیں۔ یعنی زیادہ گناہ کریں۔ اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے آخرت میں۔ اے منافقو اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں ہے جس پر تم ہو۔ جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے یعنی اللہ مخلص مسلمانوں کو منافقوں میں ملا ہوا نہیں چھوڑے گا بلکہ منافقوں کو مسلمانوں سے الگ کر کے دکھائے گا اور ان کے نفاق کی رسول کو خبر دے گا۔ سراج ومعالم میں اس آیت کی شان نزول بروایت کلبی یہ لکھی ہے کہ قریش نے کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم یہ گمان کرتے ہو کہ جو ہمارے دین پر ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا اور اللہ اس پر غضب فرمائے گا۔ اور جو تمہارا دین اختیار کرے گا اللہ اس سے راضی ہوگا اور وہ جنت میں جائے گا تو ہمیں خبر دو کہ کون تم پر ایمان لائے گا اور کون نہ لائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور سدی کہتے ہیں: کہ حضور نے فرمایا: میری امت اپنی صورتوں میں مجھ پر پیش کی گئی۔ اور مجھے بتایا گیا جو ان میں سے مجھ پر ایمان لائے گا اور جو نہ لائے گا۔ جب یہ خبر منافقوں کو پہنچی تو وہ استہزاء بولے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ وہ انہیں جانتے ہیں جو ان پر ایمان لائیں گے اور جو نہ لائیں گے اور وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور وہ ہمیں نہیں جانتے ہیں۔ پس اس کی خبر حضور کو ہوئی تو آپ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر بعد حمد وثنائے الٰہی فرمایا: اس قوم کو کیا ہوا ہے کہ میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ نہیں پوچھو گے تم مجھ سے کسی شئی کو جو تمہارے اور قیامت کے درمیان ہونے والی ہے مگر میں اسے بتاؤں گا۔ پس عبد اللہ ابن حذیفہ نے کہا: کون انکار کرتا ہے۔

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ

اس چیز میں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے

لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

عنقریب وہ جس میں بخل کیا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا اور اللہ ہی وارث ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ

آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ ف۳۲ بے شک

اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

اللہ نے سنا جنھوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ

اب ہم لکھ رکھیں گے ان کا کہا اور انبیا کو ان کا ناحق شہید کرنا اور فرمائیں گے

فرمایا: حذافہ۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: کہ یا رسول اللہ! ہم اللہ کے رب اور اسلام کے دین اور قرآن کے امام اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ پس حضور ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة:۹۱] کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا اور اس کی یہ شان نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔ یعنی اللہ عام لوگوں کو علم غیب نہیں دیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے علم غیب عطا فرماتا ہے۔ تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اگر ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔

تنبیہ: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ [آل عمران:۱۷۹] میں فرقہ باطنیہ کا رد ہے کہ وہ اپنے امام کے لیے بغیر رسالت کے علم غیب مانتے ہیں۔ اور فرقہ وہابیہ کا بھی رد ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں۔ علمائے اہل سنت کے ان کے رد میں متعدد رسائل و تحریرات ہیں جن میں ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرمایا۔ اور خصوصا اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تمام ما کان وما یکون کا علم عطا فرمایا۔ من جملہ ان کے حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چھوٹے بڑے کئی رسالے ہیں۔ سب سے بڑا رسالہ "الدولۃ المکیہ" ہے جو مکہ معظمہ میں تصنیف فرما کر اس پر علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات کرائیں۔

(آیت ۱۸۰) ۳۲۔ یہ آیت زکاۃ نہ دینے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔ [جامع البیان] مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دیے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں اس کی زکاۃ نہیں دیتے ہیں وہ اسے ہرگز اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ کہ عنقریب وہ مال قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جو تحت آیۃ "ما کنزتم" ذکر کی گئی ہیں۔ اور اللہ ہی وارث ہے آسمان و زمین کا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اسی کا ہے۔ پھر تم کیوں اسے راہ خدا میں دینے سے بخل کرتے ہو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے پس وہ اس کی تمہیں جزا دے گا۔

تنبیہ: مال محبوب ہونے کی وجہ سے حقوق واجبہ میں سے خدا کے دیے ہوئے مال کو خرچ نہ کرنا بخل ہے۔ اس میں اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال والدین کے نفقہ میں کمی کرنا بھی داخل ہے۔ بعض مفسرین نے اسے مخصوص بزکات کیا ہے یعنی زکاۃ دینے میں بخل و کنجوسی کرنا۔ بخل کی مذمت بہت سی احادیث میں آئی ہیں۔

وقف لازم

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ

اور ہاتھوں نے آگے بھیجا جو تمہارے اس کا بدلا ہے یہ عذاب۔ آگ کا چکھو کہ

اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ

ہے لیا کر قرار ہم سے نے اللہ ہیں کہتے وہ جو ق۳۳ کرتا۔ نہیں ظلم پر بندوں اللہ

اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ

کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ

تم فرمادو مجھ سے پہلے بہت رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو

فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ

پھر تم نے انھیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو تو اے محبوب! اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو

كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ

تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب

(آیت ۱۸۱/۱۸۲) ۳۳۔شان نزول: سعید ابن جبیر حضرت ابن عباس سے راوی کہ جب آیۃ ﴿مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً﴾[البقرۃ:۲۴۵] نازل ہوئی تو یہودی بولے کہ اللہ فقیر ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے اور ہم غنی ہیں۔ حسن ومجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور محمد ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے۔ وہاں بہت سے یہودی اپنے ایک بڑے عالم فنحاص کے پاس جمع تھے۔ صدیق اکبر نے فنحاص سے کہا کہ تو خدا کا خوف کر اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر ایمان لا۔ وہ سچے رسول ہیں توریت میں لکھے ہوئے ہیں۔ فنحاص بولا واللہ ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں اور وہ ہمارا محتاج ہے۔ اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض نہیں مانگتا۔ اور وہ ہمیں سود کھانے کو منع کرتا ہے اور خود ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اس پر کئی سو گنا سود دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر کو غصہ آیا اور اس کے ایک تھپڑ مارا اور اس سے کہا کہ خدا کی قسم اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو میں تیری گردن ماردیتا۔ فنحاص نے حضور سے آکر شکایت کی حضور نے صدیق اکبر سے جواب طلب کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا: کہ اس نے خدا کی شان میں بہت سخت لفظ کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ مجھے اس واسطے غصہ آیا اور میں نے اسے مارا۔ فنحاص نے اس کہنے سے انکار کیا۔ پس صدیق اکبر کی تصدیق اور فنحاص کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواہ ابن ابی حاتم۔ سراج ومعالم] مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ نے ان لوگوں کا کہا سنا۔ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ اور اب ہم ان کے اعمال نامہ میں ان کا یہ کہا اور انبیاء کا ناحق شہید کرنا لکھ رکھیں گے یعنی ان کا یہ قول اور ان کے باپ دادا کا فعل جس پر وہ راضی ہیں۔ پس جزا دیں گے ہم ان کے قول وفعل کی اور بواسطہ ملائکہ ہم ان سے فرمائیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب اس کے بدلہ میں جو تم نے کیا ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔

تنبیہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾[ال عمران:۱۸۱] نہایت سخت کلمہ ہے جو یہود نے خدا کی شان میں کہا کیونکہ یہ کھلا کفر

الْمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ

لے کر آئے تھے۔ ف۳۴ ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ

قیامت ہی کو پورے ملیں گے تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَالِكُمْ

اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے اور بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال

وَأَنْفُسِكُمْ ۚ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ

اور تمہاری جانوں میں اور بے شک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور

الَّذِينَ أَشْرَكُوٓا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا

یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ ف۳۵ اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنھیں

ہے اور اللہ ورسول کے ساتھ استہزا ہے، اس لیے اس کو قتل انبیا کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے لکھنے کو فرمایا ہے، گویا یہ کلمہ قتل انبیاء کے برابر ہے۔

(آیت ۱۸۳/۱۸۴) ۳۴۔ شان نزول: جب حضور نے یہود سے ایمان لانے کو کہا: تو کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب وغیرہ یہود نے کہا: آپ اپنے کو رسول گمان کرتے اور ہم سے ایمان لانے کو کہتے ہیں، اور ہمیں تورات میں یہ حکم کیا گیا ہے کہ ہم جب تک نبی سے قبول نذر کا معجزہ نہ دیکھ لیں اس پر ایمان نہ لائیں، اگر تم یہ معجزہ دکھاؤ تو ہم ایمان لائیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] سدی کہتے ہیں: کہ توارت میں رسول پر ایمان لانے کی یہ شرط ضرور تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ حضرت مسیح اور محمد علیہما السلام پر بغیر قربان ایمان لانا۔ کہ وہ بغیر قربان کے آئیں گے [سراج] قربان کا معجزہ اسے کہا جاتا تھا کہ بعض انبیاے بنی اسرائیل اللہ کے نام کی کوئی شئ نکال کر جنگل یا پہاڑ پر رکھ دیتے تھے اور دعا کرتے تھے۔ تو آسمان سے ایک آگ آکر اسے جلا دیتی تھی۔ یہ اس کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی۔ چونکہ حضور یہ معجزہ لے کر نہ آئے تھے۔ اس لیے یہود نے اسے اپنے ایمان لانے کا بہانہ اور عذر ٹھرایا۔ اللہ تعالی نے ان کے اس عذر کا اس آیت میں جواب دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تم سے کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے اقرار کر لیا ہے۔ کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں۔ جب تک وہ ایسی قربانی کا حکم نہ لائیں جسے آگ کھائے یعنی جلائے۔ تم ان سے اے نبی فرما دو کہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے جو تم مجھ سے طلب کرتے ہو۔ اگر تم اپنے اس قول میں سچے تھے تو ان انبیاء پر ایمان کیوں نہ لائے جنھوں نے یہ معجزہ دکھایا اور انہیں کیوں قتل کیا۔ تو معلوم ہوا کہ تم اپنے قول میں جھوٹے ہو۔ ایمان کا لانا اسی معجزہ پر موقوف نہیں ہے۔ حضور کو تسلی دینے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم غم نہ کرو کہ تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور کتاب لے کر آئے تھے۔

(آیت ۱۸۵ تا ۱۸۶) ۳۵۔ شان نزول: جب یہ آیت ﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ﴾ [السجدة:۱۱] نازل ہوئی تو لوگوں نے

الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انھوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا

وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا

اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کیے تو کتنی بری خریداری ہے

تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا

اور ہرگز نہ سمجھنا انھیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کیے

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج وَلَهُمْ

ان کی تعریف ہو ایسوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى

دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ

ہر چیز پر قادر ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ لا ج الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ

رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کی یاد

حضور سے کہا کہ یہ بنی آدم کے لیے ہے اس میں جن اور وحوش اور طیور کا ذکر کہاں ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [خازن] نیز اس میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو تسلی و تشفی اور صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ کہ تمہارے تکذیب کرنے والے ہمیشہ زندہ ہی نہیں بیٹھے رہیں گے۔ ایک نہ ایک دن مریں گے اور اپنے اعمال کی جزا پائیں گے اور تمہیں صبر کا پھل ملے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے قیامت ہی کو ملیں گے۔ جو شخص آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی بے کار کا مال ہے اس سے ذرا دیر نفع اٹھایا جاتا ہے پھر وہ فنا ہو جاتا ہے، بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں۔ بے شک ضرور تم اگلی کتاب والوں یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم اس پر صبر کرو گے اور بچتے رہو گے تو بڑی ہمت کا کام ہے۔

تنبیہ: اخیر آیت کی شان نزول بخاری میں یوں بیان کی ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن عبادہ کی عیادت کو گئے اور ابن اُبی کے جلسہ پر ہو کر گزرے جس میں ہر مذہب کے لوگ جمع تھے آپ نے وہاں ٹھہر کر انہیں اسلام کی دعوت دی تو ابن اُبی نے کچھ ایسے کلمات کہے جو مسلمانوں کو ناگوار گزرے۔ حضرت رواحہ نے اس کا جواب دیا۔ لوٹ پھیر میں بات بڑھی، گالی گلوج ہونے لگی اور ہاتھا پائی کی نوبت پہنچی تو حضور نے سب کو ٹھنڈا کیا اور خود اٹھ کر سعد بن عبادہ کے گھر چلے گئے اور ان سے ابن ابی کی شکایت کی۔ سعد نے عرض کیا کہ اسے تو لوگ یہاں اپنا بادشاہ بنانے والے تھے مگر حضور کی تشریف آوری کی وجہ سے ایسا نہ ہوا اس کی اسے جلن ہے۔ حضور اسے معاف فرمائیں۔ پس حضور نے معاف فرمایا۔ اسی کی طرف آیت میں "تسمعن" سے اشارہ فرمایا گیا۔ زہری کہتے ہیں کہ اخیر آیت کعب

اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں
کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے

وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ

پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب تو نے یہ بیکار نہ بنایا
غور کرتے ہیں اے رب ہمارے!

النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ؕ وَ مَا

اے ضرور تو نے رسوائی دی اور جسے تو دوزخ میں لے جائے
سے بچالے۔ اے رب ہمارے! بے شک

لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ

اے رب ہمارے! ہم نے ایک منادی کو سنا
ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔

لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

کہ ایمان کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے، اے رب ہمارے! تو ہمارے گناہ بخش دے

وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

اور ہماری برائیاں محوفرمادے اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر اے رب ہمارے! اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے

عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اپنے رسولوں کی معرفت اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بے شک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا۔

فَاسْتَجَابَ لَہُمْ رَبُّہُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ

تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا

ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ

مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو تو وہ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے

دِیَارِہِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْہُمْ

نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، میں ضرور ان کے سب گناہ

ابن اشرف وغیرہ کے حق میں اتری کہ وہ حضور کی ہجو کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو گالیاں دیتے تھے اور برا کہتے اور ان عورات کو اشعار میں برے الفاظ سے یاد کرتے اور مشرکوں کو ان کے قتل پر ابھارتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور انہیں صبر کرنے کی تلقین کی گئی۔ واحدی کہتے ہیں کہ یہ حکم قبل نزول آیۃ سیف تھا بعد کو منسوخ ہوا۔ اور قفال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہے قصہ احد کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو ایذائے کفار پر صبر کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہ منافی جہاد نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں مجاہدہ کفار پر صبر کرنے کو کہا گیا ہے۔ ﴿فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الاحقاف: ۳۵] [سراج]

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا

اتار دوں گا اور ضرور انھیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں اللہ کے پاس کا ثواب

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ

اور اللہ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے۔ ف۳۶ اے سننے والے! کافروں کا شہروں میں اہلے گہلے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۗ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ

پھرنا ہرگز تجھے دھوکا نہ دے تھوڑا برتنا ہے پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

اور کیا ہی برا بچھونا۔ لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے جنتیں ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا

جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کی طرف کی مہمانی اور جو

(آیت ۱۸۷ تا ۱۹۵) ۳۶۔شان نزول:۔ یہ آیت ﴿وَمَا يَشْتَرُوْنَ﴾ تک یہود کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اہل کتاب اور اطاعت شعار کہتے تھے مگر حضور پر ایمان نہ لاتے تھے اور حضور کے اوصاف اور احکام طیبہ چھپاتے تھے۔ اور ﴿لا تحسبن﴾ سے ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ تک منافقوں کے حق میں نازل ہوئی جو جہاد میں جاتے وقت ادھر ادھر چلے جاتے تھے اور اس پر خوش ہوتے تھے اور جب حضور جہاد سے واپس آتے تو آکر معذرت کرتے اور نہ شامل ہونے کی وجہ ظاہر کرتے تاکہ ان کو نہ جانے پر ملامت نہ کی جائے۔ بلکہ تعریف کی جائے۔ اور بھی اس کی شان نزول ہیں۔ [رواہ البخاری سراج وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اور یاد کرو جب کہ اللہ نے اہل کتاب سے توراہ میں عہد لیا کہ تم اس میں جو ہے اسے ضرور لوگوں سے بیان کر دینا اسے نہ چھپانا۔ تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔ یعنی اس پر عمل نہ کیا اور اس کے بدلے ذلیل وحقیر دام اپنے سفلوں سے لئے اور اسے ان سے چھپایا کہ نفع فوت نہ ہو۔ تو یہ کتنی بری خریداری ہے۔ اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ بغیر کیے ان کی تعریف ہو انہیں تم ہرگز عذاب سے دور نہ سمجھنا۔ ایسوں کو عذاب الٰہی سے دور نہ جاننا (یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے) اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے زمین وآسمان کی بادشاہی۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تنبیہ: پہلی آیت دلیل ہے اس پر کہ علماء پر حق بات کو بیان کرنا اور جس بات کا انہیں علم ہو اسے بے علموں کو بتانا واجب ہے۔ اور اسے اپنے نفع یا دفع اذیت یا بخل بالعلم یا کسی اور غرض فاسد کے لیے چھپانا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے علم کو اس کے اہل سے چھپایا اللہ اس کے منہ میں آگ کی لگام دے گا۔ اور دوسری آیت میں وعید ہے بے جا بات پر خوش ہونے والے اور لوگوں سے اس پر تعریف چاہنے والوں کے لیے۔ [مدارک] حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ نے یہ اہل علم سے عہد لیا ہے۔ پس جو کوئی کسی چیز کا علم رکھتا ہو وہ دوسرے کو بتائے اور چھپانے سے بچے کہ وہ مہلکہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر اللہ نے اہل کتاب سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس قدر مواخذہ جاہلوں سے نہیں کیا ہے جس قدر عالموں سے کیا ہے۔ [سراج وغیرہ]

شان نزول:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب اہل مکہ نے حضور سے معجزہ طلب کیا۔ تو یہ آیت

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ ... عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لیے سب سے بھلا ف۳۷ اور بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان

بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا

لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اترا اور جو ان کی طرف اترا ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے

يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

اللہ کی آیتوں کے بدلے ذلیل دام نہیں لیتے یہ وہ ہیں جن کا ثواب

نازل ہوئی۔[خازن] اور فرمایا گیا کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے اور رات ودن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں اور
معجزات کافی ہیں۔ جولوگ ان میں فکر وغور کرتے ہیں وہی اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اسے ہر بات پر قادر سمجھتے ہیں اور اللہ ورسول پر ایمان لا
تے ہیں اور اپنے لیے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ اللہ بھی ان کی دعا قبول کرتا اور مغفرت فرماتا ہے۔

تنبیہ: حضرت ابن عباس نے ﴿یذکرون اللہ﴾ کی تفسیر ''یصلون بحسب الطاقۃ'' فرمائی ہے۔ یعنی وہ کھڑے ہوکر، بیٹھ
کر، لیٹ کر جس طرح نماز پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ نماز کھڑے ہوکر پڑھ۔ پس اگر
کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ اور جو بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو پہلو پر یعنی چت لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھ ۔ یہی تفسیر اس کی حضرت
علی وابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔ مگر باقی مفسرین نے اس سے اللہ کا ذکر ہر حال میں مراد لیا ہے کہ آدمی ان تین حالتوں
سے خالی نہیں ہوتا ہے جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ﴾ [النساء:۱۰۳] [معالم] اور
عقل مند لوگ زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر کر کے خدا کے وجود اور اس کی کمال صنعت کا یقین کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بے کار اور یہ
بے فائدہ نہیں بنا ہے، حدیث میں ہے کہ خرابی ہو اسے جس نے یہ آیت پڑھی اور اس میں فکر وغور نہ کیا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ تفکر
سے زیادہ کوئی عبادت نہیں ہے۔[مدارک] مگر یہ تفکر اور غور وخوض خدا کی ذات میں نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کی مخلوق اور بنائی ہوئی چیزوں اور
نعمتوں میں ہونا چاہیے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔ اور ''منادی'' سے حضرت ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے
نزدیک نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم مراد ہیں کہ حضور کی شان میں داعیا الی اللہ فرمایا گیا ہے۔ اور قرطبی کے نزدیک قرآن عظیم مراد ہے کہ
وہ رشد وہدایت کرتا ہے۔ اور اچھوں سے انبیاء وصالحین مراد ہیں۔ اور یہ آیت ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ الخ [آل عمران:۱۹۵] اس
وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالی نے قرآن عظیم میں مردوں کی ہجرت کا تو ذکر کیا
ہے۔ عورتوں کی ہجرت کا ذکر کہیں نہیں کیا ہے۔[رواہ الترمذی، سراج وغیرہ] اور سعید ابن منصور سے مروی ہے کہ مہاجرات میں سب سے
پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ہجرت کی تھی۔

(آیت ۱۹۶تا۱۹۸) ۳۷۔ شان نزول: جب بعض مسلمانوں نے کفار کی مرفہ الحالی اور فارغ البالی اور اپنے افلاس اور تنگ
دستی کا شکوہ حضور سے کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور کو کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے دیکھا جس
کے نشان جسم مبارک پر بن گئے تھے۔ پس آپ روئے اور عرض کی یارسول اللہ! قیصر وکسریٰ عیش وعشرت میں بسر کریں اور حضور رسول خدا
ہوکر اس عسرت سے گزر کریں۔ پس حضور نے یہ سن کر فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں یہ خوش نہیں ہے کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے
آخرت ہو۔[سراج ومعالم، رواہ البخاری] مطلب یہ ہے کہ کافروں کا شہروں میں آزادانہ خوش وخرم پھرنا تجھے دھوکہ نہ دے کہ وہ تھوڑا برتنا
ہے۔ یعنی وہ اسے تھوڑی دیر برتیں گے نفع اٹھائیں گے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا بچھونا ہے۔ لیکن جولوگ اپنے رب سے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ ف۳۸ اے ایمان والو! صبر کرو

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔ ف۳۹

ڈرتے ہیں ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ کی طرف کی مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ان کے لیے سب سے بھلا ہے۔

۳۸۔ شانِ نزول: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جس روز نجاشی شاہ حبش نے وفات پائی ان کے وفات پانے کی خبر جبریل نے آکر حضور کو سنائی۔ تو حضور نے صحابہ سے فرمایا: اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھنے کے لیے نکلو کہ وہ زمین غیر میں مرا ہے۔ پس سب میدان بقیع میں جمع ہوئے اور اس وقت حضور کے لیے حبشہ تک زمین کھولدی گئی تھی کہ حضور نے ان کا جنازہ دیکھا اور ان پر نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں اور ان کی بخشش کی دعا کی۔ اس پر منافق بولے: دیکھو ایک حبشی نصرانی کے لیے نماز پڑھی جس کو نہ کبھی دیکھا اور نہ وہ ان کے دین میں تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] مطلب یہ ہے کہ بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں جو اللہ اور قرآن اور توراۃ وانجیل پر ایمان لائے ہیں۔ ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے دام نہیں لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

تنبیہ: روایتِ شانِ نزول کو جنازہ غائب پر نماز پڑھنے کی دلیل نہ ٹھہرایا جائے اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ غائب جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔ کہ نجاشی کا جنازہ غائب نہ تھا بلکہ حاضر اور سامنے موجود تھا کہ حضور کے لیے حبشہ تک کی زمین کھول دی گئی تھی حضور نے ان کا جنازہ دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔ جس کی تصریح خود روایت شانِ نزول میں موجود ہے جو صحاح ستہ کی ہے۔ اور یہی سب صحابہ کے گمان میں تھا کہ جنازۂ نجاشی سامنے ہے۔ جیسا کہ ابن حبان اور ابو عوانہ کی صحیح میں روایت کیا گیا ہے۔ تو یہ مخصوص بحضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبہ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوا نہ ہر غائب کے لیے۔ مدینہ منورہ سے باہر جہاد میں بڑے بڑے صحابہ شہید ہوئے اور ان کی شہادت کی خبریں آئیں مگر کبھی کسی کے جنازہ کی نماز حضور یا خلفاے حضور نے نہیں پڑھی سوائے نجاشی کے۔۔ دوسرے یہ کہ نجاشی کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے ان کے اسلام کو ظاہر کرنا تھا کہ منافقوں کے خیال میں وہ نصرانی تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے اعتراض کیا تھا۔ حضور نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھ کر ان کا مسلمان ہونا ظاہر فرمایا جس کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق "الهادی الحاجب" میں فرمائی ہے جس کا حاصل یہی ہے۔

(آیت ۲۰۰) ۳۹۔ اس آیت میں چار باتوں کا حکم فرمایا گیا ہے جو تمام اسلامی ہدایات کا نچوڑ ہے اور قرآن کے جملہ نصائح کا خلاصہ ہے۔ اول یہ کہ اے مسلمانو! تم صبر کرو، دنیا کی ہر مصیبت و بلا، دکھ درد، رنج و غم، بیماری و تنگ دستی، بھوک و پیاس، قحط و وبا، اولاد کی موت، جان و مال کے نقصان، دشمنوں کے خوف، ایذا رسانی، دشنام دہی پر حکام کی زیادتی، اور ناانصافی اور ظلم و جور پر طاعت و عبادت کی مشقتوں، جہاد کی تکلیفوں، خواہشات نفسانی روکنے کی دشواریوں پر۔ دوسرے یہ کہ جہاد کی سختیوں پر صبر کرنے میں دشمنوں سے آگے رہو۔ یا دوسروں کو صبر کی تلقین کرو۔ تیسرے یہ کہ اسلامی ملک کی سرحدوں کی نگہبانی کرو، ان پر فوج رکھو، رات کو چوکی و پہرہ دو تا کہ دشمن تمہیں ہوشیار دیکھ کر خوف کریں اور اسلامی سرحدوں میں گھسنے کا قصد نہ کریں۔ حدیث میں ہے جس نے نگہبانی کی اللہ کی راہ میں ایک رات و دن تو وہ ایک ماہ کی نماز و روزہ اور رات کی نماز کے برابر ہے ثواب میں۔ [رواہ الترمذی] امام بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ مرابط فی سبیل اللہ اگر مر جائے گا تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے

بے خوف رہے گا۔ امام احمد کی حدیث میں ''وأمن من فزع الاکبر'' زائد ہے۔ یعنی وہ ہول قیامت سے امن میں رہے گا۔ اور انہیں کی دوسری حدیث میں ہے: جس شخص نے کسی اسلامی سرحد کی تین روز نگہبانی کی اسے ایک سال کی نگہبانی کا ثواب ملے گا۔ انہیں کی تیسری حدیث میں ہے ایک رات اللہ کی راہ میں نگہبانی کرنا ہزار روزے رکھنے اور ہزار رات قیام کرنے سے افضل ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ آپس میں ربط واتحاد رکھو، ایک ہو کر رہو، ایک دوسرے کی مدد کرتے خیر خبر لیتے رہو۔ چوتھے یہ کہ ہر امر میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ کسی دوسرے کا خوف دل میں نہ لاؤ، اور جن باتوں کے کرنے اور نہ کرنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے ان کو اسی کے خوف سے کرو یا کسی دوسرے کے خوف سے کوئی کام نہ کرو۔

فائدہ: حدیث میں ہے تم زہراوین یعنی سورۂ بقرہ اور آل عمران کو پڑھو کہ وہ قیامت کے دن بادل کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والے کے لیے جھگڑیں گی یعنی اس کی شفاعت کریں گی۔ [مدارک ومسلم] طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو جُمُعَہ کے دن سورہ آل عمران پڑھے گا اس پر آفتاب ڈوبنے تک اللہ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے رہیں گے یعنی اللہ اس پر رحمت نازل فرماتا اور فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ [سراج] دارمی کی حدیث میں صرف ملائکہ کا لفظ ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے رات کو آخر آل عمران کی آیتیں۔ یعنی ﴿إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ﴾ [البقرة:۱۶۴] سے آخر تک پڑھیں اسے قیام لیل کا ثواب ملے گا۔ [مشکاة]

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ ۴ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — اٰيَاتُهَا ۱۷۶ رُكُوعَاتُهَا ۲۴

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحمت والا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ

کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت پھیلا دیے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ

اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں

رَقِيۡبًا ﴿۱﴾ وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ‌ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ‌ ۖ

دیکھ رہا ہے۔ ف۴۰ اور یتیموں کو ان کے مال دو اور ستھرے کے بدلے گندا نہ لو

وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ﴿۲﴾ وَاِنۡ

اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھا جاؤ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔ ف۴۱ اور اگر

(۴۰) (آیت ۱ [سورۂ نساء]) چونکہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ہر قسم کے گناہوں میں مبتلا رہتے تھے۔ منجملہ ان کے قطع رحمی کرتے تھے۔ اور عورتوں کی عزت و حرمت نگاہ نہ رکھتے تھے اور ان کے حقوق غصب کرتے ان پر ظلم و جور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مردوں اور عورتوں کی پیدائش کا ذکر فرما کر بتاتا ہے کہ عورت و مرد پیدائش میں برابر اور حقوق میں مساوی ہیں ان پر ظلم کرنے ان کے حقوق مارنے اور قطع قرابت کرنے میں خدا سے ڈرا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو اللہ کے عذاب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان یعنی آدم سے پیدا کیا۔ ان کی بائیں پسلی سے ان کی تسکین خاطر کے لیے حضرت حوا۔ اور آدم و حوا سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے اور یوں کہتے ہو کہ خدا کے واسطے ہمیں یہ دے دو۔ ہمارا یہ کام کر دو۔ اور رشتہ داروں سے قطع رحمی کرنے میں خدا سے ڈرو۔ بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مسلم و بخاری کی حدیث میں ہے کہ رحم عرش کے ساتھ معلق ہے۔ کہتا ہے جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے جوڑے اور جس نے مجھے قطع کیا اللہ اسے کاٹے۔ انہیں کی دوسری حدیث میں ہے کہ جس کو پسند ہو کہ اس کے رزق میں فراخی اور عمر میں برکت ہو وہ صلہ رحمی کرے۔ انہیں کی تیسری حدیث میں ہے کہ قاطع رحم جنت میں نہ داخل ہوگا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا واجب اور قطع رحمی کرنا حرام ہے بالاتفاق۔

(آیت ۲) ۴۱۔ شان نزول:۔ یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ اپنے بھتیجے کا سرپرست تھا اس کے پاس بھتیجے کا کا مال تھا۔ اس نے بالغ ہو کر چچا سے اپنا مال مانگا چچا نے دینے سے انکار کیا۔ معاملہ دربار رسالت میں پیش ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی تب اس نے بھتیجے کو مال دیا۔ اور دوسرا جز آیت کا ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا جن کے پاس یتیموں کا مال تھا اور جب اس کے دینے کا وقت آتا تو وہ یتیم کے اچھے اور کھرے مال کو برے اور کھوٹے مال سے بدل لیتے تھے۔ جیسا کہ نخعی و زہری اور سدی سے منقول ہے۔ اور تیسرا جز آیت کا ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا جو یتیم کے مال کو اپنے مال میں ملا کر اس طرح خرچ کرتے تھے کہ اپنا کم اس کا

خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ

تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں

النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً

تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو

اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ﴿۳﴾ؕ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ

یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو ف۴۲ اور عورتوں کو

صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡہُ نَفۡسًا فَکُلُوۡہُ

ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ

زیادہ خرچ ہوتا۔ان تینوں باتوں کی اس آیت میں مخالفت کی گئی ہے اور انہیں بڑا گناہ فرمایا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یتیموں کا مال بالغ ہونے کے بعد انہیں دے دو اور ستھرے مال کے بدلے گندا مال نہ دو۔اور اپنے مال کو ان کے مال میں اس طرح ملا کر نہ کھاؤ کہ ان کا زیادہ خرچ ہو اور تمہارا کم ہو ایسا بڑا گناہ ہے ۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو یتیموں کا ولی بننے میں حرج و دقت لاحق ہوئی تو آیت ﴿وَاِنۡ تُخَالِطُوۡہُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ﴾ [البقرة: ۲۲۰] نازل ہوئی۔

تنبیہ: اس سے ثابت ہے کہ یتیموں کا مال مارنا، کھانا اور ان کا مال انہیں نہ دینا، اور ان کے کھرے مال کے بدلے کھوٹا مال دینا، ان کے مال کو اپنے مال میں ملا کر اس طرح کھانا کہ ان کا مال زیادہ خرچ اور اپنا کم ، یا ان کے مال کو ان کی حاجت سے زیادہ صرف کرنا یا ان کے مال کی نگہداشت میں کوتاہی کرنا کہ نقصان ہو بڑا گناہ ہے۔اور یتیم شرعاً اس کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو بالغ ہونے سے پہلے اسے یتیم کہا جائے گا۔اور جب وہی بالغ ہو جائے گا کسی کفیل کی اسے ضرورت نہ رہے گی تو شرعاً اسے یتیم نہ کہا جائے گا۔حدیث میں ہے " لا یتیم بعد الحلم "یعنی بلوغ کے بعد یتیم نہیں ہے۔ [مدارک]

(آیت ۳) ۴۲۔شان نزول: زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کی سر پرستی میں جو یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں وہ انہیں ان کے حسن و جمال و مال کی وجہ سے اپنے قبضہ میں ہونے کے سبب سے خود ان سے نکاح کر لیتے تھے۔اور مہر بھی کم باندھتے تھے اور پھر ان کے حقوق ادا نہ کرتے تھے۔اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔اور بعض ان میں سے آٹھ آٹھ دس دس عورتیں اپنے تصرف میں رکھتے تھے۔مگر ان میں عدل یعنی ایک سا برتاؤ نہ کرتے تھے۔اس کی ممانعت بھی اس آیت میں کی گئی اور ان کے لیے عورتوں کی تعداد مقرر کر دی گئی کہ وہ اس سے زیادہ عورتین اپنے نکاح میں نہ رکھیں۔اپنی پسند کی دو دو، تین تین، چار چار عورتیں اپنے نکاح میں لاؤ۔پھر اگر ان میں بھی تمہیں برابر نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو۔تو صرف ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔یا جن باندیوں کے تم مالک ہو ان پر اکتفا کرو۔کہ باندیوں کے حقوق وخرچ آزاد عورتوں کے برابر نہ ہوں گے۔یہ صرف ایک پر یا باندیوں پر اکتفا کرنا ناانصافی نہ کرنے کے بہت قریب ہے۔بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ ان سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی فرمایا یہ آیت ایسی یتیمہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور خوبصورت ہو اس وجہ سے ولی کو وہ اچھی معلوم ہوتی ہو اور وہ اس سے کم مہر پر نکاح کر لینا چاہتا ہو۔ایسے ولیوں کو منع فرمایا کہ وہ ایسی یتیمہ سے نکاح نہ کرے یا اگر کرے تو پورے مہر پر کرے۔ورنہ دوسری عورتوں میں سے جو اسے پسند ہوں نکاح کرے۔عکرمہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی کہ قریش کے لوگ دس یا دس سے زیادہ عورتیں نکاح میں رکھتے

هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

رچتا پچتا ﴿۴﴾ اور بے عقلوں کو ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری

قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

بسر اوقات کیا ہے اور انھیں اس میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ

اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ

رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا

ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انھیں سپرد کردو اور انھیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں

اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا

کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہوتو وہ بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو

فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ

وہ بقدر مناسب کھائے، پھر جب تم ان کے مال انھیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو

تھے۔[خازن] قیس ابن حارث کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ عورتیں تھیں میں نے حضور سے ذکر کیا: فرمایا: ان میں چار پسند کر لے۔[ابوداؤد] جب غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے پاس دس عورتیں تھیں وہ بھی ایمان لائیں تو حضور نے فرمایا: ان میں سے چار اختیار کر لے۔[ترمذی وغیرہ] تو آیت واحادیث واجماع امت سے ثابت ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا سوائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی مسلمان کو جائز نہیں۔

(آیت ۴) ۴۳۔شان نزول:۔زمانہ جاہلیت میں مرد عورتوں کا مہر ادا نہیں کرتے تھے۔اور جو ادا کرتے وہ ان کے ولیوں اور وارثوں کو دیتے تھے۔جو اپنے صرف میں کرتے تھے انہیں کچھ نہیں دیتے تھے اور بعض لوگ عورت کو دے کر واپس لینا گناہ سمجھتے تھے ان سب کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس فعل وخیال سے ممانعت کی گئی۔مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے مہر خوشی سے دو ہاں اگر وہ خوش دلی سے تمہیں اپنے مہر میں سے کچھ دیں تو اسے رچتا پچتا کھاؤ۔یعنی اس کا کھانا تمہیں جائز وخوش گوار ہے۔بغیر ان کی خوشی کے تمہیں ان کا مہر اپنے صرف میں کرنا جائز نہیں۔اور روایت کی گئی ہے کہ کچھ لوگ عورتوں کو دی ہوئی چیز کو لینا گناہ خیال کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے خیال کو دور کیا اور فرمایا اگر عورتیں تمہاری دی ہوئی چیز اپنی خوشی سے تمہیں دیں تو اس کا کھانا تمہارے لیے جائز ہے۔[سراج] شعبی سے روایت ہے کہ ایک مرد مع اپنی عورت کے قاضی شرع کے پاس آیا جس کو عورت نے کوئی چیز دی تھی، پھر اس سے واپس لینا چاہتی تھی قاضی شرع نے اسے واپس کرنے کا حکم فرمایا۔تو مرد نے آیت ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ الخ﴾ پڑھی تو قاضی شرع نے کہا کہ اگر وہ تجھے بخوشی خاطر دیتی تو واپس کیوں مانگتی۔اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے قاضیوں کو لکھا کہ عورتیں خوشی سے اور خوف سے دیتی ہیں پس جو عورت شوہر کو کچھ دے اور پھر وہ واپس لینا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔[سراج]

تنبیہ: آیت میں خطاب شوہروں اور اولیاے عورت دونوں کو ہے۔عورت کا مہر بعد نکاح مرد پر واجب ہوتا ہے۔خواہ مقرر کیا

هَنِيٓئًا مَّرِيٓئًا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

رچتا پچتا ۴۳ اور بے عقلوں کو ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری

قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

بسر اوقات کیا ہے اور انھیں اس میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ

اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ

رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا

ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انھیں سپرد کر دو اور انھیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں

اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا

کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہوتو وہ بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو

فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ

وہ بقدر مناسب کھائے، پھر جب تم ان کے مال انھیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو

تھے۔[خازن] قیس ابن حارث کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ عورتیں تھیں میں نے حضور سے ذکر کیا: فرمایا: ان میں چار پسند کرلے۔[ابوداؤد] جب غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے پاس دس عورتیں تھیں وہ بھی ایمان لائیں تو حضور نے فرمایا: ان میں سے چار اختیار کرلے۔[ترمذی وغیرہ] تو آیت واحادیث واجماع امت سے ثابت ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا سوائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی مسلمان کو جائز نہیں۔

(آیت ۴) ۴۳۔شان نزول:۔زمانہ جاہلیت میں مرد عورتوں کا مہر ادا نہیں کرتے تھے۔اور جو ادا کرتے وہ ان کے ولیوں اور وارثوں کو دیتے تھے۔جو اپنے صرف میں کرتے تھے انہیں کچھ نہیں دیتے تھے اور بعض لوگ عورت کو دے کر واپس لینا گناہ سمجھتے تھے ان سب کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس فعل وخیال سے ممانعت کی گئی۔مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے مہر خوشی سے دو ہاں اگر وہ خوش دلی سے تمہیں اپنے مہر میں سے کچھ دیں تو اسے رچتا پچتا کھاؤ۔یعنی اس کا کھانا تمہیں جائز وخوش گوار ہے۔بغیر ان کی خوشی کے تمہیں ان کا مہر اپنے صرف میں کرنا جائز نہیں۔اور روایت کی گئی ہے کہ کچھ لوگ عورتوں کو دی ہوئی چیز کو لینا گناہ خیال کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے خیال کو دور کیا اور فرمایا اگر عورتیں تمہاری دی ہوئی چیز اپنی خوشی سے تمہیں دیں تو اس کا کھانا تمہارے لیے جائز ہے۔[سراج] شعبی سے روایت ہے کہ ایک مرد مع اپنی عورت کے قاضی شرع کے پاس آیا جس کو عورت نے کوئی چیز دی تھی، پھر اس سے واپس لینا چاہتی تھی قاضی شرع نے اسے واپس کرنے کا حکم فرمایا۔تو مرد نے آیت ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ الخ﴾ پڑھی تو قاضی شرع نے کہا کہ اگر وہ تجھے بخوشی خاطر دیتی تو واپس کیوں مانگتی۔اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے قاضیوں کو لکھا کہ عورتیں خوشی سے اور خوف سے دیتی ہیں پس جو عورت شوہر کو کچھ دے اور پھر وہ واپس لینا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔[سراج]

تنبیہ: آیت میں خطاب شوہروں اور اولیاے عورت دونوں کو ہے۔عورت کا مہر بعد نکاح مرد پر واجب ہوتا ہے۔خواہ مقرر کیا

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۶﴾ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔ ف۴۴ مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا

اور قرابت والے، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے،

قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

ترکہ تھوڑا ہو یا بہت، حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا پھر بانٹتے وقت اگر رشتے دار

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

اور یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انھیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو

ہو یا نہ کیا ہو۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

(آیت ۶/۵)۴۴۔شان نزول:۔چونکہ پیشتر یتیموں کے مال کو انہیں دینے کا مطلقا حکم کیا تھا اس میں بے عقل و بے شعور اور عقل مند سمجھ دار سب داخل تھے اس آیت میں اسے مقید کیا گیا ہے اور یہ آیت "وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى الخ" ثابت ابن رفاعہ اور ان کے چچا کے حق میں نازل ہوئی کہ ان کے باپ مر گئے تو ان کے چچا نے حضور سے آکر پوچھا کہ میرے بھائی کا لڑکا یتیم میرے پاس ہے، میرے لئے اس کے مال سے کس قدر حلال ہے اور کب میں اس کا مال اسے دوں تو یہ آیت نازل ہوئی (خازن) مطلب یہ ہے کہ بے عقل و بے وقوف مردوں عورتوں کو ان کے مال جو تمہارے پاس ہیں نہ دو کہ وہ بسر اوقات کے لیے ہیں وہ اسے بے ڈھنگے طور سے خرچ کر ڈالیں گے۔تم انہیں اس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تم اچھی طرح ان سے سمجھا کر کہہ دو کہ جب تم بڑے کاروبار کرنے کے لائق ہو جاؤ گے تو تمہیں تمہارے مال دے دیے جائیں گے اور تم انہیں قبل دینے کے آزماتے اور ان کی حالت دیکھتے رہو کہ وہ اپنے دنیوی کام کے قابل اور مال میں تصرف کرنے کے لائق ہوئے یا نہیں۔اس طرح سے کہ پہلے انہیں تھوڑا سا مال دے کر دیکھو کہ وہ اسے ٹھیک طور سے صرف کرتے ہیں یا نہیں۔[عندالامام] یہاں تک کہ بالغ قابل نکاح ہو جائیں۔تو اگر تم ان میں کاروبار کرنے اور مال کو ٹھیک طور سے صرف کرنے کی لیاقت اور سمجھ دیکھو تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو، ورنہ نہ کرو جب تک کہ اٹھارہ سال کے نہ ہو جائیں۔[عندالامام] وہو قول ابن عباس۔اور تم اس خوف سے ان کے مال جلد جلد خرچ نہ کر ڈالو کہ کہیں وہ بڑے ہو کر اپنے مال تم سے نہ لے لیں اور تمہارے قبضہ سے ان کے مال نکل جائیں۔اور تم میں جسے ان کا مال کھانے کی حاجت نہ ہو مثلا وہ کھاتا پیتا ہو تو وہ ان کا مال کھانے سے بچتا رہے۔اور جو حاجت مند ہو تو وہ بقدر مناسب یعنی بقدر عمل خود کھائے۔امام احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور سے آکر کہا کہ میں محتاج ہوں اور ایک یتیم میری ولایت میں ہے۔تو فرمایا تو اپنے یتیم کے مال میں سے کھا اور بہت سا خرچ کرنے والا نہ ہو۔پھر جب تم ان کے مال انہیں سپرد کر دو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی ہے حساب کرنے کو۔

تنبیہ: یہ مال دیتے وقت گواہ بنانے کا حکم ارشادی ہے۔یعنی بغرض مصلحت دنیوی ہے کہ بعد کو جھگڑا واقع نہ ہو، اور یہ آیت میں خطاب یتیموں کے ولیوں اور سرپرستوں سے ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس نے آیت مذکورہ کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہاری بسر اوقات کے لیے تم کو دیا ہے تم اپنے جورو بچوں کو نہ دو کہ تم ان کے دست نگر ہو جاؤ بلکہ اپنے قبضہ میں رکھو اور اس میں سے انہیں کھلاؤ پہناؤ۔اور یتیموں کے ولی عام طور سے ان کا مال اس خوف سے بڑے ہو کر لیں گے جلد جلد صرف کر ڈالتے تھے اس کی ممانعت میں یہ آیت ولا تاکلوا نازل ہوئی اور آیت فاذا دفعتم آیتہ فادفعو الیھم اموالھم کے متعلق ہے۔

نوٹ: آیت نمبر ۷، ۸، ۹ کی تفسیر موجود نہیں ہے

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا

اور ڈریں وہ لوگ کہ اگر اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑتے تو ان کا کیسا انھیں خطرہ

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ

ہوتا تو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کریں وہ جو یتیموں کا مال

أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ

ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑکتے دھڑے میں جائیں گے۔

سَعِيرًا ﴿١٠﴾ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ

۴۵ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر پھر اگر

كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً

نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہے

فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا

تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ

اگر میت کے اولاد ہو پھر اگر اس کے اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے

فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ

تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی [ہوں] تو ماں کا چھٹا بعد

بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ

اس وصیت کے جو کر گیا اور دَین کے تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ

(آیت ۱۰) ۴۵۔شان نزول:۔اس کی مقاتل وابن حبان نے یہ بیان کی ہے کہ بنی غطفان کا ایک شخص مرثد نامی اپنے یتیم بچے کے مال کا ولی ہوا، اس کا سب مال کھا گیا اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔[معالم وخازن] اس آیت میں یتیموں کا ناحق مال کھانے والوں کا حال و مآل بیان فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔یعنی وہ کھایا ہوا قیامت کے دن ان کے پیٹ میں آگ ہو جائے گا اور وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور روایت کی گئی ہے کہ یتیموں کا مال کھانے والے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے جائیں گے کہ ان کی قبروں سے اور کان ناک منہ سے دھواں نکلتا ہوگا جس سے لوگ پہچانیں گے کہ یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔[مدارک] سدی کہتے ہیں: اس کے کان ناک منہ سے آگ کی لپٹیں نکلتی ہوں گی جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قیامت کے دن ایک قوم

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ

علم والا حکمت والا ہے۔ اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر

لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ

جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ

چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمہارے

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ

تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ

اور دَین نکال کر اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ

امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ

چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں ہر ایک کو چھٹا پھر اگر

كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

وصیت اور دَین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ

اپنی قبروں سے اٹھے گی کہ ان کے منہ آگ اگلتے ہوں گے۔[ابن کثیر]

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ

فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے

وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ

اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے خواری کا

مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا

عذاب ہے ع اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں کی

عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ

چار مردوں کی گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھر میں بند رکھو

(آیت ۱۱ تا ۱۴) ۴۶۔ شان نزول:۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میری
عیادت کو تشریف لائے۔ میں بے ہوش تھا حضور نے پانی منگا کر وضو فرما کر بقیہ مجھ پر چھڑکا جب میں ہوش میں آیا تو میں نے عرض کیا
میرے مال میں حضور کا کیا حکم ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج] ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت جابر کے حق میں اخیر جز کلالہ والا نازل
ہوا ہے۔ اصل شان نزول اس کا وہ ہے جو انہیں جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ سعد ابن ربیع کی بی بی نے آ کر حضور سے عرض کیا کہ
یہ لڑکیاں سعد کی ہیں جو احد میں شہید ہوئے۔ ان کا سب مال ان کے چچا نے لے لیا۔ ان کے لیے کچھ نہ چھوڑا بغیر مال کے ان سے کون
نکاح کرے گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور نے ان کے چچا سے کہلا بھیجا کہ سعد کے ترکہ میں سے اس کی بی بی کو آٹھواں حصہ اور اس
کی دونوں لڑکیوں کو تہائی دے دو باقی تم لے لو۔ [احمد وغیرہ] چونکہ گزشتہ آیت میں میت کے ترکہ میں مردوں عورتوں کو حصہ دار بتایا تھا مگر
ان کے حصہ کو بیان نہیں کیا تھا کہ کس قدر کس کس کا ہوگا اس آیت میں ان کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ وارث کئی قسم کے ہوتے
ہیں جن کی تصریح کتب فرائض میں کی گئی ہے۔ یہاں ان میں سے بعض کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وارثوں میں اول اولاد میت کا حصہ
بیان کیا جاتا ہے کہ اگر بیٹا بیٹیوں کے ساتھ ہو تو اسے دو بیٹوں کے برابر حصہ ملے گا یعنی بیٹی سے دونا۔ مثلاً ایک بیٹا دو بیٹی ہوں تو بیٹے کو دو
سہام اور ہر بیٹی کو ایک ایک سہام ملے گا یعنی اگر جائز ہوتا تو حضور یہ حکم نہ فرماتے۔ پھر چار بھی اس وقت رکھنا روا ہے جب ان میں عدل و
انصاف کر سکتا ہو ورنہ ایک پر یا باندیوں پر اکتفا کرے۔ اور عدل کے یہ معنی ہیں کہ ان سب عورتوں کے ساتھ جو اس کے نکاح میں ہوں
ایک سا برتاؤ کرے سب کو برابر روٹی کپڑا وغیرہ خرچ دے۔ ہر ایک کے پاس رہنے کی باری۔ ایک ایک دو دو دن مقرر کرے اس سے زیادہ
کسی کے پاس نہ رہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ حدیث میں جو شخص دو عورتیں رکھے گا اور ان میں عدل نہ کرے گا وہ قیامت
کے دن ایک طرف کو جھکا ہوا آئے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اپنی عورتوں میں باری مقرر کرتے تھے اور عدل فرمایا کرتے تھے۔
یعنی دو تہائی اور ایک تہائی۔ اور جو صرف ایک بیٹا ہو اور بیٹی نہ ہو۔
آدھا آدھا اور جو ایک بیٹا بیٹی ہو تو بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک سہام ملے گا۔ یعنی دو تہائی اور ایک تہائی۔ اور جو صرف ایک بیٹا ہو اور بیٹی نہ ہو۔
اور نہ صاحب فروض میں سے کوئی وارث ہو تو کل ترکہ اسے ملے گا۔ ورنہ صاحب فرض کا حق دے کر باقی مال جو بچے گا وہ اسے ملے گا۔ اور
جو صرف بیٹیاں ہو بیٹا نہ ہو اور وہ ایک سے زائد ہوں تو ان سب کو جمہور صحابہ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک ترکہ کا دو تہائی ملے گا جو ان پر برابر

تقسیم ہوگا۔ اور جو ایک لڑکی ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا ملے گا۔ آیت میں اگرچہ ایک لڑکی اور دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان کیا گیا ہے دو لڑکیوں کا بیان نہیں کیا ہے لیکن حدیث میں جو شان نزول میں گزری حضور کا سعد کی دو لڑکیوں کو دو تہائی دلانا صراحۃ دلیل ہے اس کی کہ دو لڑکیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔ پھر میت جن کی اولاد میں ہو ان کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ماں باپ میں سے ہر ایک کا ترکہ میں چھٹا حصہ ہے اگر میت کے بیٹا یا بیٹی ہو اور جو میت کے بیٹا بیٹی نہ ہو صرف ماں باپ ہوں اور نہ زوج و زوجہ ہو تو اس وقت ماں کو کل ترکہ کی ایک تہائی ملے گی اور جو اس کے ساتھ زوج یا زوجہ ہوگی تو اس کا حصہ دے کر باقی ایک تہائی ماں کو ملے گی اور باقی باپ کو ملے گا۔ اور یہی حکم دادا کا ہے اگر باپ نہ ہو۔ اور پوتا قائم مقام لڑکے کے ہوتا ہے۔ پھر اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی سگے یا سوتیلے ہوں اور باپ بھی ہو تو اس وقت ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور باقی باپ کو ملے گا۔ بھائی بہنوں کو باپ کے ہوتے کچھ نہ ملے گا۔ یہ وارثوں کو جو حصہ ملے گا وہ میت کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ملے گا۔ بلکہ ترکہ سے پہلے میت کی تجہیز و تکفین کا خرچ موافق شرع کے کیا جائے گا۔ پھر اس کا قرض ادا کیا جائے گا پھر وصیت پوری کی جائے گی پھر جو بچے گا وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ تم کیا جانو کہ تمہارے باپوں اور بیٹوں میں کون زیادہ مفید اور کام آنے والا ہے یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور یہ حصے اس کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ پس تم ان پر عمل کرو۔ اور زمانہ جاہلیت کے دستور کو چھوڑ دو۔ پھر زوج اور زوجہ کے حصہ بیان فرماتا ہے کہ تمہارا حصہ تمہاری بی بیوں کے ترکہ میں آدھا ہے۔ اگر ان کے تم سے یا تمہارے غیر سے اولاد نہ ہو اور جو اولاد ہو تو چوتھائی ہے۔ بعد وصیت پوری کرنے اور قرض کرنے کے۔ اور تمہارے ترکہ میں تمہاری بی بیوں کا چہارم ہے خواہ کئی ہوں اگر اولاد نہ ہو اور جو اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ہے۔ پھر فرماتا ہے رب تبارک وتعالیٰ کہ اگر ایسے کسی مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اور اولاد کچھ نہ چھوڑے ہوں اور ماں کی طرف سے اس کا ایک بھائی اور بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ اور جو بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ترکہ کی ایک تہائی میں برابر کے شریک ہیں، اور پورا کرنے وصیت کے اور ادا کرنے قرض کے جس میں وارثوں کو نقصان نہ دیا گیا ہو، یعنی وارثوں کو نقصان پہچانے کی غرض سے وصیت نہ کی ہو اور نہ فرضی قرض کا اقرار کیا ہو۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ ضرر دینا یہ ہے کہ بغیر لیے قرض کا اقرار کرے اور اس کی ادائیگی کی وصیت کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ضرر دینے کو زندگی اور وقت موت مکروہ جانا اور اس سے منع فرمایا۔ [سراج] گویا ضرار بالوصیت کبیرہ گناہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں وصیت سے ضرر دینے والے مرد و عورت کے لیے۔ ''فتحب لهما النار'' فرمایا گیا ہے۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ ''الاضرار في الوصية من الكبائر'' [رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر] یعنی وصیت میں ضرر دینا کبیرہ گناہوں سے ہے۔

تنبیہ: آیت مذکورہ میں بعض وارثوں کے حصے بیان فرمائے گئے ہیں۔ حدیث میں وارثوں کے حصہ جاننے اور حصہ کشی کرنے کو یعنی علم فرائض سیکھنے اور سکھانے کو فرمایا گیا ہے۔ اور اس کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ معالم و بیہقی و ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ کافر مسلمان کا، اور قاتل مقتول کا، اور دار الحرب میں رہنے والا اور دار الاسلام میں رہنے والے کا اور غلام آزاد کا وارث نہ ہوگا اور حصہ نہ پائے گا۔ اور اولاد میں وہ حمل بھی داخل ہے جو وقت مرنے مورث کے اس کی بیوی کو یقیناً ہو اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔ اور اولاد میں میت کا پوتا اور پرپوتا بھی داخل ہے اگر بیٹا نہ ہو تو پوتا اس کے قائم مقام ہوگا اور حصہ پائے گا۔ اور اولاد میں خنثیٰ بھی شامل ہے یعنی وہ بچہ جس کے مرد و عورت دونوں کی علامت ہو تو جس سے وہ پیشاب پھرتا ہوگا وہی مانا جائے گا اور اسی کے موافق حصہ پائے گا۔ اور جو دونوں سے پیشاب پھرتا ہو تو پہلے جس مقام سے پیشاب نکلتا ہو وہی شمار ہوگا۔ اور اولاد جمع ولد کی ہے۔ ایک سے زیادہ پر اس کا اطلاق ہوگا۔ اور دو کا جمع میں شمار ہوگا۔

حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾ وَالَّذٰنِ

یہاں تک کہ انھیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے ؏ اور تم میں جو

يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ

مرد عورت ایسا کام کریں ان کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیک ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو،

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ

بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے

يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ

انھیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی ہی دیر میں توبہ کر لیں وہ

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور وہ توبہ ان کی نہیں

لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے

اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ

اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لیے

(آیت ۱۵) ۱۷۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں زنا کی سزا مقرر نہ تھی۔ لہذا ابتدائے اسلام میں اس کی سزا ایذا دینا مقرر کی گئی جو آئندہ آیت میں ہے۔ پھر یہ سزا مقرر کی گئی جو اس آیت میں مذکور ہے۔ پھر یہ حکم بھی سورۂ نور کی آیت سے منسوخ ہوا۔ اور زانی وزانیہ کو سنگسار یا درے لگانے کا حکم ہوا۔ ابن عباس وعکرمہ وحسن وقتادہ وضحاک وعطا وغیرہ علماء کا بھی یہی قول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں تو ان پر اپنوں میں چار مردوں کی گواہی لو پس اگر وہ گواہی دیں یا وہ اقرار کریں یا حمل ظاہر ہو تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو اور لوگوں سے نہ ملنے دو یہاں تک کہ وہ مرجائیں یا اللہ ان کی رہائی کی کوئی راہ نکالے۔ مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ جب ان کی حد بیان فرمائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "خذ واعنی خذواعنی قد جعل الله لهن سبيلا" یعنی اے لوگو! لو مجھ سے یہ حکم اللہ نے ان عورتوں کی راہ نکال دی۔ کہ بے بیاہا اور بے بیاہی اگر زنا کرے تو درے لگائے جائیں اور بیاہی اور بیاہا زنا کرے تو سنگسار کیا جائے۔ یہ حدیث اس آیت کا بیان واقع ہوئی ہے۔ اور شہر بدر کرنا جو حدیث میں ہے وہ سیاست وتعزیر کے لیے ہے جو رائے امام پر منحصر ہے۔ جیسا وہ مناسب سمجھے عمل کرے۔ یہی قول امام اعظم کا ہے۔ اور مالک واوزاعی کہتے ہیں کہ عورت کو شہر بدر نہیں کیا جائے گا کہ شہر بدر کرنے میں عورت کو زیادہ فتنہ میں ڈالنا ہے۔ اور اسی کی مثل حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ [خازن]

تنبیہ: آیۃ میں "فاحشۃ" سے زنا مراد ہے۔ اور ﴿اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے کہ چار سے کم کی گواہی زنا میں قبول نہیں، اور وہ مرد مسلمان ہوں کہ عورتوں کی حدود میں اور کافر کی مسلمان پر گواہی جائز نہیں۔ اور خطاب شوہر کو ہے یا اس کے قائم مقام کو ہے کہ وہ اس پر چار آدمیوں کی گواہی لے کر حکم دیں۔ [سراج]

اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ

ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۴۸ اے ایمان والو! تمھیں حلال نہیں

لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ

کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں اس نیت سے کہ جو

مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ

مہر ان کو دیا تھا اس میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان سے

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ

اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمھیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمھیں نا پسند ہو اور اللہ

(آیت ۱۶ تا ۱۸) ۴۸۔ یہ آیت نزول میں پہلی آیت سے مقدم ہے اور تلاوت میں موخر ہے کہ ابتداے اسلام میں زنا کی سزا صرف ایذا دینا تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ پھر اس کی سزا گھروں میں بند رکھنا مقرر ہوئی جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے۔ پھر وہ بھی سورہ نور کی رجم ودرے والی آیت سے منسوخ ہوئی۔ یہی قول حسن بصری کا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ پہلی آیت اور یہ آیت ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں، مگر پہلی آیت میں زانیہ عورتوں کی سزا کا بیان ہے اور اس آیت میں زانی مردوں کا حکم ہے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ بہر حال یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر وہ آیت سورۂ نور سے منسوخ ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں جو عورت ومرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو مار پیٹ کرو، لعنت و ملامت کرو شرم وعار دلاؤ۔ پھر اگر وہ اپنے فعل سے توبہ کریں اور نیک کام کریں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو انہیں ایذا نہ دو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے یہ توبہ قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کیا ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی جہالت ونادانی کی وجہ سے گناہ کریں پھر تھوڑی دیر میں نادم ہوکر توبہ کریں ۔ ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ اور یہ توبہ قبول کرنا ان کے لیے نہیں ہے جو مرتے دم تک گناہ کریں یہاں تک کہ جب مرنے لگیں دم نکلنے لگے اور فرشتے موت کے نظر آنے لگیں تو کہیں اب میں نے توبہ کی تو ان کی اس وقت کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا ہے۔ کہ وہ بالاختیار نہ ہوئی بلکہ حالت اضطرار میں ہوئی۔ ترمذی کی حدیث میں ہے اللہ بندے کی توبہ غرغرہ سے پہلے کی قبول کرتا ہے۔ یعنی دم حلق میں آنے غرغر کرنے سے پہلے کی۔

تنبیہ: آیت مذکورہ میں قبول توبہ کی دو شرطیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک تو جہالت سے گناہ کرنا۔ دوسرے گناہ کرنے سے قریب ہی توبہ کرنا۔ بظاہر ان شرطوں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو شخص نادانی سے گناہ کر کے جلد توبہ کرے اس کی توبہ قبول ہوگی ورنہ نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو دانستہ یا نادانستہ گناہ کر کے دم حلق میں آنے سے پہلے توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ ابن جریر وعبد الرزاق حضرت قتادہ سے راوی کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا متفقہ قول ہے کہ بندہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ جان کر یا بغیر جانے کرتا ہے وہ جہالت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں جہالت سے ہر وہ گناہ مراد ہے جو بندہ نے جان کر یا یا بغیر جانے کیا ہو اور ﴿من قریب﴾ کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ مروی ہیں کہ موت کے فرشتے نظر آنے سے پہلے توبہ کرے۔ ضحاک کہتے ہی کہ علامات موت ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرے۔ حسن کہتے ہیں کہ موت کا گھرّ اچلنے سے پہلے توبہ کرے۔ اور یہی حدیث ترمذی میں آیا ہے۔ گویا گناہ کرنے اور دم حلق میں آنے کے درمیان کے زمانہ کو ﴿من قریب﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [معالم وابن کثیر]

اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ

اس میں بہت بھلائی رکھے ف۴۹ اور اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا

زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـــًٔا ؕ

چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو

اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ

کیا اسے واپس لو گے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے اور کیونکر اسے واپس لو گے

وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾

حالانکہ تم میں ایک دوسرے کے ساتھ بے پردہ ہو لیا اور وہ تم سے گاڑھا عہد لے چکیں ف۵۰

(آیت ۱۹) ۴۹۔ شان نزول:۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص بی بی چھوڑ کر مرتا تو اس کا سوتیلا بیٹا وغیرہ وارث عورت پر یا اس کے خیمہ پر چادر ڈال دیتے اور اس کے وارث بن جاتے۔ پھر چاہتے تو اس کو بغیر مہر کے اپنے نکاح میں لاتے۔ یا اس کا دوسرے سے مہر لے کر نکاح کر دیتے۔ یا اس کو بٹھائے رکھتے کسی سے نکاح نہ کرنے دیتے یہاں تک کہ وہ عورت تنگ ہو کر انہیں مہر وغیرہ مال جو اسے میت سے ملا تھا دے کر خلاص ہوتی یا وہ مر جاتی تو اس کے مال کے وارث ہوتے۔ اور جو وہ چادر ڈالنے سے پہلے میکے چلی جاتی تو آزاد ہو جاتی۔ شروع اسلام تک یہی طریقہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ ابوقیس انصاری مرے تو ان کی بی بی کبیشہ پر اس کے سوتیلے بیٹے قیس نے آ کر چادر ڈال دی اور اس کا وارث بن گیا۔ اور اسے تنگ کرنے لگا تا کہ وہ اسے فدیہ دے۔ کبیشہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے شکایت کی کہ قیس میرا وارث بن گیا نہ مجھے روٹی کپڑا دیتا ہے نہ میرے پاس آتا ہے نہ مجھے چھوڑتا ہے کہ میں دوسرے سے نکاح کر لوں۔ پس حضور نے اس سے فرمایا کہ صبر کر گھر میں بیٹھ کر حکم کا انتظار کر۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم وغیرہ] علاوہ اس کے یہ بھی ان کا دستور تھا کہ جب عورت انہیں مبغوض ہوتی تو اس کو دیا ہوا مہر واپس لینے کے لیے تنگ کرتے نہ اسے طلاق دیتے کہ وہ اور سے نکاح کرے۔ نہ اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے کہ وہ دل جمعی سے بیٹھے۔ ان سب باتوں کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں زبردستی عورتوں کا وارث بن جانا حلال نہیں ہے اور نہ انہیں اس غرض سے روکنا جائز ہے کہ تم نے جو انہیں مہر دیا تھا اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ مگر جب کہ وہ کھلا بے حیائی کا کام کریں تو انہیں روکنا تنگ کرنا جائز ہے یعنی تمہارے لیے اس سے اولاد نیک صالح پیدا کرے جو باعث خیر کثیر ہو اس کا ربط آیت ۴ ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ سے ہے۔ یعنی ان کے مہر خوشی سے ادا کرو اور ان کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو اور اس میں بدخلق بدشکل مکروہ عورت سے بھی بھلائی اور نیک برتاؤ کرنے اور اس کی بری عادت پر صبر کرنے پر برانگیختہ کرنا اور اسے چھوڑنے طلاق دینے سے باز رکھنا مقصود ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو مرد اپنی عورت کی بری عادت پر صبر کرے گا وہ حضرت ایوب جیسا ثواب پائے گا۔ اور جو عورت اپنے خاوند کی بری عادت پر صبر کرے گی وہ آسیہ کی طرح ثواب پائے گی۔ [امام غزالی] حدیث میں آیا ہے کہ تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔ غرض کہ بری عورت کے ساتھ زندگی گزارنا مندوب و باعث اجر ہے۔ یہی آیت و حدیث کا حاصل ہے۔

(آیت ۲۰/۲۱) ۵۰۔ شان نزول:۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا بھی کیا کرتے تھے کہ جب انہیں کوئی دوسری عورت حسین و مال دار مل جاتی تو وہ اسے اپنے نکاح میں لانے کے لیے موجودہ عورت پر تہمت زنا وغیرہ لگاتے اور اسے تنگ کرتے تا کہ وہ پریشان ہو کر

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ

اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ

وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ ف۵۱ حرام ہوئیں تم پر

اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ

تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں

الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ

اور تمہاری مائیں جنھوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی

ان کا دیا ہوا مہر واپس کر کے خلاصی حاصل کرے ایسا کرنے کو اس آیت میں منع فرمایا گیا۔ اور انہیں توبیخ کی گئی ہے۔ [احمدی] گویا یہ پہلی آیت کا تکملہ ہے اور اس میں دیا ہوا مہر واپس لینے کی سخت ممانعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی وجہ سے موجودہ عورت کے بدلے دوسری عورت کرنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال مہر میں دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کہ اس میں تمہاری خطا ہے نہ اس کی۔ کیا تم دیے ہوئے مال کو جھوٹ بول کر کھلے گناہ میں پڑ کر لینا چاہتے ہو اور کیوں کر اسے واپس لو گے حالانکہ تم میں کا ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے۔ یعنی صحبت کر چکا ہے جس کے بدلے مہر دیا گیا تھا۔ اور وہ عورتیں تم سے سخت عہد لے چکیں ہیں نکاح کے وقت کہ تم ان کا مہر اور حقوق ادا کرو گے۔ [ابن عباس مجاہد و سعید ابن جبیر] یا اللہ و رسول نے تم سے ان کے بارے میں عہد لیا ہے کہ تم ان کے مہر ادا کرو گے انہیں اچھی طرح رکھو گے پس اس عہد کو پورا کرو۔ اور آیت میں زوج سے زوجہ مراد ہے جو فاحشہ سرکش نہ ہو۔ [معالم] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے خطبہ میں چار سو درہم سے زیادہ مہر باندھنے کی ممانعت کی۔ تو اس پر ایک عورت نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین جو حق ہمیں اللہ نے دیا ہے اس سے تم کیوں منع کرتے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ ﴿وَآتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا﴾ [النساء: ۲۰] فرماتا ہے: پس اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہر ایک عمر سے زیادہ جاننے والا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ مہر باندھنا جائز ہے کتنا ہی ہو۔ کہ "قنطاراً" کے معنی مال کثیر کے ہیں جو شمار نہ ہو سکے۔ [سراج وغیرہ] رواہ احمد و ترمذی و ابو یعلی وغیرہ] مگر کم مہر باندھنا بہتر ہے۔ اور دینے سے مراد اپنے اوپر لازم کرنا ہے خواہ ابھی ادا کیا ہو یا نہ ادا کیا ہو۔ [مواہب] اور افضی کے معنی صحبت کرنے کے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجاہد و سدی کے نزدیک اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خلوۃ صحیحہ کے ہیں کہ اسی سے مہر مؤکدہ ہوتا ہے۔

(آیت ۲۲) ۵۱۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی منکوحہ عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے چنانچہ ابو قیس انصاری مرے تو ان کے بیٹے قیس نے ان کی بی بی کو پیام نکاح دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں تجھے بیٹا سمجھتی ہوں۔ اب تو مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر لوں۔ پس وہ خدمت اقدس میں آئی۔ اور حال بیان کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ نے کہا کہ یہ صفوان اور اسود کے حق میں اتری۔ اور فرمایا گیا کہ تم اپنے باپ دادا کی منکوحہ عورتوں سے نکاح نہ کرو کہ ایسا کرنا سخت بے حیائی اور باعث غضب الٰہی ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ لیکن اب سے پہلے جو تم یہ گناہ کر چکے ہو وہ اسلام سے مٹ گیا۔ معاف ہو گیا۔ [معالم] اور تنبیہ: آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے۔ یعنی باپ کی وطی کی ہوئی عورتوں سے نکاح نہ کرو خواہ ان سے وطی بنکاح کی گئی ہو۔ یا

نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ

مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز

صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ

اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیبیں اور دو

تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط

بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا،

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾ لا

بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۵۲

بغیر نکاح یہی ہمارا مذہب ہے اور اسے اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور ان سے نکاح کرنے کو عقلا اور شرعا و عرفا قبیح بتایا گیا ہے۔ کہ عقلی کی طرف ''فاحشہ'' سے اور شرعی کی طرف ''مقتا'' سے اور عرفی کی طرف ''سبیلا'' سے اشارہ فرمایا ہے۔ [احمدی] قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ باپ کی منکوحات سے نکاح کرنا سخت قبیح ہے کسی امت کو اس کی اجازت نہ تھی۔ اور اہل مروت کے نزدیک مبغوض ہے ۔ حضرت براء ابن عازب سے مروی ہے: کہ میرے ماموں کو حضور نے اس شخص کا سر لینے کو بھیجا جس نے اپنے باپ کی عورت سے نکاح کیا تھا (معالم)۔

(آیت ۲۳) ۵۲۔ چونکہ ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم﴾ میں یہ بیان نہیں تھا کہ کون کون سی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور کس کس سے جائز ہے اور زمانہ جاہلیت میں محرمہ اور غیر محرمہ عورتوں میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ لہذا اس آیت میں جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام تھا انہیں بیان فرمایا گیا ہے اور ان کے سوا حلال کیا گیا۔ تو وہ عورتیں جو حرام کی گئی ہیں از روئے آیات و احادیث کے سترہ ہیں۔ سات از روئے نسب کے۔ ماں، بہن، بیٹی، بھانجی، بھتیجی، پھوپی، خالہ۔ اور دو از روئے رضاعت کے رضاعی ماں اور رضاعی بہن۔ اور از روئے صہریت کے۔ یعنی نکاح کے بی بی کی ماں اور اس بی بی کی لڑکی جس سے صحبت کی ہو اور وہ لڑکی غیر سے ہو اور اپنے بیٹے کی بی بی۔ اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا اور باپ کی منکوحہ اور شوہر والی عورت۔ اور پھوپی بھانجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا۔ پس ان سب سے بالا جماع نکاح کرنا حرام ہے۔ پھر ان میں بعض ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ جیسے ماں بیٹی بہن وغیرہ نسبی۔ اور بعض ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہیں۔ جیسے سالی بی بی کو طلاق دینے یا مرنے کے بعد اور منکوحہ غیر مدخولہ کی لڑکی غیر سے ہو اور شوہر والی عورت جب کہ اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے۔ اور عدت گزر جائے اور بی بی کی خالہ یا پھوپی یا بھانجی یا بھتیجی بعد طلاق دینے یا مرجانے بی بی کے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں (ماؤں میں دادیاں نانیاں داخل ہیں) اور تمہاری بیٹیاں۔ لڑکیوں میں نواسیاں پوتیاں اور ان کی اولاد در اولاد داخل ہے۔ اور تمہاری بہنیں خواہ وہ سگی ہوں یا سوتیلی اور ان کی اولاد در اولاد۔ اور تمہاری پھوپیاں۔ یعنی باپ دادا پر دادا کی بہنیں۔ اور تمہاری خالائیں یعنی ماں نانی پر نانی کی بہنیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں یعنی بھائی بہن کی لڑکیاں اور ان کی اولاد در اولاد اور تمہاری رضاعی مائیں یعنی وہ عورتیں جنہوں نے تمہیں مدت رضاعت میں دودھ پلایا ہو اگرچہ ایک ہی دفعہ بچہ نے چوسا ہو۔ [امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک] یہی قول حضرت عبد اللہ ابن عباس و حضرت عبد اللہ ابن عمر و سعید ابن مسیب وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم کا

ہے۔[سراج] تو مدت رضاعت نکلنے کے بعد عورت کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی اور مدت رضاعت صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں۔اور امام اعظم کے نزدیک ڈھائی سال ہیں۔اور دودھ کی بہنیں یعنی جن لڑکیوں نے تمہاری رضاعی ماں کا دودھ پیا ہو خواہ وہ رضاعی ماں کی اپنی لڑکی ہوں یا اس نے کسی غیر کی لڑکی کو تمہارے ساتھ دودھ پلایا ہو۔یا تمہاری سگی ماں نے تمہارے ساتھ کسی غیر کی لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو یہ سب تمہاری رضائی بہنیں ہوں گی اور تم پر حرام ہوں گی۔آیت میں صرف ماں بہن رضائی کو ذکر فرمایا ہے۔اصول وفروع کو شامل اور حرمت میں قائم مقام نسب کے ہو۔جیسا کہ حدیث بخاری ومسلم میں آیا ہے کہ" یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب" یعنی نسب سے جو عورتیں حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔مگر رضاعت سے صرف حرمت نکاح ہے نہ وراثت وغیرہ احکام۔ [خازن] اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔یعنی تمہاری ساس ننیا ساس ددیا ساس۔جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ جس آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کے لیے اس عورت کی ماں سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔یعنی صرف نکاح کرنے سے حرام ہوگی۔تابعین وعلماء کا بھی یہی مذہب ہے اور جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ان کی وہ لڑکیاں جو تمہارے غیر سے ہوں حرام ہیں۔اور جو تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان لڑکیوں سے نکاح کرنے میں حرج نہیں، ترمذی کی حدیث میں ہے: جس مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرنا حلال نہیں۔اور اگر اس عورت سے صحبت نہ کی ہو تو اس کی لڑکی سے نکاح کرنا حلال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مرد کو اپنی منکوحہ مدخولہ عورت۔یا رضائی ہوں۔اور ان لڑکیوں کی اولاد در اولاد سے نکاح کرنا حرام ہے۔اور نہ منکوحہ غیر مدخولہ کی لڑکیوں سے،اور ربیبہ زوجہ کی لڑکی کو جو غیر سے ہو اور گود میں۔اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (بیٹوں میں پوتے پر پوتے بھی داخل ہیں۔ان کی بی بیاں حرام ہیں۔خواہ صلبی بیٹے ہوں یا رضائی ہوں۔آیت میں صلبی ہونے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اس سے جس کو بیٹا بنایا ہو وہ خارج ہو جائے کہ اس کی بی بی سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ اس لیے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں حرج ودقت نہ ہو۔[کماسیاتی] اور دو بہنیں نسبی یا رضائی نکاح میں اکٹھی کرنا مگر جو کر چکے ہوں اسے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔یونہی خالہ بھانجی اور پھوپی بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے،جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ اس میں قطع رحمی ہوگی۔ہاں علاحدہ علاحدہ ان سے نکاح کرنا جائز ہے۔مثلاً خالہ یا پھوپی کو طلاق دے کر ان کی بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے کہ جن دو عورتوں میں ایک کو مرد اور دوسری کو عورت تصور کیا جائے اور ان کے درمیان نکاح حلال ہو تو انہیں نکاح میں جمع کرنا حلال ہے اور جو ان میں نکاح کرنا حرام ہو تو انہیں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔زمانہ جاہلیت میں دو بہنوں سے نکاح کیا کرتے تھے۔اور اگلی شرائع میں بھی یہ جائز تھا، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بہنیں جمع تھیں۔لیام ام یہودا۔اور راحیل ام یوسف علیہ السلام۔عطاء اور سدی نے ﴿الا ما قد سلف﴾ سے بھی یہی مراد لیا ہے۔[معالم] اور دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا کرنے۔کے یہ معنی ہیں کہ دو بہنوں سے ایک وقت میں نکاح نہ کرے اور نہ ایک سے نکاح کرنے کے بعد دوسری سے نکاح کرے۔خواہ وہ دونوں نسبی بہنیں ہوں یا رضائی ہوں یا باندیاں ہوں یا ایک نکاحی دوسری باندی ہو۔اگر ایسا کیا ہو تو ان میں سے ایک کو طلاق دے۔اور باندی کی بہن سے صحبت کرنا ترک کرے۔ضحاک ابن فیروز دیلمی اپنے باپ سے راوی کہ انہوں نے خدمت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم! میں مسلمان ہوا ہوں اور میرے تحت میں دو بہنیں ہیں۔فرمایا: ان میں سے ایک کو جس کو چاہے طلاق دیدے۔[ترمذی]

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر کافروں کی عورتیں جو تمہاری مِلک میں آجائیں یہ اللہ کا نوشتہ ہے

عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

تم پر اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ

قید لاتے نہ پانی گراتے تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو، ان کے بندھے ہوئے

اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ

مہر انہیں دو اور قرار داد کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضا مندی ہو جائے

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ

تو اس میں گناہ نہیں بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ف۱ اور تم

(آیت ۲۴) ۱۔شان نزول:۔ جزء اول اس آیت کا بروایت ابی سعید خدری ان عورتوں کے بارے میں نازل ہوا جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں تھیں اور انہوں نے مدینہ آکر مسلمانوں کے ساتھ نکاح کیا۔ پھر ان کے شوہر آئے تو اللہ نے مسلمانوں کو ایسی عورتوں سے جن کے شوہر ہوں نکاح کرنے سے منع کیا۔ اور دوسرا جز اس کا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ خیبر کی قیدی عورتوں کے بارے میں نازل ہوا۔ اور ترمذی وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ اوطاس کی گرفتار کی ہوئی عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ بہر حال یہ آیت، آیتِ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ﴾ کا تکملہ ہے اس میں بقیہ محرمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں خواہ وہ مسلمہ ہوں یا غیر مسلمہ جب تک کہ ان کے شوہر انہیں چھوڑ نہ دیں۔ مگر کافروں کی عورتیں جو گرفتار ہو کر تمہاری ملک میں آئیں اور ان کے شوہر دار الحرب میں ہوں ان سے تمہیں بوجہ دارین بعد استبرائے رحم صحبت کرنا جائز ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ یوم اوطاس کچھ عورتیں قید ہو کر آئیں، جن کے شوہر نہیں آئے تھے اور وہ ہمیں ملیں۔ ہم نے ان سے صحبت کرنا مکروہ سمجھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ ان محرمات مذکورہ کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال ہیں۔ تم انہیں اپنے مالوں سے تلاش کرو۔ یعنی ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کرو۔ بغیر نکاح کے ان سے صحبت نہ کرو۔ تا کہ نطفہ ضائع نہ ہو۔ مال برباد نہ ہو۔ دین و دنیا کے نقصان میں نہ رہو۔ ترجمہ میں جو ''قید میں لاتے نہ پانی گراتے'' فرمایا گیا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ قید نکاح میں لاتے نہ زنا سے نطفہ گراتے ہوں۔ پس جن عورتوں کو تم نکاح میں لانا چاہو ان کے مہر مقررہ انہیں دو اور مہر مقرر ہونے کے بعد اگر تم دونوں آپس میں مہر کی زیادتی یا کمی پر راضی ہو جاؤ تو اس میں گناہ نہیں ہے کہ عورت کو اپنا کل یا جز مہر معاف کرنا یا تمہیں مہر مقررہ سے اسے کچھ زیادہ دینا جائز و روا ہے۔

تنبیہ: ﴿مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ کی قید سے ظاہر ہے کہ نکاح بغرض حصول عفت ہونا چاہئے نہ محض شہوت رانی اور خواہش نفسانی بجھانے کے لیے کہ مقصود اصلی نکاح سے عفت و عصمت کا محفوظ رکھنا اور افزائش نسل و تکثیر امت ہے۔ اور کہا گیا ہے: کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ نکاح موقت کے بارے میں ہے جو شروع میں دو تین روز کے لیے جائز ہوا تھا پھر اس کی ممانعت فرمائی گئی جسے متعہ کہتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اسے مباح فرمایا تھا پھر اس سے قیامت تک کے لیے ممانعت فرمائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہ لایا جائے جس نے کسی عورت سے ایک

لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

میں بے مقدوری کے باعث جس کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب

بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

جانتا ہے تم میں ایک دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

اور حسب دستور ان کے مہر انھیں دو قید میں آتیاں نہ مستی نکالتی اور نہ

مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں پھر برا کام کریں تو ان پر

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

اس سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے یہ اس کے لیے جسے تم میں سے

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ يُرِيْدُ ع ۴

زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ

اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے صاف بیان کر دے اور تمھیں اگلوں کی روشیں بتا دے

وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ

اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے[1] اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا

مدت مقررہ کے لیے نکاح کیا ہو ورنہ میں ان دونوں کو سنگسار کروں گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے اسی کی طرف رجوع فرمایا
اور توبہ فرمائی۔ [سراج] حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور نے فتح خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے کو منع فرمایا جس کو فرقہ
رافضیہ جائز کہتا بلکہ ثواب بتاتا ہے اور اپنے امام کی روایت سے پھرتا ہے۔ [بخاری و مسلم] یہی مذہب جمہور صحابہ و تابعین کا ہے۔ ابو عبید
کہتے ہیں: کہ نکاح متعہ کتاب و سنت سے منسوخ ہے۔ اس پر تمام ائمہ و علمائے حجاز و شام و عراق کا اجماع ہے۔ ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں
لکھا ہے کہ آیت سے متعہ ثابت ہی نہیں ہوتا ہے کہ اس میں ﴿مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ کی قید ہے۔ غرض کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ سے
نکاح صحیح مراد ہے نہ نکاح متعہ کہ وہ منسوخ و حرام ہے۔ اور ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ سے مہر مراد ہیں۔ [خازن وغیرہ]

عَلَيْكُمْ ۚ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

چاہتا ہے اور جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے بہت

عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

الگ ہو جاؤ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ

یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک

اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا

اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو ظلم زیادتی سے ایسا کرے گا

(آیت ۲۵ تا ۲۸) ۲۔ آیت گزشتہ میں آزاد عورتوں سے مہر دے کر نکاح کرنے کا حکم تھا، نادار آدمی کو ایسا کرنا دشوار تھا اور مجرد رہنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا لہٰذا اس آیت میں ان کے لیے آسان طریقہ تعلیم فرمایا گیا: مطلب یہ ہے کہ تم میں جو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھتا ہو وہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرے۔ کہ ان کا مہر بھی کم ہوگا اور حقوق بھی زیادہ نہ ہوں گے۔ پس ان سے نکاح کرنے کو عار نہ سمجھو۔ اور ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرو۔ اور ان کے مہر حسب رواج انہیں دو۔ یا ان کے مالکوں کو دو۔ اور وہ باندیاں جن سے تم نکاح کرو، پاک دامن عفت پسند ہوں نہ ظاہر ظہور بدکار ہوں اور نہ چھپ کر یار بنانے والی ہوں۔ اور ترجمہ میں جو "قید میں آتیاں، نہ مستی نکالتی، نہ یار بناتی" فرمایا گیا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ عورتیں قید نکاح میں آتیاں یعنی آنے والی ہوں نہ مستی نکالتی زنا کراتی ہوں نہ چھپ کر یار بناتی ہوں۔ پس اگر وہ نکاح کرنے کے بعد بدکاری کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا سے آدھی ہے۔ یعنی پچاس کوڑے۔ یہ باندیوں سے نکاح کرنا تم میں سے اس کے لیے جائز ہے جسے زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اور باندیوں سے نکاح نہ کرنے پر صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تمہاری اولاد غلام نہ ہو اور تم اہانت سے بچے رہو۔ حدیث میں ہے: کہ آزاد عورتیں گھر کی اصلاح ہیں اور باندی گھر کی ہلاکی ہے۔ [سراج] باقی ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: باندیوں سے نکاح کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک تو اس کا مسلمان ہونا۔ دوسرے خود زنا میں پڑنے کا خوف ہونا۔ تیسرے آزاد عورت سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہونا۔ یہ شرطیں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک احترازی نہیں ہیں استحبابی ہیں۔ کہ باوجود مقدور اور بغیر خوف زنا کے بھی باندی سے نکاح کرنا ان کے نزدیک جائز ہے۔ یونہی کتابیہ باندی سے بھی ان کے نزدیک نکاح جائز ہے کہ اہل کتاب سے بالاتفاق نکاح جائز ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے یہ توسیع فرمائی ہے کہ باندی اور کتابیہ سے باوجود مالدار ہونے کے نکاح حلال فرمایا، یہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور حسن بصری اور ابن مسیب و مجاہد و زہری سے مروی ہے۔ [خازن] اور ﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ﴾ [النساء: ۲۷] سے مراد یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ زانی مراد ہیں۔ جو اپنی سوتیلی بہنوں اور بھانجیوں بھتیجیوں سے نکاح حلال جانتے تھے۔ اور خواہش نفسانی پورا کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈتے تھے اور مسلمانوں کو بھی بہکاتے تھے جب اللہ نے انہیں حرام فرمایا: تو کہنے لگے تم خالہ اور پھوپی کو حرام کہتے ہو

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ

تو عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ اگر

تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمھیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے

وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ

اور تمھیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ فـــ اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں

بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ

ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے

وران کی لڑکیوں کو حلال جانتے ہو۔ یونہی بہنوں اور بھائیوں کی اولاد کو سمجھو پس یہ آیت نازل ہوئی اور آگاہ کیا گیا کہ تمہیں بھی اپنی طرح زانی بنانا چاہتے ہو۔ [مدارک وسراج] اور ﴿ان تبتغوا باموالکم﴾ دلیل ہے۔ اس امر کی کہ نکاح میں مہر لازم ہے اگر مقرر نہ کیا جائے گا جب بھی مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ [مدارک] اور مہر کی تعداد شرعاً کم سے کم دس درم ہیں۔ اور زیادہ کی تعداد مقرر نہیں ہے جو آپس میں ٹھہر جائے وہی لازم ہوگا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ بہت سا مہر نہ باندھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مہر کی تعداد مقرر کرنا چاہتے تھے مگر ایک عورت کے ٹوکنے سے باز رہے اور فرمایا جیسے چاہو کرو۔ کما مر۔

(آیت ۲۹ تا ۳۱) ۳۔ گزشتہ آیت میں خاص عورتوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ اچھی طرح گزر کرنے کی تعلیم دی گئی تھی اس آیت میں عام معاشرت اور اصلاح اخلاق کا حکم دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق غیر مشروع طور پر چرا چھپا کر، زبردستی چھین کر، جھوٹ بول کر، فریب دے کر، قتل وغارت کر کے، سود اور جوئے سے لے کر نہ کھاؤ اور نہ اپنا مال بے جا طور سے صرف کرو مگر یہ کہ وہ مال برضامندی باہمی تجارت سے حاصل ہوا ہو تو اس کا کھانا تمہارے لیے جائز وحلال ہے اور اپنی جانیں قتل نہ کرو یعنی خودکشی نہ کرو زہر کھا کر کنوئیں ندی میں گر کر ستی ہو کر نہ مرو۔ یا آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ جیسا کہ حضور نے حجۃ الوداع میں فرمایا: آگاہ ہو کہ میرے بعد کافر نہ ہونا کہ بعض تم میں کا بعض کی گردن مارے۔ یا باطل طور سے مال کھا کر اپنے نفس کو قتل نہ کرو۔ یا ایسی باتوں میں پڑ کر اپنے نفس کو ہلاک نہ کرو جو دنیا و آخرت میں موجب ہلاکی ہوں۔ [سراج وغیرہ] اور جو ظلم وزیادتی سے ایسا کرے گا یعنی ناحق کسی کا مال کھائے گا کسی کو قتل کرے گا عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے، جن کی تمہیں ممانعت کی گئی ہے۔ تو تمہارے اور گناہ بخش دیں گے۔ اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

تنبیہ: کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر قرآن وحدیث میں وعید نازل ہوئی ہے۔ جیسے زنا، قتل، چوری، جھوٹی گواہی، ماں باپ کی نافرمانی وغیرہ۔ ان کی تعداد قریب سات سو کے حضرت ابن جبیر وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ تو جو ان سے بچے گا اللہ اس کی سیآت کو طاعت سے جھاڑ دے گا۔ یا اس کی نیکیاں چھوٹے گناہوں کو صاف کر دیں گی۔ ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ [ہود: ۱۱۴] "السیئات" سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جو کبائر کے علاوہ ہوں وہ طاعت سے جھڑ جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جو کبائر سے بچا رہا اس کے لیے پانچوں نمازیں اور ایک جُمُعَہ سے دوسرے جُمُعَہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اپنے درمیان کے گناہوں کو جھاڑنے والے ہیں۔ [مسلم] ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ صغیرہ اصرار کے ساتھ

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

ان کی کمائی سے حصہ اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

سب کچھ جانتا ہے۔ ف۴ اور ہم نے سب کے لیے مال کے مستحق بنا دیے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ

اور قرابت والے اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا انہیں ان کا حصہ دو بے شک

اور کبیرہ توبہ واستغفار کے ساتھ نہیں رہتا ہے۔[سراج]

تنبیہ: آیت سے ظاہر ہے کہ ناحق باطل طور سے کسی کا مال کھانا حرام ہے وموجب عذاب نار ہے۔ اور آپس میں برضامندی باہمی ایک دوسرے کا مال کھانا جائز وحلال ہے۔ اور تجارت کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ زیادہ تر مال اسی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور قتل خواہ اپنا ہو یا دوسرے مسلمان کا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی سزا جہنم ہے۔[کمافی الایۃ] اور حدیث میں ہے۔ جس نے اپنے نفس کو دنیا میں کسی چیز کے لیے قتل کیا وہ قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مجھ پر نفس کشی میں جلدی کی پس اس پر میں نے جنت حرام کی۔[سراج] بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ جو پہاڑ سے گر کر، زہر کھا کر، پیٹ میں چھرا بھونک کر مرا وہ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا، دیگر حدیث میں ہے کہ جو اپنے آپ کو جس چیز سے قتل کرے گا قیامت تک اس کو اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔[حقانی]

(آیت ۳۲)۴۔ شان نزول:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یا کسی اور صحابیہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عورتوں کو میراث میں مردوں سے نصف حصہ ملتا ہے تو کیا نیک اعمال میں بھی انہیں نصف اجر ملے گا۔ یونہی بعض صحابہ نے یہ خواہش کی تھی کہ ہمیں میراث کی طرح ہر نیکی کا دو چند ثواب ملتا۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ آرزو بھی کی تھی کہ کاش ہم مرد ہوتے اور جہاد کرتے اور مردوں کی برابر جہاد کا ثواب پاتے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ایسی آرزوؤں کی ممانعت کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس چیز کی خواہش وآرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک دوسرے پر بڑائی دی ہے۔ دنیا میں مال وجاہ سے اور عقبیٰ میں زیادہ ثواب اور بلند درجات سے تاکہ یہ حسد وبغض تک نہ پہنچائے مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ پس تم ایک دوسرے کے فضل کو دیکھ کر رشک نہ کرو بلکہ تم بجائے اس کے اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اللہ سے اس کا فضل طلب کرو کہ اللہ سوال کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو اللہ کا فضل طلب نہیں کرتا ہے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اور اللہ خیر کثیر بندہ سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک بندہ مجھ سے نہیں مانگے گا نہ دوں گا۔[مدارک]

تنبیہ: دوسرے کے مال وجاہ اور مرتبہ کو دیکھ کر جلنا اور اس کے زوال کو چاہنا حسد ہے اور حسد گناہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ اور دوسری قسم اس کی غبطہ ہے یعنی رشک جس میں کسی کی زوال نعمت کو چاہنا نہیں ہوتا ہے بلکہ ویسی ہی نعمت اپنے لیے چاہنا ہوتا ہے۔ کہ خدا ہمیں بھی ایسی ہی دیتا یہ جائز ہے۔ حدیث میں ہے " لا حسد أي لا غبطة اِلا في الاثنين " الحديث ۔[بخاری وسراج] مگر اللہ کو یہ بھی پسند نہیں ہے۔

ع ۶

اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ

ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔ ف۵ مرد افسر ہیں عورتوں پر

بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِہِمْ ؕ

اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَالّٰتِیْ

تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا اور

تَخَافُوْنَ نُشُوْزَہُنَّ فَعِظُوْہُنَّ وَاہْجُرُوْہُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ

جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں اندیشہ ہو تو انھیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ

وَاضْرِبُوْہُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْہِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ

اور انھیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ

کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا

بلند بڑا ہے اور اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ

مِّنْ اَہْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَہْلِہَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ

مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ

(آیت ۳۳) ۵۔شان نزول:۔ میں اس آیت کی مختلف روایات وارد ہیں۔امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضور نے مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ کرایا۔اور یہ قول واقرار
ہوا کہ انصار مرے تو مہاجر بھائی اس کا وارث ہو اہل قرابت وارث نہ ہوں۔لیکن اسلام قوی ہونے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور پچھلا
حکم منسوخ ہوا۔اور ترکہ کے مستحق اہل قرابت قرار پائے،اور بنائے ہوئے بھائی کے لیے وصیت کا حکم باقی رہا۔مطلب یہ ہے کہ ہم نے
سب کے لیے مال کے مستحق بنادیے ہیں تو ماں باپ اور قرابت والے جو کچھ چھوڑ جائیں وہ انہیں دیا جائے۔اور وہ جن سے تمہارا حلف
بندہ چکا قول وقرار ہو چکا ہے ان کا حصہ دو۔یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر وہ ﴿وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ﴾ [النساء:۳۳] سے ونیز آیۃ
﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُہُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ [الانفال:۷۵] سے منسوخ ہو گیا۔مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک منسوخ نہیں
ہے کہ اس سے عقد موالات مراد ہے جو شرعا جائز ہے۔اور عامہ صحابہ کے نزدیک انہیں دقت نہ ہونے ذوی الارحام کے حصہ دیا جائے گا۔
تنبیہ:"موالی" سے بقول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ورثہ وعصبہ مراد ہیں۔ابن جریر کہتے ہیں: کہ ابن عم کو اہل
عرب مولیٰ کہتے تھے۔

بَیۡنِهِمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ﴿۳۵﴾ وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا

ان میں میل کر دے گا بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے ف۶ اور اللہ کی بندگی کرو [اور] اس کا شریک کسی کو

تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَیۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی

نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور تیموں

وَ الۡمَسٰكِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ

اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی

وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ كَانَ

اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا

(آیت ۳۴/۳۵) ۶۔ شانِ نزول:۔ ایک بار سعد ابن ربیع انصاری نے اپنی بی بی حبیبہ بنت زید کے منہ پر کسی بے جا حرکت پر تھپڑ مارا انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی اور داد خواہ ہوئیں۔ حضور نے بدلہ لینے کا حکم فرمایا: تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حضور نے فرمایا: جو میں نے چاہا تھا اس کا غیر خدا نے چاہا۔ پس جو اللہ نے چاہا وہی بہتر ہے۔ [ابن کثیر] مطلب یہ ہے کہ مرد عورتوں پر افسر ہیں ان کی اصلاح و درستی کے لیے مقرر ہیں۔ ان سے معمولی بات کا بدلہ لینا بے ادبی ہے اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ علم و عقل میں قوت و عزت میں، فنون حرب میں احتیاط میں، کمال نماز و روزہ میں، جہاد و نبوت و خلافت و امامت میں، اذان و اقامت اور خطبہ میں، اور جُمعہ میں، تکبیرات تشریق میں، حدود و قصاص کی شہادت میں، طلاق میں، نکاح میں، دو چند حصہ پانے میں نسبوں کے ان کی طرف نسبت کیے جانے میں داڑھی مونچھ میں۔ اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنا مال خرچ کیا ہے۔ نکاح میں، مہر میں، نفقہ میں۔ حدیث میں ہے اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو عورت کو شوہر کے لیے سجدہ کرنے کا حکم کرتا۔ [سراج] تو نیک بخت عورتیں اپنے شوہروں کا ادب و لحاظ کرنے والی اطاعت کرنے والی ہیں۔ خاوند کے پیچھے اس کے گھر کی مال کی اپنی حفاظت رکھتی ہیں۔ یا اس کا راز چھپاتی ہیں جس طرح اللہ نے انہیں حفاظت کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے بہتر عورت وہ ہے کہ جب تو اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو۔ اور جب تو اسے کوئی حکم کرے تو اطاعت کرے اور جب تو غائب ہو تو وہ تیرے مال کی اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ [سراج] اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو تو پہلے انہیں سمجھاؤ خوف دلاؤ اور ان سے الگ سوؤ، اظہار ناراضگی کرو پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو انہیں بطور تنبیہ منہ بچا کر مارو۔ اس طرح کے بدن پر نشان نہ پڑے زخم نہ آئے ہڈی نہ ٹوٹے۔ پھر اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر کوئی زیادتی نہ کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم ان کے افسر ہیں اور صاحب اختیار ہیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: عورتوں کے حق میں میری وصیت سنو کہ عورتیں تمہارے قید نکاح میں ہیں اس کے سوا تم ان کے کسی شئ کے مالک نہیں ہو۔ ہاں جب کہ وہ کھلی بے حیائی کریں تو ان سے الگ سوؤ۔ اور انہیں اس طرح مارو کہ ان کے بدن پر نشان نہ آئے۔ پس اگر وہ فرمانبرداری کریں تو ان کو چھوڑ دو۔ ان پر زیادتی نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناحق بے خطا عورت کو مارنا پیٹنا تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔ ان کے مارنے کی ممانعت دوسری حدیثوں میں بھی آئی ہے۔ انہیں نہ مارنا اولیٰ ہے۔ [خازن] پھر فرماتا ہے تبارک و تعالیٰ: اگر تم کو میاں بی بی میں جھگڑے کا خوف ہو تو برضامندی باہمی ایک پنچ اپنے لوگوں میں سے اور ایک پنچ عورت کے لوگوں میں سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں پنچ مل کر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا۔

مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ

کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا وہ جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لیے کہیں

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

اور اللہ نے جو انھیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب

مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ

وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور نہ قیامت پر اور جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا مصاحب ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ اور قیامت پر اور اللہ کے دیے میں سے اس کی راہ میں

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔ اللہ ایک ذرہ بھر ظلم

تنبیہ: پنچوں کا مرد وعورت کے اقارب سے ہونا مندوب ہے۔ اس لیے کہ وہ دونوں بہ نسبت غیر کے ان کے حال سے زیادہ واقف ہوں گے اور وہ دونوں کے وکیل ہوں۔ مرد کے وکیل کو خلع اور طلاق دینے کا اختیار ہو۔ اور عورت کے وکیل کو اسے قبول کرنے کا اختیار ہو اور وہ دونوں وکیل مرد، مسلمان، آزاد، عادل ہوں۔ ایک آدمی کو حکم بنانا جائز نہیں ہے۔ اور جو زوج زوجہ پنچ بنانے پر راضی نہ ہوں۔ تو حاکم وقت ان میں فیصلہ کرے ظالم سے مظلوم کا حق دلائے۔ [سراج] اور پنچ مقرر کرنے کا خطاب یا تو حاکم کو ہے یا زوجین کو ہے یا کنبہ برادری والوں اہل اصلاح کو ہے کہ خطاب بصیغہ جمع ہے۔ تو بعض پر حمل کرنے سے جمع پر حمل کرنا اولی ہے۔ [خازن]

(آیت ۳۶) ۷۔ گزشتہ آیات میں صرف معاشرت ازدواجی اور اصلاحی خانگی کا بیان تھا۔ ان آیات میں معاشرت عامہ کا طرز اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور اصلاح نفس وتہذیب واخلاق وغیرہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کہ صرف ایک اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی شئی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس دور کے پڑوسیوں اور سفر وحضر کاروبار میں ساتھ رہنے والوں صحبت میں بیٹھنے والوں اور مسافروں مہمانوں اور اپنے باندی غلاموں سے بھلائی کرو۔ بے شک اللہ کو کوئی اترانے والا کوئی شیخی مارنے والا خوش نہیں آتا ہے۔ بندہ کو اللہ کی دی ہوئی نعمت پر اترانا فخر کرنا نہیں چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک شخص بہت عمدہ چادریں اوڑھے اتراتا اور فخر وتکبر کرتا تھا۔ کہ زمین میں دھنسا دیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کپڑا پہن کر اترائے گا اور فخر وتکبر کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔ [سراج] اس لیے فخریہ طور پر ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہننا منع ہے۔ حدیث میں ہے: ٹخنوں سے نیچے ازار آگ میں ہے۔ خبردار تو ازار نہ لٹکانا۔ کہ وہ مخیلہ ہے۔ اور ٹخنوں سے نیچا پائجامہ فخریہ پہننے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ بلکہ ٹخنوں سے نیچا پائجامہ بنانے میں کوئی کپڑا حد سے زیادہ بڑھانے میں صرف بے جا اور خلاف سنت ہونے کا گناہ علحدہ ہوتا ہے۔

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا

بڑا ثواب دیتا ہے۔ تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب!

بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں اس دن تمنا کریں گے وہ جنھوں نے کفر کیااور رسول کی

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَيُّهَا

نافرمانی کی کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے ف۸ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا

ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو

تنبیہ: قرآن واحادیث میں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے بطریق احسن پیش آنے کی ہدایت وترغیب فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ماں باپ کی تو ہر امر جائز میں فرمانبرداری کرنے اور انہیں قول وفعل سے خوش رکھنے کا حکم ہے۔ اوران کے کسی فعل پر گرفت کرنے انہیں اُف کرنے کی ممانعت کی گئی ہے کہ اللہ کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے۔ اور اللہ کی ناراضی ماں باپ کی ناراضی میں ہے۔ اور یتیم کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: کہ جو شخص اللہ کے واسطے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے گا اس کے ہر بال کے بدلے جن پر اس کا ہاتھ گزرے گا نیکی لکھی جائے گی۔ اور جو یتیم کے ساتھ احسان کرے گا میں اور وہ اس طرح جنت میں ہوں گا اور اپنی انگلیاں ملا کر حضور نے دکھائیں۔ اور فرمایا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے: میں اور یتیم کا کفیل پرورش کرنے والا جنت میں ہوں گا۔ اور پڑوسیوں کے ساتھ تو ہمیشہ جبرئیل حضور کو بھلائی کرنے کی وصیت کرتے تھے۔ جس سے حضور کو گمان گزرتا تھا کہ کہیں وہ وارث نہ ہو جائیں۔ اور فرمایا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا ہے وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔ اس کے ساتھ احسان کرے۔ اور غلام اور باندیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کو یہاں تک فرمایا گیا کہ جو تم کھاؤ پہنو وہ انہیں کھلاؤ پہناؤ اور ان کی طاقت سے زیادہ کام ان سے نہ لو۔ اور کام میں ان کی مدد کرو۔ [سراج] بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ عمر میں برکت ہو اور رزق میں فراخی ہو وہ اہل قرابت سے صلہ رحمی کرے۔ انہیں کی روایت میں ہے کہ بیواؤں اور مسکینوں کے واسطے سعی کرنے والا جہاد کرنے والے اور نماز میں سستی نہ کرنے والے اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کی طرح ہیں۔

(آیت ۳۷ تا ۴۲) ۸۔شان نزول:۔ یہ آیت بقول ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ مکرم ابن زید وحیی ابن اخطب وغیرہ یہود کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ ان مسلمانوں کو جو ان سے ملتے جلتے تھے۔ بہکایا کرتے اور کہا کرتے تھے۔ کہ بھائیو! تم اپنا مال خرچ کرنے میں جلدی نہ کیا کرو اور نہ خیرات میں صرف کیا کرو ورنہ مفلس قلانچ ہو جاؤ گے۔ فاقہ کرنے لگو گے کوئی قرض بھی نہ دے گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ گزشتہ آیت کا تکملہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خرچ واجب میں خود بھی کنجوسی کریں اور دوسروں سے بھی کنجوسی کرنے کو کہیں اور خدا نے جو انہیں اپنے فضل سے علم و دولت دی ہے اسے لوگوں سے چھپائیں ان کے لیے وعید شدید ہے کہ وہ خود بھی گناہ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی گناہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور بجائے تحدیث نعمت کے نعمت الٰہی کو چھپاتے اور کفران نعمت کرتے ہیں اور کافروں

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ع ۲

تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ

کہو اے سمجھو اور نہ ناپاکی کی حالت میں بے نہائے مگر مسافری میں اور اگر تم

مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

عورتوں کو چھوا اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم [کرو] تو اپنے منہ

وَاَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ

اور ہاتھوں کا مسح کرو بے شک اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ ۹ کیا تم نے انھیں نہ دیکھا

اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ

جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں

کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوتی ہیں۔ بخل اور بد خلقی۔ اور بخل سے بدتر کوئی بیماری نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کوئی نعمت دیتا ہے تو اس کا دیکھنا بندہ پر محبوب رکھتا ہے۔ اور دوسرا مذموم پہلو اس کا یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ اور وہ لوگ جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے ہیں وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ اور جن کا شیطان مصاحب ہوا تو وہ کتنا برا مصاحب ہے۔ گویا خدا کی دی ہوئی نعمت کو نہ صرف کرنا یا اسے خدا کے لیے نہ صرف کرنا، بلکہ اپنی شہرت اور ناموری اور دکھاوے کے لیے کرنا کہ سخی مشہور ہو نہایت مذموم و گناہ ہے۔ اس کے بعد اس کی حالتیں بیان فرمائی گئی ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں۔ اور ﴿فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ﴾ الخ [النساء:۴۱] کا یہ مطلب ہے کہ وہ وقت کیسے حسرت و یاس کا ہوگا جب کہ ہم ہر امت کے نبی کو ان پر گواہ بنائیں گے اور وہ نبی ان کو احکام الٰہی پہنچانے اور ان کے نہ ماننے اور ان کے خلاف ورزی کرنے کی گواہی دے گا۔ اور ان سب انبیاء کے سچا ہونے پر حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گواہی دیں گے. اس وقت وہ لاجواب ہوں گے۔ اور یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں مٹی میں دبا کر ہم پر زمین برابر کردی جاتی ﴿وَیَقُوْلُ الْكَافِرُ یَا لَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرَابًا﴾ [النبأ:۴۰] وہ اس وقت اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے کہ ان کے اعضا ان کے ہر فعل کی گواہی دیں گے۔ رہی یہ بات کہ حضور ان سب پر کیسے بغیر مشاہدہ گواہی دیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کو علم اولین و آخرین عطا فرمایا گیا تھا۔ اور صبح و شام تمام امت کے اعمال حضور کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی علم کے موافق حضور گواہی دیں گے۔ اس کی تفصیل آیت: ﴿اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ﴾ [البقرة:۱۴۳] کے تحت گزری۔

(آیت ۴۳) ۹۔ شان نزول:۔ میں اس آیت کی کئی روایتیں منقول ہیں۔ ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ایک بار قبل حرمت شراب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے مہاجرین و انصار کی دعوت کی بعد کھانا کھلانے کے شراب پلائی پھر مغرب کی نماز سب نے پڑھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز پڑھائی۔ نشہ میں ﴿قُلْ یَا اَیُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ [الکافرون:۱] میں ہر جگہ بجائے ''لا اعبد'' کے ''اعبد'' پڑھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ شراب حرام ہونے سے پہلے لوگ بحالت نشہ نماز میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے

جن کو سفر یا حضر میں وضو یا غسل کی حاجت ہوتی اور پانی نہ میسر ہوتا، اور ایک قول یہ ہے کہ ان انصاریوں کے حق میں نازل ہوئی جو بیمار ہوتے۔ اٹھ کر وضو نہ کر سکتے۔ اور نہ کوئی وضو کرانے والا ہوتا۔ انہوں نے حضور سے اپنی مجبوری ظاہر کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور امام بخاری و مسلم نے اس کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ اس کی تلاش کے لیے لشکر کو ایسی جگہ ٹھہرایا گیا جہاں پانی نہ تھا۔ لوگوں کو تکلیف ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی اور ہار بھی مل گیا۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ شراب کے نشہ میں نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ ہوش میں آکر اپنا پڑھا ہوا سمجھو اور نہ ناپاکی کی حالت میں بغیر نہائے نماز پڑھو۔ مگر مسافری کی حالت میں جب کہ پانی نہ ملے تو تیمّم سے نماز پڑھو۔ یہی قول حضرت علی و ابن عباس و سعید ابن جبیر و مجاہد و قتادہ رضی اللہ عنہم کا ہے اور اسی کو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اگر تم بیمار ہو جاؤ اور پانی ضرر دیتا ہو یا سفر میں ہو اور تمہیں وضو یا غسل کی ضرورت ہو یا پاخانہ پیشاب سے فارغ ہو کر استنجے کی حاجت ہو یا عورتوں سے صحبت کی ہو اور تمہیں اتنا پانی نہ ملے جس سے تم وضو یا غسل یا استنجا کر سکو یا اس کے استعمال پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ اس طرح کہ اس پر ایک دفعہ ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرو۔ دوبارہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرو کہ سب جگہ پر ہاتھ پھر جائے ذرا سی جگہ بغیر ہاتھ پھیرے باقی نہ رہے ورنہ تیمّم نہ ہوگا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

تنبیہ: سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک زمین یا جنس زمین سے تیمّم کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ مٹی ہو یا اینٹ پتھر کنکر ہو۔ باقی احکام تیمّم کے کتب فقہ میں دیکھیئے۔ اور تیمّم اس امت کے خصائص سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: ہمیں دوسرے لوگوں پر تین چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ اول یہ کہ ہماری صفیں ملائکہ کی صفوف کی مثل کی گئیں۔ دوسرے ہمارے لیے روئے زمین مسجد کی گئی (جہاں چاہیں نماز پڑھیں) تیسرے اس کی مٹی ہمارے لیے پاک و مطہر کی گئی کہ جب ہمیں پانی نہ ملے تو ہم اس سے تیمّم کریں۔ [رواہ مسلم]

تنبیہ: بعض کے نزدیک ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ [النساء:۴۳] سے نماز کی جگہ مراد ہے۔ بحذف مضاف یعنی مسجد۔ اور "عَابِرِیْ سَبِیْلٍ" سے مسجد میں گزرنا مراد ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ حالت نشہ میں اور ناپاکی کی حالت میں مسجد میں نہ جاؤ مگر جب کہ کوئی راستہ سوائے مسجد میں ہو کر گزرنے کے نہ ہو تو مجبوراً اس میں گزرنا روا ہے، نہ ٹھہرنا۔ اور یہ مسجد میں سے گزرنے کی رخصت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے گھر کے دروازے مسجد نبوی میں تھے وہ حالت جنابت و غیر جنابت میں پانی وغیرہ لینے کے لیے مجبوراً مسجد میں ہو کر گزرتے تھے۔ یہی قول ابن مسعود و انس ابن مالک و حسن وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ [خازن] اور "سکارىٰ" جمع سکران ہے۔ یعنی نشہ میں ہو اور نشہ سے یہاں شراب کا نشہ مراد ہے۔ جیسا کہ شان نزول والی روایت اور قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہے۔ اور سوائے ضحاک کے عامۂ علماء کا یہی قول ہے۔ اگر چہ دوسرے نشہ بھی مراد ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اس حد تک ہوں کہ عقل زائل ہو جائے۔ بات سمجھ میں نہ آئے۔ اور ﴿لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے۔ یہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ اور یہی قول حضرت علی و ابی ابن کعب و حسن و مجاہد و قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ جیسا کہ طلاق والی آیتوں میں ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ [البقرۃ:۲۳۷] سے بالاتفاق جماع مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک "ملامست" سے مباشرت مراد ہے۔ اگر بغیر جماع ہو کہ مس کے معنی ہاتھ سے چھونے کے ہیں۔ اور یہ قول ابن عمر و شعبی و نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اسی پر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔ ہمارے نزدیک عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ مگر جب کہ مذی نکلے تو اس صورت میں مذی ناقض وضو ہوئی نہ عورت کو چھونا۔ کہ بخاری کی روایت میں حضور کا سجدہ میں جاتے وقت حضرت عائشہ کے پاؤں کو سمیٹ لینے کے لیے دبانا آیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ محض عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے ورنہ حضور ضرور وضو فرماتے۔ اور آیت میں جو حد نشہ کی بیان فرمائی گئی ہے وہ نماز کے لیے ہے نہ اجرائے حد کے لیے۔ اور یہ آیت دلیل ہے کہ بحالت نشہ کلمہ کفر زبان سے نکل جانے سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے۔ کہ ﴿قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں عمداً "لا" نہ پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے مگر یہاں حکم کفر نہ فرمایا گیا۔ بلکہ مومن کہا گیا اور

أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَآئِكُمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے

وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ

والی اور اللہ کافی ہے مددگار۔ کچھ یہودی کلاموں کو

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ

ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنیے آپ

مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ

سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لیے اور اگر وہ

قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ

کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کے لیے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴۶﴾ يَآأَيُّهَا

لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا اے

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

کتاب والو! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے اتارا تمہارے ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا

مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ

قبل اس کے کہ ہم بگاڑ دیں کچھ مونھوں کو تو انھیں پھیر دیں ان کی پیٹھ کی طرف یا انھیں لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّآ أَصْحٰبَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ﴿۴۷﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا

جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر اور خدا کا حکم ہو کر رہے۔ ف بے شک اللہ اسے

حضور نے بھی اسے برقرار رکھا اور اس پر اجماع ہے۔[مدارک]

(آیت ۴۴ تا ۴۷) ۱۰۔ شان نزول: یہ آیت رفاعہ ابن زید یہودی کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ دین اسلام میں نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اور اسے برا بتایا کرتا تھا اور مسلمانوں کو بہکایا کرتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے ان یہودیوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یعنی عالم توراۃ ہیں وہ ہدایت کے بدلے گمراہی مول لیتے ہیں۔ اور تمہیں اپنی طرح گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ اور تمہیں خبر دیتا ہے تاکہ تم ان کے بہکانے میں نہ آؤ اور اللہ تمہارا ولی و مددگار ہے۔ تمہیں ان کے مکر سے بچانے والا ہے۔ ان میں سے کچھ یہودی کلاموں کو یعنی نعت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و آیت رجم وغیرہ کو اس کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔ اور جب حضور انہیں کوئی حکم فرماتے ہیں تو علانیہ عنادا کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارا کہنا سن لیا مانیں گے نہیں۔ یا بظاہر "سمعنا" کہتے ہیں اور دل میں مانیں

يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جس نے

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا۔ ف۱۱ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا

يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے اور ان پر ظلم نہ ہوگا دانہ خرما کے ڈورے برابر

گے نہیں کہتے ہیں۔ اور زبانیں پھیر کر دبا کر دین کا استہزا اور توہین شان رسالت کرنے کے لیے ایسے الفاظ بولتے ہیں جن کے ایک معنی
اچھے اور دوسرے برے ہوں۔ اور برے معنی مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں سنیے آپ سنائے نہ جائیں۔ یعنی بری بات۔ اور مراد اس سے یہ
ہوتی ہے کہ آپ بہرے ہو جائیں۔ اور ''راعنا'' کہتے ہیں یعنی ہماری رعایت کیجیے اور مراد اس سے گالی ہوتی ہے۔ ان کی لغت میں وہ گالی
ہے بمعنی احمق۔ جس کے کہنے کی ممانعت پہلے کی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ بجائے اس کے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات
سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں گے کہتے تو ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا لیکن انہوں نے بہتر راہ اختیار نہ کی تو اللہ نے ان کے کفر کے
سبب لعنت ان پر کی تو یقین نہ لائے، مگر تھوڑا غیر قابل اعتبار۔ یا ایمان نہ لائے مگر تھوڑے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام وغیرہ۔ پھر ان کے عیوب
ذکر فرمانے کے بعد انہیں ایمان لانے کی ترغیب مع تخویف کرتا ہے کہ اے اہل کتاب تم قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے۔ جو تمہاری
کتاب کی تصدیق کرتا ہے اس سے پہلے کہ ہم منہ بگاڑ کر پیچھے کی طرف کر دیں یا انہیں لعنت کریں یعنی مسخ کریں۔ جیسا کہ اصحاب سبت کو
کیا سور و بندر بنا دیا۔ اور خدا کا حکم ہو کر رہے گا۔ چنانچہ عبداللہ ابن سلام ایک قافلہ میں شام سے آ رہے تھے انہوں نے یہ آیت سنی اور گھر
جانے سے پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔ اور کہا مجھے یہ اچھا معلوم ہوا کہ میں اپنے اہل میں قبل مسخ ہونے کے جاؤں۔
یونہی کعب احبار نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یہ آیت سنی تو ایمان لائے۔ اور کہا اے رب میں ایمان لایا۔ اس آیت
کی وعید کے خوف سے۔ [سراج و معالم وغیرہ] اور اصحاب سبت کا قصہ اوپر گزر چکا ہے۔ کہ وہ ایک بستی کے یہودی تھے ان پر ہفتہ کے دن
شکار ماہی حرام کیا گیا تھا۔ انہوں نے نہ مانا اور اس کے لیے یہ حیلہ تراشا کہ گڑھے کھودے اور دریا سے ان گڑھوں تک نالیاں بنائیں۔ ہفتہ
کے دن بکثرت مچھلیاں آتی تھیں اور ان نالیوں کی راہ سے گڈھوں میں بھر جاتی تھیں۔ یہ ان کا راستہ جانے کا روک دیتے اور اتوار کو انہیں
پکڑ کر کھاتے۔ اس وقت کے صالحین نے انہیں منع کیا مگر وہ اس فعل سے باز نہ آئے تو عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ بندر ہو گئے۔ یہی زمانہ
حضور کے یہود سے کہا گیا۔ کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے۔ اور اپنی حرکات سے باز نہ آؤ گے تو ذلیل و خوار ہو گے تمہاری صورتیں بگاڑ دی جائیں
گی تمہاری آنکھ، ناک، کان سب غائب کر دیئے جائیں گے یا تم مسخ کر دیے جاؤ گے۔ اور یہ وعید بعض کے ایمان لانے سے اٹھ گئی۔ اور
بعض نے کہا ہے کہ وہ باقی ہے قبل قیام ساعت یہود میں طمس و مسخ واقع ہونے سے پوری ہوگی۔ [سراج وغیرہ]
تنبیہ: ﴿أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا﴾ الخ [النساء:۴۷] کے معنی حضرت عبداللہ ابن عباس و عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ مروی
ہیں کہ تم ایمان لاؤ قبل اس کے کہ ہم تمہارے منہ آنکھ ناک کان وغیرہ مثل گدی کے سپاٹ کر دیں۔ اور یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ہم
تمہارے چہرے آگے سے پیچھے کر دیں کہ الٹے چلنے لگو۔ [قاله القتادة والعوفى۔ [ابن کثیر]
(آیت ۴۸) ۱۱۔ شان نزول: یہ آیت وحشی ابن حرب قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے حق میں
نازل ہوئی جب کہ وہ اپنے فعل پر نادم و پشیماں ہوئے اور اسلام لانا چاہا اور دل میں یہ خیال گزرا کہ جب آیت ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گناہ۔ ف ۱۲

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ

کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ

بت اور شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ

زیادہ راہ پر ہیں۔ یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ

لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے

فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ

ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔ یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾[الفرقان:۶۸] نازل ہو چکی ہے اور ہم نے شرک وقتل وزنا وغیرہ گناہ کیے ہیں۔ تو ہمیں اسلام لانے کے بعد نجات کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اس وقت ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾[مریم:۶۰] نازل ہوئی۔ اس پر یہ خدشہ پیدا ہوا کہ یہ کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ ہم ایمان کے بعد نیک اعمال ہی کریں گے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور نے انہیں لکھ کر بھیجی تو وہ حاضر ہو کر ایمان لائے بعد ایمان لانے کے حضور نے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کرنے کی کیفیت پوچھی اس نے بتائی تو حضور نے ان سے فرمایا: تجھے خرابی ہو اپنا منہ مجھے نہ دکھا تو وہ ملک شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ [سراج ومعالم] یہ آیت اسی سورت میں دو جگہ واقع ہوئی ہے۔ یہ پہلی جگہ ہے۔ جس کی یہ شان نزول ہے۔ اور یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿یا عبادی الخ﴾ نازل ہوئی اور اس میں تمام گناہوں کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا گیا تو صحابہ نے پوچھا کیا شرک بھی معاف ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [ابن جریر] مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک جلی کرنے کو بغیر توبہ کے نہیں بخشتا ہے۔ خواہ وہ فعلی ہو یا اعتقادی اور اس سے نیچے کے گناہ خواہ کبیرہ ہوں جس کو چاہتا ہے معاف کرتا ہے۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بہت بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔ حدیث میں ہے کہ جو اللہ سے بغیر اس کے ساتھ شرک کیے ملے گا جنت میں داخل ہوگا اور اسے کوئی گناہ ضرر نہیں دے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: کہ قرآن عظیم میں مجھے اس سے زیادہ کوئی بھی آیت پیاری نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شرک کا گناہ قبل غرغرہ توبہ کرنے سے معاف ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ جس کو اللہ چاہتا ہے بغیر توبہ معاف فرماتا ہے۔ اور توبہ سے سب کے گناہ بخشتا ہے۔ [مدارک]

(آیت ۴۹، ۵۰) ۱۲۔ شان نزول: ایک بار چند علمائے یہود اپنے لڑکوں کو ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کیا ان بچوں پر کوئی گناہ ہے؟ فرمایا: نہیں۔ تو بولے: واللہ انہیں کی طرح ہم بھی بے گناہ ہیں ہم رات میں جو گناہ کرتے ہیں وہ دن میں معاف ہو جاتے ہیں اور جو دن میں کرتے ہیں وہ رات میں معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج ومعالم]

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی

وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ

اور انھیں بڑا ملک دیا ق۳ تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ

عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ

پھیرا اور دوزخ کافی [ہے] بھڑکتی آگ جنھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب

نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا

ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انھیں بدل دیں گے

لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ

الربع

کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ہم انھیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہودی اپنے مرے ہوئے بچوں کو اپنی شفاعت اور معافی گناہ کا ذریعہ کہتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے خیال خام کو رد فرمایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو خود اپنا گناہ ہونے سے پاک ہونا بیان کرتے تھے۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے گناہوں سے پاک کرتا ہے۔ اور ان پر کھجور کے ڈورے کے برابر یعنی ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ نیکی اور بدی کی پوری پوری جزا و سزا دی جائے گی۔ خود اپنے آپ گناہوں سے پاک کہنے سے پاک نہ ہوں گے بلکہ اللہ کے پاک کرنے سے پاک ہوں گے۔ دیکھو اے نبی! اللہ پر یہ لوگ اپنے تزکیہ میں کیا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ صریح گناہ ان کے لیے کافی ہے۔

تنبیہ: آیت کا مفہوم عام ہے ہر وہ شخص اس کے تحت داخل ہے جو اپنے آپ کو معصوم و پاک سمجھے یا دوسرے کو بلا علم و یقین معصوم و پاک جانے یا کسی کی جھوٹی مدح کرے۔ اور جو وصف اس میں نہ ہو وہ اس کی طرف منسوب کرے۔ یا اپنے میں جو وصف نہ ہو وہ اپنی طرف نسبت کرنے میں خوش ہو یا خاموش رہے۔ یہ سب ممنوع و مذموم و گناہ ہے۔ اور لوگ اس سے غافل ہیں اسے اچھا جان کر کرتے کراتے ہیں۔ بڑے بڑے القاب و خطابات سے کسی کو یاد کرنا بھی اسی میں داخل ہے جب کہ وہ اس کا اہل نہ ہو۔ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تم مدح کرنے سے بچو کہ وہ ذبح کرنا ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور نے ہمیں مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھرنے کو فرمایا۔

(آیت ۵۱ تا ۵۴) ۱۳۔ شان نزول: کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب وغیرہ جنگ بدر کے بعد قریش کو پرسا دینے اور انہیں بدلہ لینے کے لیے آمادہ کرنے کو مکہ گئے اور ان سے بعد افسوس اظہار مدعا کیا اور ان کی مدد کرنے کو کہا۔ قریش نے ان سے کہا تم بھی اہل کتاب ہو اور مسلمانوں کے پاس بھی کتاب ہے ہمیں تمہارا اعتبار نہیں جب تک کہ تم ہمارے ان دونوں بتوں جبت و طاغوت کو سجدہ نہ کرو گے ہم تمہارا اعتبار نہ کریں گے۔ پس کعب نے فوراً قریش کے کہنے سے بتوں کو سجدہ کیا اور کہا کہ ہم نے تو تمہارے اعتبار کے لیے سجدہ کیا اب تم بھی ہمارے اطمینان کے لیے یہ کرو کہ ہمارے اور تمہارے تیس تیس آدمی کعبہ سے لپٹ کر رب کعبہ کی قسم کھا کر باہم شریک رہنے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا

ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لیے وہاں ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انھیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ

ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ

ہی سایہ ہوگا بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انھیں سپرد کرو

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ

نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

تمھیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ ف۱۴ اے

اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اُن کا جو تم میں حکومت والے ہیں

اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کریں۔ قریش نے بلا عذر ایسا ہی کیا۔ اثنائے گفتگو میں قریش نے یہودیوں سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک ہم میں اور مسلمانوں میں سے حق پر کون ہے۔ یہودیوں نے عناداً جواب دیا کہ مسلمانوں سے تم اچھے ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج] مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے اے نبی! ان اہل کتاب کو نہیں دیکھا جو بت و شیطان پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اچھا اور حق پر بتاتے ہیں۔ انہیں لوگوں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور جن پر خدا نے لعنت کی ان کا تو کوئی یار و مددگار نہ پائے گا کہ اسے عذاب الٰہی سے بچائے، کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے، اگر ایسا ہو تو وہ لوگوں کو بخل کی وجہ سے تل بھر بھی چیز نہ دیں۔ یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے کتاب، حکمت و نبوت و عزت دی ہے۔ اور عورتیں ان کے لیے حلال کی ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر نبی ہوتے تو عورتوں سے اعراض کرتے۔ اور نبوت تو بنی اسرائیل کا حق تھا انہیں کیسے مل گیا۔ اور اس کے زوال کو چاہتے ہیں، تو تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کیسے حسد کرتے ہو اس پر کہ جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے۔ حالانکہ ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب و حکمت عطا فرمائی تھی۔ اور انہیں بڑا ملک دیا تھا تو ان میں سے کوئی ان پر ایمان لایا۔ اور کوئی نہ لایا۔ باوجودیکہ وہ بنی اسرائیل سے تھے۔ اس کے لیے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔ باقی ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: "الناس" سے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ [ابن عباس و حسن و مجاہد] اور اولاد ابراہیم سے مراد داؤد و سلیمان ہیں کہ انہیں بادشاہت و نبوت اور مال و منال اہل و عیال عطا ہوئی تھیں داؤد علیہ السلام کے ننیانوے بی بیاں تھیں اور سلیمان علیہ السلام کے ایک ہزار بی بیاں اور تین سو باندیاں تھیں، اور جبت و طاغوت دو بت تھے جنہیں مشرکین مکہ پوجتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ جبت سے مراد بت ہے اور طاغوت سے شیاطین مراد ہیں۔ اس میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اور بعض تفسیروں میں روایت شان نزول میں کعب ابن اشرف وغیرہ کا جنگ احد کے بعد مکہ جانا جو مرقوم ہے یہ یا تو سہو کاتب ہے کہ بجائے بدر کے احد لکھ گیا۔ یا مفسرین کا سہو ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کعب ابن اشرف وغیرہ جنگ بدر کے بعد مشرکین کو پرسا دینے اور بدلا لینے پر آمادہ کرنے کے لیے گئے تھے۔ اس کے بعد جنگ احزاب واحد ہوئی۔

(آیت ۵۵ تا ۵۸) ۱۴۔ شان نزول: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا اور خانہ کعبہ میں جانے کا ارادہ کیا تو اس کی کنجی عثمان ابن ابی طلحہ سے طلب کی کہ وہ ہمیشہ سے خانہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے وہ کنجی لے کر آئے اور حضور کو دینے لگے تو حضرت

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ

پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ و رسول کے حضور رجوع کرو اگر

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۵ ۸

اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ ف۱۵

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ

اور اس پر جو تم سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور

اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا

ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انھیں دور

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تو میرے سپرد ہے، کنجی بھی مجھے عطا فرمائی جائے۔ اس پر عثمان نے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر حضور نے کنجی طلب کی پھر حضرت ابن عباس نے یہی کہا۔ پھر عثمان نے ہاتھ کھینچ لیا۔ تو حضور نے فرمایا: اے عثمان اگر تو خدا پر ایمان لایا ہے تو کنجی مجھے دے۔ عثمان نے حضور کو کنجی دیتے ہوئے کہا کہ یہ امانت ہے مجھی کو واپس دیجیے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کنجی دینے سے انکار کرنے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان کا ہاتھ مروڑ کر کنجی چھین لی اور خانہ کعبہ کھول کر اندر گئے اور حضور بھی اندر تشریف لے گئے تو حضرت علی نے حضور سے وہی کہا جو حضرت عباس نے کہا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور نے خانہ کعبہ کی کنجی عثمان کو بلا کر ہمیشہ کے لیے سپرد کی۔ اور انہوں نے مرتے وقت اپنے بھائی شیبہ کو سپرد کی اور وہ ان کی اولاد میں رہی۔ بعض مفسرین نے دونوں روایتوں کو خلط ملط کر کے بہ زیادتی وکمی الفاظ نقل کیا ہے اور دھوکا کھایا ہے کہ عثمان کا کنجی واپس پانے کے بعد ایمان لانا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ صلح حدیبیہ کے سال ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ ابن عبدالبر وابن مندہ وابن اثیر نے ذکر کیا ہے بلکہ حضور کا ان سے یہ فرمانا کہ مجھے کنجی دے اگر تو اللہ ورسول پر ایمان لایا ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اگر ایمان نہ لائے ہوتے تو حضور ان سے "ان کان یومن باللہ و رسولہ" نہ فرماتے۔ [خازن وغیرہ] بہر حال شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر باتفاق مفسرین اس کا حکم عام ہے۔ ہر امانت دار کو امانت ادا کرنا اور حاکم کو عدل وانصاف کے ساتھ جھگڑا فیصل کرنا واجب ہے ورنہ مواخذہ ہوگا۔ خواہ امانت اللہ کی ہو جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ یا بندہ کی ہو جیسے کسی کا رکھا ہوا عاریت لیا ہوا مال ان کے راز، یا اپنے نفس کی ہو جیسے آنکھ ناک کان وغیرہ اعضاء وغیرہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ان کے محل میں صرف کر کے گناہ کی باتوں سے انہیں بچائے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ تم جن کی امانتیں تمہارے پاس ہوں انہیں سپرد کر دو اور حکم دیتا ہے کہ جب لوگوں میں کسی جھگڑے کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کسی کی رو ورعایت اس میں نہ کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت فرماتا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امام عادل کو اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو امام عادل سب سے زیادہ محبوب ہوگا اور اللہ کے قریب تر ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اللہ کو امام جابر وظالم ہوگا۔ اور اشد عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اور خائن بھی سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(آیت ۵۹) ۱۵۔ شان نزول: ایک بار حضور نے ایک دستہ فوج کا بسرداری حضرت خالد ابن ولید جہاد کے لیے روانہ کیا اس

میں حضرت عمار ابن یاسر بھی تھے۔ جب یہ لوگ کفار کی ایک بستی کے قریب پہنچے تو صبح کو حملہ کرنے کی غرض سے رات کو قیام کیا۔ کفار کو بھی ان کے آنے کی خبر ہوئی۔ تو وہ رات ہی کو بستی خالی کر کے بھاگ گئے۔ صرف ایک آدمی چھوڑ گئے۔ جس نے تمام لوگوں کا سامان اکٹھا کر کے جلا دیا۔ پھر رات ہی میں مسلمانوں کی فوج میں آکر حضرت عمار سے ملا۔ اور ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور سب حال بیان کیا اور کہا کہ اگر میرا یہ ایمان کچھ مفید ہو تو مجھے امان دیجیے ورنہ اجازت دیجیے کہ میں بھاگ جاؤں۔ تو حضرت عمار نے اس سے فرمایا: تم اطمینان رکھو تمہارا ایمان مفید ہے، جب صبح کو مسلمانوں نے بستی پر چڑھائی کی تو وہاں سوائے اس مسلمان کے کوئی نظر نہیں آیا۔ حضرت خالد نے اسے گرفتار کر لیا، حضرت عمار نے ان سے کہا کہ اسے چھوڑ دو یہ میری امان میں ہے، حضرت خالد نے کہا کہ تم امان دینے والے کون تھے سپہ سالار تو میں تھا۔ جب یہ جھگڑا بڑھ کر دربار رسالت میں پہنچا تو حضور نے حضرت عمار کی امان برقرار رکھی اور فرمایا: پھر کبھی امیر کے خلاف امان نہ دینا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواه ابن جرير وابن ابى حاتم عن السدى ويؤيده رواية ابن عباس رضى الله تعالى عنهما] اس کی شان نزول میں دوسری روایات بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم اللہ و رسول کا حکم مانو اور تم میں جو صاحب حکم ہوں ان کا حکم مانو پھر اگر تم میں جھگڑا ہو تو اس میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو یعنی اس کا فیصلہ کتاب و سنت کے موافق چاہو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اللہ و رسول کی طرف اپنے جھگڑوں میں رجوع کرنا اور موافق شرع فیصلہ کرانا تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام اس کا اچھا ہے۔ اس سے کہ تم اپنی رائے سے فیصلہ کرو یا کسی اور سے فیصلہ کراؤ۔

تنبیہ: آیت میں پہلے اللہ کی اطاعت کرنے اس کے احکام کی پیروی کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ یعنی قرآن عظیم میں جو احکام مذکور ہیں ان پر عمل کرو قرآن عظیم کو اپنا دستور العمل بناؤ چونکہ قرآن عظیم میں احکام کی تفصیل نہیں ہے اس میں صرف اصول و قواعد ہیں اور بے شمار باتوں کی طرف اشارہ و کنایہ فرمایا گیا ہے جن کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا لہذا اس کے بعد ﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ فرمایا، حضور کی اطاعت کا حکم دیا کہ حضور قرآن عظیم کی تفسیر ہیں یعنی قرآن کے اشارات و کنایات، معانی و مطالب وہی خوب سمجھ سکتے تھے کہ ان پر قرآن عظیم نازل ہوا تھا اس لیے حضور کے احکام ماننے اور حضور کی اطاعت کرنے کا حکم کیا گیا۔ اور حضور کی جائز یا ناجائز کی ہوئی باتوں اور حرام و حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال یا حرام یا جائز ناجائز سمجھنے کا حکم فرمایا گیا۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بعض پیٹ بھرے پلنگ پر لیٹ کر کہیں گے کہ ہم کو قرآن کافی ہے اس میں جو حلال و حرام ہے وہی حلال و حرام ہے حالانکہ حضور نے بھی بہت سی چیزیں حرام و حلال اور بہت سی باتیں جائز و ناجائز فرمائی ہیں اور وہ سب آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں، مگر چونکہ دنیا میں پیدا ہونے والی لاتعداد باتوں کی تفصیل و تشریح مکمل طور سے ارشادات حضور میں بھی نہ تھیں لہذا اس کے بعد فرمایا گیا ﴿وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء:۵۹] یعنی اور جو تم میں صاحبان حکم ہوں جو قرآن و حدیث سے ہر چیز کا حکم نکال کر تمہیں بتا سکیں ان کی اطاعت کرو اور ان کے حکم مانو۔ اس پوری آیت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج کل بہت سے لوگ گمراہ ہوئے، اہل قرآن نے صرف قرآن عظیم کو اپنا معمول بنایا احادیث و آثار کو قابل توجہ نہ سمجھا اور گمراہ ہوئے۔ اور اہل حدیث نے صرف احادیث پر عمل کرنا اختیار کیا اقوال صحابہ و ائمہ و علماء کو قابل التفات نہ سمجھا اور گمراہی میں پڑے۔ غرض کہ آیت میں اللہ و رسول اور صاحبان حکم کے حکم پر عمل کرنے کا حکم ہے نہ صرف ایک کے۔ اس لیے کہ اگر کتاب اللہ میں کسی بات کا حکم نہ ملے تو احادیث و آثار میں تلاش کر کے اس پر عمل کرو اور جو ان میں بھی نہ ملے تو ائمہ مجتہدین جو حکم فرمائیں اس پر عمل کرو تب تم مومن باللہ کہنے کے سزاوار اور ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ کے مصداق ہو گے۔ اور آیت اس پر بھی دلیل ہے کہ صاحبان حکم کی اطاعت کرنا اور ان کا حکم ماننا اس وقت واجب ہے جب کہ وہ موافق شرع کے حکم کریں ورنہ ان کا حکم ماننا واجب نہیں ہے کہ ''لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق'' [رواه البخارى] یعنی اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی طاعت نہیں ہے خواہ وہ کوئی ہو امیر و حاکم ہو یا آقا و شوہر ہو یا مفتی و قاضی ہو۔ روایت کی گئی ہے کہ مسلمہ ابن عبدالملک ابن مروان نے ابوحازم سے کہا کیا تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں کیا گیا ہے۔ تو ابوحازم نے کہا تم سے طاعت کو نکال بھی دیا گیا ہے جب تم حق کے خلاف کرو۔ بقولہ تعالی: ﴿فان تنازعتم الخ﴾ [مدارک] حضرت ابن عباس اور جابر ابن عبداللہ اور

بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ

بہکادے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری کتاب اور رسول کی طرف آؤ

رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم

تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔ کیسی ہوگی جب ان پر کوئی افتاد

مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ

پڑے بدلا اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے

أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا

کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا[16] ان کے دلوں کی تو بات اللہ

فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ

جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں سمجھاؤ اور ان کے معاملے میں ان سے

حسن وعطا اور مجاہد وابو العالیہ اور امام احمد وامام مالک وامام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ﴿اولی الامر منکم﴾ سے علماء وقاضی ومفتی اور ائمہ مجتہدین مراد ہیں۔ اور دوسروں کے نزدیک حکام وسلاطین مراد ہیں جب کہ وہ کتاب وسنت پر عمل کرتے اور شرع کے موافق فیصلہ کرتے ہوں ان کے حکم کی تابعداری واجب ہے اس سے سرتابی کرنا اور اپنی رائے پر چلنا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: "السمع والطاعة" یعنی اپنے امیر کی ہر بات سننا اور اس کا حکم ماننا ہر شخص پر واجب ہے خواہ وہ اسے اچھی معلوم ہو یا بری جب تک کہ وہ کسی گناہ کا حکم نہ کرے "فلا سمع ولا طاعة" اس وقت نہ سننا واجب ہے اور نہ طاعت کرنا۔ حدیث حجۃ الوداع میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: اے لوگو اللہ سے ڈرو اور امیر صاحب حکم کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہوگے [سراج] محی السنۃ بسند خود راوی کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے ابوذر سے فرمایا: سن اور اطاعت کر اگرچہ حبشی غلام کی ہو۔ بخاری ومسلم میں بھی یہ روایتیں آئی ہیں۔

(آیت ۶۰ تا ۶۲) ۱۶۔ شان نزول:۔ ایک یہودی اور منافق میں جھگڑا ہوا منافق بولا چلو کعب ابن اشرف سے فیصلہ کرائیں وہ بڑا عالم ہے۔ یہودی بولا نہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس چلو وہ فیصلہ کردیں گے چنانچہ دونوں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض حال کیا۔ حضور نے واقعہ سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ منافق اس پر راضی نہ ہوا اور دونوں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ یہودی نے حضور کے فیصلہ کرنے کا حال بیان کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق سے اس کی تصدیق کی۔ اس نے اقرار کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ٹھہرا کر گھر میں گئے اور تلوار لاکر منافق کی گردن ماردی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جبرئیل نے حضور سے کہا کہ عمر نے حق وباطل میں فیصلہ کردیا۔ پس حضور نے عمر سے فرمایا: "انت الفاروق" تم فاروق ہو۔ پس اس روز سے ان کا لقب فاروق ہوا۔ [جلال ومعالم] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جلاس ابن صامت اور معقب

قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

رسا بات کہو اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول

لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ف۱۷ تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا

جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ

مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا

نہ پائیں اور جی سے مان لیں اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل

اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ

کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر

ابن قشیر وغیرہ مدعی اسلام تھے اور ان کی قوم میں بعض پکے مسلمان تھے۔ ایک جھگڑے میں مسلمانوں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کا مشورہ دیا مگر انہوں نے انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ ابو برزہ کاہن یہودیوں کے جھگڑے فیصل کیا کرتا تھا۔ بعض مسلمانوں نے بھی اپنے جھگڑوں میں اس کی طرف رجوع کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے ہر وہ شخص اس حکم میں داخل ہے جو کتاب وسنت سے اعراض کر کے کسی دوسرے کی طرف رجوع کرے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے انہیں دیکھا جو دعوئ اسلام کرتے ہیں اور شیطان کو یعنی کعب ابن اشرف کو اپنا پنچ بنانا چاہتے ہیں۔ انہیں تو یہ حکم تھا کہ وہ اسے نہ مانیں۔ اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں حق سے دور بھگا دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ ورسول کے حکم کی طرف آؤ تا کہ وہ فیصلہ کر دیں تو تم منافقوں کو اس سے دوسرے کی طرف منہ موڑ کر جاتے ہوئے دیکھو گے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ تم حق کے ساتھ فیصلہ کرو گے کسی کی رورعایت نہ کرو گے اور نہ رشوت لو گے تو کیسی ہوگی جب ان پر ان کے کفر ومعاصی کے سبب کوئی افتاد ومصیبت پڑے گی اور اس کو دفع نہ کر سکیں گے جیسے کہ قتل منافق کی افتاد پڑی تو مجبور ہو کر عناد کرتے ہوئے تمہارے حضور حاضر ہوں گے اور اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مقصود تو غیر سے فیصلہ کرانے میں بھلائی اور میل تھا نہ آپ سے مخالفت ان کے نفاق اور جھوٹے عذر کو اللہ خوب جانتا ہے تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں نصیحت کرو سمجھاؤ اور ان کے معاملہ میں مؤثر ورسا بات کہو اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے تا کہ اس کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ٹھہرے تو جو رسول کی اطاعت سے سرتابی کرے گا وہ مسلمان نہیں ہے۔ [بیضاوی]

(آیت ۶۴/۶۳) ۱۷۔ یہ آیت گزشتہ آیت کا تتمہ ہے اور اس میں سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی عظمت شان ورفعت مکان ظاہر فرمائی گئی ہے کہ اس میں خطاب سے التفات فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں یعنی گناہوں میں

بڑیں جیسا کہ وہ شیطان کو اپنے معاملہ میں پنچ بنا کر گنہگار ہوئے تو توبہ کرنے کے لیے اے محبوب تیرے حضور حاضر ہوں۔ پس اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ اس آیت کا حکم جیسا کہ حضور کی حیات میں تھا ویسا ہی بعد وفات بھی ہے اور قیامت تک رہے گا حضور کی حیات و ممات یکساں ہے اور احکام باقی ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے مسجد نبوی میں جب ابو جعفر نے پوچھا کہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا حضور کی طرف متوجہ ہو کر دعا کروں تو امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا: تم رسول اللہ کی جانب سے کیوں منہ پھیرتے ہو۔ وہ تو تمہارے اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے اللہ کی جناب میں قیامت تک وسیلہ ہیں تم انہیں کی جناب میں توجہ کرو اور انہیں سے تم اپنی ہر حاجت و مراد میں شفاعت چاہو اور انہیں کو وسیلہ بناؤ۔ پس اللہ ان کی شفاعت تیرے حق میں قبول فرمائے گا۔ کہ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ الخ النساء:۶۴] [شفا شریف] امام جلیل حضرت عبداللہ ابن احمد نسفی نے اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک اعرابی حضور کے دفن کے بعد آیا اور اس نے اپنے آپ کو قبر اطہر پر ڈال دیا اور اس کی خاک اٹھا کر اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے سنا کہ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ الخ، اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کے حضور اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں۔ پس قبر اطہر سے آواز آئی جا بخش دیا گیا۔ اور امام حافظ الحدیث شیخ اسماعیل ابن کثیر دمشقی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح کی حکایت لکھی ہے اور کہا ہے کہ اسے ایک جماعت نے ذکر کیا ہے جن میں سے شیخ ابن منصور صباغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں اس مشہور حکایت کو عینی سے اخذ کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں روضہ انور پر حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر کہا میں نے اللہ کا کلام: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ الخ، سنا اب میں حضور کے دربار میں اپنے گناہ سے استغفار کرنے آیا ہوں اور حضور کو خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع بناتا ہوں۔ پھر حضور کی شان میں دو شعر پڑھے اور چلا گیا۔ اس درمیان میں میری آنکھ جھپک گئی تو میں نے خواب میں حضور کو دیکھا اور مجھ سے حضور نے فرمایا:۔ اے عینی اعرابی سے جا کر مل اور اسے خوش خبری سنا کہ اللہ نے اسے بخش دیا، بعض مفسرین نے ان دونوں واقعات کو ایک ہی عینی تصور کیا ہے اور میرے نزدیک یہ واقعہ پہلے واقعہ سے جدا ہے کہ پہلے واقعہ میں اعرابی کا بعد دفن قبر اطہر پر آنا مذکور ہے جو قرب زمانہ پر دلالت کرتا ہے اور حضرت عینی کا واقعہ بعد زمان پر دلالت کرتا ہے تو دونوں واقعے ایک نہ ہوئے جدا جدا ہوئے کہ ہر گنہگار ہر وقت ہر زمانہ میں دربار رسالت میں آ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکتا ہے۔ اور اعرابی کا قبر شریف کی مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنا بھی ممکن ہے کہ اس وقت قبر مطہر کھلی ہوئی خام تھی بہر حال اعرابی کا بارگاہ حضور میں آنا اور حضور کے وسیلہ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہنا اور حضور کا اسے بخشش گناہ کی خوش خبری سنانا بعید از قیاس نہیں ہے کہ آیت کا بھی یہی حکم ہے اور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اس کے لیے مامور فرمایا ہے اس میں کلام نہ کرے گا مگر وہابیہ جیسا بد اعتقاد۔ اگر چہ اس کی سند مذکور نہیں ہے لیکن ہمیں صاحب مدارک و شیخ ابن کثیر کے حکایت کیے ہوئے واقعہ پر اعتماد کرنا چاہئے کہ وہ ہم سے ہر طرح فائق تھے اور بے تحقیق بات لکھنے والوں میں نہ تھے۔ "والعلم عندالله لانسيء الظّنّ بهما" حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں: جو وقت حاضری مدینہ منورہ میں عرض کیا تھا

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ — پھر رد ہوں کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

من زار تربتی وجبت له شفاعتی — ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

اور یہ آیت اس کی بھی دلیل ہے کہ گنہگاران امت کو بعد گناہ انبیاء اولیاء وغیرہ محبوبان خدا کی طرف رجوع کرنا اور ان کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں توبہ و استغفار کرنا اور ان سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرانا چاہئے تا کہ جلد قبول ہو اسی قبیل سے بیعت مشائخ کرام و پیران عظام ہے رضی اللہ تعالی عنہم۔

أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿۶۶﴾

وہ کرتے جس بات کی انھیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا۔

وَإِذًا لَّآتَيْنٰهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۶۷﴾ وَلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

اور ایسا ہوتا تو ضرور ہم انھیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے۔ اور ضرور ان کو سیدھی راہ کی

مُّسْتَقِيمًا ﴿۶۸﴾ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ

ہدایت کرتے۔ ف۱۸ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ

جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ

(آیت ۶۵ تا ۶۸) ۱۸۔شان نزول :۔حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کا کھیت حاطب ابن بلتعہ انصاری کے کھیت سے اوپر اور پہلے واقع ہوا تھا اسی لیے وہ اسے پہلے پانی دینا چاہتے تھے۔اور انصاری اپنے کھیت کو پہلے پانی دینا چاہتا تھا جب یہ جھگڑا حضور کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ کیا انصاری اس پر ناراض ہوا۔اور بولا یا رسول اللہ یہ فیصلہ آپ نے اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کے پھوپی زاد بھائی ہیں۔پس یہ سن کر حضور کے چہرے پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ مجھے علم ہے کہ یہ آیت اسی معاملہ میں نازل ہوئی ہے۔[بخاری واحمد ونسائی] مگر بظاہر ان آیتوں کا تعلق ماقبل کی آیتوں سے ہے اور اس میں منافقوں کا حال ظاہر کر کے مسلمانوں کو اطاعت رسول پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔سدی کہتے ہیں کہ آیت ﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ الخ[النساء:۶۶] ثابت ابن قیس اور ایک یہودی کی باہمی مفاخرت پر نازل ہوئی۔مجاہد و شعبی کہتے ہیں کہ یہ آیت بشر منافق کے حق میں نازل ہوئی کہ اس نے ایک یہودی کے ساتھ جھگڑے میں اپنا جھگڑا فیصلہ کے لیے ایک شیطان کے سپرد کرنا چاہا تھا۔بہر حال مطلب یہ ہے کہ کہ تمہارے رب کی قسم اے محبوب! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں یا تمہاری سنت و شریعت کو حاکم نہ بنائیں پھر وہ اپنے دلوں) میں تمہارے فیصلہ سے رکاوٹ نہ پائیں اور اسے جان و دل سے بلا کسی شک و تردد کے مان لیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ تم میں کا کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میری شریعت کے تابع نہ ہو۔اگر ہم ان پر اپنی جانوں کا قتل کرنا یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جانا فرض کرتے جیسا کہ بنی اسرائیل پر قتل نفس واجب کیا تھا اور مصر سے نکل جانے کا حکم دیا تھا تو ان میں سے تھوڑے ہی اس پر عمل کرتے۔اور اگر وہ لوگ اس پر عمل کریں جس کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے۔یعنی اطاعت رسول کی تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر جمنا ثابت قدم رہنا تھا اگر ایسا ہوتا تو ہم ضرور انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے اور ضرور ان کو سیدھی راہ دکھاتے۔[ابن عباس] حضرت حسن اور قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمار بن یاسر و ابن مسعود وغیرہ بعض اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم نے کہا: قسم اللہ کی اگر ہمیں حکم ہوتا تو ہم ضرور ایسا کرتے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچایا۔اس کی خبر جب حضور کو ہوئی تو فرمایا: بے شک میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑ سے زیادہ مستحکم ہے۔[سراج]

تنبیہ: روایت شان نزول سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نہر اور گول سے پہلے اوپر والے کھیت کو بھرا جائے۔پھر اس سے نیچے بعد والے کھیت کو بھرا جائے وعلی ہذا الترتیب ہر کھیت والا اپنے کھیت کو بھرے اس میں جھگڑا نہ کرے۔آج کل بھی آب پاشی کے وقت یہی جھگڑا ہوتا ہے ایسا نہ کرنا چاہئے اور اسی ترتیب سے اپنے اپنے کھیت کو بھرنا چاہئے۔

وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے

عَلِيمًا ﴿٧٠﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ

جاننے والا۔ ف ۱۹ اے ایمان والو! ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو

ع ۱۱/۹/۲

أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ ۚ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ

یا اکٹھے چلو۔ اور تم میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے گا پھر اگر تم پر

مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾

کوئی افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا۔

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللّٰهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ

اور اگر تمھیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں

(آیت ۹۶/۷۰) ۱۹۔ شان نزول:۔ یہ آیت حضرت ثوبان حضور کے آزاد کردہ غلام کے حق میں نازل ہوئی وہ بہت دبلے ہو گئے تھے اور ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور ان کے چہرے سے حزن وملال پایا جاتا تھا اسی حال میں وہ ایک دن حضور کے سامنے آئے تھے۔ حضور نے ان کا حال دریافت فرمایا: تو انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ نہ مجھے کوئی مرض ہے نہ درد وتکلیف ہے مگر مجھے حضور کو بغیر دیکھے چین نہیں پڑتا ہے اور یہ فکر رہتی ہے کہ بعد وصال میرا کیا حال ہوگا اور آخرت میں مجھ پر کیسی گزرے گی۔ جب کہ حضور نبیوں کے ساتھ جنت میں ہوں گے اور میں حضور کو نہ دیکھ سکوں گا۔[معالم وسراج] قتادہ کہتے ہیں: کہ یونہی بعض دیگر صحابہ نے عرض کیا کہ یہاں ہمیں بغیر دیکھے حضور کے چین نہیں پڑتا ہے جنت میں حضور کے مراتب عالیہ ہوں گے ہم حضور تک کیسے پہنچ سکیں گے اور حضور کی زیارت کیسے کر سکیں گے اور بغیر دیکھے ہمیں چین کیوں کر آئے گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں تسکین دی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو اللہ ورسول کا حکم مانے گا وہ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے اور یہ کیا اچھے ساتھی ہیں کہ ان کی معیت سے صبح وشام مشرف ہوگا اگر چہ ان لوگوں کے درجے بلند اور مرتبے رفیع ہوں گے۔ مگر وہ مانع وہ جنت میں نفع اٹھائے گا اور ان کی زیارت سے زیارت ورویت نہ ہوں گے یہ سب اللہ کے فضل سے ان پر ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اعلی درجے والے نیچے درجوں والوں سے اتر کر ملا کریں گے اور ان کے ساتھ جنت میں پھرا کریں گے۔[جامع البیان] بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو جس سے محبت رکھتا ہوگا وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا۔

تنبیہ: جن لوگوں پر اللہ تعالی نے انعام فرمایا ہے ان کا بیان ﴿مِنَ النَّبِيِّينَ الخ﴾ ہے اور ان میں سے اول قسم انبیاء علیہم السلام ہیں ان کا مرتبہ سب سے فوق ہے کہ وہ علم وعمل میں درجہ کمال سے تجاوز کر کے درجہ تکمیل تک پہنچے پھر صدیق ہیں جو اپنی سچائی اور تصدیق کلام الٰہی وکلام رسالت پناہی میں حدکمال کو پہنچ جاتے اور انبیاء علیہم السلام کے یاروں میں سب سے افضل شمار ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی مراتب ہیں جیسے کہ انبیائے کرام میں مراتب ہیں تو جیسے ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سب انبیاء میں افضل ہیں اسی طرح سب صدیقوں میں حضرت ابوبکر صدیق اکبر وافضل ہیں اسی لیے بعض مفسرین نے نبیین سے ذات گرامی حضور مراد لی ہے اور صدیقین سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ مراد لیے ہیں۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ میں نے جس کسی پر بھی اسلام پیش کیا اسے اس میں کچھ تامل ہوا

وَّبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

اس میں کوئی دوستی نہ تھی اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔ ف۲۰

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

تو انھیں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے جو دنیا کی زندگی بیچ کر

بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ

آخرت لیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب آئے تو عنقریب

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ہم اسے بڑا ثواب دیں گے۔ اور تمھیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ

اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو یہ

سوائے ابوبکر کے کہ وہ فوراً ایمان لائے۔ اہل معرفت لکھتے ہیں کہ یہی مرتبہ قطب الاقطاب ہے اور وہ ہر زمانہ میں ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے دو وزیر دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ پس حضور کے وزیر حضرت ابوبکر و عمر تھے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ میرے دو وزیر سماوی جبرئیل و میکائیل ہیں اور دو وزیر ارضی ابوبکر و عمر ہیں پھر بعد حضور حضرت ابوبکر کے دائیں وزیر حضرت عمر ہوئے اور بائیں عثمان پھر عثمان کے دائیں وزیر حضرت علی اور بائیں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوئے۔ اور جو بجائے صدیق اکبر جانشین ہوتا گیا وہ خدا کے فضل سے صدیق ہوتا گیا۔ پھر صدیقوں۔ کے بعد شہداء کا مرتبہ ہے یعنی جنھوں نے بھی محض اللہ کا دین پھیلانے کے لیے جہاد میں اپنی جانیں قربان کیں پھر ان کے بعد صالحین کا درجہ ہے جو اپنے حسنِ عمل سے۔ زمرۂ مقبولان خدا میں داخل ہوئے۔ [مواہب]

فائدہ: امام احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور سے عرض کیا میں نے صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھی اور اپنے مال کی زکاۃ دی اور رمضان کے روزے رکھے تو آپ نے فرمایا: جو ایسے حال پر مرے گا وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

(آیت ۷۱ تا ۷۳) ۲۰۔ شان نزول: ۔ جب مسلمان کہیں جہاد کے لیے جانے کو تیار ہوتے۔ تو عبداللہ ابن ابی وغیرہ منافق کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ کر کے ان کے ساتھ جانے سے باز رہتے۔ اور جب اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوتی تو خوش ہو کر کہتے کہ خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا کہ ہم ساتھی نہ تھے ورنہ ہم پر بھی یہی مصیبت پڑتی اور جو مسلمانوں کی فتح ہوتی، مال غنیمت ملتا، تو افسوس کرتے اور کہتے کاش ہم بھی ساتھ جاتے اور ہمیں بھی مال غنیمت ملتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کا حال بیان کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جہاد میں ہوشیاری سے کام لو خواہ دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو یا سب اکھٹے ہو کر چلو اور تم میں کوئی جہاد میں جانے سے ضرور دیر لگائے گا اور بہانہ ٹٹولے گا۔ جیسے عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی۔ پھر اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو وہ خوش ہو کر کہے کہ خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا اور جو تمھیں اللہ کا فضل ملے۔ یعنی فتح میسر ہو مال غنیمت ملے تو وہ ضرور نادم ہو کر کہے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مجھے بھی مال غنیمت میں حصہ ملتا گویا اس میں کوئی دوستی و شناسائی نہ تھی۔ یہ جملہ معترضہ درمیان، ''کہے'' ''اور کاش'' کے واقع ہے۔

تنبیہ: چونکہ منافق مسلمانوں میں ملے رہتے تھے اس لیے ﴿منکم﴾ فرمایا گیا ہے۔ اور خطاب تمام لشکر والوں سے کیا گیا ہے

يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَاجۡعَلۡ لَّنَا

دعا کر رہے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں

مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ؕ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيۡنَ

اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے۔

اٰمَنُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ

ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی

سَبِيۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِيَآءَ الشَّيۡطٰنِ ۚ اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ

راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ

ضَعِيۡفًا ﴿۷۶﴾ ع اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا

کمزور ہے ف۲۱ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز

جس میں منافق بھی شامل ہیں پھر منافقوں کا حال ﴿لیبطئن﴾ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

(آیت ۷۵ تا ۷۶) ۲۱۔ شان نزول: جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم وستم کرنا شروع کیے۔ عرصہ حیات تنگ کیا اور ان میں برداشت کی قوت نہ رہی تو انہیں مدینہ کو ہجرت کرنے کا حکم ملا۔ تب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع بڑے بڑے صحابہ کے مدینہ کو چلے گئے۔ لیکن پھر بھی بہت سے کمزور و بیمار مرد، عورتیں، بچے اور غلام، باندیاں اور جو کفار کی قید میں تھے مجبورانہ آسکے وہیں رہ گئے ان پر کفار اور زیادہ ظلم کرنے اور تکلیفیں دینے لگے تاکہ وہ اسلام چھوڑ کر پھر کافر ہو جائیں وہ بیچارے مظلوم ظلم و تکلیفیں سہتے اور اپنی رہائی کی اللہ سے دعا کرتے تھے چونکہ مظلوم کی دعا جلد قبول ہوتی ہے خدا نے ان کی رہائی کا سامان کیا کہ جہاد فرض کیا اور انہیں رہائی نصیب ہوئی جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے جو دنیا کی زندگی کو بیچ کر آخرت مول لیتے ہیں۔ اور جو اللہ کی راہ میں لڑے گا پس مارا جائے گا یا غالب آئے گا اسے ہم دونوں صورتوں میں عنقریب بڑا ثواب دیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے اس شخص کی کفالت کی ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرنے کو محض جہاد کی نیت سے گھر سے نکلا نہ کسی اور نیت سے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے مع ثواب و مال غنیمت گھر واپس کرے گا۔ ظاہر حدیث دلیل ہے اس کی کہ جو سفر جہاد میں مرا اگرچہ شہید نہ ہوا وہ بھی جنت میں جائے گا اور اسے ثواب ملے گا۔ پھر بطور توبیخ مسلمانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوا ہے یعنی کون سی چیز تمہیں مانع ہے اس سے کہ تم خدا کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے نہ لڑو جن کو کفار نے ہجرت سے روک رکھا ہے اور انہیں اذیتیں دے رہے ہیں اور وہ اپنی رہائی کی دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمارا مددگار پیدا فرما کہ ہمیں کفار کے پنجہ ظلم سے بچائے۔ تو جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کا داؤں کمزور ہے ایمان والوں کے مقابلہ میں نہیں چل سکتا ہے۔

تنبیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں اور میری ماں بھی ان ہی کمزوروں میں سے تھے جن کا ذکر آیت میں فرمایا گیا ہے۔ [بخاری] دوسری روایت میں ہے کہ حضور ان کی رہائی کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ پس اللہ نے ان بے کس مظلوموں کی

الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا

قائم رکھو اور زکوۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ

ان میں بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈریے یا اس سے بھی زائد

وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ

اور بولے اے رب! ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور

قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ

جینے دیا ہوتا تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لیے آخرت

اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ

اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا ف۲۲ تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آلے گی

دعا قبول فرمائی اور پہلی دعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ نے غیب سے سامان مہیا فرما کر کچھ لوگوں کو پنجۂ کفر سے چھڑایا اور وہ مدینہ چلے آئے، جیسے سلمہ ابن ہشام وعیاش ابن ربیعہ وولید وغیرہ۔ اور دوسری دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں نے فتح مکہ کیا اور بقیہ رہا ہوئے اور حضور نے عتاب ابن اسید کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ انہوں نے ظالموں سے مظلوموں کا حق دلایا اور انہیں سزا دی۔ [ابن کثیر]

(آیت ۷۷) ۲۲۔ شان نزول:۔ جب کفار مکہ نے مسلمانو کو بہت تنگ کیا غیر قابل برداشت اذیتیں دیں تو عبدالرحمٰن ابن عوف اور مقداد ابن اسود اور سعد ابن وقاص وغیرہ صحابہ نے حضور سے عرض کی کہ جب ہم مشرک تھے تو سب ہماری عزت کرتے تھے کوئی ہمیں ٹیڑھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا اب جب کہ ہم مسلمان ہوئے تو سب ہمیں فقیر سمجھتے اور ایذائیں دیتے ہیں ہم کو ان سے مقابلہ کی اجازت دیجئے۔ فرمایا: تمہیں صبر کرنے اور اپنی اصلاح کرنے اور نماز پڑھنے اور صدقہ دینے کا حکم ہے مگر جب مدینہ میں آئے اور ان کو جہاد کا حکم ہوا تو بعض ضعیف الایمان گھبرائے اور تنگ دل ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [حاکم عن ابن عباس] مجاہد کے نزدیک اس کا نزول منافقوں کے حق میں ہے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہوں نے مکہ میں کفار سے لڑنے کی اجازت چاہی اور ان سے کہا گیا تھا کہ تم کفار سے نہ لڑو اور نماز پڑھو، زکاۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے بعض لوگ کفار سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔ اور بولے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم ان سے فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور عذاب الٰہی سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت اچھی ہے اور تم پر تاگہ برابر یعنی ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا پس تم جہاد کرو موت سے نہ ڈرو کہ جہاں کہیں بھی تم ہو گے موت تمہیں آئے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو پس تم موت کے خوف سے جہاد ترک نہ کرو۔

تنبیہ: جن لوگوں نے ایسا کہا تھا وہ کون تھے اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ منافقین سے تھے کہ ﴿لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ [النساء:۷۷] کہنا مومنین کی شان سے بعید تھا اور بعض نے کہا ہے وہ ضعیف الایمان لوگ تھے خوف و بزدلی کی وجہ سے انہوں نے ایسا کہا تھا۔ پھر انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مسلمان تھے جب ان پر جہاد فرض ہوا تو بزدلی کی وجہ سے منافق ہو گئے اور جہاد کو نہ گئے۔ [سراج وغیرہ] اور زکوۃ سے آیت میں بقول ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ صدقہ وخیرات مراد ہے کہ مکہ میں

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو، اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ

مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا

حضور کی طرف سے آئی تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی

يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫

بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔ اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے

وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور اے محبوب! ہم نے تمہیں، سب لوگوں کے لیے رسول بھیجا

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ

اور اللہ کافی ہے گواہ ف۲۳ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے

صرف نماز پڑھنے صدقہ دینے اور تحمل و برداشت کرنے کا حکم تھا صدقہ کی کوئی تعداد معین نہ تھی اور نہ اس مال کی کوئی تعداد مقرر تھی جس پر صدقہ واجب ہوتا ہے بلکہ اپنی حاجت سے زائد مال کو صدقہ کرنے کا حکم تھا۔ مدینہ میں آکر زکاۃ فرض ہوئی اور جہاد بھی فرض ہوا اور صدقہ کی مقدار معین ہوئی۔ اور جو آیت کا نزول منافقوں کے حق میں مانا جائے تو زکاۃ سے اس کے اصل معنی مراد ہوں گے۔

(آیت ۷۸/۷۹) ۲۳۔شان نزول:۔ مدینہ میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہود اور منافقین مدینہ کا یہ حال تھا کہ جب ان میں کوئی نقصان پہنچتا تو وہ حضور پر الزام لگاتے اور حضور کے آنے کو اس کا سبب ٹھہراتے اور جو انہیں نفع ہوتا تو اسے اتفاقیہ اللہ کی طرف سے بتاتے۔ ان کے اس باطل عقیدہ کو رد کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہود و منافقین کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے یعنی نفع ہوتا ہے جیسے فراخ سالی جہاد میں کامیابی مال میں نفع تو اسے من جانب اللہ بتاتے ہیں اور جو انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے جیسے قحط سالی بیماری لڑائی میں شکست مال میں نقصان تو اسے حضور کی طرف منسوب کرتے اور حضور کی سبز قدمی بتاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی تردید و تکذیب میں فرمایا: کہ تم اے محبوب ان سے فرمادو کہ یہ برائی بھلائی سب اللہ کی جانب سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ اے سننے والے سمجھ لے کہ تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اللہ کے فضل سے ہے اور تجھے جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تیری طرف سے ہے یعنی تیرے گناہوں کے سبب سے ہے جیسا کہ آیت ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۰] میں فرمایا گیا ہے کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کیے ہوئے کے سبب پہنچی۔ حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو جو مشقت و سختی پہنچتی ہے یہاں تک کہ کانٹا بھکنے اور جوتے کی کیل نکل آنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس کے گناہوں کے سبب ہوتی ہے۔ پس برائی بھلائی کی نسبت اللہ کی طرف حقیقۃً ہے کہ وہ اس کا خالق ہے اور برائی کی نسبت بندے کی طرف مجازاً ہے کہ وہ اس کے گناہ کرنے کے سبب پہنچتی ہے۔ اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے نہ صرف اہل عرب کے لیے

تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا

منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔ اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب

بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ

تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں ایک گروہ جو کہہ گیا تھا اس کے خلاف رات کو

تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب! تم ان سے چشم پوشی کرو اور اللہ پر

اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ

بھروسا رکھو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو۔ ف۲۴ تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ

مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا

غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے ف۲۵ اور جب

جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں اور اس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ [السبأ: ۲۸] نہیں بھیجا ہم نے تمہیں اے محبوب مگر تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے اور ڈر سنانے والا اور اے محبوب آپ سب لوگوں سے فرمادیجیے کہ ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [الاعراف: ۱۵۸] اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف جس کی حکومت آسمان وزمین میں ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے: ''ارسلت الی الخلق کافة'' میں تمام مخلوق الٰہی کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

(آیت ۸۰/۸۱) ۲۴۔ شان نزول: اس کی معالم وسراج میں یہ لکھی ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ فرمایا: کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی تو منافق بولے یہ شخص چاہتا ہے کہ ہم اسے رب بنالیں جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو بنالیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے اللہ کے حکم سے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہیں بھیجا ہے بلکہ ان کے ڈرانے کو بھیجا ہے اگر وہ نہیں مانتے ہیں تو تم غم نہ کرو کہ تم اپنا فرض منصبی ادا کر چکے اب ہمیں ان سے حساب لینا ہے ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ [الرعد: ۴۰] یہ حکم جہاد سے پہلے تھا۔ اور وہ منافق جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے حکم مانا یا ہمارا کام حکم ماننا ہے۔ پھر جب وہ تمہارے پاس سے جاتے ہیں تو ان میں کا ایک گروہ رات کو اس کے خلاف منصوبہ گانٹھتا ہے جو تم سے کہہ گیا تھا یا تم نے جو ان سے کہا تھا اور اللہ ان کے رات کے منصوبے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیتا ہے۔ تو اے محبوب تم ان سے چشم پوشی کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اللہ کافی ہے تمہارے کام بنانے کو۔

(آیت ۸۲) ۲۵۔ چونکہ مشرکین مکہ قرآن عظیم کو کلام الٰہی نہیں سمجھتے تھے۔ اس میں شک وشبہ کرتے تھے۔ بلکہ صاف کہتے تھے کہ یہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے۔ وہ اسے خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کے اس خیال کے رد میں علاوہ دیگر آیات کے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور اس میں ایسی دلیل پیش کی گئی جو عام فہم ہے ہر جاہل اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کہ جو لوگ قرآن عظیم کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے ہیں وہ کیا قرآن عظیم میں غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔ اس کے معنی میں نظر نہیں کرتے ہیں۔ کہ اگر غیر خدا کا کلام

جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ
ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر

اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بات میں کاوش کرتے

مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا
ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر

قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
تھوڑے ف۲۶ تو اے محبوب! اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیے جاؤ گے مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ
آمادہ کرو قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر

ہوتا تو ضرور وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ یعنی اس کے معنی ومطالب فصاحت و بلاغت اور نظم الفاظ اور اخبار بالغیب وغیرہ میں بے حد تفاوت اور تباین و تناقض دیکھتے حالانکہ اس میں اختلاف کثیر تو در کنار اختلاف قلیل بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے کلام بشر نہیں ہے۔

(آیت ۸۳) ۲۶۔ شان نزول: ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقوں اور کمزور ایمان والوں کے حق میں نازل ہوئی جو غلط افواہیں اڑاتے تھے اور اسلام کی باتوں کو بغیر تصدیق کیے اور بغیر سوچے سمجھے مشہور کر دیتے تھے جس سے اسلام کو نقصان پہنچتا تھا اور مسلمانوں کے دل ٹوٹتے اور حضور کو دکھ ہوتا تھا [جلال] جامع البیان اور ابن کثیر میں اس کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور نے اپنی بیوں کو طلاق دیدی ہے۔ پس انھوں نے آکر حضور سے دریافت کیا حضور نے انکار فرمایا:۔ پس حضرت عمر نے بلند آواز سے لوگوں میں اس کا اعلان کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہرحال آیت میں غلط افواہیں پھیلانے اور اسلام کی خفیہ باتیں ظاہر کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس کوئی خبر اسلامی لشکر سے اطمینان یا ڈر کی آتی ہے تو وہ اسے بلا تحقیق کیے مشہور کر دیتے ہیں۔ اگر وہ اس میں رسول کی طرف اور اپنے ذی اختیار لوگوں صحابہ کرام کی طرف رجوع لاتے۔ یعنی ان سے اپنی خبر کی تحقیق کرتے تو ضرور اس کی حقیقت جان لیتے کہ وہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ مشہور کرنے کے قابل ہے یا نہیں ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ یعنی کافر و گمراہ ہو جاتے مگر تھوڑے مومن خالص اس کی اتباع سے بچ جاتے جیسے زید ابن عمر ابن نضیر اور ورقہ ابن نوفل وغیرہ۔

تنبیہ: بغیر تحقیق کیے کوئی خبر مشہور کرنا گناہ ہے حدیث میں ہے کہ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو بات سنے اسے بلا تصدیق بیان کرے۔ [مسلم و ابوداؤد] امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہے کہ جاہل عوام کو احکام حوادث میں ائمہ وعلماء کی تقلید کرنا واجب ہے۔

بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ
اور اس کا عذاب سب سے کڑا ۲۷ جو اچھی سفارش کرے اس کے لیے
لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ
اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے اس کے لیے اس میں سے حصہ
مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ
ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ف۲۸ اور جب تمھیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے
فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو، بے شک اللہ ہر چیز پر
حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا
حساب لینے والا ہے اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ وہ ضرور تمھیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن

النصف

(آیت ۸۴) ۲۷۔ شان نزول:۔ اس کی معالم میں یہ لکھی ہے کہ جب جنگ احد کے بعد ابوسفیان سے وعدہ کرنے کے موافق سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر صغرا میں جہاد کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو نعیم ابن مسعود نے آکر مسلمانوں کو کفار کی کثرت و شوکت سے ڈرایا تو بعض ضعیف الایمان لوگ جہاد میں جانے سے رکے تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے فرمایا: کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں تنہا جاؤں گا۔ بالآخر حضور ستر صحابہ کو لے کر حسب وعدہ وقت مقررہ پر بدر صغرا میں پہنچے لیکن ابوسفیان ڈر کے مارے نہ آیا۔ بدر صغرا میں ایک بازار لگا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے تین روز ٹھہر کر وہاں خرید و فروخت کی اور پھر امن وچین سے با نفع مدینہ میں واپس آئے اس کا ذکر سورۂ آل عمران میں تحت آیت کریمہ ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ الخ [آل عمران: ۱۷۲] ہو چکا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ کہ اے محبوب تم اللہ کی راہ میں اکیلے لڑو اور مسلمانوں کو جہاد کے لیے آمادہ کرو قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی کو روک دے لڑائی نہ لڑنا پڑے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوسفیان ڈر کے مارے نہ آیا اور مسلمان بغیر لڑے واپس ہوئے۔

(آیت ۸۵) ۲۸۔ شان نزول:۔ مجاہد ابن جبیر کہتے ہیں کہ یہ آیت لوگوں کی سفارشات وشفاعات کے بارے میں نازل ہوئی جو ایک دوسرے کی کرتے تھے۔ [ابن کثیر] اور اس میں مسلمانوں کو نیک کاموں میں سعی سفارش کرنے اور ناجائز سفارش سے باز رہنے کو فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی کی اچھی موافق شرع سفارش کرے گا اس میں سے اس کو حصہ ملے گا یعنی وہ اس کا اجر وثواب پائے گا۔ اور جو بری خلاف شرع کسی کی سفارش کرے گا اس میں سے اس کو حصہ ملے گا یعنی اس کے گناہ سے حصہ پائے گا۔ مثلاً کسی نے کسی نیک کام کی سفارش کی تو اس کے ثواب میں سے حصہ پائے گا اور جو برے کام میں سفارش کی تو اس کے عذاب میں حصہ پائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو جائز سفارشات میں حصہ لینا چاہئے اور ناجائز سفارشات سے بچنا چاہئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک آدمی حضور کے پاس کچھ مانگنے یا حاجت طلب کرنے کو آیا۔ پس حضور نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: شفاعت کرو اجر پاؤ گے۔ خدا اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ [سراج و بخاری] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: شفاعت حسنہ مسلمانوں میں اصلاح کرنا ہے اور شفاعت سیئہ ان کی برائی کرتے پھرنا ہے۔ [معالم] حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں سفارش کرنے والوں کو محض سفارش کرنے سے ثواب ملے گا خواہ اس کی شفاعت قبول ہو یا نہ ہو کہ آیت میں ﴿من يشفع﴾ بلا شرط قبولیت فرمایا گیا ہے۔

لَا رَیۡبَ فِیۡهِ ؕ وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیۡثًا ﴿۸۷﴾ ع فَمَا لَكُمۡ فِی

جس میں کچھ شک نہیں [اور] اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ف۲۹ تو تمھیں کیا ہوا کہ

الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِئَتَیۡنِ وَ اللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا

منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انھیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ

مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِیۡلًا ﴿۸۸﴾

جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا۔

وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ تو ان میں کسی کو

مِنۡهُمۡ اَوۡلِیَآءَ حَتّٰی یُهَاجِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ

اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منھ پھیریں تو انھیں پکڑو

(آیت ۸۶/۸۷) ۲۹۔ پہلی آیات میں دشمنان دین سے لڑنے کو فرمایا گیا تھا اس میں آپس میں تواضع انکساری کرنے غرور کو توڑنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے اچھا لفظ جواب میں کہو یا وہی لفظ کہہ دو جو اس نے کہا ہو۔ مثلاً کوئی تم سے السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو اور جو وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ اور جو وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو تم اس کی مثل کہو۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے السلام علیکم کہا حضور نے اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ اور دوسرے نے آکر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو حضور نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ اور تیسرے نے آکر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ کہا تو حضور نے وعلیک فرمایا: تو اس نے کہا حضور نے میرے حق میں کمی کی اور یہ آیت پڑھی۔ پس حضور نے فرمایا تو نے کوئی فضل چھوڑا ہی نہیں لہذا میں نے اسی کی مثل تجھ پر لوٹ دیا۔ یعنی جو تو نے کہا تھا وہی میں نے کہہ دیا یہی اس کی انتہا تھی۔ [سراج] امام احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور کو آکر السلام علیك کہا۔ پس حضور نے جواب دیا اور فرمایا: " عشر " یعنی دس نیکیاں۔ پھر دوسرے شخص نے آکر السلام علیك ورحمة الله کہا۔ پس حضور نے جواب دیا اور فرمایا: "عشرین " یعنی بیس نیکیاں۔ پھر تیسرے نے آکر السلام علیك ورحمة الله وبرکاته کہا۔ پس حضور نے جواب دے کر فرمایا: ثلثین " یعنی تیس نیکیاں ملیں۔ [رواہ ابو داؤ د والترمذی]

تنبیہ: جملہ مفسرین کے نزدیک آیت میں تحیت سے مراد سلام ہے اور وہ طریقہ اہل اسلام ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد فرشتوں پر جا کر سلام کرنے کا حکم فرمایا اور کہا کہ جو فرشتے اس کے جواب میں کہیں اسے سنتے رہنا وہی تیری اور تیری اولاد کی تحیۃ ہے پس انھوں نے جا کر فرشتوں پر سلام کیا۔ فرشتوں نے اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ پس وہی طریقہ ان کی اولاد میں رائج ہوا۔ مدارک میں ہے کہ سلام تحیۃ اہل اسلام ہے کہ اہل عرب وقت ملاقات حیاک اللہ کہا کرتے تھے یعنی اللہ تجھے زندہ رکھے عمر دراز کرے۔ پس اسلام نے اس کے بدلے السلام علیکم کہنے کا حکم فرمایا کہ وہ فلاح دارین پر مشتمل تھا۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر شناسا وغیر شناسا پر سلام کرو۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ تم آپس میں سلام کیا کرو محبت پیدا ہوگی۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جب تم اپنے بھائی مسلمان سے ملو تو اس پر سلام کرو۔ پس سلام کرنا سنت ہے اور جواب سلام دینا فوراً

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ نہ مددگار ف۳۰

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ ۳۱ رکھتے ہیں کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

ان کے دلوں میں سکت نہ رہی کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا

ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ بے شک تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ

پیام ڈالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہ رکھی اب کچھ اور تم ایسے

اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى

پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب کبھی ان کی قوم انہیں

واجب ہے اگر دیر کر کے دے گا تو جواب نہ ہوگا اور گنہگار ہوگا۔ اور سلام کرنا سنت کفایہ ہے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر چند
میں سے ایک نے کیا تو سب کی طرف سے ہوگیا اور جو ان میں سے ایک نے جواب دیا تو سب کی طرف سے جواب ہوگیا اور کسی نے
جواب نہ دیا تو سب گنہگار مواخذہ دار ہوں گے۔ اور جو ایک معین شخص پر سلام کیا جائے تو اس پر جواب دینا فرض عین ہے اگر نہ دے گا تو
گنہگار ہوگا۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ گزرنے والی جماعت میں سے ایک کا سلام کرنا اور بیٹھی ہوئی جماعت سے ایک کا جواب دینا
کافی ہے۔ اور ابتدائے سلام افضل ہے کہ حدیث میں آیا ہے اللہ سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے۔ یا اللہ کے نزدیک پہلے
سلام کرنے والا اولیٰ ہے۔ [ترمذی و احمدی] اور کسی سے ملتے وقت بات چیت کرنے سے پہلے سلام کرنا مستحب ہے اور چھوٹوں کو بڑوں پر،
اور سوار کو پیدل پر، اور پیدل کو بیٹھے ہوئے پر، اور تھوڑوں کو بہت سوں پر، اور گزرنے والے کو بیٹھے ہوئے پر سلام کرنا چاہیے جیسا کہ بخاری و
مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ باقی احکام سلام ورد سلام وغیرہ میں نے اسوۂ حسنہ میں مفصل لکھے ہیں اسے دیکھیے۔
(آیت ۸۹/۸۸) ۳۰۔ شان نزول میں ان آیات کی مختلف روایات آئی ہیں۔ شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب جنگ احد جاتے
میں راہ میں سے عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی لوٹ آئے تو ان کے بارے میں مسلمانوں کے دو فریق ہوگئے ایک کی رائے تھی کہ وہ مرتد
ہوگئے انہیں قتل کرنا چاہیے دوسرے کی رائے تھی کہ وہ مسلمان ہیں قابل قتل نہیں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواہ احمد و بخاری و مسلم و
بغوی بسندہ] اور محی السنۃ نے معالم میں بروایت مجاہد لکھا ہے کہ بعض مشرک مکہ سے مدینہ کو آئے اور کہا کہ ہم مسلمان ہو کر آئے ہیں چند روز
کے بعد وہ بہانہ کر کے مدینہ سے مکہ کو بھاگ گئے اور راہ میں سے ایک خط حضور کو بھیج دیا کہ چونکہ ہمیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی اس
لیے ہم چلے آئے ہم ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے تھے۔ ان کے متعلق صحابہ کے دو گروہ ہوگئے ایک نے کہا وہ مرتد ہوگئے دوسرے نے کہا وہ
مرتد نہیں ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں ایسے

الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ

فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے منہ گرتے ہیں پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی گردن نہ ڈالیں

وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ

اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو

وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

اور یہ ہیں جن پر ہم نے تمھیں صریح اختیار دیا اور مسلمان کو نہیں پہنچتا

اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ

کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک

ع ۱۲

تھے جنہوں نے زبان سے اقرار اسلام کیا تھا اور باطن میں مشرکوں سے ملے ہوئے تھے اتفاق سے وہ کسی کام کے لیے مکہ سے باہر نکلے اور آپس میں کہا کہ اگر مسلمان ہمیں راہ میں ملیں گے تو ہم ان سے مقابلہ کریں گے یہ خبر مسلمانوں کو بھی کسی ذریعہ سے ہوئی تو مسلمانوں میں سے بعض نے کہا کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں چلو ان کو قتل کریں اور بعض نے کہا کہ وہ ہماری طرح زبان سے اقرار اسلام کرتے ہیں ہم انہیں کیسے قتل کر سکتے ہیں اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواہ ابن ابی حاتم] بہر حال مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ان کے کفر پر متفق نہ رہے۔ اور اللہ نے انہیں ان کے برے فعلوں کے سبب سے اوندھا کر دیا ہے یعنی کفر و معاصی کی طرف پھیر دیا ہے۔ تو تم کیسے انہیں مسلمان سمجھتے ہو۔ کیا تم اسے راہ دکھانا اور ہدایت پانے والوں شمار کرنا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ کیا اس کے لیے تو ہر گز ہدایت کرنے کی راہ نہ پائے گا وہ تو عداوت کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تو تم ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اگرچہ وہ اظہار اسلام کریں جب تک وہ ایمان لا کر اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں۔ پس اگر وہ اس سے منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست و مددگار نہ بناؤ مگر ان کو جو تمہارے معاہدے والوں سے ملے ان کی پناہ میں آئے۔ جیسا کہ حضور نے ہلال ابن عویمر اسلمی سے معاہدۂ امان اس کے اور اس کی پناہ میں آنے والے کے لیے کیا تھا یا جو تمہارے پاس اس وجہ سے آئیں کہ ان میں تم سے یا تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنے کی طاقت نہ رہی ہو۔ تو ان سے تعرض نہ کرو پکڑنے اور قتل کرنے کے ساتھ۔ جیسے کہ بنی خلیج نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ اپنی قوم کے ساتھ مسلمانوں سے لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیغام دیں تو اللہ نے تمہیں ان پر پکڑنے اور قتل کرنے کی کوئی راہ نہیں رکھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تم مشرکوں کو جہاں پاؤ پکڑو اور قتل کرو سوا ان مشرکوں کے جو تمہارے معاہدے میں ہوں یا معاہدے والوں میں پناہ لیں یا جو تم سے لڑنے کی طاقت نہ رکھیں یا جو تم سے لڑنا نہ چاہیں صلح کرنا چاہیں تو انہیں نہ پکڑو اور نہ قتل کرو۔ بخاری کی حدیث میں ہے جس نے معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی بو نہ سونگھے گا۔ اور عنقریب دوسرے لوگ تم ایسے پاؤ گے جو تم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ جیسے قبیلہ اسد و غطفان کے لوگ کہ مدینہ میں آ کر معاہدہ کر کے مامون ہو جاتے ہیں اور جب اپنی قوم میں جاتے ہیں تو کفر کرتے ہیں اور معاہدہ توڑتے ہیں اور برے الفاظ حضور و اصحاب حضور کی شان میں کہتے ہیں۔ اور جب کبھی ان کی قوم فساد کی طرف پھیرتی ہے یعنی مشرک کرنے یا مسلمانوں سے لڑنے کی طرف تو اس پر اوندھے گرتے ہیں۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کا پیغام نہ دیں اور اپنے ہاتھ لڑائی سے نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے پکڑنے اور قتل کرنے کا ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا ہے ان کے غدر کے سبب۔

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ
مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خوں بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک

مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ
مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خوں بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
سپرد کی جائے اور ایک مسلمان مملوک آزاد [کرنا] تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾
دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ ف۳۱

تنبیہ: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ﴾ سے یہاں تک کئی آیات۔ آیت ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [التوبۃ: ۳۶] سے منسوخ ہیں۔ اور "اِلَّا الَّذِيْنَ" صرف پکڑنے اور قتل کرنے سے استثنا ہے نہ موالات سے کہ کفار سے موالات کسی حال میں روا نہیں ہے۔ [معالم] اور یہاں ہجرت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بلاغرض دنیوی محض ثواب حاصل کرنے کے لیے نکلنا ہے۔ [سراج]

(آیت ۹۰ تا ۹۲) ۳۱۔ شان نزول: یہ آیت حضرت عیاش ابن ربیعہ اور حارث ابن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی کہ عیاش مسلمان ہو کر مدینہ چلے راہ میں حارث نے انہیں دھوکہ دے کر گرفتار کر لیا اور بہت مارا پیٹا برا بھلا کہا، عیاش نے غصہ میں قسم کھائی کہ میں تجھے جب موقع پاؤں گا قتل کروں گا اس کے بعد حارث بھی مسلمان ہو کر مدینہ چلے گئے اور عیاش پہلے ہی مدینہ چلے گئے تھے حارث کا ایمان لانا انہیں معلوم نہ تھا۔ ایک جگہ موقع پا کر اپنی قسم پوری کرنے کو انہوں نے حارث کو مار ڈالا بعد کو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوا تو گھبرا کر حضور کے پاس آئے اور عرض حال کیا۔ اس پر یہ آیت نازل اتری۔ اور ابن کثیر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ابو درداء کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جس نے بظاہر کلمہ پڑھا تھا اور بعد قتل حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ وہ دراصل کافر تھا اپنے بچاؤ کے لیے کلمہ پڑھتا تھا۔ اس پر حضور نے ان سے فرمایا: تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ حضرت عروہ ابن زبیر کی روایت میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت حذیفہ کے والد مسلمانوں کے ہاتھ سے سراسیمگی کی حالت میں قتل ہو گئے بعد کو مسلمانوں کو بڑا ملال ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان کا ناحق خون کرنا لائق نہیں ہے مگر غلطی سے ہاتھ بہک کر۔ اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے مثلاً کسی کافر کے یا شکار کے گولی یا تیر مار رہا تھا وہ کسی مسلمان کے لگ گئی اور وہ مر گیا یا کسی کو کافر سمجھ کر مارا وہ مسلمان نکلا تو اس پر ایک مسلمان غلام اس کے کفارہ میں آزاد کرنا واجب ہے اور اس کے وارثوں کو خون بہا دینا لازم ہے جو ان پر مثل ترکہ کے تقسیم ہوگا۔ جیسا کہ حدیث ضحاک میں آیا ہے۔ [بیضاوی] مگر یہ کہ وہ خون بہا نہ لیں معاف کریں۔ پھر اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی قوم کا ہو اور وہ خود مسلمان ہو مثلاً دارالحرب میں مسلمان ہوا تھا اس کا ایمان لانا معلوم نہ تھا اسے کسی مسلمان نے کافر سمجھ کر مار دیا تو تم پر صرف ایک غلام آزاد کرنا ہے دیت نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں تھا۔ اور جو وہ مقتول اس قوم کا ہے جس سے تمہارا معاہدہ ہے جیسے ذمی تو اس کے لوگوں کو پورا خون بہا دینا اور غلام آزاد کرنا ہے۔ خواہ وہ مقتول مسلمان ہو یا ذمی۔ پس

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلا جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے تیار کر رکھا ہے بڑا عذاب۔ ف۳۲ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا

ایمان والو! جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمھیں سلام کرے

لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ

اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے

الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

ہو تو اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر

جوکوئی غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہوتو وہ دو مہینہ کے متواتر روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تنبیہ: دیت یعنی خوں بہا کی مقدار امام اعظم کے نزدیک سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درم ہیں جو تین سال میں قاتل کے کنبہ برادری والے سوائے باپ دادا اور اولاد کے اپنے مال سے ادا کریں نہ قاتل کے مال سے۔ اور قاتل اپنے مال سے صرف غلام آزاد کرے اور جو غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہوتو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے درمیان میں سوائے حیض ونفاس اور بیماری کے افطار نہ کرے۔ اگر بغیر عذر شرعی افطار کرے گا تو پھر سے از سر نو رکھنا ہوں گے۔ روزے کے بدلہ یہاں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ باقی احکام دیت وغیرہ کتب فقہ میں دیکھئے۔ اور قتل عمد کا حکم مفصل سورۂ بقر میں تحت آیۂ کریمہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ [البقرۃ:۱۷۸] گزرا۔

(آیت ۹۳) ۳۲۔ شان نزول اس کی معالم میں یہ لکھی ہے کہ مقیس ابن خبابہ اور اس کا بھائی ہشام مسلمان ہوکر مدینہ میں آئے کسی نے ہشام کو مدینہ میں قتل کر دیا اس کی لاش بنی نجار کے محلہ میں پڑی ملی مقیس نے حضور سے آکر عرض حال کیا حضور نے بنی نجار کو حکم بھیجا کہ تم اگر قاتل کو جانتے ہوتو اسے پکڑ کر مقیس کے حوالے کرو کہ اس سے قصاص لیا جائے اور جو نہ جانتے ہوتو آپس میں چندہ کرکے مقتول کا خون بہا ادا کرو۔ بنی نجار نے عرض کیا ہم قاتل سے واقف نہیں ہیں مگر اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم ہمیں منظور ہے اور چندہ کرکے اس کا خون بہا مقیس کو ادا کر دیا۔ مقیس لے کر چلا راہ میں خیال آیا کہ قصاص بدلہ نہ لینے کی بدنامی میرے نام کے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ لہذا اس نے فہری شخص کو جس کو حضور نے اس کے ساتھ بنی نجار کے پاس بھیجا تھا قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر مکہ لے گیا اور مرتد ہوگیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قصداً مارے گا وہ مدتوں جہنم میں رہے گا اور اس پر خدا کا غضب ولعنت ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب رکھا ہے۔

تنبیہ: یہاں ''خلود'' سے مراد بہت دنوں جہنم میں رہنا ہے نہ ہمیشہ کہ مومن ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ اور قتل مسلم کبیرہ گناہ ہے اور کبائر اہل سنت کے نزدیک توبہ کرنے یا اللہ کے چاہنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ سوائے شرک کے کہ اسے اللہ معاف نہیں فرماتا ہے ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء:۴۸] جمہور ائمہ سلف وخلف کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے خلافاً لابن عباس رضي

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا

اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم پر تحقیق کرنا لازم ہے بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ ؔ۳۳

يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ

برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ

راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ

اور جانوں سے جہاد والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ لَا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ

اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے۔ اس کی طرف سے درجے

الله تعالى عنهما، والمراد به التشدد كما قال البيضاوى وروى البيهقى خلافه عنه. [سراج] اور قتل عمد میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کفارہ نہیں ہے۔ اور قتل عمد وخطا کے درمیان ایک اور قتل ہے جسے شبہ بالعمد کہا جاتا ہے اور وہ کسی کو ایسی چیز سے قتل کرنا ہے جس سے غالب موت نہیں واقع ہوتی ہے۔ جیسے پتلی لکڑی ہلکے اینٹ پتھر سے کسی کو قصداً مارا اور وہ مر گیا تو اس میں قصاص نہیں ہے دیت ہے۔ اور کفارہ میں کافر غلام آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کئی جگہ شرک کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس سے اس کی اہمیت وعظمت ظاہر ہوتی ہے اور اس کی سزا بھی نہایت سخت سنگین یعنی مدتوں جہنم میں رہنا اور مورد غضب ولعنت الٰہی ہونا رکھی گئی ہے۔ اور احادیث میں بھی اسے اکبر الکبائر فرمایا گیا ہے اور اس کی سخت وعیدات ذکر فرمائی گئی ہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں میں خون کا فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ حدیث بخاری ومسلم میں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال مسلمان کو قتل کرنے سے زیادہ حقیر ہے۔ [ترمذی] دوسری حدیث میں ہے کہ اگر اہل آسمان وزمین مسلمان کے قتل پر جمع ہوتے تو سب کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈالتا۔ [ترمذی] تیسری حدیث میں ہے جو مسلمان کے قتل میں اعانت کرے گا اگرچہ ذرا سے کلمہ سے ہو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر خدا کی رحمت سے دور لکھا ہوگا۔ [ابن ماجہ]

(آیت ۹۴) ۳۳۔ شان نزول اس کی بروایت ابن جریر یہ لکھی ہے کہ ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دستہ فوج کا بسرداری غالب ابن فضالہ اہل فدک کی طرف روانہ کیا اہل فدک خبر پا کر بھاگ گئے۔ صرف ایک مسلمان شخص عامر ابن اخبط باقی رہ گئے مگر وہ اس خیال سے کہ کہیں دشمنوں کا لشکر نہ ہو اپنی بکریاں لے کر پہاڑی میں جا چھپے جب فوج قریب آ گئی اور لشکر والوں نے تکبیر کہی تو وہ تکبیر کی آواز سن کر خوشی خوشی کلمہ پڑھتے ہوئے نکل آئے حضرت اسامہ نے اس خیال سے کہ اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے انہیں قتل کر دیا اور ان کی بکریوں پر قبضہ کیا۔ پس حضور یہ سن کر بہت رنجیدہ اور غضب ناک ہوئے اور ان کے واسطے استغفار کیا اور خون بہا دیا۔ بیضاوی نے شان نزول اس کا مرداس اور مقداد کو قرار دیا ہے کہ انہیں بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تھا اور اسے خطائے اجتہادی پر محمول کیا ہے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم جہاد کے لیے سفر کرو اور کوئی شخص تمہارے سامنے کلمہ پڑھتا ہوا آئے اور سلام

وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۳۴ وہ لوگ جن کی

تَوَفّٰىھُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا

جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے؟ کہتے ہیں ہم

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی

فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا

کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی مگر

الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً

وہ جو دبالیے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنھیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ

نہ راستہ جانیں تو قریب ہے کہ ایسوں کو اللہ معاف فرمائے

وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّھَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ

اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ

فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ

زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا

کرے تو تم اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تو نے اپنا جان و مال بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے اور اسے مال غنیمت ملنے کی غرض سے بلا تحقیق کیے مار دو اللہ کے پاس ایسی غنیمتیں بہت ہیں جو تمہیں بے پرواہ کر دیں گی۔ پہلے تم بھی ایسے ہی تھے کہ اپنا ایمان مشرکوں سے چھپاتے تھے۔[ابن کثیر] یا اپنا جان و مال صرف کلمہ پڑھ کر محفوظ رکھتے تھے۔[جلال] اللہ نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے ایمان کو مشتہر کیا اور تمہیں اس پر قائم رکھا تو تم پر مسلم و غیر مسلم کی تحقیق کرنا لازم ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب مسلمان کسی شہر یا بستی یا گاؤں یا قبیلہ پر گزریں اور کوئی علامت اسلام وہاں پائیں تو انہیں لازم ہے کہ وہ اس میں قتل و غارت نہ کریں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی لشکر یا دستہ فوج کا کہیں بھیجتے تو اسے ہدایت فرما دیتے کہ جب تم کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو انہیں قتل نہ کرو۔[رواہ الترمذی وابوداؤد]

(آیت ۹۵/۹۶) ۳۴۔ شان نزول:۔ چونکہ گزشتہ آیت میں سفر جہاد میں خوب تحقیق کرنا لازم کیا گیا تھا کہ کہیں غلطی سے کوئی مسلمان قتل نہ ہو جائے۔ اس سے خیال پیدا ہوتا تھا کہ جہاد سے گھر بیٹھ کر عبادت کرنا ہی بہتر ہے کہ لڑائی کی بھیڑ بھاڑ میں ممکن ہے کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے۔ اور اس کا وبال ذمہ پر عائد ہو۔ اس خیال کو دفع کرنے اور مجاہدین کا فضل و شرف ظاہر کرنے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آیت ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾
کے لیے ان آیات کا نزول ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آیت
[النساء:۹۵] حضرت ام مکتوم اور عبداللہ ابن جحش کے حق میں نازل ہوئی کہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا
کہ ہم معذور ہیں نابینا ہیں اگر ہماری آنکھیں ہوتیں تو خدا کی قسم ہم بھی جہاد کرتے اور کافروں کو مارتے۔ اور بخاری میں زید ابن ثابت
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھے حضور نے لکھنے کو فرمایا۔ پس ابن ام مکتوم آئے اور انہوں نے حضور سے عرض
کیا کہ اگر میں بینا ہوتا تو اللہ کی قسم جہاد کرتا۔ پس اللہ نے اس میں ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ اضافہ فرمایا۔ اور بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہ "القاعدین" سے وہ لوگ مراد ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور "المجاهدین" سے شرکائے جنگ بدر مراد ہیں۔

تنبیہ: آیت میں تین قسم کے مسلمان ذکر کیے گئے ہیں اول راہ خدا میں جہاد کرنے والے دوسرے بغیر عذر جہاد کو نہ جانے
والے گھر میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے تیسرے معذوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہونے والے۔ اور دوسرے قسم کے مسلمانوں کی
بابت فرمایا گیا ہے کہ وہ دونوں ثواب میں برابر نہیں ہیں مجاہدین کا ثواب قاعدین سے بہت زیادہ ہے اور انہیں دونوں پر درجوں فضیلت
ہے اور بھلائی کرنے جنت میں داخل کرنے کا دونوں سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے ان کی نیک نیتی کے سبب۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ
جنت میں سو درجہ ہیں جو اللہ نے مجاہدین کے لیے بنائے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان
ہے۔ تم اللہ سے جنت الفردوس مانگو کہ وہ اعلیٰ اور اوسط جنت ہے اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے اس سے جنت کی نہریں بہتی ہیں۔ اور "أُولِي
الضَّرَرِ" سے اندھے لنجے اپاہج مراد ہیں جو جہاد کرنے کے قابل نہ ہوں وہ مجاہدین کے برابر ہیں ثواب میں۔ [معالم] حضرت انس رضی
اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور جنگ تبوک سے لوٹ کر مدینہ کے قریب آئے تو فرمایا: مدینہ میں ایسی قوم ہے جو ہر جنگل و ہر جگہ
تمہارے ساتھ تھی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ! اور وہ مدینہ میں بیٹھے رہے۔ فرمایا: ہاں وہ مدینہ میں رہے عذر کی وجہ سے ساتھ
نہ جا سکے یعنی انہیں جہاد کے جانے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ [رواہ بخاری] اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ "القاعدين درجة"
سے معذور مراد ہیں۔ اور "القاعدين درجات منه" سے غیر معذور مراد ہیں ابن کثیر نے اسی کو پسند کیا ہے۔

تنبیہ: آیت مذکورہ سے جہاد کی فضیلت بخوبی ظاہر ہے اور احادیث میں بھی اس کی بہت فضیلت و ثواب آیا ہے۔ حاکم کی
حدیث میں ہے کہ اللہ کے لیے صف قتال میں کھڑا ہونا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے جو اللہ کا دین بلند
کرنے کے لیے راہ خدا میں ذرا دیر لڑے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ مجاہد کی مثال رات بھر نماز
پڑھنے اور تلاوت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کی سی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔ مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک
شخص نے جہاد کے لیے اونٹنی پیش کی تو حضور نے اس سے فرمایا: تجھے اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث
میں ہے کہ جس نے کسی غازی کے لیے سامان درست کیا اس نے جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اس کے اہل و عیال کی خبر گیری رکھی وہ
بھی مجاہد ہے یعنی اسے بھی جہاد کا ثواب ملے گا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ جس نے جہاد نہ کیا اور نہ جہاد کرنے کی آرزو کی وہ شعبہ نفاق پر
مرا۔ اور جاننا چاہئے کہ جہاد کا حکم بالاجماع منسوخ نہیں ہوا ہے۔ اب بھی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گا۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ
جہاد جاری ہے جب سے مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا ہے یہاں تک کہ میری پچھلی امت دجال سے لڑے گی اسے ظالم کا ظلم اور عادل کا عدل
باطل نہ کرے گا۔ کذا فی الفتح۔ اور اس کی فرضیت آیات و احادیث سے ثابت ہے اور وہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں
ہے کہ تم پر ہر برے اور اچھے امیر کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے اس کا وجوب کبھی بعض مسلمانوں کے کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا
ہے جیسے کہ نماز جنازہ بعض کے پڑھنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے ورنہ سب گنہگار ہوتے ہیں اور کبھی وہ ہر مسلمان پر فرض عین ہوتا
ہے جب کہ دارالاسلام پر کفار کی چڑھائی ہو اور امیر المسلمین کی جانب سے نفیر عام ہو یونہی مسلمان قیدیوں کو چھڑانا مسلمانوں پر واجب ہے اور
امیر المسلمین کو اسے جاری رکھنا معطل نہ ہونے دینا لازم ہے تاکہ اللہ کا دین پھیلتا اور اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہے۔ [ہذا خلاصۃ ما فی التفاسیر وغیرہا]

مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا

اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ

تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۳۵ اور جب تم

فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ

زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا

اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بے شک کفار تمہارے

لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

کھلے دشمن ہیں۔ اور اے محبوب! جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا

تو چاہیے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں پھر جب

(آیت ۹۷ تا ۱۰۰) ۳۵۔ شان نزول:۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو بعض مسلمانوں نے حضور کے ساتھ ہجرت کی اور بعض نے نہ کی۔ جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان میں تین قسم کے مسلمان تھے۔ ایک تو وہ جنہوں نے اپنے مال و جائیداد کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی۔ دوسرے وہ جنہوں نے راہ میں مارے جانے کے خوف سے ہجرت نہیں کی تھی۔ تیسرے وہ جو اپنی کمزوری اور معذوری سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے وہ غلام، باندی، عورتیں، بچے اور تنگ دست مسلمان تھے۔ جب جنگ بدر درپیش ہوئی تو کفار نے ان مسلمانوں پر بھی دباؤ ڈال کر اپنی جمعیت بڑھانے کے لیے اپنے ساتھ لیا مجبوراً یہ لوگ جنگ بدر میں کفار کے ساتھ آئے۔ ان میں بعض تو لڑائی میں مارے گئے۔ مسلمانوں کو ان کے مارے جانے کا بہت رنج ہوا۔ اور کچھ گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ ان میں حضرت عباس اور عقیل اور نوفل بھی تھے۔ حضور نے حضرت عباس سے فدیہ طلب کیا تو حضرت عباس نے کہا کیا ہم نے آپ کی طرح کلمہ شہادت نہیں پڑھا ہے اور آپ کے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی ہے۔ فرمایا: تم لڑائی میں پکڑے گئے ہو۔ ان تینوں قسم کے مسلمانوں کا ان آیات میں حکم بیان فرمایا گیا ہے اور انہیں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا ہے۔ پس پہلی اور دوسری قسم کے مسلمانوں کے حق میں ارشاد ہوتا کہ موت کے فرشتے ان سے پوچھیں گے تم کاہے میں تھے تم نے ہجرت کیوں نہیں کی تھی؟ وہ کہیں گے: ہم کمزور تھے۔ تو فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ اس میں ہجرت کرتے کفرستان مکہ سے نکل کر پاکستان مدینہ میں داخل ہوتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے اور ان دونوں کے اس خیال کو رد کرنے کے لیے کہ ہجرت کرنے سے ہمارا گھر بار مال و جائیداد چھوٹے گا راہ میں ہمیں کفار مار ڈالیں گے فرماتا ہے: اور جو اللہ کے لیے اپنا گھر بار مال و جائیداد چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور اسے سب کچھ ملے گا نیت نیک ہونا چاہئے۔ حدیث میں ہے سفر کرو غنیمتیں پاؤ گے۔ دوسری حدیث میں ہے جہاد کرو غنیمتیں پاؤ گے اور ہجرت کرو فلاح پاؤ گے۔ [طبرانی] اور جو وہ راہ میں مرجائے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہوگا۔ ان خیالات کی بنا

سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ

اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں کافروں کی

كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ

تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر

مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ

جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینھ کے سبب تکلیف ہو

اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ

یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو اور اپنی پناہ لیے رہو

پر ترک ہجرت نہ کرنا چاہئے۔ پھر تیسرے قسم کے مسلمانوں کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ جو کمزور مرد عورتیں بچے دبائے گئے اور انہیں کوئی تدبیر بن نہ پڑی اور نہ وہ راستہ جانتے تھے عنقریب اللہ انہیں معاف فرمائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں اور میری ماں کمزوروں میں سے تھے اور رسول اللہ ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ جب ہجرت نہ کرنے پر یہ وعید شدید نازل ہوئی تو حضرت جندع یا جندب ابن ضمرہ نے جو مکہ میں بیمار تھے اور ہجرت کرنے کے قابل نہ تھے اپنے بیٹوں سے بلا کر کہا کہ مجھے ابھی جس حالت میں بھی ہوں پلنگ پر لٹا کر کاندھوں پر لاد کر مدینہ لے چلو کہ اگر میں یہاں مرجاؤں گا تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گا کہ میں راستہ سے اور اپنی تدبیر سے واقف ہوں۔ پس ان کے لڑکے انہیں کاندھوں پر لاد کر مدینہ کو لے چلے راہ میں مقام تنعیم میں ان کا انتقال ہوگیا، حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ [طبری] بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابن القیس خزاعی کے حق میں اتری۔

تنبیہ: آیت مذکورہ کی شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن باتفاق علما حکم عام ہے جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد یا تحصیل علم دین یا حلال روزی تلاش کرنے یا اور کسی نیک کام کے لیے بخلوص نیت گھر سے نکلے گا تو اس کا نکلنا اللہ ہی کے لیے ہوگا اگر وہ راہ میں قبل اتمام مرجائے گا تو اس کو اس کے فعل کا ثواب پورا اللہ کے فضل سے ملے گا۔ [مدارک وغیرہ] ابویعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ جو حج و عمرہ اور جہاد کے لیے گھر سے نکلا اور مرگیا اسے حج و عمرہ و جہاد کا ثواب قیامت تک ملتا رہے گا۔ [ابن کثیر] اور ہجرت اگرچہ بعد فتح مکہ نہیں رہی لیکن ان مسلمانوں پر ہجرت کرنا اب بھی واجب ہے جو کفار کے ملک میں رہتے ہوں اور کھلم کھلا فرائض دینی نہ ادا کر سکتے ہوں اور وہ ہجرت کرنے پر قادر ہوں یا جب قادر ہوں ان کو ہجرت واجب ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے دین کے لیے بھاگے گا اگرچہ بالشت بھر ہو اس کے لیے جنت واجب ہوگی اور وہ اپنے باپ ابراہیم اور اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کی رفاقت میں ہوگا۔ [بیضاوی و مدارک] بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ میں اس شخص سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم رہے گا اگر وہ باوجود قدرت کے اپنے مال و جائیداد کے چھوٹنے یا راہ میں مارے جانے کے خوف سے ہجرت نہ کرے گا تو وہ سخت گنہگار مستحق نار ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو لوگ جان بچانے کے لیے یا کسی اور غرض سے ہجرت کریں گے وہ ہجرت کے ثواب سے محروم رہیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اعمال کی جزا نیت پر ہے جو جیسی نیت کرے گا ویسی ہی جزا پائے گا۔ پس جس نے اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت ان کے لیے ہوگی اور

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

بے شک اللہ نے کافروں کے لیے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز پڑھ چکو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے پھر جب مطمئن ہو جاؤ

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا

تو حسب دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا

مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ

فرض ہے ف۳۶ اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمھیں دکھ پہنچتا ہے

فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

تو انھیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسا تمھیں پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو

اس کا ثواب ملے گا اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی۔ [بخاری و مسلم]

(آیت ۱۰۱ تا ۱۰۳) ۳۶۔ شان نزول: چونکہ جہاد کے لیے سفر کرنا پڑتا تھا اور قبیلہ بنی نجار کے بعض لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ ہم کو تجارت وغیرہ کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے ایسی حالت میں ہم نماز کس طرح پڑھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور انہیں سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ چونکہ قصر کی کیفیت وکمیت اور وجوب و جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ لہذا اہم اختلاف کو چھوڑ کر صرف مذہب حنفی کو لکھتے ہیں۔ پس جاننا چاہئے کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک قصر سے مراد نماز کو کم کر کے پڑھنا ہے۔ یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے اور مغرب فجر پوری پڑھے۔ جس کی طرف ''من'' تبعیضیہ سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور سفر سے ہر سفر مراد ہے۔ خواہ طاعت کا ہو یا معصیت کا خواہ جہاد کے لیے ہو یا تجارت وغیرہ کے لیے ہو خوف ہو یا نہ ہو کہ حضور وصحابہ حضور ہر سفر میں قصر فرمایا کرتے تھے اور خوف کی قید اس کے ساتھ تغلیبی ہے اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا ہے۔ کہ اس وقت زیادہ تر جہاد کے لیے ہی سفر کیا جاتا تھا۔ اور وہ خوف سے خالی نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت یعلی ابن امیہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا اب ہم کس لیے قصر کرتے ہیں جب کہ ہم امن سے ہو گئے؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھے بھی ایسا ہی تعجب ہوا تھا جیسا کہ تجھے ہوا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضور نے فرمایا: یہ اللہ نے تم پر صدقہ فرمایا ہے پس تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ [رواہ احمد و مسلم و ترمذی] اور بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہے کہ پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر وہ سفر میں برقرار رکھی گئی اور حضر میں چار رکعات کر دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا جائز نہیں ہے قصر کرنا واجب ہے اور قصر عزیمت ہے نہ رخصت۔ اور چونکہ قصر سے نقصان نماز کا خیال دل میں گزرتا تھا لہذا دل جمعی کے لیے ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ [النساء:۱۰۱] فرمایا گیا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں پوری نہ قصر تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے۔ [مدارک۔ رواہ احمد ونسائی وابن ماجہ] اور ترمذی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور مکہ سے مدینہ کو تشریف لے گئے اور بلا خوف دو رکعت نماز پڑھی۔ اور سفر کم سے کم تین دن و رات کا پیدل یا اونٹ کی متوسط چال سے صبح سے دوپہر تک آرام کے ساتھ ہو کسی اور سواری سے یا غیر متوسط چال سے معتبر نہیں ہے۔ آج کل کے انگریزی میلوں کے حساب سے وہ چون میل ہوتا

ہے مگر مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق سے ستاون میل ہوتے ہیں اس سے کم میں قصر نماز واجب نہیں۔[کذا فی فتاویٰ رضویہ] اور قول اللہ تعالیٰ کا: ﴿اِنْ خِفْتُمْ الخ﴾ ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ﴾ سے بظاہر ملا ہوا ہے مگر حقیقت میں اس سے جدا ہے۔ اور ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ﴾ سے ملا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے آیت صرف ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ﴾ تک نازل ہوئی تھی۔ پھر ایک سال کے بعد جب لوگوں نے حضور سے نماز خوف کے بارے میں پوچھا تو آیت ﴿اِنْ خِفْتُمْ الخ﴾ نازل ہوئی۔[خازن] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب کفار نے حضور کو صحابہ کے ساتھ جمع ہو کر ظہر کی نماز پڑھتے دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہ تو بڑا اچھا موقع حملہ کرنے کا تھا تو ان میں سے بعض نے کہا جانے دو عصر کی نماز انہیں ماں باپ اولاد سے زیادہ محبوب ہے جب اس کے پڑھنے میں مشغول ہوں اس وقت حملہ کر کے انہیں قتل کرنا۔ پس جبرئیل نے آ کر حضور کو کفار کے منصوبہ کی خبر دی اور کہا یہ نماز خوف ہے۔ اور تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ الخ﴾ اور اسی کے مثل ابن عیاش مرزوقی سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان میں مشرکوں کے مقابلہ میں تھے پس ہم نے ظہر کی نماز جمع ہو کر پڑھی تو مشرکوں نے دیکھ کر کہا کہ ہم نے غفلت کی مسلمانوں کو نماز پڑھتے میں حملہ کر کے مار لیتے۔ پس یہ آیت ظہر و عصر کے درمیان نازل ہوئی۔[خازن وسراج] یہ سبب نزول ﴿واذا كنت فيهم الخ﴾ کا ہے اور خطاب اس میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے ہے۔ اور بعد حضور ائمہ مسلمین کو ہے جیسا کہ آیت ﴿خذ من اموالهم صدقة﴾ میں خطاب حضور کو ہے اور حضور کے بعد ائمہ مسلمین کو ہے پس اس کا مفہوم مخالف نہیں ہے کہ بعد حضور صحابہ کرام اس پر عمل کرتے آئے اور جب آیت میں اس کا حکم حضور کو فرمایا گیا تو امت کو اس کا اتباع لازم و واجب ہے۔ حدیث ”صلو اكما رائتموني اصلي“ اس پر دال ہے۔ پھر نماز خوف باجماعت پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرمایا جاتا ہے کہ اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو اور نماز میں تم ان کی امامت کرو تو ان کے دو گروہ کرو ایک گروہ ان میں کا مع معمولی ہتھیاروں کے جو نماز میں مخل نہ ہوں تمہارے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں حفاظت کے لیے کھڑا رہے۔ جب پہلا گروہ ایک رکعت پوری کرے تو پیچھے ہٹ جائے اور دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے۔ اور دوسرا گروہ جو شریک نماز نہ تھا اور دشمن کے مقابلہ میں کھڑا تھا وہ آ کر مع ہتھیاروں کے تمہارے ساتھ دوسری رکعت پڑھے۔ کافر چاہتے ہیں کہ تمہیں نماز میں ہتھیار وغیرہ سے غافل پا کر یکا یک تم پر حملہ کریں اور تمہیں پکڑیں اور قتل کریں اور جو تمہیں مینہ، بیماری، کمزوری کی وجہ سے ہتھیار باندھنے میں دقت و تکلیف ہو تو ہتھیار کھول کر رکھ دینے میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر دشمنوں سے ہوشیار رہو اور اپنے بچاؤ کا سامان مہیا رکھو پھر جب نماز پڑھ چکو تو اللہ کو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں یاد کرو اور جب مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز پڑھو کہ نماز مسلمانوں پر وقت پر فرض ہے۔ بعض نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ میدان جنگ میں جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک لڑائی لڑتے میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جب اطمینان ہو جائے تو نماز پڑھے۔ اور ہتھیار باندھ کر نماز پڑھنے کی علت و حکمت ﴿فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً﴾ [النساء:۱۰۲] بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی ہتھیار بند نماز پڑنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ کہیں کفار تمہیں بے ہتھیار دیکھ کر ایک دم تم پر ٹوٹ نہ پڑیں اور تم نہتے ہو۔

تنبیہ: آیت میں دونوں گروہوں کی باقی ایک ایک رکعت کا حکم بیان نہیں کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام دوسری رکعت پڑھا کر تنہا سلام پھیرے کہ نماز پوری ہو گئی اور پہلا گروہ آ کر اپنی دوسری رکعت اکیلا بغیر قراءت پڑھے اور سلام پھیر کر چلا جائے۔ پھر دوسرا گروہ آئے اور اکیلا اپنی دوسری رکعت مع قراءت پڑھے اور سلام پھیرے یہی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ اور یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔[كما في الهدايه وغيره] اس طریقہ کے سوا نماز خوف ادا کرنے کے اور طریقہ بھی مروی ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے بعد نزول آیت: ذات الرقاع وذات النخل میں نماز خوف ادا فرمائی۔[كما رواه البخاري ومسلم] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ آیت ﴿اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ﴾ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ زخمی تھے ہتھیار باندھنے کے قابل نہ تھے انہیں ہتھیار کھول کر رکھ دینے کی اجازت دی گئی۔ اور ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ خاص حضور کے حق

يَرْجُوْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ف۳۷ اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۗ وَلَا

سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور

تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔ اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ

بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغاباز گنہگار کو۔ آدمیوں سے

النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا

چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے جب دل میں وہ بات تجویزتے ہیں

لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾

جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ فَمَنْ يُّجَادِلُ

سنتے ہو! یہ جو تم ہو دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑے، تو

میں نازل ہوئی کہ حضور غزوۂ بنی محارب اور بنی انمار سے فارغ ہو کر ہتھیار رکھ کر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے بارش ہو رہی تھی
حضور اور صحابہ کے درمیان پانی بھر گیا تھا پس حویرث ابن حارث حضور کو تنہا دیکھ کر پہاڑ سے تلوار لے کر اترا اور یکایک حضور کے سر پر آ کر
حضور سے کہا کہ اب کون تمہیں بچائے گا فرمایا: اللہ۔ پس اس نے تلوار مارنے کو اٹھائی کہ منہ کے بل گر پڑا تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پس
حضور نے تلوار اٹھا کر اس سے کہا کہ اب تجھے کون بچائے گا۔ بولا کوئی نہیں۔ فرمایا: کلمہ پڑھ، اس نے کہا کلمہ تو نہیں پڑھوں گا مگر عہد کرتا
ہوں کہ نہ میں کبھی آپ سے لڑوں گا اور نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کروں گا پس حضور نے اسے تلوار دے کر چھوڑ دیا۔
(آیت ۱۰۴) ۳۷۔ شان نزول:۔ جب جنگ احد سے واپس ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بعض
مسلمانوں سے فرمایا: کہ تم کفار کی خبر لاؤ کہیں وہ تمہیں غافل پا کر لوٹ نہ پڑیں اور دھوکہ دے کر حملہ نہ کریں تو مسلمانوں نے وجہ خستہ حال
اور زخمی ہونے کے حضور کے حکم کی تعمیل میں کچھ سستی کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [جلال] اور فرمایا گیا کہ تم کفار کی تلاش میں زخمی و گھائل ہو
نے کی وجہ سے سستی نہ کرو کہ اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح دکھ پہنچا ہے مگر وہ تمہارے مقابلہ سے نہ تھکے تو تم کیسے ان کے مقابلہ
سے تھکتے ہو۔ حالانکہ تم اللہ سے مدد و ثواب کی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے ہیں تو تمہیں ان سے زیادہ لڑائی میں کوشش کرنا اور خبر رکھنا چاہیے۔

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿١٠٩﴾

ان کی طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن، یا کون ان کا وکیل ہوگا۔ ۳۸

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ

اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو

اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ

اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اسی کی

عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً

جان پر پڑے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا

(آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹) ۳۸۔شان نزول:۔ یہ آیت بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ طعمہ ابن ابیرق کے حق میں نازل ہوئی کہ اس نے ایک پڑوسی کی زرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس رکھ دی، جب اس کی تلاش ہوئی تو وہ یہودی کے پاس سے برآمد ہوئی، یہودی نے کہا کہ یہ زرہ طعمہ نے میرے پاس امانت رکھی تھی۔ طعمہ نے رکھنے سے انکار کیا اور قسم کھائی اور یہودی پر اس کی تہمت لگائی۔ طعمہ کے کنبہ والوں نے حضور سے آکر درخواست کی کہ آپ طعمہ کی طرف سے یہودی سے مواخذہ کریں ورنہ طعمہ بدنام ہو جائے گا حضور نے یہودی سے مواخذہ کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی اور طعمہ کی طرف داری سے ممانعت فرمائی گئی۔ [معالم] ابن جریر و امام ترمذی وغیرہ محدثین نے بروایت محمد ابن اسحاق چرانے کا قصہ بشیر کی طرف منسوب کیا ہے اور بشیر کو سبب نزول قرار دیا ہے کہ اس نے رفاعہ ابن زید کے گھر میں کول (نقب) لگا کر زرہ اور گیہوں کا آٹا چرایا۔ بعد تحقیق معلوم ہوا کہ بشیر نے چوری کی ہے تو حضرت قتادہ نے حضور کی خدمت میں آکر عرض حال کیا حضور نے بشیر سے پوچھا اس نے انکار کیا اور قسم کھائی اور لبید ابن سہل پر تہمت لگائی۔ لبید نہایت غیور اور شریف آدمی تھا تلوار کھینچ کر بشیر پر آپڑا اور اس سے کہا تو چوری ثابت کر ورنہ تجھے قتل کروں گا بشیر ڈر گیا اور بولا میں نے تمہارا نام نہیں لیا ہے تو لبید لوٹ گئے۔ پھر بشیر کے کنبہ والوں نے حضور کی خدمت میں آکر کہا کہ قتادہ و رفاعہ کا بشیر پر تہمت لگانا صحیح نہیں ہے اس پر حضور نے حضرت قتادہ سے فرمایا کہ تم نے بلا ثبوت بشیر پر کیوں تہمت لگائی؟ حضرت قتادہ نے رفاعہ سے جا کر حضور کا فرمانا کہا وہ خدا پر بھروسہ کر کے چپکے ہو رہے اس پر ان آیات کا نزول ہوا اور ان میں لبید کو بری کیا گیا اور بشیر کو جھوٹا قرار دیا گیا جب بشیر کی چوری کھل گئی اور مال برآمد کر کے رفاعہ کو دے دیا گیا تو بشیر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ [ملخصا از ابن کثیر] مطلب آیات کا یہ ہے کہ اے محبوب ہم نے تم پر سچی کتاب اتاری ہے تا کہ تم لوگوں میں اس طرح فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ بتائے اور چوروں دغابازوں (طعمہ کی یا بشیر کی) طرف داری نہ کرو اور نہ ان کی طرف سے جھگڑو جو اپنی جانوں کو چوری وغیرہ گناہوں کی خباثت میں ڈالتے ہیں اللہ بڑے دغاباز گنہگار کو محبوب نہیں رکھتا ہے انہیں ان کی سزا دے گا وہ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے ہیں یعنی اپنی چوری لوگوں سے چھپاتے ہیں اللہ سے نہیں چھپا سکتے اللہ ان کے پاس ہے اس پر ان کا حال روشن ہے اور جو بات وہ اپنے خیال میں تجویز کرتے ہیں وہ اللہ کو ناپسند ہے جیسے قسم کھا کر چوری سے انکار کرنا یہودی یا لبید پر تہمت لگانا اللہ ان کے سب کاموں کو گھیرے ہوئے ہے اور انہیں جانتا ہے سنتے ہو (اے قوم طعمہ و بشیر) تم تو دنیا کی زندگی میں ان کی طرف سے جھگڑتے ہو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل ہوگا جب کہ اللہ انہیں عذاب میں گرفتار کرے گا (کوئی نہیں)

تنبیہ: کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے اور خطاب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی و قرآن اللہ نے جو

أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا

یا گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ

مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

اٹھایا۔ ف۳۹ اور اے محبوب! اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں کے کچھ لوگ

مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ

یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دے دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے

شَيْءٍ ؕ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ

تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ

جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے ف۴۰ ان کے اکثر مشوروں میں کچھ

علم دیا ہے اس کے موافق فیصلہ کیجیے نہ اپنی رائے سے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آیت میں ﴿بما ارٰك الله﴾ فرمایا گیا ہے۔ "رأیت" نہیں فرمایا گیا ہے۔ [رواہ ابن ابی حاتم عنہ۔ کمالین] اور آیت میں ارادہ کرنے پر معافی چاہنے کا حکم از قبیل "حسنات الابرار سیاٰت المقربین" ہے اور یہ بھی آیت سے ثابت ہے کہ کوئی شخص کسی کے جھوٹے معاملے میں وکالت نہ کرے اور نہ بیجا طرف داری کرے۔ بلکہ حق و سچ کی پیروی کرے کہ کسی کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہیں ہے اس کا خوف کریں اس کے آگے شرم سے سر جھکائیں۔

(آیت ۱۱۰ تا ۱۱۲) ۳۹۔ یہ آیات بھی گزشتہ آیات سے تعلق رکھتی ہیں کہ ان میں طعمہ یا بشیر کو جو انہوں نے چوری کی تھی اور جھوٹی قسم کھا کر چوری سے انکار کیا تھا اور لبید وغیرہ پر اس کی تہمت لگائی تھی اور ان کے کنبہ والوں نے ان کی طرف داری کی تھی اور حضور کو دھوکہ دینا چاہا تھا ہدایت فرمائی گئی ہے بلکہ جملہ گنہگاروں سے فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے پھر وہ خالص دل سے اللہ سے توبہ و استغفار کرے اللہ اس کا گناہ معاف فرمائے گا۔ اور ان پر رحم کرے گا کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے اور جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے کہ اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے کسی دوسرے کو اس سے ضرر و نقصان نہیں پہنچتا ہے جیسا کہ آیت ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ [الانعام:۱۶۴] میں ہے۔ اور جو کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے سر دھرے گا اس نے بلا شبہہ بہتان اور کھلا گناہ کیا یہ آیت کا خلاصہ مطلب ہے ترجمہ واضح ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ پھر وہ استغفار کرتا ہے تو اللہ اسے معاف فرماتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے سرفراز کرتا ہے اگرچہ اس کے گناہ آسمان و زمین و پہاڑ سے بڑے ہوں۔ امام احمد کی حدیث میں ہے جو کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے پھر وہ دو رکعت نماز پڑھ کر اس گناہ سے استغفار کرتا ہے تو بخشا جاتا ہے۔ [ابن کثیر] حضرت ابو دردا سے مروی ہے: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ اس آیت سے منسوخ ہے۔ [سراج] گویا گنہگاران امت کے لیے یہ نوید جانفزا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ "کسب" وہ فعل ہے جس کو آدمی اپنے نفع یا نقصان کے لیے کرے اس معنی کر خدا کاسب افعال نہیں ہے کہ پیدائش خلق میں خدا کی کوئی غرض نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی نفع ہے۔

(آیت ۱۱۳) ۴۰۔ اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی ہے کہ تمہیں کوئی گمراہ نہیں کر سکتا ہے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے کہ اللہ تمہارا نگہبان ہے اس نے تم پر قرآن اور احکام شرع نازل فرمائے ہیں اور جو باتیں تم نہیں جانتے تھے جن امور غیبیہ سے

نَجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ

بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح

النَّاسِؕ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ

کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم

اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ

بڑا ثواب دیں گے۔ ف۱۴۱ اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ

تم آگاہ نہ تھے وہ سب تمہیں بتا دیے ہیں اور یہ اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل وکرم ہے تو پھر کیسے کوئی بہکا سکتا ہے دھوکہ دے سکتا ہے۔ اگر اللہ کا آپ پر فضل وکرم نہ ہوتا تو ضرور طعمہ اور بشیر کی قوم آپ کو بہکاتی اور خلاف حق فیصلہ کراتی جیسا کہ اس نے چاہا تھا۔

تنبیہ: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ [النساء:۱۱۳] سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جملہ علوم غیبیہ کا عالم بنایا تھا تمام امور مخفیہ اور اسرار باطنیہ سے آگاہ فرمایا تھا۔ کسی شی کی اس میں تخصیص نہیں ہے "مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" ہر بات ہر چیز کو شامل ہے۔ کہ لفظ "ما" یا لفظ "کل" کسی کلام منفی یا مثبت پر داخل ہوتا ہے تو وہ اس کی خصوصیت کو دور کر کے عمومیت پیدا کرتا ہے۔ جس کے نظائر قرآن وحدیث وکلام عرب میں بکثرت ہیں اور اہل عرب پر روشن ہیں انہیں میں سے "مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" اور " تبیانا لکل شئی " ہے۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ اللہ عز وجل نے میرے لیے دنیا اٹھالی میں اس کو اور اس میں قیامت تک جو ہونے والا ہے ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ عز وجل کو اس حال میں دیکھا اس نے اپنا ید قدرت میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا پس میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی "فتجلّی لی کل شئی وعرفت" پس مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔ بخاری کی حدیث میں بجائے "عرفت " کے "علمت مافی السموات والارض " ہے یعنی میں نے جان لیا جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک دن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا، بیچ میں سوائے نماز عصر وظہر کے کچھ نہ کیا "فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القیامة " پس اس میں ہمیں جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب بتا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون عطا فرمایا۔ گزشتہ وآئندہ کی ہر چیز اور ہر بات کا عالم بنایا۔ مگر وہابیہ تعصب وہٹ دھرمی یا وسوسۂ شیطانی ونفسانی کی بنا پر اس کا انکار کرتے ہیں اور اسے خاصۂ خدا بتاتے ہیں۔ قرآن مسلمانوں کا دین وایمان ہے اس کی ہر آیت اور ہر لفظ پر ایمان لانا واجب ہے اس میں آیت نفی واثبات دونوں موجود ہیں اور دونوں کا ماننا فرض ہے۔ تو لامحالہ جن آیات میں حصر یا نفی علم غیب کی گئی ہے۔ اس سے علم ذاتی وحقیقی مراد ہوگا۔ اور جن آیات سے دوسرے کے لیے علم غیب ہونا ثابت ہوتا ہے اس سے علم عطائی اور اضافی مراد ہوگا ورنہ آیات میں تطبیق ناممکن ہوگی اور بعض پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا لازم آئے گا اور ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ [البقرة:۸۵] کا مصداق ہوگا۔

(آیت ۱۱۴) ۱۴۱۔ یہ بھی آیات گزشتہ کا تتمہ ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو! بہت سے مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں ہوتی ہاں جو شخص مجلس شوریٰ میں خیرات دینے یا نیک بات کرنے یا لوگوں میں صلح کرنے یا میل جول رکھنے کا مشورہ دے تو اس میں بہتری اور بھلائی ہے۔ مگر یہ نیک مشورہ بھی اللہ کی رضا چاہنے کے لیے ہو نہ کسی غرض دنیوی کے لیے تو ہم عنقریب اسے بہت اجر وثواب دیں گے اس کی نیکی کو ضائع نہ کریں گے۔

لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ۴۲ اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے

تنبیہ: آیت سے ثابت ہے کہ نیک کاموں میں مشورہ کرنے کے لیے مجلس منعقد کرنا جائز وروا ہے اور برے کاموں میں مشورہ کرنے کے لیے جلسے کرنا ممنوع وناجائز ہے، اور لوگوں کو ہمیشہ نیک کام کا مشورہ دے برے کام کا مشورہ نہ دے ورنہ خود بھی گنہگار ہوگا اور جو اس کے مشورہ پر عمل کرے گا وہ بھی گنہگار ہوگا اور صدقہ کا مشورہ دینے میں تمام صدقات واجبہ ونافلہ داخل ہیں۔ اور ''معروف'' میں تمام نیک کام اور لوگوں کے ساتھ حسن وسلوک ونیک برتاؤ آ گیا اور '' اصلاح بین الناس ''میں مسلمانوں کے درمیان صلح اور میل جول کرانا ان کی آپس کی خانہ جنگیاں اور نفاق وشقاق دور کرنا اور ان کی ہر قسم کی اصلاح کرنا داخل ہے اور اس کا بڑا اجر وثواب ہے۔ حدیث میں ہے کہ اولاد آدم کا ہر کلام اس کے لیے مضر ہے نہ مفید مگر جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قسم کا ہو یا اللہ کا ذکر ہو۔ ابوسفیان ثوری نے ایک آدمی کو کہتے سنا کہ یہ حدیث کس قدر شدید ہے۔ پس انہوں نے اس سے کہا کیا تو نے اللہ کا قول ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ [النساء:۱۱۴] نہیں سنا وہ یہی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کیا میں تمہیں روزہ نماز اور صدقہ سے افضل درجہ نہ بتاؤں صحابہ نے کہا ہاں بتائیے۔ فرمایا: دو روٹھے ہوؤں میں اصلاح کرنا ان میں میل ملاپ کرانا ہے۔ [رواہ الترمذی] تیسری حدیث میں ہے کہ وہ جھوٹ نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کرانے کے لیے بولے۔ [سراج۔ رواہ البخاری ومسلم] بزار کی حدیث میں ہے کہ حضور نے صحابہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک تجارت نہ بتاؤں؟ عرض کی ہاں فرمائیں۔ فرمایا: لوگوں میں اصلاح کرنے کی کوشش کرو جب کہ ان میں جھگڑا واقع ہو اور انہیں ملاؤ جب کہ وہ ایک دوسرے سے دور ہوں یعنی ان میں بغض وعداوت ہو۔ [ابن کثیر]

(آیت ۱۱۵) ۴۲۔ شان نزول: یہ آیت بھی گزشتہ آیات کا تتمہ ہے کہ جب طعمہ کی یا بشیر کی چوری کھل گئی اور مال مسروقہ برآمد ہو گیا تو ہاتھ کٹنے کے خوف سے وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور وہاں جا کر سلافہ بن سعد کے یہاں ٹھہرا اور حضور اور اصحاب حضور کی ہجو کرنا شروع کی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا جواب دیا جب وہ اشعار سلافہ نے سنے تو اس کا سامان اپنے یہاں سے نکال کر پھینک دیا اور کہا تجھ سے مجھے کبھی خیر نصیب نہ ہوگی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم ورواہ الترمذی وحاکم] آیت کا نزول اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی رسول کا خلاف کرے اور مسلمانوں کی راہ سے جدا چلے بعد اس کے کہ اسے راہ حق ظاہر ہو چکی ہے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔

تنبیہ: اس آیت سے قرآن وحدیث کی طرح اجماع کا حجت قطعیہ ہونا ثابت ہے۔ اور اس کی مخالفت حرام ہے اور اس کا ماننا واجب ہے کہ آیت میں سبیل مسلمین کے خلاف چلنا حرام کہا گیا ہے اور اس پر وعید شدید فرمائی گئی ہے تو اس کا اتباع واجب ہوا جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اجماع کے حجت ہونے کا ثبوت قرآن سے پوچھا تو آپ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا (خازن)

ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا‌ۚ

وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔ ف۴۳ یہ شرک والے اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر کچھ عورتوں کو

وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ‌ ۘ وَقَالَ

وقف لازم

اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا

لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّـنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ

قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا قسم ہے میں ضرور انھیں بہکا دوں گا اور ضرور انھیں آرزوئیں دلاؤں گا

وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَـتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ

اور ضرور انھیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور ضرور انھیں کہوں گا کہ وہ

خَلۡقَ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ

اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ

خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيۡهِمۡ‌ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ

صریح ٹوٹے میں پڑا۔ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انھیں وعدے نہیں دیتا

اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ وَلَا يَجِدُوۡنَ عَنۡهَا

مگر فریب کے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اس سے بچنے کی جگہ نہ

مَحِيۡصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ

پائیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کچھ دیر جاتی ہے کہ ہم انھیں باغوں میں لے جائیں گے

تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ

جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا

(آیت ۱۱۶) ۴۳۔شان نزول: ایک بوڑھے اعرابی شخص نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میری تمام عمر گناہوں میں کٹی مگر شرک کبھی نہیں کیا، نہ معلوم میری مغفرت ہوگی یا نہیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم وغیرہ بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کہا گیا ہے یہ طعمہ کے حق میں نازل ہوئی کہ مشرک مرا تھا (جامع البیان وخازن)

تنبیہ: یہ آیت اس پارے میں پہلے بھی گزر چکی ہے اور اس کی تفسیر بھی کردی گئی ہے، فرق دونوں آیتوں میں صرف اتنا ہے کہ گذشتہ آیت کے آخر میں ﴿فَقَدِ افۡتَرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا﴾ ہے اور اس کا شان نزول جدا ہے کہ وہ اہل کتاب کے حق میں تھی یا قاتل حمزہ کے حق میں تھی اور اس آیت کے آخر میں ﴿فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا﴾ ہے اور سبب نزول اس کا مشرکین ہیں، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: مجھے یہ آیت بہت محبوب ہے (ترمذی)

حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ

وعدہ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ ۴۵ کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ

اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا

کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا اس کا بدلا پائے گا اور

يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار اور جو، کچھ

الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل

(آیت ۱۱۷ تا ۱۲۲) ۴۴۔ ان آیات میں مشرکوں کی حالت اور شیطان کا مقولہ اور اس کا لوگوں کا بہکانا وغیرہ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کے ان مسلمانوں کو جو شیطان کے بہکانے میں نہ آئیں گے، دخول جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر عورتوں اور سرکش شیطان کو پوجتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی اور وقت لعنت اس نے اللہ سے کہا ضرور میں تیرے بندوں سے مقرر کیا ہوا حصہ لوں گا یعنی میں انہیں بہکاؤں گا اور اپنا پیرو بناؤں گا اور تیری عبادت سے پھیروں گا اور ان کے دلوں میں طرح طرح کی آرزوئیں اور برے خیال ڈالوں گا، کہ تمہیں دنیا میں جینا ہے مرنا نہیں، تم دنیا کے خوب مزے اڑاؤ اور عشرت میں بسر کرو، اور ضرور ان سے کہوں گا کہ وہ جانوروں کے کان چیریں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بدل دیں، اور جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا اور اس کی پیروی کی وہ صریح ٹوٹے میں پڑا نقصان میں رہا، شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا اور مکر وفریب کرتا ہے، اس کی پیروی کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہ اس سے بچ نہیں سکتے ہیں، اور جو ایمان لائے اور نیک کام کیے عنقریب ہم انہیں جنتوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کسی کی بات سچی نہیں ہے۔ چونکہ مشرک جن بتوں کو پوجتے تھے ان کے نام عورتوں جیسے رکھتے تھے، لہٰذا آیت میں انہیں عورتیں کہا گیا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور انہیں عورتوں کی شکل بنا کر پوجتے تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا﴾ [الزخرف:۱۹] اس لیے انہیں عورت کہا گیا۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ہر بت میں کوئی نہ کوئی شیطانی یا شیطان گھسا ہوتا تھا اور وہ اسے پوجتے تھے یا شیطان کی پیروی کرتے تھے اس لیے شیطان کو پوجنا فرمایا گیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مشرک بتوں کے نام پر جانوروں کے کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے جنہیں بحیرہ وسائبہ کہا جاتا تھا تاکہ لوگ اس میں تصرف نہ کریں اس لیے کان چیرنا فرمایا گیا ہے، اور تغیر خلق اللہ سے بقول حضرت ابن عباس وقتادہ وضحاک وغیرہ رضی اللہ عنہم اللہ کے دین کو بدلنا متغیر کرنا، اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنا اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنا مراد ہے، مگر عامہ علماء کے نزدیک اس سے اللہ کی فطرت وساخت کو متغیر کرنا مراد ہے، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی شکل وصورت کو بگاڑنا مقصود ہے جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا کو نیل سے گودنا گدوانا، کالا منھ نیلے ہاتھ پاؤں کرنا، مصنوعی بال بڑھانا، آدمیوں غلاموں کو خصی کرنا، مردوں کو ہجڑا زنخا زنانہ بننا، کان ناک چھدوانا، ڈاڑھی مونچھ صفا کرا کر مخنثوں جیسی شکل بنانا، زینت کے لیے دانتوں میں سونے کی پھلیاں کیلیں جڑوانا وغیرہ جس سے بناوٹ الٰہی متغیر ہو، بیضاوی وغیرہ نے اسی عام معنی کو پسند کیا ہے۔ غرض کہ آیت سے فطرت کو متغیر کرنے والی باتوں کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، اور شرعاً وہ سب باتیں جو فطرت الٰہی کو متغیر کریں ناجائز وگناہ ہیں احادیث میں ان کی ممانعت آئی ہے۔ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ہجڑوں سے کام خدمت لینا

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

کیے جائیں گے اور انھیں تل بھر نقصان نہ دیا جائے گا۔ اور اس سے بہتر کس کا دین جس نے اپنا منہ

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا

اللہ کے لیے جھکادیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم کے دین پر چلا جو ہر باطل سے جدا تھا

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ

زمین میں اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے ۴۵ اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں

ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ

تم فرمادو کہ اللہ تمھیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے ان

يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ

یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ تم انھیں نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور انھیں نکاح میں بھی لانے سے

تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

منھ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ

عورتوں میں ان کو آنے جانے دینا بھی مکروہ ونا جائز ہے۔

(آیت ۱۲۳ تا ۱۲۶) ۴۵۔شان نزول:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جگہ چند یہود و نصاریٰ اور مسلمان بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے یہود بولے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں سب سے افضل ہیں ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں صرف ہم جائیں گے کیوں کہ ہمارے نبی خدا کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوئے۔اب ہم گناہوں سے پاک ہیں ہم پر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں سب رسولوں کے سردار ہیں اور ہم ان کی امت ہیں اس لیے ہم ہی جنت میں جائیں گے۔اس شیخی اور فخر ومباہات پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[سراج رواہ ابن جریر] مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونا اور ثواب ملنا تمہارے خیالوں پر موقوف نہیں ہے اور نہ اہل کتاب کی ہوس پر منحصر ہے بلکہ عمل صالح پر اس کا مدار ہے جو برے کام کرے گا وہ اس کا بدلہ دنیا وآخرت میں پائے گا خواہ وہ مشرک ہو یا اہل کتاب ہو اور وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی ومددگار نہ پائے گا اور جو مرد یا عورت بھلے کام کرے گا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو تو وہ جنت میں جائے گا اور اس کا ثواب پائے گا اس میں ذرا سی بھی کمی نہ کی جائے گی اور اس کے دین سے کس کا دین بہتر ہے۔جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور دین ابراہیمی پر چلا اور نیک کام کیے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنایا۔

تنبیہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب آیت ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ [النساء:۱۲۳]

نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بہت گراں معلوم ہوئی انہوں نے حضور سے عرض کی ہم میں سوائے حضور کے کون ایسا ہے جس نے برا عمل نہ کیا ہو تو حضور نے فرمایا: دنیا میں جو ایک نیکی کرے گا اس کی دس نیکیاں شمار ہوں گی اور جو ایک برائی کرے گا اس کی ایک شمار ہو گی تو دس نیکیوں میں سے ایک کم ہو جائے سے اس کا کیا بگڑے گا نقصان تو اس کا ہو گا جس کی اکائیاں دہائیوں پر غالب ہوں گی اور آخرت میں نیکیوں اور برائیوں کا مقابلہ کیا جائے گا پس ہر برائی کے بدلے ایک نیکی گرائی جائے گی اور جو نیکیاں زائد بچیں گی ان کے بدلے جنت اسے دی جائے گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور اس میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی برائی کی جزا دنیا ہی میں تکلیفوں میں مبتلا کر کے دیدیجاتی ہے یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر اللہ سے ملیں گے اور دوسروں کو قیامت کے دن ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو دنیا میں جو درد دکھ تکلیف ہوتی ہے اس سے اس کے گناہ جھڑتے ہیں اور اسے ثواب ملتا ہے حتی کہ کانٹا چبھنے کا۔ مسروق کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب بولے ہم تو برابر ہیں۔ پس۔ آیت ﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ﴾ [النساء:۱۲۴] نازل ہوئی اور اس میں مسلمانوں کی فضیلت غیر مسلمین پر ظاہر کی گئی۔ [خازن]

تنبیہ: آیت میں اگر اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل فرمایا ہے: تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اپنا خلیل بتایا ہے: اور مزید برآں یہ کہ انہیں اپنا حبیب کہا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضور نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا: "صاحبکم خلیل الله" تمہارا صاحب اللہ کا خلیل ہے۔ اسی میں دوسرے طریق سے ہے کہ اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا جیسا کہ ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا۔ مسلم کی حدیث میں ہے "اتخذالله صاحبکم خلیلا" "اللہ نے تمہارے صاحب کو اپنا خلیل بنایا۔ ترمذی وابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے حضور کا انتظار کر رہے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ تعجب کی بات ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور موسیٰ کو کلیم بنایا اور عیسیٰ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا کہ حضور تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارا کلام اور تعجب سنا بے شک وہ لوگ ایسے ہی ہیں "الا وانی حبیب الله ولا فخر" خبردار ہو جاؤ میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے۔ دارمی کی حدیث میں ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں تو میں حبیب اللہ ہوں۔ ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اگر میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو تمہیں اپنا حبیب بنایا۔ حکیم ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے حضور سے فرمایا: ﴿أوثرن حبيبي على خليلي﴾ اپنی عزت وجلال کی قسم بے شک میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل ونجی پر فضیلت دوں گا اور یہ امر ظاہر ہے کہ درجہ محبوبیت درجہ خلت سے فوق ہے کہ خلیل وہ ہے جو خدا کی رضا چاہے اور محبوب وہ ہے جس کی خدا رضا چاہے جس پر آیت وحدیث شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرۃ:۱۴۴] اے محبوب ہم نے تمہارا بار بار منہ اٹھا کر آسمان کو دیکھنا دیکھا تو ہم تمہیں اسی قبلہ کی طرف پھر دیں گے جس کی طرف تم پھرنا پسند کرتے ہو۔ پس پھیر لو تم اپنا منہ مسجد حرام کی طرف۔ وقال تعالیٰ: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ [الضحیٰ:۵] اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اس قدر دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا: میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک ہر امتی کو جنت میں داخل نہ کرا لوں گا۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھ سے کہے گا۔ اے محمد تو راضی ہوا، میں عرض کروں گا اے رب میں راضی ہوا۔ حدیث شفاعت میں ہے کہ اللہ حضور سے فرمائے گا "سل تعطه واشفع تشفع" تم مانگو دیے جاؤ گے اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہو گی۔ یعنی تم جو مانگو گے دیے جاؤ گے اور جس کی شفاعت کرو گے وہ بخشا جائے گا کہ اس کا عموم ہر چیز کو شامل ہے اور ہر بات اس میں داخل ہے کسی شئی کی تخصیص نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور نے ابراہیم وعیسیٰ علیہم السلام کا قول جو انہوں نے اپنی اپنی امتوں کے بارے میں اللہ سے عرض کیا تھا، پڑھ کر "اللهم امتی امتی" فرمایا: اور رونے لگے فوراً خطاب ہوا "سنرضيك في امتك ولا نسوءك" ہم تمہیں تمہاری امت کے معاملہ میں راضی کر دیں گے غمگین نہ کریں گے۔ یہ ہے شان محبوبیت کہ جس بات سے محبوب راضی وخوش ہو وہی کی جائے۔

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ

یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کرو تو اللہ کو اس کی

عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا

خبر ہے۔ ع اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے

وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا

تمہارے کاموں کی خبر ہے اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ

بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

عورتوں کو برابر رکھو چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو اُدھر میں

كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت ۲۷)۶۴۶۔شان نزول: حضرت عبیدابن حصین نے ایک بار حضور سے عرض کیا میں نے سنا ہے کہ آپ بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف میراث دلاتے ہیں حالانکہ زمانہ جاہلیت میں میراث میں وہ حصہ پاتا تھا جو شریک جنگ ہوتا تھا اور مال غنیمت میں حصہ پاتا تھا۔تو حضور نے ان سے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ہی حکم فرمایا ہے اور یہ آیت پڑھی۔[بیضاوی] نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچازاد بہن یتیم ہوگئی تھی اور اسے باپ کی میراث میں سے بہت سامان ملا تھا مگر بدصورت تھی اس وجہ سے حضرت جابر اس سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور دوسرے شخص سے بھی مال کے لالچ میں اس کا نکاح نہیں کرتے تھے اس امید پر کہ شاید پہلا حکم منسوخ ہو جائے یا کوئی صورت تخفیف کی نکل آئے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔[رواہ ابن ابی حاتم عن السدی] مطلب یہ ہے کہ اے نبی لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اور میراث میں سے انہیں کیا دیا جائے تو تم ان سے فرمادو کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اور پہلے بھی قرابت میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں فتویٰ دے چکا ہے کہ تم انہیں ان کا حصہ مقررہ نہیں دیتے ہو اور تم ان سے ان کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح کرنے سے بھی منہ پھیرتے ہو اور دوسرے سے بھی ان کا نکاح نہیں کرتے ہو کہ مال ہاتھ سے نکل جائے گا پس ان کے بارے میں اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو۔اور چھوٹے بچوں کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ تم ان کے حقوق ادا کرو کہ اہل عرب عورتوں کی طرح یتیموں کو بھی میراث سے حصہ نہیں دیتے تھے اور یتیموں کے ساتھ میراث ومہر میں عدل وانصاف کرنے کا تمہیں فتویٰ دیتا ہے اور تم جو بھلائی کرو گے اللہ اسے جاننے والا ہے اس کی جزا تمہیں دے گا۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش سے تم میں ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ کشائش والا

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

حکمت والا ہے۔ ک۴ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ

انہیں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ

(آیت ۱۲۸ تا ۱۳۰) ۴۷۔شان نزول:۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے جب حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے عرض کی میں قیامت کے دن حضور کی زوجہ ہونے کا فخر حاصل کرنا چاہتی ہوں اور اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں آپ مجھے طلاق نہ دیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔[رواہ الترمذی وغیرہ] پس حضور نے انہیں طلاق نہ دی اور حضرت عائشہ کے پاس دو دن رہنا اختیار کیا اس کو مختلف طریقوں سے اصحاب صحاح وسنن نے روایت کیا ہے۔ جن کو ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔ اور بخاری وغیرہ میں اور بھی روایات اس کی شان نزول میں مروی ہیں بہر حال حکم عام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان دونوں پر گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے بددلی اور جدائی سے کہ طلاق اللہ کو مبغوض ہے۔[کمافی حدیث ابی داؤد] اور صلح اس طرح ہو کہ عورت زوجیت میں برقرار رہنے کے لیے اپنی باری کا دن چھوڑنے یا مہر وخرچ میں کمی کرنے پر راضی ہو جائے اور شوہر اسے مان لے کہ آدمی کی طینت میں بخل ہے اور دل لالچ کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں اور اگر تم ان کے ساتھ نیکی اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ پس اس کی انہیں جزا دے گا اور تم سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تم عورتوں کو محبت میں برابر رکھو چاہے کتنی ہی حرص وکوشش کرو کہ یہ تمہارے امکان سے باہر ہے مگر یہ تو نہ ہو کہ تم ایک طرف پورے جھک جاؤ اور اس کے پاس شب وروز رہو اور اسی کو خرچ دو اور دوسری کو بیچ میں لٹکتا چھوڑ دو کہ نہ اس کے پاس جاؤ اور نہ اسے خرچ دو اور نہ اسے طلاق دو کہ وہ دوسرے آدمی سے نکاح کر لے۔ حدیث میں ہے جس کی دو عورتیں ہوں اور وہ ان میں ایک کی طرف مائل وراغب ہو گا وہ قیامت کے دن ایک طرف کو جھکا ہوا اٹھے گا اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو گے یعنی آپس میں صلح اور نیک برتاؤ کرو گے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو زوج وزوجہ میں صلح نہ ہو اور وہ دونوں جدا جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش وفضل سے ہر ایک کو دوسرے سے بے پرواہ کر دے گا۔ روزی رزق دے گا اس طرح کہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر لے گی اور مرد دوسری عورت سے نکاح کر لے گا۔

تنبیہ: آیت: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا﴾ الخ [النساء:۱۲۹] بروایت ابی ملیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی کہ حضور انہیں سب بیبیوں سے زیادہ محبوب رکھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ محبت خود اختیاری نہیں ہے اور اس کی زیادتی کمی میں مواخذہ نہیں ہے علاوہ اس کے دوسری باتوں میں عدل وبرابری کرنا لازم ہے ورنہ مواخذہ ہو گا۔ سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنی بی بیوں میں عدل فرمایا کرتے اور جناب باری میں عرض کیا کرتے تھے کہ یہ تو میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں پس مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جس کا تو مالک ہے یعنی محبت کا۔[مدارک رواہ الترمذی وغیرہ]

غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى

بے نیاز ہے سب خوبیوں والا۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ

کافی ہے کارساز۔ اے لوگو! وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اور اللہ کو اس کی قدرت ہے۔ جو دنیا کا انعام چاہے

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

تو اللہ ہی کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا انعام ہے اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ ۴۸

ع ۱۹ / ۱۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے،

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ

چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا، یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا

فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ

فقیر ہو بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے، تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر

(آیت ۱۳۱ تا ۱۳۴) ۴۸۔ یہ آیات سابقہ کا تتمہ اور اس کی علت ہے اور مطلب ترجمہ سے ظاہر ہے اور ﴿لِلّٰهِ ما فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ [البقرة:۲۸۴] کی تکرار تاکید کے لیے ہے اور ﴿يٰأَيُّهَا النَّاس﴾ سے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کافر و منافق مراد ہیں جو حضور سے عداوت رکھتے تھے اور آخرین سے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے دوستی رکھنے والے مراد ہیں۔ روایت کی گئی ہے کہ جب آیت: ﴿ان يشاء يذهبكم﴾ نازل ہوئی تو حضور نے حضرت سلمان فارسی کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر فرمایا: کہ یہ آخرین سے ہے۔ [سراج] اور بعض کے نزدیک آخرین سے ائمہ علمائے متاخرین مراد ہیں جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلے اور سنت کو زندہ کیا۔ اور آیت: ﴿من كان يريد الدنيا﴾ مشرکین و منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ مشرک بعد موت زندہ ہونے اور قیامت کے قائل نہ تھے اور بتوں کو اس لیے پوجتے تھے کہ ان کے ذریعہ سے دنیا کی بھلائی ملے اور اس کے شر سے بچے رہیں اور منافق مال غنیمت ملنے کے لیے شریک ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خیال ناقص کے رد میں فرماتا ہے کہ اللہ کے پاس دنیا و آخرت کی نعمتیں ہیں عقلمند وہ ہے جو دنیا و آخرت کے ثواب کو چاہے ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ [البقرة:۲۰۱] کہے۔ معنی یہ ہیں جو اپنے عمل کا اجر دنیا میں چاہے گا اسے دنیا ہی میں ملے گا نہ آخرت میں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ ﴿مَن كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا﴾ [الاسریٰ:۱۸] اور جو نہ آخرت میں چاہے گا اسے دنیا میں بھی بقدر مقرر ملے گا اور آخرت میں پورا ملے گا۔

تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا

تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ف۴۹ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اتاری

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ

اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔ بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں

(آیت ۱۳۵) ۴۹۔شان نزول:۔ سدی کہتے ہیں یہ آیت حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی کہ ایک فقیر و غنی نے اپنا جھگڑا حضور کے سامنے پیش کیا۔ حضور کی عادت فقیروں کے ساتھ رحم کی تھی۔ اور یہ خیال فرمایا۔ کہ فقیر غنی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ پس حضور کو حکم فرمایا گیا کہ وہ ہر فقیر و غنی کے ساتھ عدل اختیار کریں۔ [خازن] اور کہا گیا کہ یہ آیت مقیس انصاری کے حق میں اتری کہ انہوں نے خدمت حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے باپ پر قرض ہے اور میں شاہد ہوں مگر اس کے افلاس کی وجہ سے شہادت دینا نہیں چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال آیت میں ان اعمال کا لب لباب اور اسلام کا سنگ بنیاد ظاہر کرنا مقصود ہے جن پر پہلے عمل کرنے کی ہدایت کی جا چکی ہے اور جن پر تمام روحانی و جسمانی ترقیات کا دار و مدار ہے اور وہ دو باتیں ہیں اعتدال و توسط اور صدق و خلوص پہلی بات کو شروع آیت میں اور دوسری بات کو اس کے بعد ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم عدل و انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ یعنی عقائد میں، اعمال میں، اخلاق میں، عصمت و عفت، شجاعت و مروت، عزم و ارادت، عبادت و قناعت، جود و سخا، صبر و رضا وغیرہ تمام اوصاف میں توسط و اعتدال قائم رکھو، دنیوی معاملات میں، امور خانہ داری میں، ہر شخص کے ساتھ بلکہ ہر انسان و حیوان کے ساتھ اعتدال میانہ روی ملحوظ رکھو کھانے پینے پہننے وغیرہ میں بھی حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو غرض کہ ہر کام ہر بات میں میانہ روی اور توسط اختیار کرو۔ اور دوسری بات کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کے لیے سچی گواہی دیتے رہو چاہے اس میں تمہارا نقصان ہی ہو یا تمہارے ماں باپ عزیز و اقارب کا خواہ وہ مال دار ہوں یا فقیر ہوں ادائے شہادت میں کسی کی رعایت و مروت نہ کرو اور نہ اپنے نفع و نقصان کا خیال کرو اللہ ان سے زیادہ حق دار ہے۔ تمام دینی و دنیوی معاملات میں ہمیشہ حق و صداقت اور عدل و انصاف کو اختیار کرو اچھے کو اچھا اور برے کو برا حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہو کسی کی ملامت کا خوف نہ کرو جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ الخ [المائدۃ:۸] کسی قوم کی بدگوئی و ملامت تمہیں عدل سے باز نہ رکھے عدل کرو کہ وہ پرہیز گاری کے قریب تر ہے۔ اور اپنی خواہشوں کے پیچھے نہ پڑو کہ حق سے جدا ہو جاؤ اگر تم شہادت میں ہیر پھیر کرو گے یعنی بات بنا کر کہو گے یا ادائے شہادت سے منہ پھیرو گے تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اس کی جزا تمہیں دے گا کہ کتمان شہادت گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ الخ [النساء:۱۳۵] کے یہ معنی ہیں کہ تم شہادت میں جس پر بھی ہو عدل پر قائم رہو اور اللہ کے

كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ

بڑھے اللہ ہرگز نہ انھیں بخشے نہ انھیں راہ دکھائے۔ ف۵۰ خوشخبری دو

الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

منافقوں کو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لیے

جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ

ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو

اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ

سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ

میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو بے شک اللہ کافروں اور منافقوں

وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ

سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔ وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں تو اگر

كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ

اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے کہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر

واسطے شہادت دو جیسا کہ تمہیں حکم فرمایا گیا ہے۔ [خازن] اور اپنے نفس پر شہادت دینے کے یہ معنی ہیں کہ تم اس کا اقرار کرو۔

(آیت ۱۳۶ اور ۱۳۷) ۵۰۔ شان نزول:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب عبداللہ ابن سلام وغیرہ مومنین اہل کتاب نے یہ کہا کہ یارسول اللہ ہم حضور پر اور قرآن پر اور حضرت موسیٰ وعزیر اور توراۃ پر ایمان لائے اس کے علاوہ اور کسی کو ہم نہیں مانتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو تم ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے اتاریں اور جس نے اللہ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کے دن کو نہ مانا وہ ضرور بہت دور کی گمراہی میں پڑا جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا ہم سب پر ایمان لائے کسی میں فرق نہ کریں گے۔ [معالم] پھر یہود کی حالت کو بیان کیا جاتا ہے کہ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے پھر کافر ہوئے گائے کو پوج کر پھر ایمان لائے بعد آنے موسیٰ کے میقات سے پھر کر۔ پھر کافر ہوئے عیسیٰ کو نہ مان کر پھر اور کفر میں بڑھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا کر اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا جب تک کہ وہ کفر پر قائم رہیں گے اور نہ انہیں راہ حق دکھائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کتاب اول سے قرآن اور کتاب دویم سے جملہ کتب مراد ہیں۔

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ

کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا اور ہم نے تمہیں

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ

مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اور اللہ

لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ

کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں

وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ

اور وہی انھیں غافل کر کے مارے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے

النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ ق

لوگوں کا دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

نہ ادھر کے نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لیے کوئی

سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

راہ نہ پائے گا۔ ف۵۱ اے ایمان والو! کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا

(آیت ۱۳۸ تا ۱۴۳) ۵۱۔ یہ آیت گزشتہ آیت کا تکملہ ہے اور منافقوں کی حالت کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم منافقوں کو خوش خبری دو دردناک عذاب کی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ان کی دوستی سے عزت ملے گی تو عزت تو ساری اللہ کے قبضہ میں ہے کفار کے پاس کہاں ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھنے والوں اور اس پر ایمان لانے والوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [المنافقون: ۸] یعنی عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے نہ کفار کے لیے اور بے شک اللہ قرآن میں اتار چکا ہے یعنی سورۂ انعام میں کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں کی طرح گنہگار ہو گے کہ تم اعراض پر قادر ہو۔ بے شک اللہ کافروں اور منافقوں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

تنبیہ: آیت میں ایسی مجالس میں مسلمانوں کو بیٹھنے کی ممانعت کی گئی ہے جن میں دین کی باتوں کی ہنسی اڑائی جاتی ہو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں ہر بدعتی اور دین میں نئی بات پیدا کرنے والا داخل ہے ان کے پاس نہ بیٹھے۔ علما فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفر پر راضی ہونا کفر ہے اور جو کسی ناجائز کام پر راضی ہوا یا کرنے والوں کے ساتھ خوشی سے بیٹھا اگرچہ مرتکب نہ ہوا وہ ان کی مثل گنہگار ہوگا۔ پھر ان کی دوسری حالت ظاہر فرماتا ہے کہ وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں حوادثات کا انتظار کیا کرتے ہیں اگر تمہیں فتح نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ہمیں بھی غنیمت سے حصہ دو اور جو کفار کو کچھ حصہ فتح کا ملتا ہے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھ سے بچایا اگر ہم چاہتے تو تمہیں گرفتار یا قتل کراتے اور

ع ۲۰/۷

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ

کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لیے صریح حجت کر لو بے شک

الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا

مگر وہ جنھوں نے توبہ کی اور سنورے اور اللہ کی رسی مضبوط تھامی اور

دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ

اپنا دین خالص اللہ کے لیے کر لیا تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب

يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اللہ مسلمانوں کو بڑا ثواب دے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ

اور اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا

مسلمانوں کو نہ روکتے اوران کی خبریں تمہیں لاکر نہ دیتے۔ لہذا ہمیں بھی کچھ حصہ دو۔ اللہ فرماتا ہے: کہ اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کرے گا کہ مسلمانوں کو جنت اور منافقوں کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کافروں کو مسلمانوں پر حجت میں غالب ہونے کی کوئی راہ نہ دے گا نہ دنیا میں نہ عقبیٰ میں۔ پس کافر کی شہادت مسلمانوں پر حجت میں معتبر نہ ہوگی اور نہ وہ ولی نکاح ہوسکتا ہے اور نہ مسلمان کا وارث ہوگا۔[وغیر ذلك من المسائل يتفرع عليه] پھر ان کی تیسری حالت ظاہر فرماتا ہے کہ بے شک منافق اپنے گمان میں اپنا کفر چھپا کر اور اسلام ظاہر کر کے اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ قتل وغارت سے محفوظ رہیں اور اللہ ہی انہیں غافل کر کے مارے گا یا انہیں ان کے فریب کی جزا دے گا اس طرح کہ قیامت کے دن مسلمانوں کی طرح وہ بھی نور دیے جائیں گے۔ پس مسلمان تو اپنے نور کی روشنی میں پل صراط سے گزر جائیں گے اور ان کے نور کی روشنی پل صراط پر ٹھنڈی ہو جائے گی۔[معالم] پس وہ پل صراط سے نہ گزر سکیں گے دوزخ میں گریں گے۔ یا اس طرح سے کہ اپنے نبی کو ان کے حال سے آگاہ کر کے انہیں دنیا میں رسوا کرے گا اور آخرت میں عذاب دے گا اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ہارے جی سے لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور وہ اللہ کو بہت تھوڑا دکھانے کے لیے یاد کرتے ہیں۔ یا وہ صرف دکھانے کے لیے بعض وقت نماز پڑھتے اور بعض وقت نہیں پڑھتے۔ جب کہ کوئی نہیں دیکھتا ہے۔ بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر کے ہیں اور نہ ادھر کے یعنی وہ کفر وایمان میں مذبذب ہیں نہ خلوص دل سے ایمان لاتے ہیں اور نہ صراحۃً کفر کا اقرار کرتے ہیں بیچ میں لٹکے ہوئے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی راہ ہدایت نہ پائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ منافقوں کی مثال اس بکری جیسی ہے کہ دو گلوں کے درمیان ہو کبھی اس گلے میں جائے کبھی اس گلے میں جائے کسی ایک میں قائم نہ ہو متحیر ہو کر ادھر ادھر پھرے۔[بخاری ومسلم] یونہی منافق کبھی مسلمانوں کے گروہ میں آتے ہیں کبھی کفار کے گروہ میں جاتے ہیں۔ اور مذبذب ہیں کہ کس میں شامل ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو بے دلی سے نماز پڑھنے کھڑا ہونا

اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَ

اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور

كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا

اللہ ہے صلہ دینے والا

عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

جاننے والا۔ ف۵۲

مکروہ ہے کہ صفت منافق ہے رغبت اور خوش دلی سے پڑھنا چاہیے۔

(آیت ۱۴۴ تا ۱۴۷) ۵۲۔ منافقوں کے اوصاف و حالات بیان کرنے کے بعد اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے اوصاف اختیار کرنے اور ان سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی جاتی ہے۔ کہ ان کے اوصاف بیان کرنے کا یہی مقصد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ان سے موالات کر کے اور ان کی خصلتیں اختیار کر کے اپنے اوپر اللہ کی صریح محبت قائم کر لو کہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار عذاب دوزخ سے بچانے والا نہ پائے گا مگر ان میں جنھوں نے نفاق سے توبہ کی اور نیک کام کر کے سنور گئے اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑا اور اپنا دین خالص اللہ کے لیے کر لیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مسلمانوں کو بڑا ثواب دے گا یعنی جنت میں داخل کرے گا اگر تم اللہ کا حق مانو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تمہیں اس کا صلہ دے گا۔

تنبیہ: آیت سے ظاہر ہے کہ منافق کافر مجاہر سے بدتر ہیں انہیں قیامت کے دن بہت سخت عذاب دیا جائے گا کہ وہ علاوہ کفر کے خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اسلام و مسلمین کی ہنسی اڑاتے ہیں اور مسلمانوں کی باتیں کفار سے جا کر کہتے ہیں جس سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے

وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا

اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ اگر تم کوئی بھلائی علانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی برائی سے

عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ

درگزرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے وہ جو

بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ

اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں

وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا

اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے

بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا

بیچ میں کوئی راہ نکال لیں۔ یہی ہیں ٹھیک کافر اور ہم نے

(آیت ۱۴۸/۱۴۹)(۱) شان نزول :۔ ایک شخص مدینہ میں آکر کسی کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے اس کی مہمانی قبول نہ کی تو اس نے میزبان کو برا کہنا شروع کیا اس لیے کہ شروع اسلام میں مہمان نوازی ضروری تھی اگر کوئی مہمانی قبول نہ کرتا تو مہمان کو میزبان سے اپنا حق ضیافت زبردستی وصول کرنے کا حق ہوتا تھا اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی۔ حضرت عتبہ ابن عامر کہتے ہیں: کہ ہم نے حضور سے عرض کی کہ آپ ہمیں کہیں بھیجتے ہیں تو ہم کسی قوم میں جا کر اترتے ہیں وہ ہماری ضیافت نہیں کرتے ہیں ایسی صورت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: جب تم کسی قوم میں جا کر اترو اور وہ تمہاری مہمان داری نہ کریں تو تم ان سے اپنا حق مہمانی وصول کرو۔ مجاہد کہتے ہیں: کہ یہ آیت مہمان کے حق میں نازل ہوئی ہے جب کہ وہ کسی قوم میں مہمان ہو اور وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اسے شکایت کرنے کا حق ہے۔ (سراج) مقاتل کہتے ہیں: کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اتری ہے کہ انھیں ایک شخص نے حضور کے سامنے برا کہا۔ جب کئی بار اس نے برا کہا تو حضرت ابوبکر نے اس کا جواب دیا تو حضور کھڑے ہو گئے۔ تب ابوبکر نے حضور سے کہا: کہ اس نے آپ کے سامنے مجھے گالیاں دیں تو آپ نے اس سے کچھ نہ فرمایا اور جب میں نے رد کیا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ حضور نے فرمایا: ایک فرشتہ تیری طرف سے جواب دے رہا تھا جب تو نے خود اسے جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور اس کی جگہ شیطان آگیا بس میں کھڑا ہو گیا۔ (خازن) بہر حال آیت کا حکم عام ہے اگرچہ شان نزول خاص ہے اور اس میں ہر کسی کو کسی کی بری بات مشہور کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور مہمان کو میزبان سے اپنا حق ضیافت وصول کرنے کا حق جو ابتدائے اسلام میں تھا وہ اس سے منسوخ ہو گیا، اب وہ صرف سنت اسلام وطریقہ خلیل اللہ علیہ السلام ہے۔ اور امام احمد وغیرہ کے نزدیک واجب ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ "ليلة الضيف واجبة الخ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ بری بات کے اعلان کو کسی سے پسند نہیں کرتا ہے مگر مظلوم سے کہ وہ ظالم کے ظلم کو اور جو ظالم نے مظلوم کے ساتھ برائی کی ہو اسے لوگوں پر ظاہر کر سکتا ہے۔ اس کا مواخذہ اس سے نہ ہوگا۔ اور تم جو بھلائی علانیہ یا چھپ کر کرو گے یا برائی سے درگزر کرو گے، تو

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ جو اللہ اور اس کے [سب] رسولوں پر ایمان لائے

وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ

اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انھیں عنقریب اللہ ان کے ثواب دے گا

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲ اے محبوب! اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ

عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ

ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو تو وہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے

فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھادو تو انھیں کڑک نے آلیا ان کے گناہوں پر،

اللہ اسے سننے والا جاننے والا معاف کرنے والا ہے۔ ان دونوں لفظوں میں تمام بھلائیاں برائیاں داخل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور سے پوچھا کہ میں اپنے غلام کا قصور کتنی بار معاف کروں فرمایا: دن میں ستر بار۔ (ترمذی وابوداؤد) مجاہد کہتے ہیں: اگر کوئی کسی میں دین ودنیا کی کوئی برائی دیکھے تو اسے مشہور نہ کرتا پھرے کہ وہ غیبت میں داخل ہوگا مگر مظلوم کو ظالم کی شکایت کرنا اور اس کا ظلم ظاہر کرنا جائز ہے۔ علی بن طلحہ کہتے ہیں: اگر کوئی کسی کو برا کہے، گالی دے تو اسے بھی اسی قدر اس کا برا کہنا گالی دینا جائز ہے مگر درگذر کرنا بہتر ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ کسی کو بددعا دینا خدا کو ناپسند ہے مگر مظلوم ظالم کو بقدر ظلم بددعا دے سکتا ہے، لیکن خدا کے سپرد کرنا بہتر ہے اور ظلم سے زائد بددعا دینا ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ [الشوریٰ:۴۱] جس نے ظالم سے ظلم کے بعد بدلا لیا تو ایسوں پر مواخذہ نہیں ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے: جس نے ظلم کرنے والے کے حق میں بددعا کی اس نے بدلا لے لیا یعنی اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ مسلم کی حدیث میں ہے: جب دو آدمی آپس میں گالی گلوج کریں تو پہل کرنے والے پر گناہ ہے جب تک مظلوم اس سے تجاوز نہ کرے۔ مدارک میں ہے: کہ اللہ جہر وغیر جہر دونوں کو پسند نہیں کرتا ہے مگر جہر غیر جہر سے زیادہ مذموم ہے۔ احادیث میں مہمان نوازی کی فضیلت وثواب بہت آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اللہ وآخرت کے دن پر ایمان لایا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے کہ مہمان کا اکرام اکرامِ خدا ہے۔ اگر وہ مہمان کے ساتھ کھانا کھانے کی کرامت وفضیلت جانتا تو کبھی اکیلا کھانا نہ کھاتا اور جب کوئی مہمان کسی کے یہاں آتا ہے تو اپنا رزق لے کر آتا ہے اور جب جاتا ہے تو میزبان کے گناہ بخشے جاتے ہیں مہمان کی خدمت کرنا محمود ہے اور اس سے کام لینا مذموم ہے۔ ضیافت تین دن ہے اس کے بعد صدقہ کا ثواب ہوگا، اگر زیادہ ٹھہرے گا۔ اور مہمان کو لازم ہے کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے اور میزبان سے ایسی چیز کی فرمائش نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اس پر گراں گزرے۔

(آیت ۱۵۰ تا ۱۵۲) (۲) شانِ نزول:۔ یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی اور کہا گیا ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی کہ یہود موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا اور انجیل وقرآن کو نہ مانا اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا۔ [خازن] مطلب یہ ہے کہ بے شک جو لوگ اللہ

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آچکیں تو ہم نے یہ معاف

عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

فرمادیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا پھر ہم نے اُن پر طور کو اونچا کیا

بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا

ان سے عہد لینے کو اور ان سے فرمایا کہ دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور ان سے فرمایا کہ ہفتے میں

تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

حد سے نہ بڑھو اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا ف۳ تو ان کی

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

کیسی بدعہدیوں کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ وہ آیاتِ الٰہی کے منکر ہوئے اور انبیا کو ناحق شہید

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا

کرتے اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اللہ نے ان کے

اور اس کے رسول کو نہیں مانتے ہیں اور اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض پر نہیں لائے اور ایمان و کفر کے بیچ میں ایک نئی راہ نکالنا چاہتے ہیں یہی ٹھیک کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے کسی میں فرق نہیں کیا انہیں اللہ عنقریب ثواب دے گا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ [النساء:۱۵۲] سے امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہے کہ وہ سب پر ایمان لائے کسی میں تفریق نہ کی۔

(آیت ۱۵۳/۱۵۴)(۳) شان نزول: جب فخاص اور کعب ابن اشرف وغیرہ یہودیوں نے حضور سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو حضرت موسیٰ کی طرح آسمان سے ایک دم اتری ہوئی کتاب لائیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [مدارک و معالم] ابن جریج کہتے ہیں: کہ یہود یہ چاہتے تھے کہ ہر ایک کے نام آسمان سے جدا جدا خط آئے جس میں لکھا ہو کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور بعض نے کہا ہے کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ آسمان سے علانیہ کتاب اترے کہ ہم دیکھتے ہوں۔ [ابن کثیر] قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ ان کا یہ سوال عناداً تھا طلب حق کے لیے نہ تھا۔ حسن کہتے ہیں: کہ اگر طلب حق کیلیے سوال کرتے تو ضرور ایسا ہی ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محبوب یہود تم سے کہتے ہیں کہ تم موسیٰ کی طرح آسمان سے ایک دم ایک کتاب اتار دو تو یہ سوال ان کا کچھ بڑا نہیں ہے کہ ان کے باپ دادا تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں کہ اللہ ہمیں علانیہ دکھا دو اور وہ ان کے پیرو ہیں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ الخ [البقرة:۵۵]. تو انہیں ان کی سرکشی اور بے محل سوال کرنے کے سبب کڑک نے پکڑ لیا۔ پھر بچھڑا پوجنے لگے بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں۔ جیسے عصا۔ ید بیضا۔ دریا میں راہ پیدا ہونا وغیرہ تو ہم نے انہیں یہ معاف کیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا ایسا غلبہ کہ جب آپ نے انہیں قبول توبہ کے لیے اپنے نفسوں کو قتل کرنے کا حکم کیا تو انہوں نے مانا۔ ان سے عہد لینے کے لیے ان پر کوہ طور کو اٹھا لیا۔ اور ان سے فرمایا بستی کے دروازہ میں سجدہ کرتے

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ

کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے۔ اور اس لیے کہ انھوں نے کفر کیا اور مریم پر

بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ

بڑا بہتان اٹھایا۔ اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے

مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ

رسول کو شہید کیا اور ہے یہ کہ انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لیے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ

اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں

مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ

انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بے شک انھوں نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے

اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا

اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ کوئی کتابی ایسا نہیں جو

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا ف۴

داخل ہوں۔ اور زمانہ داؤد میں ان سے فرمایا کہ ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو یعنی شکار ماہی نہ کرو۔ اور ہم نے ان سے ان باتوں پر سخت عہد لیا پس انہوں نے نقض عہد کیا۔

تنبیہ: صاعقہ سے بجلی کی کڑک مراد ہے یا آسمان سے آگ نازل ہونا مراد ہے کہ وہ سب اس سے جل کر مر گئے تھے۔ پھر اللہ نے انہیں حضرت موسیٰ کی دعا سے زندہ کیا۔ اور سجدہ سے مراد جھکے ہوئے بستی میں داخل ہونا ہے، وہ بجائے اس کے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے اس میں داخل ہوئے۔ اور وہ بستی بیت المقدس تھی۔ یا اریحا یا ایلیا تھی ان سب باتوں کا ذکر سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے یہاں حضور کو تسلی دینے کے لیے ذکر کی گئی ہیں۔

(آیت ۱۵۵ تا ۱۵۹) (۴) اس آیت میں یہود کی بقیہ سرکشیاں و بدعہدیاں کفر پرستیاں بیان کی گئیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہود کی بدعہدیوں کے سبب ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ آیات الٰہی کا انکار کرتے تھے اور انبیا کو ناحق شہید کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑا ہے اس میں کوئی نصیحت داخل نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کے سبب وہ نصیحت نہیں سنتے ایمان نہیں لاتے ہیں مگر تھوڑے سے جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی۔ اور اس لیے کہ انہوں نے عیسیٰ کو نہیں مانا۔ اور مریم پر بہت بڑا بہتان دھرا زنا کی تہمت لگائی۔ اور فخریہ کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا۔ اور نصاریٰ نے بھی اس کی تصدیق کی اللہ نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا کہ انہوں نے نہ عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ اللہ نے ان کے لیے عیسیٰ کی صورت کا ایک شخص بنا دیا جسے انہوں نے سولی چڑھایا اور جو لوگ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ضرور شبہ میں

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِمۡ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ

تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کے لیے حلال تھیں

لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَثِیۡرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ

ان پر حرام فرمادیں اور اس لیے کہ انھوں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا۔ اور اس لیے کہ وہ سود لیتے حالانکہ

نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ

اس سے منع کیے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے اور ان میں جو کافر ہوئے

مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰـكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ

ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ہاں جو ان میں علم میں پکے

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ

اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب! تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا

وَالۡمُقِیۡمِیۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ

اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان

بڑے ہوئے ہیں اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں انہیں اس کی کچھ خبر نہیں ہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ روایت ہے کہ جب یہود کے ایک گروہ نے علانیہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کو گالیاں دیں انہیں ساحر اور حرامی اور ان کی ماں کو ساحرہ اور زانیہ کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی پس وہ بندر اور سور ہو گئے۔ تو یہود ان کے مارنے کو جمع ہوئے۔ پس اللہ نے عیسیٰ کو خبر کی کہ وہ انہیں آسمان پر اٹھائے گا۔ اور یہود کے ہاتھ سے انہیں بچائے گا۔ اور یہود کو شبہ میں ڈالے گا پس انہوں نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون میری شکل بنے گا۔ اور قتل ہونے اور سولی چڑھنے اور میرے ساتھ جنت میں داخل ہونے پر راضی ہے تو ان میں سے ایک شخص راضی ہوا۔ پس اللہ نے اسے ان کے مشابہ کردیا اسے یہود نے عیسیٰ خیال کر کے سولی چڑھایا قتل کیا۔ [مدارک وسراج] رواہ النسائی وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما] اور وہ لوگ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا تھا تین قسم کے تھے: بعض تو کہتے تھے کہ خدا نے یعنی عیسیٰ نے جب تک ہم میں رہنا چاہا رہے وہ خود ہی آسمان پر چڑھ گئے۔ یہ یعقوبیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور بعض کا خیال تھا کہ عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے خدا نے انہیں اپنے پاس بلالیا یہ نسطوریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور بعض کہتے تھے کہ عیسیٰ خدا کے بندہ اور رسول تھے خدا نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا یہ مسلمان تھے۔ رواہ احمد و ابن اسحاق وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم مطولاً ۔ اور جو آدمی بشکل عیسیٰ کردیا گیا تھا اسے دیکھ کر بعض نے کہا کہ ہم نے یقیناً عیسیٰ کو قتل کیا تو بعض نے کہا کہ اگر تم نے عیسیٰ کو مارا ہے تو تمہارا ایک آدمی کہاں گیا۔ اور بعض نے کہا کہ چہرہ تو اس کا عیسیٰ کے مشابہ ہے مگر باقی بدن اس کا مشابہ عیسیٰ نہیں ہے۔ پس اس طرح کا اختلاف ان میں واقع ہوا یہ اختلاف ان کا ظنی تھا۔ جس کی طرف آیۃ میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ پھر اس کی تائید میں فرمایا گیا یقیناً انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور کیفیت رفع آل عمران میں گذری اور کوئی یہودی ایسا نہ رہے گا جو عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے یعنی انہیں

الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ

لانے والے ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے۔ ف۵ بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف

اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس سے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ

اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب

وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ ۚ وَرُسُلًا

اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ اور، اور رسولوں کو

قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ

جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ

عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ عیسیٰ قریب قیامت زمانۂ امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آسمان سے نازل ہوں گے اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے دنیا میں اسلام پھیلائیں گے صلیب کو توڑیں گے سوٴروں کو قتل کریں گے جزیہ کو موقوف کریں گے دجال کو ماریں گے گویا کہ ان کے نزول کے بعد جو اہل کتاب ہوں گے وہ سب ان پر ایمان لائیں گے یہی قول حسن بصری وقتادہ وابن جبیر وابن عباس وغیرھم کا ہے اور عکرمہ نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور ان کی تصدیق کرے گا۔ اور قیامت کے دن ان کی گواہی یہود پر یہ ہوگی کہ انہوں نے میری تکذیب کی، میری ماں پر تہمت لگائی، میرے مارنے کا ارادہ کیا اور عیسائیوں پر یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے میری تعلیم کے خلاف کیا، مجھے خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا میں ان کے عمل وعقیدہ سے بری ہوں میں جب تک ان میں رہا ان کی نگرانی کرتا رہا بعد میرے انہوں نے جو کیا اس کا تجھے علم ہے۔

(آیت ۱۶۰ تا ۱۶۲) (۵) آیات سابقہ میں یہود کی سرکشیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس آیت میں ان کی سرکشیوں کی سزا جو دنیا میں انہیں دی گئی تھی وہ بیان کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب ستھری چیزیں جو ان پر حلال کی گئی تھیں حرام کردیں جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ الخ [الانعام: ۱۴۶] اور سورۂ بقرہ میں تحت آیۂ کریمہ: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [آل عمران: ۹۳] ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس لیے کہ وہ بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اسلام لانے سے باز رکھتے تھے اور اس لیے کہ وہ سود کھاتے تھے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ اور اس لیے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق باطل طور سے رشوت وغیرہ میں لے کر کھاتے تھے باقی ترجمہ پڑھیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: آیۂ کریمہ: ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ الخ [النساء: ۱۶۲] حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔

لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا

رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب

حَکِیۡمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡہَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ ۚ

حکمت والا ہے۔ فـ٦ لیکن اے محبوب! اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا وہ اس نے اپنے علم سے اتارا ہے

وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَشۡہَدُوۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ

اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی۔ وہ جنھوں نے

کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۶۷﴾

کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ دور کی گمراہی میں پڑے۔

(آیت ۱۶۳)(٦) شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سکن وعدی ابن زید وغیرہ یہودیوں نے حضور سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ نے کسی پر وحی وکتاب نہیں نازل کی تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [خازن وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسی کہ نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں پر بھیجی تھی۔ جن کے نام آیت میں مذکور ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہود بولے اس میں موسیٰ کا ذکر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیۃ۔ ﴿وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ﴾ [النساء:۱٦٤] نازل فرمائی اور اس میں موسیٰ کو ذکر فرمایا۔ [خازن] اور وحی بھیجی تھی ان رسولوں کی طرف جن کا ذکر ہم نے تم سے اس سے پہلے کیا ہے۔ اور جن کا ذکر نہیں کیا ہے اور داؤد پر زبور نازل کی اور موسیٰ سے کلام کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح تنبیہ میں فرماتے ہیں کہ زبور شریف میں ڈیڑھ سو (۱۵۰) سورتیں چھوٹی بڑی تھیں جس وقت حضرت داؤد علیہ السلام زبور پڑھا کرتے تھے تو جنگل کے چرند و پرند آکر ان کے آس پاس جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ سے حضور نے فرمایا کہ اگر تو گذشتہ رات مجھے ملتا تو میں تیری قرأت سنتا۔ بے شک تجھے لحن داؤدی سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں دیکھتے تو کہتے کہ مجھے قرآن سنا۔ پس وہ پڑھتے۔ [سراج، رواہ البخاری ومسلم] اس سے معلوم ہوا کہ وہ نہایت عمدہ آواز سے قرآن عظیم پڑھتے تھے جو مشابہ لحن داؤدی تھی۔ حضرت ابوذر غفاری نے حضور سے تعداد انبیا پوچھی فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار پھر پوچھا ان میں رسول کتنے تھے فرمایا تین سو تیرہ (۳۱۳) جن میں سب سے پہلے رسول آدم ہیں اور آخری تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ان میں سے چار عربی ہوئے ہیں۔ ہود وصالح وشعیب ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین۔

تنبیہ: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا کو مفصل جاننا شرط ایمان نہیں ہے ورنہ وہ سب بیان کئے جاتے بلکہ ان سب پر ایمان لانا شرط ہے اور وہ رفع حجت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ [مدارک] حدیث مذکور بہت طویل ہے اس میں اور بہت سی باتوں کی تعلیم ہے ابن کثیر نے اسے پورا ذکر کیا ہے اور ابن جوزی نے اس کی سند میں کلام کیا ہے۔ اور امام احمد کی روایت میں جس کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ مذکور ہے اور بعض روایات میں جو صحیح الاسناد ہیں آٹھ ہزار انبیا کا آنا مذکور ہے۔

تنبیہ: آیت میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا فرمایا گیا ہے۔ اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ قاضی بیضاوی نے اس کے تحت لکھا ہے کہ خدا کا حضرت موسیٰ سے کلام فرمانا انتہائے مراتب وحی ہے جو ان کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو یہ فضیلت دی تھی کہ جو کمالات اور انبیا کو جدا جدا دئے تھے ان کے مثل حضور کو عطا فرمائے تھے یعنی وہ سب حضور کی ذات گرامی میں جمع کیے گئے تھے ان میں کلام بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سے شب معراج آسمان پر بلا واسطہ کلام فرمایا۔ ابن عساکر کی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ ہرگز انھیں نہ بخشے گا [اور] نہ انھیں

طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ

کوئی راہ دکھائے۔ مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ

عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ

اللہ کو آسان ہے۔ اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ

رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا

اور زمین میں ہے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ف اے کتاب والو! اپنے دین میں

حدیث میں ہے کہ جب صحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا، موسیٰ سے کلام کیا، آدم کو صفی کیا، عیسیٰ کو روح فرمایا، حضور کو کیا فضل وشرف بخشا؟ تو فوراً جبرئیل آئے اور وحی کی کہ آپ کا رب جل وعلا فرماتا ہے اگر میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا تو تمھیں حبیب کیا اور جو میں نے موسیٰ سے زمین پر کلام کیا تو تم سے میں نے آسمان پر کلام کیا۔ [الحدیث] یہی عقیدہ علمائے اہل سنت کا ہے۔

تنبیہ: آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کو اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۷۷] اور یہ کہ انبیائے شریعت میں وہ سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے پہلے انہی سے تبلیغ رسالت کے بارے میں سوال ہوگا اور انہیں کی امت کو عذاب ہوگا اور سب سے بڑی عمر انہی کو دی گئی۔ ایک ہزار برس کے ہوئے نہ ان کے دانت گرے نہ ان کی قوت گھٹی۔

تنبیہ: آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کو اس لیے ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ ابوالبشر ثانی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ اور یہ کہ انبیاے شریعت میں وہ سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے پہلے انھیں سے تبلیغ رسالت کا سوال ہوگا اور انہیں کی امت کو عذاب ہوگا اور سب سے بڑی عمر انہیں دی گئی ایک ہزار برس کے ہوئے نہ ان کے دانت گرے نہ بال سفید ہوئے۔ اور نہ ان کی قوت گھٹی۔

(آیت ۱۶۶ تا ۱۷۰) (۷) شان نزول: جب ایک گروہ یہود سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے نبی برحق ہونے کو خوب جانتے ہو کہ میری نبوت کی بشارتیں تمہاری کتاب میں موجود ہیں لیکن تم عناد سے انہیں نہیں مانتے ہو تو یہود بولے کہ ہماری کتاب میں تمہارے نبی ہونے کی کوئی بشارت نہیں ہے اور نہ ہمیں تمہارے نبی ہونے کا علم ہے۔ [جامع البیان] ان کے علاوہ کفار مکہ نے بھی کہا تھا کہ ہم نے یہود سے تمہاری بابت پوچھا تھا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم انہیں نہیں جانتے ہیں اور نہ ہم انہیں اپنی کتاب کے موافق پاتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما] مطلب یہ ہے کہ اے محبوب اللہ گواہ ہے اس پر جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے وہ اس نے اپنے علم سے مصالح خلق کے موافق اتارا ہے اور فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں کہ وہ خدا ہی کا کلام ہے خدا ہی نے اسے اتارا ہے اگر یہ لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں اللہ کی گواہی اس کی سچائی پر کافی ہے۔ باقی ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: اللہ کی گواہی کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے اتارے ہوئے کو معجزات باہرہ سے ثابت فرماتا ہے جیسے کہ دعویٰ گواہوں سے

فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى

زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ مسیح عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ

مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو اپنے بھلے کو،

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي

اللہ تو ایک ہی خدا ہے پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو، اسی کا مال ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کافی کارساز۔ ف۸ ہرگز

ثابت ہوتا ہے اور فرشتوں کی گواہی کے یہ معنی ہیں کہ وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور آیت سے قول معتزلہ رد ہوتا ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں کیوں کہ اس میں ”بعلمه“ فرمایا ہے صفت علم کے ساتھ اپنی ذات کو متصف کیا ہے۔ [مدارک] روایت ہے کہ جب آیت: ﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ﴾ نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہم تو شہادت نہیں دیتے ہیں تو (انزله بعلمه) نازل ہوئی اور جب امر نبوت وغیرہ ﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ﴾ سے ثابت ہو گیا تو ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ فرمایا گیا عام دعوت دی گئی۔ [بیضاوی] اور خطاب عام ہے اور ”رسول“ سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں اور ”بالحق“ سے دین اسلام یا قران مراد ہے (خازن)

(آیت ۱۷۱) (۸) شان نزول: یہ آیت عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی کہ ان میں چار فرقہ ہو گئے تھے ایک یعقوبیہ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے تھے۔ دوسرے ملکانیہ جو ہم عقیدہ یعقوبیہ تھا۔ تیسرے نسطوریہ جو عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ چوتھے مرتوسیہ جو عیسیٰ کو تین خداؤں میں کا ایک کہتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یعقوبیہ عیسی کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نسطوریہ تین خداؤں کے قائل تھے۔ حسن کہتے ہیں جائز ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں اتری ہو کہ دونوں نے دین میں حد سے تجاوز کیا تھا یہود نے تفریط کی تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں مانتے تھے اور ان کی توہین کرتے تھے اور نصاریٰ نے افراط کی تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا اور تین خداؤں کا ایک کہتے تھے۔ [معالم] بلکہ اپنے احبار و علما کو بھی حد سے بڑھایا انہیں معصوم سمجھا ان کی ہر بات کو مانا۔ ﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبۃ: ۳۱] مطلب یہ ہے کہ اے کتاب والو یعنی عیسائیو تم اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ کی شان میں سچ بات کہو اس کے لیے شریک و بیٹا نہ بناؤ۔ مسیح ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ اور اس کی طرف سے روح ہی تو ہے جسے اللہ نے مریم کی طرف بھیجا نہ وہ اللہ ہے نہ اللہ کا بیٹا ہے اور نہ وہ تین خداؤں میں کا ایک خدا ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو۔ اقانیم ثلثہ اب، ابن، روح کے قائل ہو کہ روح و جسم کی ترکیب منافی الوہیت ہے اور نہ مرکب خدا کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ اللہ اس سے پاک و منزہ ہے پس تم ایک اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو اس کہنے سے باز رہنا اور توحید کا قائل ہونا تمہارے لیے بہتر ہے اللہ صرف ایک ہی ہے وہ پاک ہے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور اس کا خالق و مالک ہے اور ملکیت منافی ولدیت ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعض ملک اس کا جز ہو اور یہ جزئیت اجسام میں ہوتی ہے اور اللہ جسم سے پاک ہے۔

الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ؕ وَمَنْ

مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے اور جو

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿۱۷۲﴾ فَأَمَّا

اللہ کی بندگی سے نفرت اور تکبر کرے تو کوئی دم جاتا ہے ۸ کہ وہ ان سب کو اپنی طرف ہانکے گا تو وہ جو

الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ

ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی مزدوری انھیں بھرپور دے کر اپنے فضل سے انھیں

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ

اور زیادہ دے گا اور وہ جنھوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انھیں

عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَّلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿۱۷۳﴾

دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور

مُّبِينًا ﴿۱۷۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ

اتارا تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب اللہ انھیں

فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۱۷۵﴾ ؕ

اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا اور انھیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔ ف۹

تنبیہ: آیت میں روح کی اضافت اللہ کی طرف تشریفا ہے جیسے قرآن کو روح فرمایا گیا ہے۔ کہ ﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ [الشوریٰ:۵۲] اور آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ آدمی دین میں افراط وتفریط نہ کرے، حد سے نہ بڑھے۔ اور انبیا علیہم السلام کے مرتبہ کو اتنا نہ بڑھائے کہ خدا کے مرتبہ تک پہونچائے اور نہ اتنا گھٹائے کہ عام مخلوق کی مثل سمجھے جس سے ان کی شان رسالت کی تنقیص ہو اور کفر لازم آئے کہ آدمی افراط وتفریط میں پڑ کر گمراہ بے دین ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو تم میرے حق میں اترا کر نہ بڑھنا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ کو بڑھایا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور رسول سمجھنا کہ میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ جو مرتبہ مجھے اللہ نے دیا ہے اس سے مجھے بڑھاؤ۔ [رواہ احمد وابن کثیر] ایک روایت میں ہے کہ میری قبر کو عید نہ بنانا اور قریب وفات فرمایا خدا لعنت کرے یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنایا۔ اور ''رسلہ'' میں اشارہ ہے اس طرف کہ صرف عیسیٰ پر ایمان لانا کارآمد نہیں ہے۔ سب رسولوں پر ایمان لانا ضروری اور شرط ایمان ہے۔

(آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵) (۹) شان نزول: جب نجران کے عیسائیوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا کہ آپ عیسیٰ کو عیب لگاتے اور توہین کرتے ہیں۔ وہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور آپ انہیں خدا کا بندہ بتاتے ہیں تو حضور نے ان سے فرمایا کہ خدا کا بندہ کہنا تو عیب و

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ

اے محبوب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو

لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ

جو بے اولاد ہے اور اس کے ایک بہن ہو تو ترکہ میں سے اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر

لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا

بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی

تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ

اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ

حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ

دو عورتوں کے برابر اللہ تمہارے لیے صاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔ ف۱۰

عار کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے کسی کو انکار ہے پس حضور کی تصدیق میں اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ
مسیح اللہ کا بندہ بننے سے نفرت واعراض نہیں کرتا ہے اور نہ مقرب فرشتے اس سے انکار کرتے ہیں اور جو اللہ کی بندگی سے نفرت وتکبر کریں
گے تو عنقریب اللہ ان سب کو اپنی طرف ہانکے گا۔ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ ان کی مزدوری بھرپور دے گا اور اپنے
فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ آدمی کے دل میں گذرا اور ان لوگوں کو جنہوں نے اس کی
بندگی سے نفرت وتکبر کیا دردناک سزا دے گا۔ اور وہ سوا اللہ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار کہ اللہ کے عذاب سے انہیں بچائے۔
اور آیت میں برہان سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم مراد ہیں اور نور مبین سے قرآن عظیم مراد ہے۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑنے کے یہ معنی ہیں
کہ اس پر توکل وبھروسہ کرو اور رحمت سے مراد جنت ہے اور فضل سے مراد زیادتی ثواب ہے۔

(آیت ۱۷۶) (۱۰) شان نزول: یہ آیت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ کلالہ تھے جب حالت
مرض میں حضور ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے حضور سے اپنی میراث کا حکم پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔
[بخاری] کشاف میں اس کی شان نزول یوں لکھی ہے کہ جابر ابن عبداللہ حجۃ الوداع کی سال مکہ کے راستہ میں حضور سے ملے اور پوچھا کہ
میری بہن ہے مجھے اس کے ترکہ میں کتنا ملے گا تو یہ آیت اتری پس پہلی آیت بہن کے حصہ کے متعلق ہے اور دوسری بھائی کے حصہ کے
متعلق ہے۔ [احمدی] اور کلالہ عرب میں اس شخص کو کہتے تھے کہ جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں اور نہ اولاد ہو۔ كما رواه ابن ابی شيبة
وغیرہ وهو قول ابی بكر وعليه جمهور الصحابه والتابعين رضی الله تعالىٰ عنهم وهو مذهب الائمة الاربعة۔ (ابن
کثیر) مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تم سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم ان سے فرماؤ کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی
مرد بے اولاد مرے اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں اور اس کے ایک بہن حقیقی یا علاتی ہو تو اس کے کل ترکہ میں سے بہن کو آدھا ملے گا

جب کہ اس کے کوئی عصبہ ہو ورنہ باقی نصف بھی لوٹ کر اسی کو ملے گا اور بھائی حقیقی اپنی بہن کا کل ترکہ پائے گا۔ جب کے بہن
کے اولاد اور ماں باپ نہ ہوں یعنی کلالہ ہو اور جو اس کے بیٹا ہو تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور جو بیٹی ہو گی تو اس کا حصہ دے کر
بھائی کو باقی ملے گا جو بھائی بہن ماں کی طرف کے ہوں گے تو انہیں چھٹا حصہ ملے گا جیسا کہ شروع سورت میں
بیان ہوا پھر اگر اس کے دو بہنیں یا اس سے زیادہ ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی ملے گا اور جو چند بھائی
بہنیں ہوں تو ان میں مردوں کو عورتوں سے دونا ملے گا اللہ تمہارے لیے صاف بیان
فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ آخری
آیت ہے جو فرائض میں نازل ہوئی اور اسے آیۂ صیف کہتے ہیں۔
تنبیہ: شان نزول اس کا اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام
ہے اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے ورنہ واحد کا
صیغہ لایا جاتا اور اس میں ہر دو شان نزول
کے موافق بھائی و بہن کلالہ کا
حصہ بیان فرمایا گیا
ہے۔

سورۃ المائدۃ مدنیۃ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | ایاتہا ١٢٠ رکوعاتہا ١٦

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحمت والا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو تمہارے لیے حلال ہوئے بے زبان

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ

مویشی مگر وہ جو آگے سنایا جائے گا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک

اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ

اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے۔ ف١١ اے ایمان والو حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے

(آیت ١)(١١) شان نزول: جو لوگ دور جاہلیت میں اپنی خواہش نفس سے، خلاف حکم الٰہی جانور حرام کرتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہارے لیے مویشی حلال ہوئے سوا ان کے جو آگے بیان ہوں گے لیکن حالت حرام میں تم ان کا شکار حلال نہ سمجھو اور اپنے قول پورے کرو۔ اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ یعنی تم نے اللہ ورسول سے یا جس کسی سے جو عہد کیا ہو اسے پورا کرو اگر وہ خلاف شرع نہ ہو اس میں دور جاہلیت کے عہد بھی داخل ہیں۔ اسلام سے ان کی تقویت ہوئی ان کا پورا کرنا ہی واجب ہے اگر خلاف شرع نہ ہوں۔ عقود کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ ائمہ سلف سے عہود منقول ہے اور اس میں جملہ عہد داخل ہیں۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ منافق جب بات کرے گا جھوٹ بولے گا اور وعدہ کرے گا تو پورا نہ کرے گا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عہد پورا نہ کرنا منافق کی علامت ہے۔ اور جو جانور حرام کئے گئے ہیں ان کا بیان آیۃ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومیسرہ سے روایت ہے کہ اس سورۂ پاک میں آیت ﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ سے ﴿إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ [المائدۃ:١٠٦] تک اٹھارہ حکم فرمائے گئے ہیں جو کسی اور سورۃ میں بیان نہیں کیے گئے ہیں ان کی تفصیل سراج ومعالم میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اس میں آیت: ﴿لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ﴾ الخ. اور آیت: ﴿فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُم﴾ الخ [المائدۃ:٤٢] منسوخ ہے۔ حضرت قتادہ اور حسن وغیرہ نے "بهيمة الانعام" کی تفسیر میں تین قسم کے جانور بیان کیے ہیں اونٹ، گائے، بکری۔ گائے میں بیل، بھینس بھینسا داخل ہے اور بکری میں دنبہ بھیڑ، مینڈھا داخل ہے۔ ترجمہ میں مویشی سے وہی مراد ہیں ان کے علاوہ جو اور چوپائے ہیں خواہ وہ وحشی جنگلی ہوں یا غیر وحشی گھریلو ہوں۔ ان میں بعض حلال ہیں جیسے ہرن، بارہ سنگھا، چیتل، پاڑہ، نیل گائے، خرگوش، جنگلی گدھا، جسے گورخر کہتے ہیں اور خچر جو گھوڑے سے پیدا ہو اور گھوڑا احتراماً نہیں کھایا جاتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض ان میں حرام ہیں خواہ درندے ہوں یا غیر درندہ جیسے ہاتھی، ریچھ، شیر، بھیڑیا، تیندوا، چیتا، لومڑی، لنگور، گیدڑ، کتا، بلی، بندر، سور، گھریلو گدھے اور خچر جو گدھی سے پیدا ہو۔ کذا فی کتب الفقہ، اور آیت میں حلت سے بعد ذبح شرعی ان کا کھانا مراد ہے کہ حلت کا تعلق فعل سے ہے نہ ذات سے اور محرم کو شکار کرنا حرام ہے، نہ حلال آدمی کے شکار کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا، اسی آیت کو پڑھ کر فیلسوف کندی نے وعدہ کرنے کے بعد ان لوگوں سے انکار کر دیا جو اس کے پاس قرآن عظیم کی مثل کتاب بنوانے گئے تھے۔ اور ان سے کہہ دیا کہ کوئی اس کے مثل نہیں بنا سکتا ہے۔ جب میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو سورہ مائدہ کی پہلی آیت پر میری نظر پڑی جس میں وفائے عہد کا حکم اور عہد شکنی کی ممانعت اور تحلیل عام واستثنائے حرام اور کمال قدرت وحکمت چند لفظوں میں بھرا ہے بھلا یہ کس کی طاقت ہے کہ اس قدر مضمون کو چند لفظوں میں ادا کرے۔ [حقانی ومواہب]

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ

نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال آبرو،

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی چاہتے اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ

احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمھیں کسی قوم کی عداوت کہ انھوں نے تم کو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠

مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

اللہ کا عذاب سخت ہے۔ ف۱۲ ف۱۳ تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت

وقف لازم

الربع

(آیت۲)(۱۲)شان نزول:۔جب مسلمہ بن ہند تجارتی قافلہ کے ساتھ کچھ سامان بیچنے کے لیے لے کر مدینہ آیا اور سامان بیچ کر حضور سے ملا اور بیعت کی جب وہ واپس چلا تو حضور نے فرمایا فاجر آیا اور غادر عہد شکن گیا۔چناں چہ یمامہ پہنچ کر وہ مرتد ہو گیا۔پھر کچھ تجارتی سامان لے کے قافلہ کے ساتھ مکہ کو چلا تو مسلمانوں نے اس سے تعرض کرنا چاہا۔اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔عکرمہ وسدی کہتے ہیں کہ یہ آیت حطیم ابن ہند کے بارے میں نازل ہوئی۔کہ اس نے ایک سال مدینہ کے اونٹوں کے گلہ پر چھاپہ مارا۔دوسری سال ہدی لے کر عمرہ ادا کرنے مکہ کو گیا راہ میں بعض صحابہ نے اسے چھیڑنا چاہا تو حضور نے انہیں منع فرمایا پس یہ آیت نازل ہوئی معالم میں اس کا پورا قصہ لکھا ہے۔مطلب آیت کا ترجمہ سے واضح ہے اور شعائر اللہ سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مناسک حج مراد ہیں اور بقول ابن کثیر محارم دین اور بقول مجاہد صفا و مروہ و ہدی مراد ہے بہر حال آیت میں شعائر اللہ سے اللہ کے دین کی نشانیاں مراد ہیں یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔اور جو جانور نشان کر کے خانہ کعبہ میں ذبح کرنے کو بھیجے جائیں اور جو آدمی حج کے لیے قلادہ گلے میں ڈال کر آئیں ان سے تعرض نہ کرو۔اور حرام کے مہینوں کی عظمت کرو ان میں کسی کو قتل نہ کرو۔کہ سب شعائر اللہ میں داخل ہیں ان کی حرمت کرنا لازم ہے ہدی وغیرہ الفاظ کی تشریح آیت حج کے تحت گذری۔

تنبیہ:یہ آیت ﴿وَرِضْوَانًا﴾ تک آیہ کریمہ:﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة:۵] اور آیت ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ﴾ [التوبة:۲۸] سے منسوخ ہے اور ﴿فَاصْطَادُوْا﴾ امر اباحت ہے یعنی جب تم احرام سے باہر آؤ تو تمہیں شکار کرنا مباح ہے۔[معالم]

(آیت۲)(۱۳)شان نزول:۔جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٦ھ میں مع صحابہ کے عمرہ کرنے چلے تو راہ میں مقام حدیبیہ پر کفار نے روکا اور عمرہ کرنے نہ جانے دیا اور لڑنے کو تیار ہوئے۔بالآخر یہ طے ہوا کہ اس سال مسلمان لوٹ جائیں سال آئندہ

الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ

اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کر لو،

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ

اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا، یہ گناہ کا کام ہے

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو

وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ

اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ

مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ

گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۱۴ اے محبوب! تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہوا؟

آ کر عمرہ کریں اور معاہدہ تحریر ہو گیا حضور واپس چلے آئے مگر مسلمانوں کو کفار کی یہ بات ناگوار گزری اور دو سال کے بعد جب ان میں کچھ قوت آ گئی اور اسلام کو ترقی ہوئی تو انہوں نے ۸ھ میں کافروں سے اس کا بدلہ لینا اور انہیں حج کو جانے سے روکنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کفار کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں سال حدیبیہ مسجد حرام جانے سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے انتقام لینے پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی انہیں روکو اور قتل کرو بلکہ تم ایک دوسرے کی نیک کام میں مدد کرو اور برے کام میں گناہ کی باتوں میں ان کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "بر" ہر وہ چیز ہے جس کا تمہیں حکم کیا گیا ہو اور "اثم" ہر وہ فعل ہے جس سے شرع نے منع کیا ہو۔ اور "عدوان" حدود شرعی سے تجاوز کرنا ہے اور حضرت وابصہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "بر" وہ ہے جس پر دل کو اطمینان ہو اور "اثم" وہ ہے جو دل میں کھٹکتا رہے ابن سمعان کی روایت میں ہے کہ فرمایا حضور نے "بر" خوش خلقی ہے اور "اثم" وہ ہے جس سے دل میں کھٹکا رہے اور لوگوں پر اس کا ظاہر ہونا برا معلوم ہو۔ پہلی روایت کو بخاری نے تاریخ میں اور دوسری کو ادب میں ذکر کیا ہے اور مسلم و ترمذی و بغوی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(آیت ۴) (۱۴) گزشتہ آیت میں جو بعض حرام چیزوں کی بابت اجمالاً ﴿وَمَا یتلیٰ علیکم﴾ فرمایا گیا ہے اس آیت میں ان کی تفصیل بیان کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ تم پر گیارہ چیزیں حرام فرمائی گئی ہیں۔ (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) وہ جانور جو وقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ ان چاروں چیزوں کی تفسیر و تفصیل اور ان سے جتنی چیزیں مستثنیٰ ہیں معہ رد خیال وہابیہ پارہ

سیقول میں کی گئی ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔ اور اسی کی مثل سورۂ انعام ونحل میں ہے اور انہیں بار بار ذکر کرنے سے تاکید مقصود ہے کہ ان کی حرمت اچھی طرح دل میں بیٹھ جائے۔ اور گلا گھونٹا ہوا جانور خواہ کسی آدمی یا جانور نے گلا دبایا ہو یا خود پھانسی کھا کر مرا ہو۔ [سراج] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ اہل جاہلیت بکری کا گلا گھونٹ کر کھاتے تھے۔ [معالم] چوٹ کھا کر مرا ہوا یا لکڑی، اینٹ، پتھر، یا غلہ، گولی سے مارا ہوا جانور کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ لاٹھی وغیرہ سے جانور مار کر کھایا کرتے تھے۔ [قتادہ] بعض کا یہ خیال غلط ہے کہ غلیل اور بندوق سے بسم اللہ کہہ کر مارا ہوا جانور بلا ذبح کیے حلال ہے جیسا کہ تیر اور شکاری کتے کا کہ غلہ اور گولی آلہ دھار دار نہیں ہے کہ جسم کو کاٹے اور خون بہائے وہ تو جسم کو پھوڑتا جلاتا ہے نہ کاٹتا اور نہ خون بہاتا ہے تو اسے تیر اور شکاری کتے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ امام احمد کی حدیث میں ہے: ((ولا تاکل من البندوقة الا ماذكيت)) یعنی غلہ سے شکار کیے ہوئے کو نہ کھاؤ مگر وہ جو تو نے ذبح کیا ہو۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غلہ کے شکار کو ''وقیذ'' فرمایا ہے کما رواہ البخاری. یعنی وہ موقوذہ چوٹ سے مارا ہوا جانور ہے اور وہ حرام ہے اور اینٹ پتھر کنکر سے مارنے کا بھی یہی حکم ہے بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کنکر پتھر نہ مارو کہ وہ نہ شکار کرتا ہے اور نہ دشمن کو مارتا ہے مگر دانت توڑتا آنکھ پھوڑتا ہے اور گولی غلہ کی مثل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ غلہ کمزور ہونے کی وجہ سے جسم توڑ کر نہیں نکلتا ہے اور گولی اپنی قوت کی وجہ سے بدن کو توڑ کر نکل جاتی ہے دھار دونوں میں نہیں ہے کہ جسم کو کاٹے اور خون بہائے۔ (۷) بلندی پر سے گر کر مرا ہوا جانور خواہ پہاڑ پر سے گر کر مرا ہو یا کنوئیں میں گر کر مرا ہو۔ تو اگر ہوا میں کسی جانور کے تیر مارا اور وہ زمین پر گر کر مرا تو حلال ہے جب کہ تیر بسم اللہ پڑھ کر چلایا ہو اور دیگر شرائط بھی پائی جائیں۔ اور جو پہاڑ یا درخت پر گرا پھر اس پر سے زمین پر گر کر مرا تو حرام ہے لیکن اگر تیر ہوا میں اس کے حلق میں جا کر لگا ہو تو وہ حلال ہے۔ [معالم وسراج] (۸) اور وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو۔ (۹) اور وہ جانور جو کسی درندہ نے مارا ہو۔

تنبیہ: نمبر ۶ و ۷ و ۸ و ۹ کے جانوروں میں اگر جان باقی ہو اور ذبح کر لیے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہے۔ ﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ کا تعلق انھیں سے ہے یہی قول حضرت علی بن عباس وحسن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اہل جاہلیت ان سب کو کھایا کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے انھیں حرام فرمایا کہ وہ حکم میں مردار کے ہیں۔ (خازن)

(۱۰) اور وہ جانور جو کسی بت کی تھان پر ذبح کیا گیا ہو۔ جیسا کہ اہل جاہلیت بتوں کے تھان پر لے جا کر ذبح کیا کرتے۔ بھینٹ چڑھایا کرتے تھے یا یہ معنی ہیں کہ جو جانور بتوں کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اگر نصب بمعنی بت لیا جائے مجاہد وقتادہ کہتے ہیں کہ نصب وہ پتھر ہیں جو مشرکوں نے خانہ کعبہ کے آس پاس گاڑ رکھے تھے اور ان کی تعظیم کیا کرتے تھے اور وہاں جانور لے جا کر ذبح کیا کرتے بھینٹ چڑھایا کرتے تھے وہ بت نہ تھے کہ ان کے کوئی شکل بنائی ہوتی۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ وہ بت ہیں ان کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے یہی قول ابن عباس کا ہے ابن زید کہتے ہیں کہ اس معنی کر ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ اور ﴿وما اهل به لغير الله﴾ ایک ہے [معالم]

(۱۱) اور پانسے ڈال کر کسی چیز کو تقسیم کرنا یا پانسوں سے فال نکال کر کوئی کام کرنا تمہارے لیے حرام ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے۔ اہل عرب نے پانسوں کی جگہ تین تیر بے پر و پیکان بنا کر ایک تھیلی میں ڈال کر ہُبل نامی بت کے مجاوروں کے پاس رکھے تھے ان میں سے ایک تیر پر ''امرنی ربی'' اور دوسرے پر ''نہانی ربی'' تھا اور تیسرا تیر خالی تھا جب انھیں کوئی کام کرنا ہوتا تو مجاوروں کے پاس کچھ چڑھاوا لے کر جاتے اور تھیلی میں ہاتھ ڈال کر تیر نکالتے، اگر ''امرنی ربی'' لکھا ہوا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے اور ''نہانی ربی'' لکھا ہوا تیر نکلتا تو وہ کام ایک سال تک نہ کرتے اور جو بغیر لکھا ہوا تیر نکلتا تو دوبارہ سہ بارہ نکالتے یہاں تک کہ لکھا ہوا تیر نکلتا تو اس کے موافق عمل کرتے۔ اور یوں بھی کرتے تھے کہ پانسوں کی جگہ انہوں نے کچھ تیر بنا رکھے تھے ان میں کسی تیر پر نصف کسی پر تہائی کسی پر چوتھائی وغیرہ حصے اور ''کر'' اور ''نہ کر'' اور ''فلاں کرے'' اور ''فلاں نہ کرے''، وغیرہ الفاظ لکھے ہوئے تھے اور بعض خالی ہوتے تھے۔ جب چند آدمیوں میں کوئی چیز تقسیم کرنا ہوتی یا کوئی کام کرنا ہوتا تو ہر ایک ان تیروں سے بے دیکھے ایک تیر نکالتا جس حصہ کا یا جس فعل کے کرنے نہ کرنے کا

لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

تم فرمادو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لیے انھیں شکار پر دوڑاتے،

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

جو علم تمھیں خدا نے دیا اس میں سے انھیں سکھاتے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لیے رہنے دیں

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو حساب کرتے

تیر نکلتا وہی اس کا حصہ ہوتا اور وہ اسی کام کو کرتا۔اور جس کے ہاتھ بغیر لکھا ہوا تیر نکلتا اس کا کوئی حصہ نہ ہوتا اس کو گناہ کی باتیں فرمایا گیا ہے کہ اس میں غیب کا حال دریافت کرنا ہے اور وہ سوا اللہ اور رسول کے کوئی نہیں جانتا ہے۔[سراج] سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ ''ازلام'' وہ پتھریاں ہیں جن سے وہ کھیلتے تھے۔اور مجاہد و شعبی بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ عجم کے پانسوں کی طرح تھے جن سے وہ جوا کھیلتے تھے۔حدیث میں ہے جس نے کاہن کے قول پر عمل کیا اور ''ازلام'' سے حصہ بانٹ کیا یا جانوروں سے بدشگونی لی وہ قیامت کے دن بلند درجہ نہ دیکھے گا۔[معالم]

تنبیہ:روافض کا تسبیح سے استخارہ دیکھ کر کام کرنا نہ کرنا بھی اسی قبیل سے ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے کہ جو طریقہ استخارہ کا احادیث میں مروی ہے اس کے خلاف ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام احکام و فرائض اور حرام و حلال بیان کر کے اسے مکمل کر دیا تو فرمایا آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی اب وہ تمہارے دین سے پھرنے اور کافر ہونے کی امید نہ کریں گے۔پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا تو جو شخص بھوک پیاس کی شدت سے ناچار ہو کر، نہ شوق سے گناہ کی طرف مائل ہو کر، ان حرام کی ہوئی چیزوں میں سے بقدر جان رکھنے کے کھائے۔تو اللہ اسے بخشنے والا مہربان ہے۔

تنبیہ: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ کا اتصال حرمت علیکم سے ہے۔اور آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [المائدۃ:۳] درمیان میں بطور جملہ معترضہ واقع ہے۔اور آیۂ مذکورہ حجۃ الوداع کی سال عرفات میں جُمعہ کے دن بعد عصر نازل ہوئی حضور اس وقت اپنی اونٹنی عضباء پر سوار تھے کہ اس کی پیٹھ وحی کے بوجھ سے ٹوٹنے کے قریب ہوئی تو حضور اس پر سے اتر پڑے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے ایک یہودی نے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ ہمارے لیے نازل ہوتی تو ہم اس روز عید مناتے۔فرمایا وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس نے کہا۔﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ فرمایا ہاں میں اس کے نزول کے دن اور مکان کو خوب جانتا ہوں کہ وہ عرفات میں جُمعہ کے دن خطبہ پڑھتے میں اتری۔اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے تو حضور نے ان سے رونے کا سبب پوچھا عرض کی یہ آیت حضور کی وفات کی خبر دے رہی ہے تو حضور نے اس کی تصدیق فرمائی پس حضور بعد اس کے دو ماہ اکیس روز زندہ رہے اور دین کو کامل کر دینے کے یہ معنی ہیں کہ آج ہم نے دین کے تمام فرائض، حرام و حلال، حدود و جہاد کے احکام وغیرہ سب باتیں بیان کر دیں پس اس آیت کے نزول کے بعد کوئی شی حلال و حرام اور فرائض سے نازل نہیں ہوئی، قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اتمام نعمت سے مراد مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہونا اور اطمینان سے حج کرنا ہے۔[معالم و سراج]

الْحِسَابِ ﴿٤﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

دیر نہیں لگتی۔ ف۱۵ آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا

الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پارسا عورتیں

الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب

قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا

ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ

مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ

آشنا بناتے اور جو مسلمان سے کافر ہو اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ

(آیت۴) (۱۵) شان نزول: جب عدی ابن حاتم اور زید بن مہلہل نے حضور سے عرض کی کہ ہم شکاری قوم ہیں خدا نے مردار کو حرام فرمایا ہے تو ہمارے لیے کونسا شکار حلال ہے تو یہ آیت نازل ہوئی دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تو عاصم ابن عدی وغیرہ نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کی کہ ہم تو کتوں سے شکار کرتے ہیں اور حضور نے انہیں قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور درندوں کے پکڑے ہوئے جانور بھی مردار قرار دیے گئے ہیں اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کتوں کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم وابن کثیر] مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیزیں حلال ہوئی ہیں تم ان سے فرمادو کہ تمہارے لیے وہ پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں جن کی حرمت کتاب وسنت واجماع میں نہیں آئی ہے۔ نہ خبیث و پلید چیزیں اور وہ شکار حلال ہے جو اللہ کے بتائے طریقہ پر تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے کیا ہو بشرطیکہ تم نے بسم اللہ کہہ کر انہیں شکار پر چھوڑا ہو اور انہوں نے بلا تصرف کے شکار کو تمھارے لیے روکا ہو جیسے شکاری کتے، باز، شاہین، وغیرہ سکھائے ہوئے جانور اور جوانھوں نے شکار میں تصرف کیا ہو خود اس میں سے کچھ کھایا ہو تو ان کا وہ شکار کھانا حرام ہے یہی قول ابن عباس اور عطاو شعبی وامام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ یونہی بغیر سدھائے ہوئے سکھائے ہوئے کتے وغیرہ کا شکار یا بغیر بسم اللہ کہے چھوڑے ہوئے کا شکار حرام ہے یہی شرط تیر سے شکار مارنے کی ہے کہ اگر بسم اللہ کہہ کر تیر چھوڑا ہو تو اس سے مرا ہوا جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ کمافی حدیث البخاری وغیرہ۔

تنبیہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے ان کتوں کے رکھنے کی اجازت دی اور جن سے کوئی نفع اٹھایا جاتا ہو۔ اور جن سے کوئی نفع نہیں اٹھایا جاتا ہو انکے رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ [معالم] بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سوا شکاری کتے اور کھیت وغیرہ کی حفاظت کرنے والے کتے کے کوئی کتا پالے گا اس کے ثواب میں ہر روز دو قیراط کم ہوں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک بار جبرئیل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے داخل ہونے کی اجازت چاہی پس انہیں اجازت دی مگر وہ جب بھی داخل نہ ہوئے۔ تو حضور نے ان سے فرمایا میں نے تو اجازت دی تھی عرض کی ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جس میں کتا ہو۔ پس حضور نے ابو رافع کو مدینہ کے تمام کتے مارنے کا حکم فرمایا (طبری وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں ۔اور آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے تو مجوسی و بت پرستوں کے چھوڑے ہوئے کتے کا شکار حرام ہے۔ اور ہمارے نزدیک روکنے اور

فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ

آخرت میں زیاں کار ہے ف۱۶ اے ایمان والو! جب نماز کو

اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

کھڑے ہونا چاہو تو اپنے منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا

بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ

مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ اور اگر تمھیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہولو اور اگر

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ

تم بیمار یا سفر میں ہو یا تم میں کوئی قضاے حاجت سے آیا

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور اِن صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو،

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ

تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو، اللہ نہیں چاہتا کہ

نہ کھانے کی شرط صرف کتے اور اس کے مثل میں ہے نہ باز وشاہین وغیرہ شکاری پرندوں میں کما فی الهداية والمدارك. پھر اگر شکاری جانور کے شکار میں مذبوحہ جانور سے زیادہ جان پائی جائے تو ظاہر روایت میں امام صاحب سے ہے کہ اسے ذبح کیا جائے بغیر ذبح نہ کھایا جائے اور ایک روایت میں بغیر ذبح حلال ہے اگر ذبح کا وقت نہ ملے یا ذبح کرنے کی کوئی چیز نہ ملے کمافی الهدایہ۔ (احمدی) اور جوارح سے جمہور صحابہ وتابعین وائمہ دین کے نزدیک شکاری کتے اور باز وغیرہ مراد ہیں اسی کو کثیر وابن جریر نے اختیار کیا ہے اور حدیث عدی ابن حاتم کو ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضور سے باز کے شکار کو پوچھا فرمایا جو شکار وہ تیرے لیے پکڑ رکھے اسے کھا۔ اور شکاری جانور کا شکار کو مالک کے لیے روکنا اور اس میں تصرف نہ کرنا اور تیر سے بسم اللہ کہہ کر مارا ہوا شکار کا حلال ہونا بھی حدیث عدی ابن حاتم میں مذکور ہے۔ جسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور نے ان سے فرمایا: جب تو اپنا سدھایا ہوا کتا بسم اللہ کہہ کر چھوڑے تو جو شکار وہ تیرے لیے روک رکھے اس کو کھا۔ عرض کی اگرچہ وہ مار ڈالے فرمایا ہاں اگرچہ وہ مار ڈالے الحدیث. اور یہ بھی انہیں کی حدیث میں ہے کہ اگر وہ شکار میں سے کچھ کھالے تو نہ کھا۔ یہی قول صحیح ہے تو جن احادیث میں اس کا حرام ہونا آیا ہے وہ خود پکڑ کر کھا لینے پر محمول ہوں گی اور جو اس نے مالک کا انتظار کرنے کے بعد اس میں سے کچھ کھالیا تو حلال ہے۔ [ملخصا از ابن کثیر وغیرہ]

(آیت ۵) (۱٦) یہ آیت پہلی آیت ﴿أحل لکم الطیبٰت﴾ کی تاکید ہے اور آیندہ کلام کی تمہید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج پاک چیزیں تمہارے لیے حلال ہوئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ اور مسلمان پارسا عورتیں اور پارسا عورتیں اہل کتاب کی تمہارے لیے حلال ہیں جب کہ تم ان سے ان کے مہر دے کر نکاح کرنے والے ہو، نہ زنا کرنے والے، اور نہ آشنا بنانے والے یعنی نہ ان سے علانیہ زنا کرو اور نہ پوشیدہ۔ قالہ شعبی ۔ اور جو مسلمان کافر ہوا اس کا سب کیا ہوا اکارت گیا۔ اور وہ آخرت میں ٹوٹے میں رہے گا۔

عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

تم پر کچھ تنگی رکھے ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٦﴾ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ

کہ کہیں تم احسان مانو۔ اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے

وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ

تم سے لیا جب کہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

دلوں کی بات جانتا ہے۔ ف۱۷ اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ

تنبیہ: اہل کتاب کے کھانوں سے بالاجماع ان کا ذبیحہ مراد ہے نہ تمام کھانے کہ آیت صید و ذبائح کے بیان میں ہے نہ تمام کھانوں کے بیان میں اور محصنات اہل کتاب سے بقول حسن و شعبی و نخعی و ضحاک ان کی پاکدامن عورتیں مراد ہیں خواہ آزاد ہوں یا باندیاں یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے کہ صحابہ نے یہودیہ و نصرانیہ سے نکاح کئے ہیں۔ اور بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سے آزاد عورتیں مراد ہیں تو کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہ ہوگا یہی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے، اور اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبل بعثت اہل کتاب تھے یا اہل کتاب کے دین میں داخل ہو چکے تھے نہ وہ جو بعد بعثت ان کے دین میں داخل ہوئے ان کا ذبیحہ حرام ہے جیسے نصاریٰ عرب۔ تغلبی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی کہ انہوں نے فرمایا ہم نصاریٰ عرب بنی تغلب کا ذبیحہ نہیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نصرانیت کی کسی بات پر عمل نہیں کیا سوا شراب پینے کے۔ یہی قول ابن مسعود و امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نصاریٰ عرب کا ذبیحہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے پھر آیت ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [المائدۃ:٥١] تلاوت فرمائی۔ یہی قول حسن و عطا و شعبی و عکرمہ و قتادہ امام مالک و امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور اہل کتاب کا بھی وہ ذبیحہ حلال ہے جو انہوں نے اللہ کا نام لے کر کیا ہو نہ غیر اللہ کا نام لے کر کیا ہو۔ یا گردن مڑورا ہو یہی قول حضرت عائشہ و حضرت علی و ابن عمر و ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اور یہی حنفیہ کا مذہب مفتی بہ ہے لیکن شعبی و عطا اسے حلال بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کے ذبیحہ کو حلال فرمایا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ کیا کہہ کر ذبح کرتے ہیں۔ اور طاوس و حسن کہتے ہیں کہ اگر تم نے انہیں غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے سنا ہو تو نہ کھاؤ۔ اور جو تم سے غائب ہو تو کھاؤ۔ کہ اللہ نے اسے حلال کیا گویا قول حسن کا مدار علم و یقین پر ہے اور وہ آنکھ سے دیکھنے اور کان سے سننے یا شہادت عدل سے حاصل ہوتا ہے تو اگر یقیناً یہ معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے یا مرغی وغیرہ جانور کی گردن مڑوری ہے تو اس کا کھانا حرام ہے ورنہ نہیں۔ یوں ہی مجوسیوں کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے حدیث میں ہے کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب جیسا برتاؤ کرو سوا ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے رواہ الامام مالک اسی طرح ستارہ پرستوں آفتاب پرستوں بت پرستوں وغیرہ مشرکوں کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ [ملخصا از سراج و خازن وغیرہ]

(آیت ٦/٧) (١٧) یہ بھی انہیں اٹھارہ احکام مذکور میں کا ایک حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو جب تم نماز پڑھنا چاہو اور بے وضو ہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھوؤ اور چہارم سر کا مسح کرو اور گٹوں سمیت پاؤں دھوؤ اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو یعنی سر سے پاؤں تک تمام بدن پر تین بار پانی بہاؤ کوئی جگہ خشک نہ رہے۔ اور تین بار کلی غرارہ کرو اور تین

لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى

انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے

اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ ایمان والے نیکوکاروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ

بار ناک میں پانی ڈالو۔ اور جو تم بیمار ہو پانی ضرر کرتا ہو یا سفر میں ہو یا پائخانہ پیشاب وغیرہ حدث کیا ہو یا عورتوں سے صحبت کی ہو اور ان صورتوں میں تم پانی نہ پاؤ یا اس کے استعمال پر قادر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرو اس طرح کہ اس پر ایک بار ہاتھ مار کر سارے منہ کا مسح کرو دوبارہ ہاتھ مار کر پورے ہاتھوں کا مسح کرو مع کہنیوں کے اللہ تم پر تنگی رکھنا نہیں چاہتا ہے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے تا کہ تم احسان مانو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔ اور وہ عہد یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جب کہ تم نے وقت بیعت نبی سے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا اور خلاف عہد کرنے میں اللہ سے ڈرو بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

تنبیہ: بعض کے نزدیک ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب ہے جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا وضو نہ ہو تو وضو کرنا واجب ہے اور ہو تو مستحب اور نور علی نور ہے یہی جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے کہ احادیث میں ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا حضور کے فعل سے ثابت ہے کہ یوم خندق حضور نے چار نمازیں ایک وضو سے پڑھیں اور فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس نے وضو پر وضو کیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور فرمایا وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے۔ [معالم] باقی احکام و مسائل وضو و غسل و تیمم کے کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا انعام اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں طہارت کا حکم دیا اور وضو و غسل کا طریقہ تعلیم فرمایا اگر ہم پانی کے استعمال پر قادر نہ ہوں تو پاک مٹی سے پاکی حاصل کریں تا کہ گناہوں کی پلیدی سے پاک و صاف ہو کر اس کی جناب میں جائیں اور جنت میں داخل ہوں اگرچہ بظاہر اس میں دقت معلوم ہوتی ہے خصوصاً سردی وغیرہ ناگوار وقت میں مگر حقیقت میں کوئی دقت نہیں ہے نہایت آسانی ہے اور بہت سے فائدے ہیں جن کی طرف آخر آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں طہارت کو جزو ایمان اور ترمذی کی حدیث میں نصف ایمان فرمایا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جب مسلمان بندہ وضو میں کلی کرتا ہے تو اس کے منہ کی تمام خطائیں اور ناک میں پانی ڈالنے سے ناک کی خطائیں اور چہرہ دھونے سے چہرہ کی خطائیں حتی کہ پلکوں کے نیچے تک کی اور ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کی حتی کہ ناخون کے نیچے تک کی خطائیں اور مسح کرنے سے سر کی حتی کہ کانوں تک کی خطائیں اور پیر دھونے سے پیروں کی حتی کہ پاؤں کے ناخون کے نیچے تک کی خطائیں نکل جاتی ہیں۔ [رواه مالك والنسائى ونحوه مختصراً البخارى ومسلم] اور ایک روایت میں ہے کہ وضو کرنے سے بدن کی تمام خطائیں نکل جاتی ہیں دوسری حدیث میں ہے کہ جو پوری طور سے وضو کر کے کلمہ شہادت پڑھتا ہے اس کے لیے جنت کے سب دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اس میں داخل ہو۔ [مسلم] تیسری حدیث میں ہے کہ کامل طور سے وضو کرنے سے خطائیں معاف ہوتی ہیں اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ [مسلم] چوتھی حدیث ہے کہ قیامت کے دن میری امت کی اثر وضو سے پیشانیاں روشن اور اعضائے وضو چمکدار زیور سے آراستہ ہوں گے۔ [بخاری و مسلم] یہ خاص علامت اس روز امت مرحومہ کی ہوگی جو کسی امت کی نہ ہوگی اسی سے وہ دوسری امتوں سے ممتاز ہوں گے اور پہچانے جائیں گے۔ افسوس ہے بے نمازیوں کے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ

ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ اور وہ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

وہی دوزخ والے ہیں ف۱۸ اے ایمان والو! اللہ کا احسان

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو

اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیے اور اللہ سے ڈرو، اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے۔ ف۱۹

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ

حال پر کہ وہ قیامت کے دن اس علامت سے محروم ہوں گے کہ جب وہ نماز ہی نہیں پڑھیں گے تو وضو کاہے کے لیے کریں گے۔ اور جب وضو نہ کریں گے تو یہ علامت بھی ان میں نہ پائی جائے گی جس سے وہ پہچانے جائیں پس مسلمانوں کو لازم وواجب ہے کہ وہ وضو کرتے نماز پڑھتے رہیں۔ تاکہ قیامت کے دن وہ اس کرامت سے سرفراز وممتاز ہوں۔

(آیت ۸تا۱۰)(۱۸) اس آیت میں عہد ومیثاق یاددلانے کے بعد اس پر عمل کرنے اور قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور اس پر جمے رہنے عمل کرنے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے رہو۔ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی انصاف نہ کرنے پر نہ ابھارے اپنے پرائے سب کے ساتھ انصاف کرو کسی کی اس میں مروت ورعایت نہ کرو کسی کی ملامت اور برا ماننے کی پرواہ نہ کرو۔ اگرچہ اس میں تمہارا نقصان ہی ہو کہ انصاف کرنا پرہیزگاری کے بہت قریب ہے الخ باقی ترجمہ پڑھیئے۔

تنبیہ: اس آیت میں جب کفار کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کی یہ تاکید ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل اونصاف کرنے کی اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ نعمان بن بشیر سے بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا۔ تو میری ماں نے کہا میں اسے کافی نہیں سمجھتی ہوں جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر گواہی نہ دیں تو میرے باپ مجھے حضور کے پاس لائے اور عرض حال کیا۔ فرمایا: تو نے اپنے سب لڑکوں کو اتنا ہی دیا ہے عرض کی نہیں فرمایا تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو میں جور پر گواہی نہیں دیتا ہوں۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکالیف باوجود کثرت کے دو چیزوں میں منحصر ہیں ایک تو تعظیم امر اللہ میں جس کی طرف "کُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ" میں اشارہ ہے دوسری شفقت علی الخلق میں جس کی طرف "شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ" سے اشارہ فرمایا گیا ہے اس کی مثل آیت سورۂ نساء میں گزر چکی ہے، قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ تکرار اس حکم کی اختلاف سبب کی وجہ سے ہے کہ وہ مشرکین کی بابت نازل ہوئی اور یہ یہود کی بابت اور اس سے تاکید ومبالغہ فی العدل مقصود ہے۔ [سراج

(آیت ۱۱)(۱۹) شان نزول: ۔اس کی یہ ہے کہ جب سال حدیبیہ کفار نے مسلمانوں کو حج کرنے سے روکا اور کچھ اوباشوں نے کوہ تنعیم کی طرف سے آکر مسلمانوں پر چھاپہ مارنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ضرر سے بچایا اور انہیں اس قدر بزدل وبد

عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ

سردار قائم کیے اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو

وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ

اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ

قرض حسن دو تو بے شک میں تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمھیں باغوں میں لے جاؤں گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

جن کے نیچے نہریں رواں، پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ

وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا تو ان کی کیسی بد عہدیوں پر ہم نے انھیں لعنت کی

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا

اور ان کے دل سخت کر دیے، اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا

مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

جو انھیں دی گئیں اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں

مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾

کے تو انھیں معاف کرو اور ان سے درگزرو بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں۔ ف۲۰

حواس کیا کہ ایک ایک مسلمان کئی کئی کافر پکڑ کر حضور کے سامنے لایا مگر حضور نے رحم فرما کر انہیں چھوڑ دیا۔ اسی کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں واقعہ، صلاۃ خوف کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر آیت ﴿وإذا كنت فيهم﴾ الخ کے تحت ہو چکا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو یہود نے حضور اور حضور کے ساتھیوں کو غفلت میں قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اللہ نے بروقت ان کے ارادے سے حضور کو مطلع کیا تھا۔ [معالم] بہر حال مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر حملہ کرنا چاہا تھا تو اللہ نے ان کو تم سے روک دیا تو تم اللہ ہی سے ڈرو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

(آیت ۱۲/۱۳)(۲۰) ان آیات میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اس کا جاننا آیت کا مطلب سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مع بنی اسرائیل کے مصر سے نکل کر دشت فاران میں پہونچے تو وہاں حضرت موسیٰ نے بحکم الٰہی بنی اسرائیل کے بارہ گروہوں سے ایک ایک آدمی نقیب بنا کر سرزمین کنعان کی طرف وہاں کی حالت معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ اللہ نے ان سے اس کی فتح کا وعدہ فرمایا تھا۔ جب یہ لوگ جبرون میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر تو نہایت خوب ہے مگر اس کے آدمی بڑے قوی الجثہ اور زور آور ہیں تو انہوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ بنی اسرائیل سے جا کر یہاں کے لوگوں کی قد آوری

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا

اور وہ جنھوں نے دعوٰی کیا کہ ہم نصارٰی ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ

مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ

ان نصیحتوں کا جو انھیں دی گئیں تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بیر اور بغض

الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ یٰۤاَهْلَ

ڈال دیا اور عنقریب اللہ انھیں بتا دے گا جو کچھ کرتے تھے ف۲۱ اے

اور قوت بیان نہ کرنا ورنہ وہ خوف زدہ ہو کر اس ملک پر چڑھائی نہ کریں گے۔ صرف حضرت موسیٰ سے کہہ دینا چنانچہ انہوں حضرت موسیٰ سے آ کر وہاں کی حالت بیان کردی۔ حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل پر اس کا ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور نقیبوں کو اس کے پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی اور ان سے اس پر عہد لیا لیکن ان میں سے صرف حضرت یوشع اور کالب اس عہد پر قائم رہے باقی قائم نہ رہے اور انہوں نے بنی اسرائیل پر ان کی شوکت وقوت کو ظاہر کر دیا اور انہیں ڈرایا۔ علاوہ اس کے اللہ نے بھی ان سے عہد لیا تھا کہ سرزمین کنعان میں جا کر میرے احکام پر عمل کرنا اس پر بھی سوائے حضرت یوشع اور کالب کے کسی نے عمل نہ کیا۔ تو خدا کا غضب ان پر نازل ہوا کہ وہ وادی تیہ میں چالیس سال سرگرداں و پریشان پھرتے رہے طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر وہیں مرے۔ پھر جب حضرت یوشع کے زمانہ میں وہ ملک کنعان پر قابض ہوئے تو طرح طرح کے فسق وفجور میں منہمک ہوئے خدا کو بھول گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف بادشاہوں نے انہیں تباہ و برباد کیا ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار ہوئے۔ اسی واقعہ کی طرف ان آیات میں اشارہ فرمایا گیا اور کچھ تفصیل اس کی آئندہ آیات میں کی گئی ہے۔ [ملخصا از سراج وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب قائم کیے کہ وہ اپنے اپنے گروہ کے ذمہ دار ہوں اور ان سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو گے اور میرے جملہ رسولوں پر ایمان لاؤ گے ان کی تعظیم ومدد کرو گے اور قرض حسنہ دیتے رہو گے صدقات نافلہ کرتے رہو گے تو میں تمہارے گناہ بخش دوں گا اور تمہیں جنت میں داخل کروں گا پھر جس نے اس عہد کے بعد کفر کیا وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا تو انہوں نے بدعہدی کی پس ان کی بدعہدی کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ اللہ کی باتوں کو انکی جگہ سے بدلتے یعنی ان میں تحریف کرتے ہیں اور بڑا حصہ نصیحتوں کا جو انہیں توراۃ میں کی گئی تھیں بھلا بیٹھے یعنی ان پر عمل نہ کیا۔ اور تم اے نبی! سوا ان تھوڑے لوگوں کے جو ایمان لائے سب کی دغا سے ہمیشہ مطلع ہوتے رہو گے تو تم انہیں معاف کرو اور ان سے درگذر کرو۔ بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں۔ یہ آخیر حکم آیت سیف سے منسوخ ہے۔ (جلالین وغیرہ) یا توبہ کرنے یا ایمان لانے یا جزیہ قبول کرنے کے ساتھ مقید ہے کمالین) اور یہ نقیبوں کا قیام اس وقت ہوا تھا جب کہ بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا تھا اسی طرح حضور نے بارہ نقیب انصار میں قائم فرمائے تھے اور ان سے بیعت لی تھی۔ اور انہیں کارپرداز اور اپنی قوم کا ذمہ دار بنایا تھا حدیث میں ہے جب تک لوگوں میں بارہ متولی رہیں گے ان کا کام چلتا رہے۔ (بخاری ومسلم) امام احمد کی حدیث میں ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے جیسے کہ بنی اسرائیل میں بارہ نقیب تھے اس کی اصل بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور نے امت میں بارہ خلیفہ ہونے کی خبر دی ہے وہ قریش سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ خلیفہ ہوں گے مگر ان کے وقت کا تعین نہیں ہے ان میں سے بعض ہو چکے اور بعض ہوں گے ان میں حضرت امام مہدی آخری خلیفہ ہوں گے۔ (ملخصا از ابن کثیر)

(آیت ۱۴) (۲۱) گذشتہ آیت میں یہود کی حالت بیان کرنے کے بعد اس آیت میں نصارٰی کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی اہل کتاب سے تھے اور احکام الٰہی کی مخالفت کر کے وبال میں پڑے تھے۔ اس سے مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ احکام الٰہی اور

الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ

کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی [وہ] چیزیں جو تم نے

تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۭ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

کتاب میں چھپا ڈالی تھی اور بہت سی معاف فرماتے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے

نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ

ایک نور آیا اور روشن کتاب، اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے

السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ

راستے اور انھیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انھیں

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ بے شک کافر ہوئے وہ جنھوں نے کہا کہ اللہ

هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

مسیح بن مریم ہی ہے تم فرمادو پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے

اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي

اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور تمام

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ

زمین والوں کو اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی،

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ

جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ف۲۲ اور یہودی

عہد خداوندی کی خلاف ورزی نہ کریں ورنہ ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جو نصاریٰ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لیا کہ میرے احکام کی تعمیل کرنا، اور نبی آخرالزماں پر ایمان لانا، تو انہوں نے بدعہدی کی اور بڑا حصہ نصیحتوں کا جو ہم نے انجیل میں انہیں کی تھیں بھلا دیا یعنی اس پر عمل نہ کیا تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت تک بغض و دشمنی ڈال دی کہ وہ چند فرقے ہو گئے اور ہر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگا اور یونہی یہود و نصاریٰ میں دشمنی ہوئی اور عنقریب آخرت میں اللہ انہیں بتا دے گا جو کچھ کرتے تھے۔ اور اس کی جزا دے گا۔ حسن کہتے ہیں کہ آیت میں دلیل ہے اس پر کہ انہوں نے اپنا نام نصاریٰ خود رکھا تھا۔ اللہ نے نہیں رکھا تھا۔ کہ " قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى " فرمایا گیا ہے۔ (معالم)

(آیت ۱۵ تا ۱۷) (۲۲) اس آیت میں بھی اہل کتاب کی حالت کا بیان ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے

وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرمادو پھر تمہیں کیوں

بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے، بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ

دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اور اسی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى

پھرنا ہے۔ اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں

فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ

بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی تم کہو ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا،

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ کو سب قدرت ہے۔ ف۲۳

کی دعوت ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے جو تم پر ظاہر کرتے ہیں بہت سی وہ
چیزیں جو تم نے توراۃ وانجیل میں چھپاڈالی ہیں (جیسے آیت رجم اور نبی آخرالزماں کے آنے کی بشارت اور ان کے اوصاف وحلیہ وغیرہ)
اور بہت سے معاف فرماتے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور روشن کتاب (قرآن عظیم)
آیا جس سے اللہ سلامتی ونجات کی راہیں دکھاتا ہے جو اللہ کی مرضی پر چلاتا اور انہیں کفر کی اندھیریوں سے اسلام کی روشنی کی طرف لے جاتا
ہے اور انہیں سیدھی راہ اسلام کی دکھاتا ہے۔ بے شک جنہوں نے مسیح ابن مریم کو اللہ کہا وہ کافر ہوئے اے نبی تم ان سے فرمادو کہ پھر اللہ کا
کوئی کیا کرسکتا ہے یعنی اس کا عذاب کون دفع کرسکتا ہے اگر وہ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے یعنی کوئی
اسے روکنے والا نہیں ہے اگر مسیح ابن مریم اللہ ہوتے تو اس پر قادر ہوتے لیکن وہ تو بقول تمہارے سولی دیئے گئے اور کچھ نہ کرسکے۔

تنبیہ: خطاب عام ہے اس سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہیں یہی صحیح ہے۔

(آیت ۱۸/۱۹)(۲۳) شان نزول:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نعمان ابن امی اور بحر ابن
عمرو اور شاہین ابن عدی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی اور فرمایا خدا سے ڈرو اور مجھ پر ایمان
لاؤ تو وہ بولے آپ ہمیں کس سے ڈراتے ہیں ہم تو خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں ہمیں ہرگز عذاب نہ ہوگا اور نصاریٰ کا بھی یہی خیا
ل تھا۔ پس دونوں کے خیال کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [خازن وسراج] اور دوسری آیت یعنی یا اہل الکتاب الخ اس وقت نازل
ہوئی جب کے یہود نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ موسیٰ کے بعد نہ کوئی نبی بھیجا گیا اور نہ کوئی کتاب نازل ہوئی پھر ہم محمد کو کیسے نبی مانیں اور
قرآن کو کتاب الٰہی کہیں۔ [خازن ابن عباس] مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اے
نبی تم ان سے فرمادو کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو اللہ تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دیتا ہے کوئی اپنے بیٹے اور پیارے کو عذاب

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو

اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ

کہ تم میں سے پیغمبر کیے اور تمھیں بادشاہ کیا اور تمھیں وہ دیا جو آج

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ

سارے جہان میں کسی کو نہ دیا اے قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جو

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾

اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے اور پیچھے نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی

بولے اے موسیٰ! اس میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک

یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ

وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں وہ وہاں سے نکل جائیں، تو ہم وہاں جائیں گے۔ دو مرد

مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ

کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں تھے اللہ نے انھیں نوازا بولے کہ زبردستی

الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا

دروازے میں ان پر داخل ہو اگر تم دروازے میں داخل ہو گئے تو تمہارا ہی غلبہ ہے اور اللہ ہی پر بھروسا کرو

دیا کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ تم جھوٹے ہو۔ بلکہ تم اور آدمیوں کی طرح آدمی ہو اس کی مخلوق سے، وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔ اسی کے لیے ہے آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی سلطنت اور اس کی طرف لوٹنا ہے۔ باقی ترجمہ پڑھیئے۔

تنبیہ: ﴿أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ [المائدة:١٨] کہنے کہ یہ معنی ہیں کہ وہ قرب و منزلت میں اپنے آپ کو بمنزلہ بیٹے اور محبوب کے شمار کرتے تھے اور خدا کو شفقت و رحمت میں مثل باپ کے سمجھتے تھے۔ نخعی کہتے ہیں کہ یہود نے توراۃ میں یا ابناء احباری دیکھا تھا پس انہوں نے اسے یا ابناء ابکاری سے بدلا اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو ابناء اللہ کہنے لگے۔ یا ابناء رسل اللہ مراد ہے۔ [معالم] اور فترت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور کے درمیان کا زمانہ مراد ہے جس میں کوئی رسول نہ آیا اس کی مدت چھ سو یا پانچ سو ساٹھ یا پانچ سو چالیس سال تھی بہر حال یہود و نصاریٰ پر اظہار احسان ہے کہ جب آثار وحی بالکل منقطع ہو گئے تھے اور وہ اس کے حاجت مند تھے تو ہم نے ان کی ہدایت کے لیے رسول بھیجا تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا

اگر تمھیں ایمان ہے۔ بولے اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے

مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا

جب تک وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو، ہم یہاں

قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ

بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ

ان بے حکموں سے جدا رکھ فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے،

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم ان بے حکموں کا افسوس نہ

الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا

کھاؤ۔ ف۲۴ اور انھیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے

(آیت ۲۰ تا ۲۶) (۲۴) اس آیت میں اس واقعہ کی تفصیل ہے جس کی طرف آیت: ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [المائدۃ:۱۲] میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور ہم نے مختصر واقعہ اس کے تحت تحریر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو کہ تم میں پیغمبر کئے جو باعث تمہارے شرف کے ہوئے۔ اور تمھیں بادشاہ کیا اور تمھیں وہ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا۔ یعنی من وسلویٰ وغیرہ اے قوم تم اس پاک زمین میں جو تمہاری قسمت میں لکھی ہے داخل ہو۔ دشمن کے خوف سے اس سے پیچھے نہ پلٹو کہ نقصان میں رہو گے تو وہ بولے اے موسیٰ اس میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں ان سے ہم میں لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ ہم اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں سے نکل نہ جائیں گے جب وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو ہم اس میں داخل ہوں گے۔ تو ان میں سے دو آدمیوں نے جو اللہ سے ڈرنے والے تھے جن پر خدا نے انعام کیا تھا یعنی یوشع وکالب نے ان سے کہا کہ تم زبردستی ان پر اس بستی کے دروازے سے گھس جاؤ کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا ہے ان کی ظاہری صورت سے نہ ڈرو کہ ان کے دل نہیں ہے اگر تم بستی کے دروازے میں داخل ہو گئے تو تمھیں غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔ تو وہ بولے اے موسیٰ ہم کبھی وہاں نہ جائیں گے جب تک کہ وہ وہاں ہیں آپ اور آپ کا رب وہاں جائے اور ان سے لڑے ہم یہاں بیٹھے ہیں تب موسیٰ نے عرض کی اے رب میرے مجھے سوا اپنے نفس کے اور اپنے بھائی کے کسی پر قابو واختیار نہیں پس تو ہم کو نافرمانوں سے جدا کر دے تو اللہ نے موسیٰ سے فرمایا کہ اس پاک زمین میں چالیس برس تک داخل ہونا ان پر حرام ہے وہ زمین پر بھٹکتے پھریں گے تم ان نافرمانوں کا افسوس نہ کھاؤ۔ چناں چہ چالیس برس تک میدان تیہ میں بھٹکے پھرے اس سے نکلنے کا راستہ نہ پایا اور سوا یوشع اور کالب کے سب وہیں مرے اور حضرت موسیٰ وہارون کا بھی وہیں انتقال ہوا ایک عرصہ کے بعد یوشع اور کالب ان کی اولاد کو لے کر شام میں داخل ہوئے اور اسے فتح کیا۔ [جامع البیان]

تنبیہ: اس زمین پاک میں اختلاف ہے مجاہد کہتے ہیں وہ حوالی طور ہے ضحاک بیت المقدس بتاتے ہیں، عکرمہ وسدی اریحا کہتے

قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِؕ قَالَ

ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی، بولا

لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ

قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا، کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو

اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں

اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ

میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہان کا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ

وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ۚ

دونوں تیرے ہی پلے پڑے تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا، تو رہ گیا نقصان میں

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِیْ

تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر

ہیں، کلبی دمشق و فلسطین بتاتے ہیں۔ قتادہ کل سرزمین شام مراد لیتے ہیں کہ وہ مسکن انبیا ہے اور ملوک سے مراد صاحب خدم و حشم ہونا ہے۔ ابن عباس اور ابی سعید خدری سے مرفوعا مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں جس کے عورت و خادم اور سواری ہوتی تھی اسے ملک کہا جاتا تھا۔ [ابن ابی حاتم] سدی کے نزدیک ملوک سے وہ آدمی مراد ہیں جو باوجود قبطیوں کے قبضہ میں ہونے کے اپنے کاموں کے مختار تھے ضحاک کہتے ہیں کہ جس کی بڑی بڑی کوٹھیاں مکان ہوتے تھے اس میں نہریں بہتی تھیں انہیں ملوک کہتے تھے۔ [معالم] اور رب سے یہاں بڑے لوگ مراد ہیں یا حضرت ہارون ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ سے بڑے تھے۔ [مدارک وغیرہ] اصح یہ ہے کہ یہ جملہ انہوں نے اپنی جہالت اور خدا کی ذات وصفات نہ جاننے کی بنا پر کہا تھا۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ [الانعام:۹۱][خازن]

تنبیہ: حضرت موسیٰ کے ساتھیوں نے تو حضرت موسیٰ سے "فاذهب أنت وربك فقاتلا" کہا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ نے حضور سے یوم بدر کہا کہ ہم موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح نہیں ہیں کہ کہیں جاؤ تم اور تمہارا خدا لڑے، ہمیں تو آپ سمندر میں لے کر چلیں گے تو ہم چلنے کو تیار ہیں آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے داہنی بائیں آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے پس حضور کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی اصحابہ وبارک وسلم۔ [بخاری وابن کثیر] اور اس بستی کے لوگوں کو جبارین اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ بڑے تن و توش کے قوی ہیکل بقیہ قوم عاد تھے اسرائیلیات میں ان کے اور عوج بن عنق کے متعلق بہت سے قصے مذکور ہیں جو بعض تفسیروں میں نقل کیے گئے ہیں ابن کثیر نے انہیں بے اصل و غیر معتبر لکھا ہے۔

سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی - میں اس

الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ

کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا، تو پچھتاتا رہ گیا اس

اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا

سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

اور جس نے ایک جان کو جِلالیا اس نے گویا سب لوگوں کو جِلالیا اور بے شک ان کے پاس

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي

ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بے شک ان میں بہت اس کے بعد

الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔ ف۲۵ وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے

(آیت ۲۷ تا ۳۲) (۲۵) ان آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وحضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی کے ایک بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوتا تھا اور یونہی دوسرے بطن سے ہوتا تھا۔ اور اول بطن کی لڑکی دوسری بطن کے لڑکے سے بیاہ دی جاتی تھی۔ پس ایک بار ایک بطن سے ہابیل اور لبوزا پیدا ہوئی اور دوسرے بطن سے قابیل واقلیما پیدا ہوئی چوں کہ اقلیما بہت حسین وخوبصورت تھی قابیل نے خلاف شرع اس سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے منع کیا تو قابیل نے کہا کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے تمہاری رائے ہے تو آدم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اچھا تم دونوں اپنی اپنی نذریں جناب الٰہی میں پیش کرو جس کی نذر قبول ہوگی وہی اقلیما کا مستحق سمجھا جائے گا۔ چناں چہ دونوں اس پر راضی ہوئے ہابیل نے ایک دنبہ اور قابیل نے ایک گٹھا ناج کی بالیوں کا جنگل میں جاکر رکھ دیا کہ قبولیت نذر کا یہی طریقہ تھا آسمان سے آگ نازل ہوتی اور جس کی نذر قبول ہوتی تھی اس کے مال کو کھا جاتی تھی۔ چناں چہ آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کے دنبہ کو کھا گئی اقلیما کا نکاح ہابیل کے ساتھ ہوگیا قابیل کو ہابیل کی نظر قبول ہونے اور اقلیما سے نکاح ہونے پر حسد ہوا اور موقع کا منتظر رہا جب آدم علیہ السلام ہند سے حج کو گئے اور قابیل کو اپنا خلیفہ بنا گئے قابیل نے ہابیل سے کہا۔ باقی قصہ آیت میں مذکور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم اپنی قوم کو آدم کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کی سچی خبر پڑھ کر سناؤ۔ جب کہ ان دونوں نے اپنی اپنی نیاز بارگاہ الٰہی میں پیش کی تو ان میں سے ایک کی ہابیل کی نذر قبول ہوئی۔ کہ وہ نیک نیتی سے تھی اور دوسرے قابیل کی قبول نہ ہوئی کہ وہ بد نیتی سے تھی۔ تو قابیل غضب ناک ہوکر (ہابیل) کا دشمن ہوگیا اور ہابیل سے قسم کھا کر بولا تجھے قتل کروں گا کہ تیری نذر قبول ہوگئی

اور میری قبول نہ ہوئی تو ہابیل نے قابیل سے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اللہ اسی کی نذر قبول کرتا ہے جو متقی ہوتا ہے اللہ سے ڈرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میں تجھے قتل نہ کروں گا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تجھی پر پڑے تو تو دوزخی ہو جائے کہ بے انصافوں کی یہی سزا ہے تو اس کے یعنی قابیل کے نفس نے اپنے بھائی ہابیل کے قتل کا چاؤ شوق دلایا اور اس کے قتل پر آمادہ کیا پس قابیل نے ہابیل کو بصرہ میں بیس سال کی عمر میں قتل کر دیا اور وہ دنیا و آخرت کے نقصان میں رہا۔ آخرت کا نقصان تو یہ ہے کہ قیامت تک جو قتل ہوگا اس کے گناہ میں سے بھی اسے حصہ ملے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جو ظلم سے کسی کو قتل کرتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے لڑکے کو ملتا ہے کہ اس نے پہلی پہل ظلم سے طریقہ قتل نکالا۔ [بخاری ومسلم وامام احمد وترمذی] اور حدیث من سن سنة حسنة الخ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور دنیا کا خسارہ یہ ہوا کہ وہ دنیا میں قیامت تک کے لیے بدنام ہوا۔ اور والدین کی نظر سے گرا، جسم کالا ہوا، مقصود حاصل نہ ہوا، اوسان خطا ہو گئے یہ تک نہ جانا کہ بعد قتل لاش کیا کروں پیٹھ پر لادے پھرتا رہا۔ کہ وہ زمین پر بنی آدم کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا مردہ کو دفن کرنے کا طریقہ نہ جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دکھانے کے لیے ایک کوا بھیجا جس نے دوسرے مرے ہوئے بھائی کو چھپانے کے لیے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کریدی اور اس پر مٹی ڈالی تا کہ وہ دیکھ لے کہ اس طرح اپنے مرے ہوئے بھائی کو چھپاتے دفن کرتے ہیں۔ تو قابیل یہ دیکھ کر پچھتایا اور بولا ہائے خرابی میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا۔ پس اس نے اسی طرح زمین کھود کر ہابیل کی لاش کو دفن کیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اسی قتل کے سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جسنے کسی جان کو بغیر کسی جان کے قتل کیے ہوئے یا زمین پر بغیر فساد پھیلائے ہوئے یعنی کفر وزنا، رہزنی وغیرہ کئے ہوئے قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا یعنی ان کی حرمت نگاہ نہ رکھی سب کو اس سے قصاص لینے پر متفق ہونا چاہیے۔ اور جس نے ایک جان کو جلایا قتل نہ کیا اس نے گویا سب جانوں کو جلایا یعنی ان کی حرمت نگاہ رکھی پس سب کو اس کا احسان ماننا چاہیے۔ باقی ترجمہ پڑھئے۔

تنبیہ: مقصود اس قصہ سے ہمیں بتانا اور سکھانا ہے کہ ہم آپس میں بغض وحسد نہ کریں کہ اس سے آدمی بڑے گناہ میں پڑتا ہے جیسے قتل وغیرہ اور ظلم وحسد، بغض وعداوت کا نتیجہ برا ہوتا ہے اس سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے نیک وبد کی تمیز نہیں رہتی اور خدا کی جو نذر و عبادت نیک نیتی سے کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے بد نیتی کی قبول نہیں ہوتی ہے جیسا کہ قابیل کو اس کے ظلم وحسد کا نتیجہ ملا اور اس کی بد نیتی کی نذر قبول نہ ہوئی اور اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا کہ مردہ دفن کرنا تک سمجھ میں نہ آیا کوّے نے آکر بتایا اور ظالم کے ظلم سے درگذر کرنا بدلا نہ لینا بہتر ہے حدیث میں حضرت ابن ابی وقاص سے مروی کہ میں نے حضور سے پوچھا کہ اگر کوئی گھر میں گھس کر میرے مارنے کو ہاتھ بڑھائے تو میں کیا کروں فرمایا تو آدم کے بیٹے کی طرح ہو جانا اور آیت: ﴿لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ﴾ الخ [المائدة: ۲۸] پڑھی۔ [رواہ احمد وترمذی وغیرہ] ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت پر سب سے پہلے عمل کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہ وقت شہادت قرآن عظیم تلاوت فرماتے رہے اور مدافعت نہ کی۔ [ابن کثیر] مجاہد سے مروی ہے کہ اس زمانہ میں یہی حکم تھا کہ دوسرے کے مار ڈالنے کا قصد اور قاتل سے مقابلہ نہ کریں ابن جریج کا بھی ایسا ہی قول ہے، لیکن قرطبی کہتے ہیں: ممکن ہے اس وقت ایسا ہی ہوتا ہو، لیکن ہماری شرع میں جو قتل کی نیت سے حملہ کرے اس کی مدافعت بالاجماع جائز ہے البتہ وجوب میں اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ روکنا واجب ہے کہ نفس قتل حرام ہے اور حرام سے روکنا واجب ہے۔ [مواہب عن الفتح] روایت کی گئی ہے قابیل بہت گورا تھا ہابیل کو قتل کرنے سے کالا ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حج سے واپس آکر ہابیل کو اس سے دریافت کیا: تو اس نے جواب دیا کیا میں اس کا وکیل تھا؟ پس آدم علیہ السلام نے فرمایا تو نے اسے قتل کیا ہے اسی وجہ سے تیرا بدن کالا ہو گیا ہے۔ جب سے اس کی اولاد کالی ہونے لگی حبشی اسی کے نسل سے ہیں۔ [واقدی] اور جو دنبہ حضرت جبرئیل نے بحکم الٰہی جنت سے لاکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے ذبح کیا تھا وہ وہی ہابیل کی نذر والا دنبہ تھا۔ [ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کذا فی جامع البیان] اور ﴿تبوا باثمی واثمك﴾ کے یہ معنی ہیں کہ تو میرے قتل کے گناہ میں اور اپنے دوسرے گناہ میں جو تو نے کیا ہو ماخوذ ہو عامہ مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت آدم

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ

اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلا یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں، یا ان کے

أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ

ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیے جائیں یہ

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ إِلَّا

دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب۔ مگر

الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

وہ جنھوں نے توبہ کرلی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ

بخشنے والا، مہربان ہے۔ ف۲۶ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف

علیہ السلام کے بیٹوں کے قربان رکھنے اور ایک کے دوسرے کو قتل کرنے کی خبر تو قطعی ہے اس کے علاوہ اس کی کیفیت کہ کیوں اور کیسے اور کہاں قتل کیا اور آدم اس وقت موجود تھے نہ تھے اور سبب عداوت کیا تھا یہ سب روایات یقینی نہیں ہیں نہ ان کی تحقیق و تلاش ضروری ہے بظاہر تاریخی اور اسرائیلیات سے لی ہوئی ہیں اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے جو آپس میں لڑے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا اور اپنی چونچ پنجوں سے زمین کرید کر اس مرے ہوئے کوے کو دبا دیا۔ [بیضاوی ابن کثیر عن السدی] ابن جریر نے حسن سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ آدم کے دو بیٹوں نے تمہارے لیے نیکی بدی کی شان ظاہر کردی تمہیں نیکی لینا چاہیے اور بدی کو چھوڑ دینا چاہیے۔

(آیت ۳۳،۳۴)(۲۶) شان نزول: قبیلہ عرینہ و عکل کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ میں آکر رہے تھے۔ مدینہ کی آب وہوا انہیں موافق نہ آئی ان کے ہاتھ پاؤں دبلے ہو گئے اور پیٹ بڑھ گیا حضور سے علاج پوچھا فرمایا صدقہ کے اونٹ جو جنگل میں چرتے ہیں وہیں جا کر رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو انہوں نے چند روز یہی کیا اچھے ہو گئے اچھے ہونے کے بعد انہوں نے اونٹ کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ جب اس کی خبر ہوئی تو حضور نے حضرت عبداللہ بجلی کو مع بیس آدمیوں کے ان کے تعاقب میں روانہ کیا جو انہیں پکڑ کر لائے حضور نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر مدینہ کے باہر دھوپ میں ریت پر ڈلوا دیا جو تڑپ تڑپ کر مرے۔ انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ [رواہ البخاری و مسلم وغیرہما] اور بعض نے اس کا نزول ابو بردہ کے حق میں بیان کیا ہے۔ کہ انہوں نے حضور سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ نہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور نہ کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑیں گے اس معاہدہ کی انہوں نے خلاف ورزی کی اور چند مسلمانوں کو جو مدینہ آرہے تھے راہ میں لوٹا مارا تو یہ آیت نازل ہوئی، بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے جو مسلمان یا کافر بادشاہ اسلام سے باغی ہو کر رہزنی کرنے اور زمین پر فساد پھیلانے اور ڈاکہ ڈالنے لگے اس کی یہی سزا ہے۔ [ابن کثیر] مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسولوں سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کا بدلا یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے سیدھے ہاتھ الٹے پاؤں کاٹے جائیں یا وہ شہر سے نکال دیے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے مگر جنہوں نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلی تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے پھر ان سے تعرض نہ کرو۔

الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ بے شک وہ

كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں سب اور اس کی برابر اور، اگر ان کی

لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ

ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائے گا اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ

دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے

تنبیہ: آیت میں ''او'' ترتیب کے لیے ہے نہ تخییر کے لیے جیسا کہ بیہقی نے سنن میں عبدالملک ابن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ قرآن عظیم میں ہر جگہ ''او'' تخییر کے لیے ہے سوا اس آیت کے۔ [کمالین] بس جو ڈاکو کسی کو قتل کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ اور جو قتل و غارت دونوں کرے گا وہ قتل کیا جائے گا اور سولی بھی دیا جائے گا اور جو صرف مال لوٹے گا قتل نہ کرے گا تو اس کا سیدھا ہاتھ اور الٹا پاؤں کاٹا جائے گا یہی ابن عباس اور اکثر تابعین وائمہ کا قول ہے اور حنفیہ کے نزدیک زجراً اس کے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھی جائے گی اور جو شخص ڈرائے دھمکائے گا قتل و غارت نہ کرے گا وہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شہر بدر کیا جائے گا اور ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شہر بدر نہیں کیا جائے کہ ان کے نزدیک "ینفوا" سے مراد قید ہے یعنی اسے قید کیا جائے اور شہر بشہر قید خانوں میں منتقل کیا جائے یہی قول ابراہیم نخعی کا ہے اور اسی کو ابن جریر و قرطبی نے اختیار کیا ہے اور مکحول سے روایت ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قید میں رکھنا نکالا اور کہا کہ میں اسے بند رکھوں گا شہر بدر نہ کروں گا کہ وہ اس شہر کے لوگوں کو آزار پہنچائے۔ [مواہب] اور آنکھوں میں سلائیاں لگانا بعد نزول آیت متروک ہوا کہ حضور نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں اس وجہ سے پھروائی تھیں کہ انہوں نے چرواہے کی آنکھوں میں ببول کے کانٹے بھونکے تھے اور قبل گرفتاری توبہ کرنا حقوق اللہ کو ساقط کرتا ہے نہ حقوق عباد کو اس لیے إن الله غفور رحيم فرمایا گیا ہے۔ [جلال] بس اگر لوٹا ہوا مال باقی ہوگا تو اس کے مالکوں کو دلایا جائے گا اور جو وہ تلف ہو گیا ہوگا تو اس کی ضمان واجب نہ ہوگی اور مقتول کا قصاص اگر اس کے وارث چاہیں گے تو دلایا جائے گا اور جو وہ معاف کر دیں گے تو معاف ہو جائے گا اور رہزنی سے توبہ قبل گرفتار ہونے کے ہو تو حد ساقط ہوگی اور اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ نہ بعد گرفتار ہونے کے کہ بعد گرفتاری حد ساقط نہ ہوگی۔ [کما فی البیضاوی] اس پر صحابہ و حکام مسلمین کا عمل رہا ہے۔ شعبی نے اس کے متعلق متعدد واقعات روایت کیے ہیں۔ [مواہب] اور یہ سزا ان رہزنوں کے لیے ہے جو جنگلوں بنوں میں رہتے ہیں اور جو شہر میں رہتے ہوں ان کا حکم چور کا سا ہے ان کو چوروں جیسی سزا دی جائے گی کہ ان پر حکومت قابو پا سکتی ہے۔ اور اللہ و رسول سے لڑنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے اولیا سے لڑتے ہیں حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے اولیا کی اہانت کی اس نے میرے ساتھ لڑائی کی۔ [مدارک] گویا اولیاء اللہ سے لڑنے کو تعظیماً اپنی طرف نسبت کیا ہے۔

یُخْرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے۔ ف۲۷ اور جو مرد یا عورت چور ہو

فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلا اللہ کی طرف سے سزا، اور اللہ

عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ

غالب، حکمت والا ہے۔ تو جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ

یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

اپنی مہر سے اس پر رجوع فرمائے گا بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ

(آیت ۳۵ تا ۳۷) (۲۷) گذشتہ آیت میں زمین پر فساد پھیلانے والوں زندگی خراب کرنے والوں کی مذمت تھی۔ جس میں مسلمانوں کو ایسے حرکات سے بچنے کی ضمناً ہدایت تھی۔ اس آیت میں فلاح دنیوی اور نجات اخروی کا ضابطہ کلیہ انہیں تعلیم فرمایا گیا ہے۔ جس کے دو جز ہیں ممنوعات کا ترک اور واجبات کی ادائیگی پہلے جز کو واتقوا اللہ میں اور دوسرے جز کو اس کے بعد کے فقرہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد احکام الٰہی کو نہ ماننے والوں کا حال و مآل بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کے عذاب سے ڈرو پرہیزگاری اختیار کرو اچھی باتیں کرو بری باتوں کو چھوڑو اور اللہ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو راہ تلاش کرو جس سے تمہیں قرب الٰہی حاصل ہو۔ اور تم اللہ کی راہ میں اس کا دین بلند کرنے کے لیے جہاد کرو تاکہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ دنیا میں تمہیں عزت و شوکت اور جاہ و جلال حاصل ہو اور عقبیٰ میں دوزخ سے نجات ملے۔ جنت میں داخل ہو خدا کے دیدار سے مشرف ہو۔ کہ اگر کافروں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے اور اس کے برابر اور ہو کہ اسے فدیہ دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھوڑائیں تو ان سے نہ لیا جائے گا۔ اور ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر نکل نہ سکیں گے۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے بخاری کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کافر لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اگر تیرے پاس زمین بھر سونا ہوتا کیا تو اسے فدیہ دیتا؟ وہ کہے گا ہاں۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ میں نے تو اس سے بھی زیادہ آسان چیز تجھ سے چاہی تھی کہ تو شرک نہ کرنا۔ اور مسلم کی حدیث میں یوں ہے کہ اگر تیرے لیے تمام دنیا ہوتی مطلب یہ ہے کہ کافر کے پاس تمام دنیا کا مال ہو اور وہ اسے فدیہ میں دے کر قیامت کے عذاب سے بچنا چاہے تو نہ بچے گا۔ یہ حکم کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ مسلمان سزائے اعمال بھگتنے کے بعد ضرور دوزخ سے رہائی پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

تنبیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وسیلہ کی تفسیر ماتقرب الی اللہ فرمائی ہے یعنی جس شی سے اللہ کی نزدیکی حاصل ہو اسے تقرب الٰہی کے لیے وسیلہ بناؤ اس میں جملہ انبیا اولیا محبوبان خدا خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ کہ وہ تقرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں کہ تقرب کے تمام ذرائع ان کی ذات گرامی سے وابستہ ہیں اور جملہ وسائل کی اصل ہیں بلکہ حقیقت میں وسیلہ جس کا نام ہے وہ مرتبہ رفیع حضور ہی کے لیے مخصوص ہے اور حضور ہی کا حصہ ہے جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں آیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے ایک ہی کے لیے ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ تو تم لوگ بعد ختم اذان میرے لیے وسیلہ چاہا کرو دعائے وسیلہ کیا کرو۔ "اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ اٰتِ محمدن الوسیلۃ الخ" کہ جو کوئی میرے لیے وسیلہ چاہے گا اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی پس اگر یہاں وسیلہ سے حضور کی ذات گرامی مراد لی جائے تو بجا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، سزا دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ف۲۸ اے رسول!

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا

تمھیں غمگین نہ کریں وہ جو کفر پر دوڑتے ہیں کچھ وہ جو اپنے منھ سے کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ

ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور کچھ یہودی

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ

جھوٹ خوب سنتے ہیں 'اور لوگوں' کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس حاضر نہ ہوئے،

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں، کہتے ہیں یہ حکم تمھیں ملے تو مانو

(آیت ۳۸ تا ۴۰) (۲۸) شان نزول یہ آیت طعمہ ابن ابیرق کے حق میں نازل ہوئی جس نے زرہ چرائی تھی اس کا قصہ پہلے گذر چکا ہے۔ [احمدی وخازن] مگر حکم عام ہے چوں کہ اس سے پہلے رہزنوں ڈاکوؤں کی سزا بیان کی گئی تھی اور چور بھی اسی قبیل سے تھے لہٰذا اس آیت میں چور کی سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ چرانے والے مرد وعورت کا ان کے کیے کے بدلے میں ہاتھ کاٹو یہ اللہ کی طرف سے ان کی سزا ہے۔ تو جو چرانے کے بعد چوری سے توبہ کرے اور اپنی حالت درست کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا مہربان ہے۔ باقی ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: زمانہ جاہلیت میں بھی چور کی یہی سزا تھی ایک شخص نے خانہ کعبہ کا مال چرایا تھا اس کا ہاتھ کاٹا گیا اسلام نے بھی اسے برقرار رکھا۔ [ابن کثیر] چوں کہ آیت میں مال مسروقہ کی تصریح نہیں ہے اس لیے اس کی تعین مقدار میں صحابہ وتابعین کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم اور ان کے صاحبین اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک دس درم قیمت کی چیز چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا اس سے کم قیمت کی چیز چرانے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جیسا کہ ابوداؤد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور نے ڈھال چرانے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا جس کی قیمت دس درم تھی۔ یہی قول حضرت علی وابن مسعود وابراہیم نخعی وامام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اور درم شرعی سوا تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے، چوں کہ چاندی کی قیمت ہر زمانہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے لہٰذا اس وقت کے حساب سے چاندی کی قیمت لگائی جائے۔ اس قیمت کی وہ چرائی ہوئی چیز ہونا چاہیے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر وہ مال محفوظ ومملوک ہو راستہ گلی میں پڑا ہوا نہ ہو۔ اور نہ غیر ملوک ہو اور وہ لوگوں کی نظر سے چھپا کر لے جائے کہ اگر غیر محفوظ وغیر مملوک مال کو کوئی چرا کر اٹھا کر لے گیا تو وہ چور نہ کہا جائے گا اور نہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جو ظاہر ظہور لوگوں کے سامنے کسی کا مال لے جائے گا وہ چور نہ ہوگا لٹیرا ہوگا اس کی سزا ڈاکو جیسی ہوگی۔ اور پہلی مرتبہ چرانے میں سیدھا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا جیسا دار قطنی کی روایت میں ہے کہ حضور نے صفوان کی چادر چرانے والے کا پہنچے کے جوڑ پر سے ہاتھ

وَإِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

اور یہ نہ ملے تو بچو اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

اللہ سے اس کا کچھ بنا نہ سکے گا، وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل

قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

پاک کرنا نہ چاہا، انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور تو اگر وہ تمہارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنْ

یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ پھیر لوگے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر

حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾

ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے باایں ہمہ

کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اور دوبارہ چرانے میں الٹا پاؤں گٹے سے کاٹا جائے گا اور تیسری بار چرانے میں اس کو قید کیا جائے گا ہاتھ پاؤں نہ کاٹا جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہی حکم فرمایا اور کہا کہ میں اللہ سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کے لیے ایک ہاتھ پاؤں بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ استنجا کرے اور چلے۔ یہ قول شعبی ونخعی واوزاعی وامام احمد وامام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے۔ اور چرانے کے بعد توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اور نہ بندہ کا حق ساقط ہوگا پس اگر مال مسروقہ قائم ہوگا تو وہ اس کے مالک کو دے دیا جائے گا اور جو تلف ہوگیا ہوگا تو اس کی ضمان نہ دلائی جائے گی ہاں اگر مالک اسے معاف کردے گا تو مال بھی نہ دینا پڑے گا یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے کہ یہاں استثنا نہیں ہے اور رہزن والی آیت میں استثنا ہے کمافی الہدایہ وغیرہ۔ حدیث میں ہے ایک عورت نے غزوہ فتح مکہ میں چوری کی وہ حضور میں لائی گئی۔ حضرت اسامہ نے لوگوں کے کہنے سے اس کی سفارش کی پس حضور کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا تو اللہ کی حدود میں سفارش کرتا ہے خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا پھر اس عورت کا ہاتھ کٹوایا۔ [ملخصا بخاری ومسلم] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چوری وغیرہ ایسے معاملوں میں جن میں حد وتعزیر واجب ہوتی ہے کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی اور نہ سفارش کی جائے باقی مسائل سرقہ اور نباش وطراز یعنی کفن کھسوٹ اور گرہ کاٹ کا حکم کتب فقہ میں دیکھیے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے بااین ہمہ

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا

اسی سے منہ پھیرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں۔ ف۲۹ بے شک ہم نے

التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے

(آیت ۴۱ تا ۴۳) (۲۹) شان نزول:۔ ایک بار خیبر کے کسی رئیس یہودی نے کسی شریف یہودن سے زنا کیا توریت میں اس کی سزا سنگسار کرنا تھی مگر یہود ان کی عزت وشرافت کی وجہ سے سنگسار نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح ان سے یہ سزا دفع ہو جائے بالآخر اس مقدمہ کو حضور کے سامنے پیش کرنے کی رائے ہوئی اس امید پر کہ شاید حضور ان کی عزت وشرافت کا پاس کر کے یہ سزا نہ دیں اور مدینہ کے یہود کو لکھا کہ اس کا فیصلہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کراؤ۔ اگر وہ سنگساری کا حکم دیں تو نہ ماننا۔ مدینہ کے یہودیوں نے دربار رسالت میں مقدمہ پیش کیا حضور نے توریت کے موافق سنگساری کا حکم فرمایا تو یہود بولے کہ توریت میں تو یہ حکم نہیں ہے تو توریت منگائی گئی اور ابن صوریا نے اسے پڑھنا شروع کیا جب آیت رجم پر پہنچا تو اسے چھوڑ کر آگے پڑھنے لگا عبداللہ بن سلام نے اس کی چوری پر مطلع کیا تو حضور نے ابن صوریا کو قسم دے کر پوچھا تو اس نے مجبور ہو کر کہا کہ رجم کا حکم تو توریت میں موجود ہے مگر ہم لوگ بجائے اس کے شریفوں کے سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے شہر میں پھراتے ہیں بالآخر انہیں سنگسار کیا گیا، یہ طویل قصہ کا خلاصہ ہے جو مسلم وابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ میں بروایت ابن عمر مذکور ہے اور مفسرین نے اسے مختلف طور سے ذکر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے رسول! تمھیں غمگین نہ کریں وہ جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں بعض ان میں کے منہ سے اظہار اسلام کرتے ہیں اور دل سے ایمان نہیں لائے ہیں یعنی منافق۔ اور کچھ یہود میں سے جھوٹ خوب سنتے ہیں اپنے علما کی جھوٹی باتوں کو باور کرتے ہیں اور کچھ ان لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے وہ اللہ کی باتوں کو بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہیں ملے تو ماننا ورنہ نہ ماننا۔ یعنی اہل خیبر یہود مدینہ سے ایسا کہتے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرتا ہے اس کا تم کچھ نہ بنا سکو گے اللہ نے ان کا دل پاک کرنا نہ چاہا۔ دنیا میں اس کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے یہ بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور رشوت کھانے والے ہیں تو وہ اگر تمہارے حضور فیصلہ کرانے آئیں تو تم ان کا فیصلہ کر دو یا نہ کرو تمہیں اختیار ہے اگر ان کا فیصلہ نہ کرو گے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کہ اللہ تمہارا نگہبان ہے اور جو ان میں فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو کہ انصاف کرنے والے اللہ کو پسند ہیں وہ خدا کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے۔ [کمافی الحدیث معالم] اور یہود تم سے فیصلہ کیوں کرائیں گے حالاں کہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے باوجود اس کے اگر وہ اس سے منہ پھیرتے ہیں تو وہ ایمان والے نہیں ہیں اور یہ استفہام تعجبی ہے۔ اور تنبیہ ہے اس پر کہ ان کا تم سے فیصلہ کرانا اپنی آسانی کے لیے ہے نہ معرفت حق اور حکم الٰہی پر عمل کرنے کے لیے۔ [بیضاوی]

تنبیہ: یہ فیصلہ میں اختیار کا حکم آیۃ: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ الخ [المائدۃ:۴۹] سے منسوخ ہے اور فیصلہ کرنا واجب ہے جب کہ قاضیِ عجز کے پاس وہ اپنا جھگڑا فیصل کرانے آئیں خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا ذمی ہوں یہی حضرت ابن عباس وعطاء ومجاہد وعکرمہ وسندی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور امام احمد کے نزدیک وہ معاہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ [خازن وغیرہ] اور حسن وشعبی ونخعی کے نزدیک وہ منسوخ نہیں ہے حکام مسلمین کو فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور ﴿يَا اَيُّهَا

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ

فرماں بردار نبی اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت

كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ

چاہی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ تھے، تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ

اور میری آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو اور جو اللہ کے اتارے پر

اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ

حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ ف۳۰ اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے

بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ

بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے

الرَّسُوْلُ﴾[المائدۃ:۴۱] خطاب تشریفی وتکریمی وتعظیمی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اپنے محبوب کو متعدد جگہ ایسے خطابوں سے سرفراز فرمایا ہے کہ کہیں۔﴿یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ [الانفال:۶۴] سے خطاب کیا ہے کہیں ﴿یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ فرمایا ہے کہیں ﴿یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ [المزمل:۱] کہیں ﴿یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ [المدثر:۱] کہہ کر یاد فرمایا ہے بخلاف دیگر انبیا علیہم السلام کے کہ انہیں ان کا نام لے کر خطاب کیا ہے جیسے ﴿یَا آدَمُ اسْكُنْ﴾[البقرۃ:۳۵] ﴿یَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ﴾[ھود:۴۸] ﴿یَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً﴾[ص:۲٦] ﴿یَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ﴾[مریم:۷] ﴿یَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ﴾[مریم:۱۲] ﴿یَا مُوسَى إِنِّيْ أَنَا اللّٰهُ﴾[القصص:۳۰] ﴿یَا عِيسَى إِنِّيْ مُتَوَفِّيكَ﴾[ال عمران:۵۵] ﴿یَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ [الصّٰفّٰت:۱۰۴،۱۰۵] تو یہ اللہ تعالیٰ کا دوسرے انبیا کو نام لے کر خطاب کرنا اور حضور کو ان کے پیارے خطابات سے یاد کرنا دلالت کرتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حضور سے زیادہ کوئی محبوب و پیارا اور عزت و وجاہت والا نہیں ہے۔ شعر

یا آدم است با پدر انبیا خطاب یا أیها النبی است خطاب محمدی

بلکہ حضور کو نام لے کر پکارنے ندا کرنے کی ہمیں ممانعت فرمائی ہے کہ: ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ [النور:٦۳] یعنی تم رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے بعض تم میں کا بعض کو نام لے کر پکارتا ہے بلکہ انہیں تعظیم وتوقیر کے ساتھ یا نبی الله یا رسول الله کہہ کر یاد کرو جیسا ان کا رب عزوجل انہیں یا أیها النبی یا أیها الرسول کہہ کر یاد فرماتا ہے۔ گویا اس میں اولاً اپنے حبیب کی تعظیم وتوقیر مقصود ہے، اور ثانیاً ہمیں تہذیب وادب سکھانا مقصود ہے کہ ہم ان کی شان مدنظر اور ان کا مرتبہ نگاہ رکھیں ان کے مرتبہ کو دوسرے لوگوں کی طرح نہ سمجھیں انہیں بڑے بھائی کے برابر شمار نہ کریں۔

(آیت ۴۴)(۳۰) شان نزول: یہ آیت بقول حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے اور پہلی آیت کا تتمہ ہے لیکن حسن بصری وسفیان ثوری وابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اگرچہ آیت کا نزول یہود کے حق میں ہے۔ مگر حکم عام ہے۔ [ابن جریر] مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم نے توراۃ کو اتارا اور وہ ہماری ہی کتاب ہے اس میں ہدایت کرنے والی باتیں اور دلوں کو روشن کرنے والا، عقائد درست کرنے والا نور تھا۔ اس کے مطابق ہمارے نبی یہود کو حکم دیتے تھے اور ان کے علما وفقہا حکم کرتے تھے جن سے

بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ

دانت اور زخموں میں بدلا ہے پھر جو دل کی خوشی سے بدلا کرادے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ ۳۱

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اور ہم ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ

توریت کی جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً

اور تصدیق فرماتی ہے توریت کی کہ اس سے پہلے تھی، اور ہدایت اور نصیحت

کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی وہ اس کے نگراں تھے جب بخت نصر نے کتاب الٰہی تلف کی اور ظالموں نے احکام الٰہی کو درہم برہم کیا تو علماو مشائخ یہود نے بہت کوشش سے توریت کے احکام وٹکرے پھر جمع کیے اور اس مجموعہ پر عمل کرنا شروع کیا کہ یہی لوگ اس کے محافظ تھے لیکن بعد کو وہ ہوا وہوس میں پھنسے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا لالچ میں آکر رشوتیں لے لے کر حکام کے ڈر سے اس کے خلاف فیصلہ کرنا اور اس میں تحریف کرنا شروع کی جس کی بابت فرمایا جاتا ہے۔ کہ تم اے یہود! لوگوں سے اس کے بدلنے اور چھپانے میں نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت رشوت وغیرہ نہ لو جو اللہ کے اتارے ہوئے پر عمل نہ کرے گا وہ کافر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں جو بطور انکار کے اس پر عمل نہ کرے گا وہ کافر ہے اور جو باوجود اقرار کے عمل نہ کرے گا وہ فاسق ہوگا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ حکم یہود وغیرہ سب کے لیے ہے۔ [مدارک] اور نبیوں سے انبیاے بنی اسرائیل مراد ہیں جو بعد موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے۔ حسن وقتادہ وسدی وزہری کہتے ہیں کہ اس سے حضور بھی مراد ہو سکتے ہیں اور جمع کا صیغہ تشریفا فرمایا گیا ہے کہ حضور نے یہود پر رجم کا حکم فرمایا تھا اور وہ توراۃ میں موجود تھا۔ انباری کہتے ہیں کہ اس میں اہل کتاب کا رد ہے کہ ان کے انبیا یہودی ونصرانی نہ تھے بلکہ مسلمان تھے اور ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ [المائدۃ: ۴۴] حکام یہود سے خطاب ہے جو حضور کے زمانہ میں تھے جو رشوتیں لیتے اور احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتے اور اوصاف حضور کو چھپاتے تھے اور یہ تینوں آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے اور ابن عباس وقتادہ کا قول ہے وفیہ اقوال اخر۔ [کمافی الخازن]

(آیت ۴۵) (۳۱) شان نزول:۔ اس کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ مروی ہے کہ یہود عورت کے بدلے مرد کو قتل نہیں کرتے تھے۔ [مدارک] نیز وہ جرم زنا میں غریب کو سنگسار کرتے تھے اور رئیس کو سو کوڑے مار کر کالا منہ کر کے تشہیر کرتے تھے اور بنی نضیر وبنی قریظہ نے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو عمداً قتل کرتا تو اس کا قصاص لیتے بلکہ ایک کے بدلے دو قتل کرتے۔ [احمدی] اور جو نضیری کسی قریظی کو قتل کرتا تو قصاص نہ دیتے خون بہا دیتے تھے۔ اور قتل خطا میں قریظی نضیری سے دونی دیت لیتے اور نضیری کو اکہری دیت دیتے چوں کہ یہ تفریق حکم توریت کے بالکل خلاف تھی لہذا اس کے رد وابطال میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر توراۃ میں واجب کیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے یا اس کی آنکھ پھوڑے یا ناک کاٹے یا کان کاٹے یا دانت توڑے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ

پرہیزگاروں کو۔ اور چاہیے کہ انجیل والے حکم کریں اس پر جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ ۳۲ اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

اور ان پر محافظ و گواہ، تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے سے اور اے سننے والے!

اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً

ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر، ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت

کوئی اور زخم لگائے تو اس کے بدلے میں اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے یعنی اس سے قصاص لیا جائے اگر ممکن ہو پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اس کا بدلہ دے دے یا صاحب حق اسے معاف کر دے تو اس کا یا معاف کرنے والے کا گناہ ساقط ہو جائے گا بلکہ معاف کرنے والے کو اس کا ثواب ملے گا حدیث میں ہے جس نے خون کا یا اس سے کم کا بدلہ نہ لیا معاف کیا تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا جس دن سے وہ پیدا ہوا۔ [مدارک] طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جس نے صدقہ کیا کسی شی کو تو اللہ اس کی برابر اس کے گناہ معاف فرمائے گا اور ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے جو کسی آدمی کے بدن میں کوئی زخم پہنچائے اور وہ اسے معاف کر دے تو اللہ اس کے بدلہ اس کا درجہ بلند فرماتا ہے اور اس کی خطا کو ساقط کرتا ہے۔ جب کوئی معاملہ قصاص کا حضور کے پاس آتا تو آپ اسے معاف کرنے کو فرماتے۔ [ابوداؤد] بعض نے پہلے معنی اختیار کئے ہیں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور مجاہد و ابراہیم و زہری کا بھی یہی قول ہے اور بعض نے دوسرے معنی اختیار کیے ہیں جو ابن عمرو ابن العاص و حسن و شعبی و قتادہ سے مروی ہیں اور بلا تکلف سمجھ میں آتے ہیں اور احادیث مذکورہ اس کی مؤید ہیں۔ باقی ترجمہ۔

تنبیہ: حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ حکم اگرچہ بنی اسرائیل کے لیے تھا مگر ہمارے لیے بھی باقی ہے۔ علمائے اصول کہتے ہیں کہ پچھلی شریعتوں کے احکامِ غیر منسوخہ پر امت اسلامیہ کو بھی عمل کرنا واجب ہے۔ جیسے اس آیت کا حکم ہے مگر زخم کے بدلے زخم کا حکم نہ دیا جائے گا کہ اس کی مثل بہت مشکل ہے اس میں زیادتی کمی اور موت کا اندیشہ ہے اس کے بدلہ تاوان دلایا جائے گا بہر حال اعضائے زخم کے قصاص میں مماثلت لازمی ہے اگر ممکن ہو تو قصاص ہے ورنہ تاوان۔ [احمدی] اور ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ [المائدۃ:۴۵] دلیل ہے اس پر کہ مسلمان ذمی کے بدلے مرد عورت کے بدلے اور آزاد غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ [مدارک] اور اس آیت سے ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ [البقرۃ:۱۷۸] امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

(آیت ۴۶، ۴۷) (۳۲) جب یہودیوں نے توریت میں تحریف کی اور احکام الٰہی اور تعلیم موسوی کو بدلا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع کتاب کے بھیجا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو توراۃ کی تصدیق کرتا ہوا انجیل دے کر بھیجا جس میں ہدایت و نور ہے اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے، تو انجیل والے اس کے مطابق حکم کریں اور اس پر عمل کریں تو جو اس کے مطابق حکم نہ کرے گا وہی فاسق ہوگا۔

وَّمِنْهَاجًا ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ

اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے، تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ

تو وہ تمہیں بتا دے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔ ۳۳ اور یہ کہ اے مسلمان! اللہ کے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ

اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ کہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ

کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو

اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا

کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کی سزا ان کو پہنچایا چاہتا ہے، اور بے شک بہت

مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۗ وَمَنْ اَحْسَنُ

آدمی بے حکم ہیں۔ تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟ اور اللہ

(آیت ۴۸)(۳۳) مطلب یہ ہے کہ جب نصاریٰ نے انجیل میں بھی رد و بدل اور افراط و تفریط کی تو ہم نے اے محبوب تمہاری طرف سچی کتاب اتاری جو اگلی کتابوں کی یعنی توراۃ وانجیل کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر محافظ و گواہ ہے تو تم اس کے مطابق ان میں فیصلہ کرواسے چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت و راستہ رکھا ہے اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک امت کر دیتا ایک راستہ پر رکھتا مگر مقصود تو جدا جدا شریعت کرنے میں یہ تھا کہ جو مختلف شرائع تمہیں دیے ہیں اس میں تمہیں آزمائے تا کہ فرماں بردار نافرمان کا حال کھل جائے کہ وہ ایک شریعت بدلنے کے بعد دوسری شریعت کو مانتا ہے یا نہیں تو تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو کہ تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ پس وہ تمہیں بتادے گا جس دینی بات میں تم جھگڑتے تھے اور اس کی ہر اک کو جزا دے گا۔

تنبیہ: آیت میں اگرچہ مخاطب حضور ہیں مگر مراد اس سے امت ہے کہ حضور نے کبھی ان کی خواہش کی پیروی نہ کی اور نہ یہ حضور کی ذات سے ممکن تھا۔ اور لکل جعلنا میں خطاب عام ہے اس سے تینوں امتیں مراد ہیں یعنی امت موسیٰ اور امت عیسی اور امت محمد یہ علیہم السلام تو توریت ایک شریعت اور انجیل ایک شریعت اور قرآن ایک شریعت ہے اور دین سب کا ایک ہے یعنی توحید۔ [قالہ قتادہ] (معالم) اور خیرات سے مراد طاعت الہٰی اور اتباع شرع محمدی ہے۔ جس نے سب شرائع کو منسوخ کیا اور وہ آخری شرع ہے پس اس کی طرف سبقت کرو۔ [ابن کثیر] بعض مبتدعین نے قرآن کے مطابق حکم کرنے کے یہ معنی تراشے ہیں کہ مسلمانوں میں قرآن کے مطابق حکم کرو نہ کفار میں یہ بالکل غلط ہے کہ آیت میں کسی کو مخصوص نہیں کیا گیا ہے اس میں کفار و مسلمان سب داخل ہیں اور معاملات کفار میں بھی قرآن عظیم کے موافق حکم کیا جائے گا بلکہ علمائے عراق کے نزدیک عبادات میں بھی وہ مخاطب ہیں اور یہی معتمد ہے۔ [کمافی ردالمحتار کتاب الجہاد]

مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

سے بہتر کس کا حکم . یقین والوں کے لیے۔ ق ۳۴ اے ایمان والو!

الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں جو کوئی ان سے

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

دوستی رکھے گا تو وہ انھیں میں سے ہیں بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا، اب تم انھیں دیکھو گے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا

جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی

دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ

گردش آجائے تو نزدیک ہے کہ اللہ فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم

فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ۭ وَيَقُوْلُ

پھر اس پر جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا پچتاتے رہ جائیں۔ اور ایمان والے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنھوں نے اللہ کی قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے

(آیت ۴۹/۵۰)(۳۴) شان نزول ایک بار کعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاہین ابن قیس آپس میں یہ مشورہ کر کے آئے کہ چلو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہکائیں اور کسی معاملہ میں خلاف حکم قرآنی ان سے فیصلہ کرائیں۔ پس انہوں نے آکر حضور سے کہا کہ آپ ہمیں جانتے ہیں کہ ہم سردار یہود ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب مسلمان ہو جائیں گے ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے وہ فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اس میں ہمارے موافق حکم دیں اور مقصود اس سے حضور کو دھوکا دینا تھا نہ ایمان لانا تو حضور نے فرمایا تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کروں گا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] مطلب یہ ہے اور یہ کہ اللہ کے اتارے کے مطابق ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچتے رہو کہیں وہ تمہیں کسی حکم قرآنی میں دھوکا نہ دیں پھر اگر وہ حکم قرآنی سے منہ پھیریں اس کے خلاف چاہیں تو جان لو کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کی سزا ان کو دنیا میں دینا چاہتا ہے۔

تنبیہ: یہاں بھی مخاطب حضور ہیں مگر حکم امت کے لوگوں کو ہے قرآن عظیم کو چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کے موافق حکم کرنا حرام ہے بلکہ ابن کثیر نے اسے کفر لکھا ہے اور کہا ہے کہ چنگیز خان نے ایک قانون کی کتاب بنائی تھی اس میں کچھ باتیں شرع موسوی کی اور کچھ شرع عیسوی کی اور کچھ شرع محمدی کی جمع کی تھیں اور اس مجموعہ کا نام یاسق رکھا تھا سلاطین تاتار اسی کے موافق حکم کرتے تھے اس سے قانون مروجہ پر عمل کرنے کا حکم بھی معلوم ہو گیا اللہ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کا کیا دھرا سب اکارت گیا تو رہ گئے نقصان میں۔ ف۳۵ اے

اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ

ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا

یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ز

کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت،

یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ

اللہ کی راہ میں لڑیں گے "اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے" یہ

فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا

اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ ف۳۶ تمہارے

(آیت ۵۱ تا ۵۳)(۳۵) شان نزول یہ آیت بروایت عکرمہ حضرت ابولبابہ کے حق میں نازل ہوئی کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بنی قریظہ کے پاس یہ حکم لے کر بھیجا تھا کہ وہ بلا شرط قلعہ سے باہر نکل آئیں اور فیصلہ تسلیم کریں چوں کہ ابولبابہ سے ان کی دوستی تھی انہوں نے ابولبابہ سے پوچھا کہ اگر ہم بلا کسی شرط کے قلعہ سے نکل آئے تو ہمارا انجام کیا ہوگا۔ تو ابولبابہ نے بتقاضائے بشریت اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ [ابن جریر] اور سدی کہتے ہیں کہ جب واقعہ احد لوگوں پر سخت گذرا تو انہوں نے کفار کے غلبہ کا خوف کیا اور کہا کہ ہم یہود کی امان میں چلے جائیں گے۔ اور بعض نے کہا ہم نصاریٰ کی امان میں چلے جائیں گے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [سراج وغیرہ] بہر حال اس کا حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو کفار سے موالات کرنے والوں کو راہ حق نہیں دکھاتا ہے اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں میں آزار ہے۔ یعنی شک و نفاق ہے جیسے عبداللہ ابن ابی وغیرہ منافق کہ یہود و نصاریٰ کی دوستی کی طرف دوڑتے ہیں اور عذر یہ کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت پڑی تو مسلمانوں کی دوستی اس وقت کام نہ آئے گی اللہ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ عنقریب اللہ مسلمانوں کو فتح دے گا یا کوئی حکم اپنی طرف سے منافقوں کے رسوا کرنے کا لائے گا تو اس وقت وہ اپنے نفاق اور موالات کفار پر پچھتائیں گے اور ایمان والے ان کی رسوائی دیکھ کر تعجب سے کہیں گے کیا یہی ہیں وہ جنہوں نے اللہ کی پکی قسم کھائی تھی کہ وہ دین میں ہمارے ساتھ ہیں تمہاری مدد کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ ﴿وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ﴾ [الحشر:۱۱] میں ان کا قول حکایت فرمایا ہے تو ایسے لوگوں کا کرا دھرا سب اکارت ہے اور وہ دنیا و آخرت کے نقصان میں رہے کہ دنیا میں رسوائی ہوئی اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوئے اعمال اکارت گئے۔

تنبیہ: آیت میں فتح سے مراد کلبی کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ اور ضحاک کے نزدیک فتح خیبر و فدک ہے اور امر من عندہ سے بنی نضیر وغیرہ کو مدینہ سے نکال دینا ہے۔ [معالم] اور ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [المائدۃ:۵۱] میں مخالفین اسلام سے دوستی رکھنے کی بہت سخت وعید و ممانعت ہے۔ یہی حکم آج کل کے بے دین و گمراہ فرقوں سے دوستی رکھنے کا ہے۔

(آیت ۵۴)(۳۶) آیات سابقہ میں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی بہت سختی سے ممانعت کی گئی اتنی کہ جو ان سے دوستی

کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا اس آیت میں مرتدوں کے کچھ حالات اور مسلمانوں کو ہدایات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ اس کے بدلہ ایسے لوگ لائے گا جو اللہ کو پیارے ہوں گے اور اللہ انہیں پیارا ہوگا اور وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کفار کے ساتھ سخت ہوں گے جیسا کہ آیت: ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح:۲۹] میں فرمایا گیا ہے۔ اور کسی کی ملامت کا وہ اندیشہ نہ کریں گے یہ اوصاف اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

تنبیہ: آیت میں: ﴿وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ﴾ [البقرة:۲۱۷] سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں اور زمانہ خلافت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اسلام سے پھر گئے تھے۔ یہ اخبار بالغیب سے ہے کہ اس میں ان گروہوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو حضور اور خلفائے حضور کے عہد میں مرتد ہونے والے تھے۔ جو گروہ حضور کی حیات میں مرتد ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تو اسود عنسی کاہن تھا جس نے اطراف یمن پر قبضہ کرلیا تھا عمال کو وہاں سے نکال دیا تھا حضور نے حضرت معاذ بن جبل کو جو وہاں کے گورنر تھے لکھا کہ اس سے قتال کریں بالآخر وہ فیروز دیلمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس رات وہ قتل کیا گیا اس کی خبر بذریعہ وحی حضور کو دی گئی۔ صبح کو حضور نے صحابہ سے فرمایا رات اسود کو ایک مبارک شخص نے قتل کیا اور وہ فیروز ہے۔ بس سب مسلمان خوش ہوئے۔ دوسرے یمامہ میں مسیلمہ کذاب تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کرکے بنو حنیفہ کو اسلام سے پھیر کر اپنا ساتھی بنالیا تھا اور حضور کو خط لکھا تھا حضور نے اس کو جواب دیا تھا جس کا قصہ طویل ہے۔ وحشی قاتل امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسے قتل کیا۔ اور کہا زمانہ جہالت میں میں نے بہترین آدمی کو قتل کیا تھا اور حالت اسلام میں بدترین آدمی کو قتل کیا۔ اور تیسرے طلحہ ابن خویلد تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور بنو اسد کو گمراہ کرکے مسلمانوں سے جنگ کی آخر کو شکست کھا کر ملک شام کو بھاگ گیا مگر آخر میں مسلمان ہوگیا مگر یہ دونوں حیات حضور میں مرتد ہوئے تھے اور عہد صدیقی میں قتل کئے گئے۔ اور زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قبیلہ فزارہ اور غطفان اور بنو سلیم اور بنو یربوع اور بنو بکر اور بنو کندہ اور بنو تمیم اسلام سے پھر گئے تھے حضرت صدیق اکبر نے ان پر بسرداری حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کشی کرکے زیر کیا جن کے قصے طویل ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب کہ جبلہ ابن ایہم غسانی مع اپنی قوم کے مرتد ہو کر روم چلا گیا تھا اور اس کے مرتد ہونے کا قصہ بھی طویل ہے۔ [سراج] اور ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ [المائدة:۵۴] سے کون لوگ مراد ہیں اس میں مختلف اقوال ہیں حاکم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ اس کی قوم ہے۔ [جلالین] یعنی اشعریین جو اہل یمن میں سے تھے بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ فرمایا حضور نے تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں جو رقیق چشم اور نرم دل ہیں ایمان کے ساتھ۔ الایمان یمان والحکمة یمانیه اور یہ بھی روایت ہے کہ حضور سے ان کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے حضرت سلمان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ وہ یہ ہے اور اس کے ساتھی پھر فرمایا اگر اسلام ثریا۔ [ستارہ] سے معلق ہوتا تو بھی اسے فارس کے بیٹوں میں سے بعض پالیتے۔ [سراج] علما فرماتے ہیں کہ اس سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ابنائے فارس سے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک اس سے اہل قادسیہ مراد ہیں۔ مجاہد کے نزدیک شہر سبا کی ایک قوم مراد ہے۔ سعید ابن جبیر کے نزدیک کندہ کی قوم مراد ہے۔ محمد ابن کعب کہتے ہیں: اس سے قریش کے وہ لوگ مراد ہیں جو سچے اور پکے مسلمان تھے۔ حضرت علی وقتادہ وحسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے صدیق اکبر اور ان کے ساتھی مراد ہیں کہ آیت کا نزول انہیں کے متعلق ہے کہ انہوں نے مرتدوں کو قتل کرکے فتنہ ارتداد کو مٹایا۔ [معالم] مگر آیت کے حکم میں ہر وہ مسلمان داخل ہے۔ جس میں اوصاف مذکورہ پائے جائیں۔ اور اللہ کو بندہ سے محبت رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اسے بہترین ثواب دیتا ہے اور اسے بزرگی عطا فرماتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے۔ اور بندہ کو اللہ سے محبت رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اللہ کی طاعت کرے اس کی رضا جوئی میں رہے۔ وہ کام نہ کرے جس سے خدا ناراض ہو۔ [سراج وغیرہ]

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ اے

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ایمان والو! جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے پہلے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

کتاب دیے گئے اور کافر ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا

ایمان رکھتے ہو اور جب تم نماز کے لیے اذان دو تو اسے ہنسی کھیل بناتے ہیں

(آیت ۵۵/۵۶)(۳۷) شان نزول اس کی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی ہے کہ جب آیۃ: ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ﴾ [المائدۃ:۵۱] نازل ہوئی تو مسلمانوں نے ان سے میل جول ترک کیا انہوں نے بھی مسلمانوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ عبداللہ ابن سلام نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہماری قوم نے ہمیں چھوڑ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے ان پر پڑھی تو انھوں نے کہا کہ میں اللہ کے رب اور آپ کے رسول اور مسلمانوں کے دوست ہونے پر راضی ہوں۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عبادہ کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے یہود کی دوستی ترک کر دی تھی اور کہا تھا کہ میں اللہ و رسول سے موالات کرتا ہوں۔ [خازن] مگر عام نزول خاص سے اولیٰ ہے جیسا کہ حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب کہ ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں تو فرمایا مومن مراد ہیں تو سائل نے کہا کہ لوگ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہتے ہیں فرمایا وہ بھی مومنوں میں ہیں۔ [خازن و معالم] اور یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت تمام مومنین کے حق میں نازل ہوئی اور حضرت علی ان میں داخل ہیں۔ [ابن کثیر بروایت ابن مردویہ] اور بعض نے بروایت ابن ابی حاتم و ابن جریر اس کی شان نزول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قرار دیا ہے کہ انہوں نے حالت رکوع میں سائل کو اپنی انگوٹھی اتار کر دیدی تھی مگر ابن کثیر و مفسر سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اس کی تضعیف کی اور امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے بچند وجوہ غیر صحیح بتایا ہے۔ (۱) یہ کہ تاخیر زکاۃ ناجائز ہے نماز میں انگوٹھی دینے سے ادائے زکاۃ میں تاخیر معلوم ہوتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی ذات سے بعید ہے اور اس سے صدقہ نافلہ مراد لینا خلاف اصل ہے۔ (۲) نماز پڑھتے میں انگوٹھی دینا اور سائل کی طرف توجہ کرنا خشوع نماز کے منافی ہے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شان سے مستبعد ہے۔ (۳) نماز پڑھتے میں انگوٹھی اتار کر دینا عمل کثیر مفسد نماز ہے حضرت علی کی ذات گرامی سے اس کا سرزد ہونا قابل یقین نہیں۔ (۴) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حیات حضور میں کبھی صاحب نصاب نہ ہوئے کہ زکاۃ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ

یہ اس لیے کہ وہ نرے بے عقل لوگ ہیں۔ ف۳۸ تم فرماؤ اے کتابیو! تمھیں ہمارا کیا برا لگا

مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ

یہی نہ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور اس پر جو

قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

پہلے اُترا اور یہ کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں۔ تم فرماؤ کیا میں بتادوں جو اللہ کے یہاں

ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ

اس سے بدتر درجے میں ہے وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ

اور ان میں سے کر دیے بندر اور سور اور شیطان کے پوجاری، ان کا ٹھکانا زیادہ برا

مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ

ہے اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے۔ اور جب تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور

دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا

وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر، اور اللہ خوب جانتا ہے جو

يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

چھپا رہے ہیں۔ اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ

اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں، بے شک بہت ہی برے کام کررہے ہیں۔ انھیں کیوں نہیں منع کرتے

میں انگوٹھی دیتے صاحب مدارک بیضاوی وغیرہ نے بھی اسے "قیل" سے تعبیر کیا ہے پھر اس کی تاویل کی ہے۔ بہرحال آیت کا مطلب ہے کہ تمہارے دوست، اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں انہیں کو تم اپنا دوست بناؤ نہ اپنی قوم کو۔ ان کے چھٹ جانے کا کوئی غم نہ کرو کہ جو اللہ ورسول اور مسلمانوں کو دوست بنائے وہ اللہ کے گروہ سے ہے اور اللہ ہی کا گروہ سب پر غالب ہے کہ اللہ اس کی اعانت ومدد کرتا ہے۔

(آیت ۵۸/۵۷) (۳۸) شان نزول: کلبی سے روایت ہے کہ جب مسلمان نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو یہودی کہتے کہ یہ کھڑے ہیں خدا انہیں کبھی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا نصیب نہ کرے اور جب رکوع وسجدہ کرتے تو ہنستے اور مذاق اڑاتے۔ رواہ ابن ابی حاتم وغیرہ یونہی مدینہ میں ایک عیسائی رہتا تھا جب اذان میں حضور کا نام سنتا تو جل کر کہتا یہ جھوٹا جل جائے۔ ایک رات وہ اور اس کے گھر والے

سورہے تھے خادم آگ لے کر آیا کہیں ایک چنگاری گرگئی اس سے تمام گھر بار جل کر بھسم ہو گیا۔[رواہ الطبرانی وھو مروی عن السدی] اسی طرح رفاعہ ابن زید اور سوید ابن حارث بظاہر مسلمان بنتے تھے اور دل میں نفاق رکھتے تھے اور بعض مسلمان ان سے دوستی رکھتے تھے وھو قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما. ان تینوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور ان سے مسلمانوں کو میل جول رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی۔[سراج ومعالم] مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم یہود ونصاریٰ اور کفار کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان رکھتے ہو کہ ایمان کا مقتضا یہی ہے۔اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل بناتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ اس لیے کہ وہ نرے بے عقل ہیں کہ دینی بات کا ہنسی کھیل بنانا عقلمند کا کام نہیں۔

تنبیہ: ﴿إذا ناديتم﴾ سے نماز کے لیے اذان دینا ثابت ہے۔[مدارک واحمدی] اور وہ پانچوں نمازوں اور جُمعہ کے لیے سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے اس کا ترک گناہ ہے امام محمد وامام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جس شہر کے لوگ بالاتفاق اذان کہنا چھوڑ دیں تو انہیں مارنا اور قید کرنا حلال ہے۔اور اذان کے شروع ہونے کا پہلا سبب تو حضرت جبریل علیہ السلام کا اذان کہنا ہے جب حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں باجماعت انبیا علیہم السلام نماز پڑھی امامت فرمائی اور ان سب نے حضور کی اقتدا کی۔مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا یہی راز تھا کہ حضور کا فضل وشرف سب پر ظاہر وعیاں ہو جائے حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

اور دوسرا سبب اس کا حضرت عبداللہ ابن زید اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خواب میں دیکھنا ہے کہ ایک فرشتے نے آسمان سے اتر کر اذان کہی پس انہوں نے حضور سے آکر خواب عرض کی فرمایا سچی ہے۔اور اس طرح اذان دینے کا حکم فرمایا:(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی) نماز کے لیے اذان کہنے کے علاوہ بھی بعض جگہ اذان کہنا مسنون ومستحب ہے، جیسے بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کے کان میں اذان کہنا مسنون ہے۔حضور نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں اذان کہی:(رواہ الترمذی وابوداؤد) اور ابو یعلی کی حدیث میں ہے جس نے بچہ پیدا ہونے کے بعد بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اس کو ام الصبیان ضرر نہ دے گا۔[جامع الصغیر] اور خطیب اور ابونعیم دلائل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ مجھے ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ جب میں حضور پر گزری تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے پیٹ میں لڑکا ہے جب تو اسے جنے تو میرے پاس لانا۔پس میں نے اسے جنا تو حضور کی خدمت میں لے کر گئی پس حضور نے اس کے داہنی کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اپنا لعاب دہن اسے چٹایا۔

تنبیہ: اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علاوہ دیگر علوم غیبیہ کے اپنے علوم خمسہ مخصوصہ میں سے علم مافی الارحام بھی عطا فرمایا تھا پیٹ میں لڑکا یا لڑکی ہونے کا بھی علم دیا تھا، بلکہ بقیہ علوم مخصوصہ بھی حضور کو عطا فرمائے تھے یعنی علم قیام قیامت، اور روح، اور کل کیا ہوگا، اور پانی کب برسے گا اور کون کہاں اور کب مرے گا۔ان میں سے بعض کو حضور نے ظاہر فرمایا اور بعض کو بمصلحت وامر الٰہی چھپایا۔اس کی تصریح خصائص کبریٰ شریف میں کی گئی ہے مگر وہابیہ اس کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور اس کے ماننے والے پر شرک وکفر کا فتویٰ لگاتے ہیں "وما هو إلا الضلال" میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر بھی اذان کہنا مندوب ومستحب ہے۔ ردالمحتار میں ہے:"ويندب عند انزال الميت القبر الخ". یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنا مندوب ہے۔بلکہ بعض علمانے اسے اس معنی کر سنت کہا ہے کہ وہ فرد سنت ہے اور اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اور ممانعت ثابت نہیں ہے۔اور جس شی کی اصل شرع میں پائی جائے اور ممانعت نہ پائی جائے وہ یقیناً جائز وروا ہے۔اسی لیے دیگر علمانے اسے مندوب ومستحب لکھا ہے۔اور اس میں میت کے لیے بہت سے فائدے ہیں۔وہابیہ اسے بدعت کہتے اور ناجائز بتاتے ہیں۔یاد رکھو کہ بدعت دین میں ہر نئی نکالی ہوئی بات کو کہتے ہیں۔

پس اگراس بات کی کوئی اصل شرع میں پائی جائے اور وہ مفید وموافق دین ہو وہ بدعت حسنہ ہے۔اس پر نکالنے والے اور عمل کرنے والے کوثواب ملتا ہے اور جس بات کی کوئی اصل شرع میں نہ پائی جائے اور نہ اس میں کوئی دینی نفع اور بھلائی ہو بلکہ وہ معارض ومخالف شرع ہو وہ بدعت سیئہ ہے اسکا نکالنے والا اور اس پر عمل کرنے والا دونوں گنہ گار اور مستحق عذاب نار ہوتے ہیں حدیث "من سن سنة حسنة الخ" کا یہی مطلب ہے۔اوراذان قبر کی اصل شرع میں موجود ہے اور اس میں میت کے لیے بہت فائدے ہیں تو وہ کیسے ناجائز وگناہ ہوسکتی ہے زیادہ سے زیادہ بدعت حسنہ ہوگی۔ جیسے اور بہت سی دین میں نکالی ہوئی باتیں جن پر خود وہابیہ رات دن عمل کرتے ہیں بلکہ خود ایجاد کرتے ہیں جیسے جمعیت علماوہابیہ نے اپنے اجلاس میں علما کے آنے کے وقت نعرہ لگانا ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا یہ بدعت وناجائز نہ ہوا یہ وہابیہ کی ہٹ دھرمی ہے کہ جو بات خود کریں وہ جائز اور جو سنی کریں وہ بدعت و ناجائز ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ [الشعراء:۲۲۷] اب ذرا اس کی اصل اور اس میں میت کے لیے فائدے بھی دیکھیے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکرین ہوتا ہے اس وقت شیطان خلل انداز ہوتا ہے اور جواب نکیرین میں بہکاتا ہے لہذا میت کو جواب نکیرین میں ثابت قدم رکھنے کا حکم اور شیطان کو وہاں سے دفع کرنے کی تدبیر ضروری ہے۔ اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے وہ اذان کی آواز سن کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے جہاں کہیں شیطان کا کھٹکا ہو وہاں اذان کہو بھاگ جائے گا تو اذان قبر خاص حدیثوں سے مستنبط اور حکم شرع کے مطابق اور اعانت وامداد مسلم ہر حال میں واجب خصوصاً اس بے کسی وتنہائی کے عالم میں۔(۲) حدیث میں ہے کہ حضور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر دفن کے بعد دیر تک تسبیح وتکبیر فرماتے رہے۔صحابہ کرام نے حضور سے اس کا سبب پوچھا فرمایا: اس نیک مرد پر قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کشادہ فرمائی اور تکلیف دور کی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور دیر تک اللہ اکبر فرماتے رہے۔یہی کلمہ اس اذان میں چھ بار کہا جاتا ہے باقی الفاظِ اذان وہ نہ کچھ مضر اور نہ اس امر مسنون کے منافی ہیں بلکہ مفید ہیں کہ ذکر الٰہی ہیں اور ذکر الٰہی مورد رحمت جس کی میت کو اس وقت سخت ضرورت۔(۳) مرتے وقت کلمہ طیبہ سکھانے یاد دلانے کا حکم دیا تا کہ ایمان پر خاتمہ ہو اور شیطان کے بہکانے سے محفوظ رہے۔تو بعد مرنے دفن کرنے کے بھی مردہ کو کلمہ سکھانے اور جواب نکیرین یاد دلانے اور شیطان کے بہکانے سے بچانے کے لیے اس کی بہت ضرورت اور اذان میں یہی کلمہ تین جگہ مذکور ہے اور اس کے کلمات جوابِ نکیرین سکھانے والے ہیں کہ وہ تین سوال کرتے ہیں۔(۱) تیرا رب کون ہے۔(۲) تیرا دین کیا ہے۔(۳) تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا تھا۔پس اذان سن کر ان تینوں باتوں کے جواب مردہ کو یاد آجائیں گے کہ پہلے سوال کا جواب اللہ اکبر میں ہے اور دوسرے کا جواب حی علی الصلوٰۃ میں ہے کہ میرا دین وہ ہے جس میں نماز فرض تھی اور تیسرا جواب اشهدأن محمدار سول الله ہے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا۔تو اذان قبر سے مردہ کو کس قدر عظیم فائدہ ہوگا کہ وہ اسے سن کر شیطان کے دھوکہ سے بچے گا نکیرین کے صحیح جواب دے کر قیامت تک چین وآرام سے قبر میں سوئے گا عذاب قبر اور تنگی گور سے محفوظ رہے گا تو کس قدر بدنصیب ہے وہ جس کے مردے اس سے محروم ہیں۔(۴) حدیث میں ہے کہ میت کے لیے استغفار کرنا اور جواب نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا چاہیے اور اذان کے بعد کی دعا رد نہیں ہوتی ہے تو اذان کہہ کر میت کے لیے دعا کرنا زیادہ مفید ومقبول۔(۵) اذان اللہ اور اللہ کے رسول کے ذکر پر مشتمل ہے اور اللہ ورسول کا ذکر دافع عذاب الٰہی اور مورد رحمت ومغفرت الٰہی ہے جس کی میت کو اس وقت اشد ضرورت ہے اور ذکر الٰہی کے لیے کوئی وقت وجگہ وحال مقرر نہیں ہے تو قبر پر اذان کہنا شرعاً جائز ومحبوب ومرغوب ونافع ودافع بلکہ خود اذان کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ جس جگہ وہ ہوگی وہ جگہ اس روز عذاب الٰہی سے محفوظ رہے گی۔ كذا في ايذان الأجر فی أذان القبر۔ مصنفہ حضرت مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ

ان کے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے، بے شک

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ

بہت ہی برے کام کر رہے ہیں۔ ف۳۹ اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، انھیں کے

اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ

ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے

كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

جیسے چاہے اور اے محبوب! یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ

اس سے ان میں بہتوں کے شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی اور ان میں ہم نے قیامت تک آپس میں

الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ

دشمنی اور بیر ڈال دیا، جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور

وقف لازم

(آیت ۵۹ تا ۶۳) (۳۹)۔ شانِ نزول: ایک بار ابو یاسر وغیرہ یہودیوں نے حضور سے پوچھا کہ آپ کا ایمان کن کن رسولوں پر ہے اور کن کن چیزوں پر ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے تمام نبیوں پر۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا تو یہود بولے ہم ان کو نبی نہیں مانتے اور جو انہیں نبی مانے اسے بھی ہم نبی نہیں مانتے ہمارے نزدیک تمہارے دین سے کوئی دین بدتر نہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم و خازن و سراج و ہو مروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما] اور ﴿واذا جاء و کم﴾ منافق یہود کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور حقیقت میں مسلمان نہ تھے۔ [مدارک و خازن] مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم کتابیوں سے جو دین کی ہنسی بناتے ہیں فرمادو کہ تمہیں ہمارا یہی کہنا برا لگا کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اترا یعنی قرآن اور اس پر جو اس سے پہلے انبیا پر اترا یعنی توراۃ و انجیل وغیرہ اور یہ کہ اکثر تم میں کے بے حکم و نافرمان ہیں کہ حرام کھاتے رشوتیں لیتے ہیں ریاست کے لالچ میں دین باطل پر قائم ہیں پھر ان کے جواب میں فرمایا کہ اے نبی تم ان سے فرمادو کیا میں تمہیں ان لوگوں کو بتادوں جو اللہ کے یہاں اس سے بھی بدتر درجہ ہیں وہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب فرمایا اور ان میں سے سور و بندر اور شیطان کے پجاری کردیئے ان کا ٹھکانا بہت برا ہے اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے ہوئے ہیں۔ اور وہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالاں کہ وہ آتے وقت بھی کافر تھے۔ اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں انہیں ان کے پادری علما فقرا اس سے کیوں نہیں منع کرتے ہیں یہ علما کا منع نہ کرنا بہت برا فعل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن بھر میں یہ سخت تر آیت ہے اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ قرآن میں کوئی خوف کی آیت نہیں ہے۔ [سراج]

تنبیہ: جن پر خدا نے لعنت و غضب فرمایا وہ یہود ہیں اور جنہیں ان میں سے بندر کردیا وہ اصحاب سبت ہیں اور جو سور کردیئے گئے وہ اہل مائدہ امت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ دونوں مسخ اصحاب سبت میں ہوئے کہ ان کے جوانوں کو بندر

فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ

زمین میں فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں، اور اللہ فسادیوں کو نہیں چاہتا۔ اور اگر

اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ

کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انھیں

جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

چین کے باغوں میں لے جاتے۔ اور اگر قائم رکھتے توریت اور انجیل اور جو کچھ

اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ؕ

ان کی طرف ان کے رب سے اترا تو انھیں رزق ملتا اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے،

مِنْھُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ یٰٓاَیُّھَا

ان میں کوئی گروہ اعتدال پر ہے اور ان میں اکثر بہت ہی برے کام کر رہے ہیں ف۴۰ اے

اور بوڑھوں کو سور کیا گیا۔ اور شیطان کے پجاری وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے بہکانے سے گائے کے بچہ کی پوجا کی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عبد الطاغوت سے کاہنوں کے ماننے والے اور ان کے قول کو سچا جان کر معصیت الٰہی میں پڑنے والے مراد ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے یہود کو عار دلائی اور انہیں اے سور اور بندروں کے بھائی کہا تو انہوں نے شرم سے سر جھکا لیا۔ [سراج وغیرہ] اور مثوبۃ کے معنی اگرچہ ثواب کے ہیں مگر یہاں بطور طعن بمعنی عذاب کے استعمال کیا ہے جیسا کہ ﴿فَبَشِّرْھُم بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [ال عمران:۲۱] میں عذاب کو بشارت کہا گیا ہے اور ﴿لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ﴾ [المائدۃ:۶۳] میں علما ومشائخ کو تنبیہ ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں اور حرام خوری سے روکیں ورنہ وہ خود گنہگار ہوں گے کہ نہی عن المنکر واجب ہے اور وہ انہوں نے نہ کی اور کیسے کرتے کہ وہ خود حرام خوری رشوت ستانی وغیرہ میں آلودہ تھے۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ جیسی روش اختیار نہ کریں ورنہ وہ بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ حدیث میں ہے جو کوئی کسی قوم کو گناہ کرتے دیکھ کر بشرط قدرت منع نہ کرے گا وہ بھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگا۔ [رواہ احمد وابوداؤد] حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ تم سے اگلے لوگ اسی وجہ سے برباد ہوئے کہ ان کے علما وفقہا نے انھیں منع نہیں کیا یہاں تک کہ وہ معاصی میں پڑے۔ [ابن ابی حاتم]

(آیت ۶۴ تا ۶۶) (۴۰) شان نزول: جب اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی ونافرمانی اور حضور کی تکذیب کے سبب ان کے رزق میں کمی کی ان کی آمدنی کم ہوگئی بسر اوقات مشکل سے ہونے لگے اس سے پہلے وہ بہت مالدار وفارغ البال تھے۔ [مدارک] تو وہ جل کر کہنے لگے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فنحاص یہودی نے جو بنی قینقاع کا سردار تھا نہایت گستاخی سے کہا کہ اب خدا کا ہاتھ بند ہوگیا ہے یعنی وہ کنجوس ہوگیا یا فقیر ہوگیا ہے جیسا کہ اسی نے ﴿اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ﴾ [ال عمران:۱۸۱] کہا تھا اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے تھپڑ مارا تھا کما مر۔ اس پر اور یہودی بھی خوش ہوئے تھے اور عکرمہ کی روایت میں اس کا قائل فنحاص ابن قیس ہے۔ [ابن کثیر] اس کے قول کی تردید اور جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہود نے کہا کہ خدا کا ہاتھ بند ہوگیا ہے یعنی ہمیں رزق دینے میں کنجوسی کرنے لگا ہے تو اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ان کے ہاتھ باندھے جائیں یعنی وہ بخیل ہو جائیں اور ان پر لعنت ہے اس کہنے سے بلکہ اللہ کے ہاتھ کشادہ ہیں یعنی وہ بہت جواد و

الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا

رسول! پہنچادو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے

بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا، اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے بے شک اللہ کافروں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى

راہ نہیں دیتا۔ ف۱۴ تم فرمادو اے کتابیو! تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک

تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا

کریم ہے اور دینے والا ہے جسے جس قدر چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اے محبوب! یہ قرآن تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اترا ہے اس سے ان کے بہتوں کے شرارت وکفر میں زیادتی ہوگئی اور انکے آپس میں ہم نے قیامت کے لیے بیر ودشمنی ڈال دی ہے کہ ہر ایک اور ہر فرقہ ان میں کا دوسرے کے خلاف ہے یہ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھاتا ہے یعنی یہ جب مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں تو اللہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے اور ان میں نااتفاقی ڈال کر اسے ٹھنڈا کرتا ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہ جب کسی سے لڑتے ہیں مغلوب ہوتے ہیں اور جب فساد پھیلاتے ہیں تو ان پر کوئی نہ کوئی شخص مسلط کیا جاتا ہے کہ انہیں تباہ وبرباد کرتا ہے، جیسے پہلی بار بخت نصر نے انہیں تباہ و برباد کیا پھر فساد پھیلایا تو رومیوں نے قتل وغارت کیا پھر فساد پھیلایا تو مجوس ان پر مسلط کئے گئے پھر فساد پھیلایا تو مسلمان ان پر مسلط کئے گئے۔ [بیضاوی] اور یہ زمین میں فساد پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا ہے انہیں اس کی سزا دے گا۔ اگر وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور کفر نہ کرتے تو اللہ ان کے گناہ بخشتا اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ قیامت کے دن جنت میں داخل کرتا اس سے معلوم ہوا کہ جو کتابی آپ پر ایمان نہ لائے گا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو وہ توراۃ وانجیل وغیرہ کتب منزلہ کے احکام پر عمل کرتے تو وہ نیچے اوپر سے کھاتے یعنی ان پر اس قدر رزق وسیع ہوتا کہ ہر طرف سے ملتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے لیے رزق آسمان سے برستا اور زمین سے اگتا یعنی آسمان سے پانی برستا جس سے پھل ترکاریاں غلہ زیادہ پیدا ہوتا اور زمین خوب اگاتی فراخ سالی ہوتی خشک سالی نہ رہتی ان میں سے تھوڑے اعتدال پر ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور نجاشی اور ان کے ساتھی اور بہت سے ان میں بہت برے کام کرتے ہیں۔

تنبیہ: آیت میں ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ [المائدۃ:٦٤] کنایہ بخل سے ہے اور ﴿يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾ کنایہ جود وکرم سے ہے جیسا آیت: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ الخ [الاسریٰ:٢٩] میں فرمایا گیا ہے اور آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ کی اطاعت سے رزق میں زیادتی ہوتی ہے اور آسمان وزمین سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے جو گمان میں بھی نہ ہو۔ جیسا کہ آیت: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ الخ [الاعراف:٩٦] میں فرمایا گیا ہے۔ [مدارک]

(آیت ٦٧) (۴۱) شان نزول: جب آیت تخییر یعنی ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ الخ [الاحزاب:٢٨] نازل ہوئی تو حضور نے انسے ان پر اس خیال سے نہ پڑھا کہ کہیں وہ دنیا کو اختیار نہ کرلیں پس یہ آیت نازل ہوئی۔ [سراج] علاوہ اس کے اور بھی شان نزول اس کی مروی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر اترا ہے وہ انہیں پہنچادو ایسا نہ ہو کہ تم اس میں سے کچھ حصہ کسی خوف کی وجہ سے انہیں نہ پہنچاؤ اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے پوری تبلیغ نہ کی کہ بعض کو چھپانا مثل کل کے چھپانے کے ہے

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

اور بے شک اے محبوب! وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت

وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کفر کی اور ترقی ہوگی، تو تم کافروں کا غم کچھ نہ کھاؤ۔ بے شک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور اسی طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ و قیامت پر

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ

ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔ ف۴۲ بے شک

چناں چہ حضور نے کبھی کوئی وحی نہیں چھپائی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جو وحی کے چھپانے کا گمان کرے وہ جھوٹا ہے۔ [صحیحین] ہارون اپنے باپ سے راوی کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ ہمارے پاس بعض لوگ آکر کہتے ہیں کہ تم اہل بیت کے پاس کچھ ایسی باتیں ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسروں پر ظاہر نہیں فرمایا ہے تو حضرت عبداللہ نے فرمایا ارے تو اتنا نہیں جانتا کہ اللہ نے ما انزل الیك فرمایا ہے خدا کی قسم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیاہی میں سفیدی کے بقدر بھی نہیں دیا۔ رواہ ابن ابی حاتم۔ ابن کثیر نے اسے جید الاسناد کہا ہے۔ ابو جوفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا کیا آپ کے پاس کچھ ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں نہیں ہے فرمایا خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ [بخاری] تو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اہل بیت کے پاس کچھ خفیہ باتیں تھیں اور مصحف فاطمہ و مصحف علی ہونے کے قائل ہیں وہ جھوٹے مفتری ہیں۔ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو حضور نے باقتضائے بشر بارگاہ الٰہی میں عرض کی الٰہی میں اکیلا ہوں اور دشمن چاروں طرف گھیرے ہوئے ہیں تو حضور کی تسکین خاطر کے لیے فرمایا گیا کہ اللہ تمہاری حفاظت ونگہبانی کرے گا۔ دشمن تمہاری جان کو ضرر ونقصان نہ پہنچا سکیں گے کہ اللہ کافروں کو راہ نہیں دکھاتا ہے اس آیہ کے نزول سے پہلے حضور کافروں سے مطمئن نہ تھے خصوصاً یہود سے کہ وہ مار آستین تھے ہر وقت حضور کی جان لینے کی فکر میں لگے رہتے تھے اس لیے شب کو صحابہ کرام باری باری سے پہرا دیتے تھے جنگ احد کے بعد جب رات کو یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے ان سے فرمایا اے لوگو! اب اپنے اپنے گھر جاؤ میرا محافظ ونگہبان خدا ہے اور اس روز سے چوکی پہرا حضور نے موقوف فرمایا رواہ الحاکم واحمد وترمذی۔ [ابن کثیر وغیرہ] یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب حضور کا خدا نگہبان تھا تو جنگ احد میں زخمی کیسے ہوئے کہ آیت میں حفاظت جان کا وعدہ فرمایا گیا ہے نہ زخم وغیرہ تکالیف سے محفوظ رکھنے کا کہ انبیا کی انواع بلا سے آزمائش ہوتی ہے چناں چہ جب کبھی کسی نے حضور کی جان لینا چاہی اللہ نے اس کے ہاتھ سے حضور کو بچایا جیسا کہ متعدد آیات میں آیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت احد میں زخمی ہونے کے بعد نازل ہوئی کہ سورہ مائدہ نزول میں سب سے آخر ہے بیضاوی نے لکھا ہے کہ شاید یہ آیت احکام الٰہی متعلقہ عباد کے متعلق ہے نہ اسرار الٰہی کے متعلق جس کا ظاہر کرنا ممنوع تھا۔

(آیت ۶۸/۶۹) (۴۲) شان نزول: ایک بار سلام ابن مشکم وغیرہ یہود نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ تم اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر بتاتے ہو اور ہماری کتاب پر ایمان لانے کو ضروری کہتے ہو پھر ہمیں کافر کیوں کہتے ہو فرمایا تم نے اپنی کتاب میں تحریف کی اور احکام الٰہی چھپائے تو یہودی بولے کہ ہم تو حق وصداقت پر ہیں اور اپنے دین پر قائم ہیں تو ان کے رد میں یہ آیت نازل

أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب

جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا

کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لے کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ

يَقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ

کو شہید کرتے ہیں اور اس گمان میں رہے کہ کوئی سزا نہ ہوگی تو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے

اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ

ان کی توبہ قبول کی پھر ان میں بہتیرے اندھے بہرے ہو گئے، اور اللہ ان کے کام

بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ

دیکھ رہا ہے۔ ق بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ

مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ

جو میرا رب اور تمہارا رب، بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت

ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! تم ان سے فرمادو کہ اے کتابیو تم کچھ بھی نہیں ہو یعنی کسی دین پر بھی نہیں ہو جب تک کہ تم توریت وانجیل وغیرہ کتب سماویہ کو قائم نہ کرو یعنی ان کے احکام پر پورطور سے عمل نہ کرو اور مجھ پر ایمان نہ لاؤ جس کا حکم اس میں مذکور ہے۔ اور بے شک اے محبوب! جو قرآن تمہارے رب کی طرف سے تم پر اترا ہے اس سے ان میں سے بہتوں کی شرارت اور کفر میں ترقی ہوگئی کہ جب کوئی آیت نازل ہوگی انکار کریں گے پس وہ باعث زیادتی کفر ہوگی پس تم کافروں کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کرو بے شک جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یعنی منافق اور جو یہودی اور نصرانی اور ستارہ پرست ہیں ان میں سے جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم اس آیت کی تفسیر سورہ بقر میں گزری۔

(آیت ۷۰/۷۱) (۴۳) ان آیات میں یہود ونصاریٰ کی حجت تمام کی گئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی ہے مطلب ترجمہ سے واضح ہے، اور عہد سے عہد ایمان مراد ہے اور جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس خواہش کے خلاف کوئی حکم لے کر آتا تو ان میں سے بعض کی وہ تکذیب کرتے اور بعض کو قتل کرتے اس خیال سے کہ ان کے قتل وتکذیب میں انہیں کوئی سزا نہ ہوگی۔ اور تکرار عموا وصموا کی اس لیے ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد اپنے اندھے بہرے ہونے سے توبہ کرلی تھی پھر وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد اندھے بہرے ہو گئے کہ حضور پر ایمان نہ لائے کہا گیا ہے کہ تکذیب انبیا میں یہود ونصاریٰ دونوں شریک ہیں اور قتل انبیا یہود کے ساتھ مخصوص ہے کہ انہوں نے حضرت زکریا ویحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔ [مدارک]

الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ

حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک

كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں

اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ

مگر ایک خدا اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ

ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔ تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

اور اللہ بخشنے والا مہربان۔ مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ

اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے، اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا

الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

کھاتے تھے، دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں ان کے لیے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا

تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نقصان کا مالک نہ

نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

نفع کا اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے۔ ق ۴۴ تم فرماؤ اے کتاب والو!

(آیت ۷۲تا۷۶)(۴۴) شان نزول گذشتہ آیات میں یہ گذر چکا ہے کہ اہل کتاب نے کتاب پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا اور ان میں تحریف کے مرتکب ہوئے تھے اب اس کی تفصیل اور ان کی تردید کی جاتی ہے۔ کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت نصاریٰ نجران کے حق میں نازل ہوئی۔ [تیسیر] مطلب یہ ہے کہ کافر ہیں وہ لوگ جو مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں باوجودیکہ مسیح نے ان سے یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے میں تو تمہاری طرح بندہ ہوں مستحق عبادت نہیں ہوں تو جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے گا اس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا نار دوزخ ہے اور بے شک وہ کافر ہیں جو اللہ کو تین خداؤں کا تیسرا کہتے ہیں خدا ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک وثانی نہیں ہے اگر وہ لوگ اپنے قول سے نہ پھرے توحید کے قائل نہ ہوئے اور کافر مرے تو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ نہیں ہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ باقی ترجمہ پڑھیے۔

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ
اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾
پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ بھٹک گئے۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ
لعنت کیے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد

وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا
اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر، یہ بدلا ان کی نافرمانی اور سرکشی کا۔ جو

لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰی
بری بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے، ضرور بہت ہی برے کام کرتے تھے ۴۵ ان میں تم

تنبیہ: بعض نصاریٰ تین خداؤں کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ الوہیت درمیان اللہ اور مریم اور مسیح کے مشترک ہے۔ یا یہ کہ اللہ ایک ہے اس کے تین حصہ ہیں اب، ابن، روح القدس، یہ تینوں ایک خدا ہے اور یہ بداہۃ باطل ہے کہ ایک تین نہیں ہوسکتا اور نہ تین ایک ہوسکتے ہیں اس کا قائل فرقہ نسطوریہ اور ملکانیہ ہے۔ لیکن خدا کو از روئے علم کے تیسرا یا دوسرا کہنا کفر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ [المجادلۃ: ۷] کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں نہیں ہوتی ہے مگر ان میں کا چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اور حضور نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: ((ماظنك باثنين الله ثالثهما)) [سراج] اور بعض حضرت عیسیٰ ہی کو خدا کہتے ہیں اور حلول واتحاد کے قائل ہیں اور وہ فرقہ یعقوبیہ ہے۔ پس دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور ماالمسیح ابن مریم الخ میں حضرت مسیح اور ان کی ماں کی الوہیت کی نفی اور عقیدہ نصاریٰ کی تردید کی گئی ہے کہ وہ اور رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں ان میں اور دوسرے رسولوں میں کوئی فرق نہیں ہوسکتا کہ کھانا پینا علامت احتیاج وحدوث ہیں اور اللہ اس سے مبرا ہے۔ اور وہ مریم کے بیٹے تھے جسے نصاریٰ بھی مانتے ہیں تو وہ مخلوق زادہ ہوئے اور مخلوق زادہ کیسے خدا ہوسکتا ہے۔ اور وہ کسی کو بالذات نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے اور جو کسی کو بالذات نفع ونقصان نہ پہنچا سکے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ [کما مر تقریرہ بالتفصیل]

تنبیہ: آیت میں حضرت عیسیٰ کو رسول اور حضرت مریم کو صدیقہ فرمایا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم نبی نہیں تھیں کہ مرتبہ رسالت فوق مرتبہ صدیقیت ہے جس پر آیت مع النبیین وصدیقین دلالت کرتی ہے یہی حق ہے اور حضرت مریم جنت میں ازواج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوں گی۔ [سراج]

(آیت ۷۷ تا ۷۹) (۴۵) اہل کتاب کی تردید کے بعد اب روئے سخن تبلیغ کی طرف پھیرا جاتا ہے اور ان کی سرکشیاں اور نافرمانیاں یاد لائی جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ان سے فرمادو کہ اے کتابیو! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو یعنی عیسیٰ کو ان کے مرتبہ سے نہ بڑھاؤ خدا نہ کہو اور نہ انہیں ان کے مرتبہ سے گراؤ ان کی نبوت کا انکار نہ کرو جیسا کہ تم کرتے ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ مخاطب صرف نصاریٰ ہیں اور ایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا یعنی اپنے اسلاف وائمہ گذشتہ کی راہ نہ چلو کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا بزبان داؤد وعیسیٰ اپنی

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ

بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا ہی بری چیز اپنے لیے خود

اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ

اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور ان نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے

اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ

دوستی نہ کرتے مگر ان میں تو بہتیرے فاسق ہیں۔ ضرور تم مسلمانوں کا سب

عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا

مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم

نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا

نصاریٰ ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں

وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور یہ غرور نہیں کرتے

نافرمانی اور سرکشی اور بری بات سے دوسروں کو نہ روکنے کے بدلے میں کہ حضرت داؤد کی بددعا سے اصحاب ایلہ مسخ کیے گئے۔ بندر بنادے
گئے اور حضرت عیسیٰ کی بددعا سے اصحاب مائدہ مسخ کئے گئے سور بنادے گئے جو پانچ ہزار تھے اس کا سبب یہی تھا کہ وہ بری باتوں سے پرہیز
نہیں کرتے تھے اور نہ دوسروں کو بری باتوں سے منع کرتے تھے بلکہ ان سے میل جول رکھتے تھے لہذا عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے۔
(آیت ۸۱/۸۰)(۴۶) شان نزول یہ آیات ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف کفار
مکہ سے ساز باز اور دوستی کی تھی جیسے کعب ابن مالک وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ کفار سے دوستی
کرتے ہیں یہ بہت بری چیز ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے کہ اس کے سبب اللہ کا ان پر غضب ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں
گے اگر وہ اللہ و رسول پر اور قرآن پر ایمان لاتے تو کافروں سے دوستی نہ کرتے کہ مقتضائے ایمان یہی تھا مگر ان میں تو بہت سے نافرمان ہیں۔
(آیت ۸۲)(۴۷) شان نزول:۔ اس کی سراج وغیرہ میں یہ لکھی ہے کہ جب مسلمانوں کو کفار مکہ نے بہت ستایا اور ان میں
طاقت برداشت نہ رہی تو حضور نے انہیں حبشہ کو ہجرت کر جانے کی اجازت دی، چنانچہ بیاسی مسلمان علاوہ بچوں عورتوں کے حبشہ کو ہجرت
کر گئے۔ مگر کفار نے وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا ان کے پیچھے بہت سے تحفہ دے کر شاہ نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجا۔ وفد نے شاہ حبش

سے درخواست کی کہ آپ کے یہاں ہمارے چند لوگ آگئے ہیں انہیں آپ امان نہ دیں ہمارے حوالہ کردیں وہ حضرت عیسیٰ کو بندہ کہتے ہیں اور فساد پھیلاتے ہیں۔شاہ حبش نے مسلمانوں کو بلا کر آنے کی وجہ پوچھی، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے دھڑک اسلام کی حقانیت اور رسالت محمدیہ کی صداقت بیان کی اور قرآن عظیم کے نزول کو ظاہر کیا۔شاہ حبش نے قرآن کا حصہ سنانے کو کہا، آپ نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔نجاشی اور اہل دربار اسے سن کر رونے لگے اور نجاشی مسلمان ہوگیا اور حضرت جعفر سے کہا کہ تم لوگ اطمینان سے رہو تمہیں کوئی تکلیف نہیں دے سکتا اور کفار کے تحفے واپس کردیے۔یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر وہاں سے واپس ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں یہود و مشرکین کی سخت دلی اور نصاریٰ کی نرم دلی کا اظہار کیا گیا کہ نصاریٰ میں علما و زاہد و عابد اور نرم دل و غیر متکبر ہوئے تھے، ان سے مسلمانوں کو بہت کم ایذا و تکلیف پہنچی تھی۔اور یہود و مشرکوں میں سخت دل شریر و مفسد بے رحم و حرام خور متکبر تھے ان سے مسلمانوں کو بہت ایذا و تکلیف پہنچی تھی۔مطلب آیت کا ترجمہ سے ظاہر ہے اور وہ نصاریٰ حبش کے ساتھ مخصوص ہے کہ انہوں نے مسلمان مہاجرین کے ساتھ نیک برتاؤ کیا تھا نہ تمام نصاریٰ کہ وہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے اور انہیں ایذا اور تکلیف پہنچانے میں مثل یہود کے تھے۔[معالم وغیرہ]

26
B

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ

اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے، کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے

مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ

تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے۔ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر کہ ہمارے پاس آیا

الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ

اور ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارارب نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے۔ تو اللہ نے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ

ان کے اس کہنے کے بدلے انھیں باغ دیے جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ

جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ

بدلا ہے نیکوں کا اور وہ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخ

الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ

والے۔ ف۱ اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا

(آیت ۸۳تا۸۶)(۱) شان نزول:۔اس کی یہ ہے کہ جب حضرت جعفر وغیرہ مہاجرین حبشہ سے واپس ہوئے تو شاہ حبش نے ان کے ساتھ اپنے یہاں کے ستر ۷۰ آدمی کردیے جن میں شہزادہ حبش بھی تھا تاکہ وہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا کلام سنیں اور ان کے اوصاف اگلی بشارتوں سے ملائیں جن میں باسٹھ حبشی اور آٹھ شامی تھے اور وہ سب گرجوں کے راہب تھے۔ جب وہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان کے سامنے یٰسین شریف پڑھی جس کو سن کر وہ سب رونے لگے اور اسلام لائے اور بولے یہ کلام کس قدر مشابہ ہے اس کلام کے جو حضرت عیسی پر نازل ہوا تھا جب وہ حبشہ واپس گئے تو حبشہ والوں نے ان سے کہا: کہ تم نے قرآن کی تصدیق کیوں کی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ہم حق کو سن کر اس کی تصدیق نہ کرتے شاید اللہ تعالی نے اسی میں ہمارے لیے بھلائی رکھی ہو (جلال رواہ بن جریر عن سعید ابن جبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے نجاشی اور اس کے اصحاب مراد ہیں کہ وہ حضرت جعفر سے کلام پاک سن کر رونے لگے تھے (معالم) اور یہی حضرت ابن زبیر سے مروی ہے۔ بہر حال وہ حبشہ کے ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو قرآن عظیم کو سن کر حبشہ میں اور مدینہ میں روئے تھے اور گزشتہ آیات کا تتمہ ہے اس میں حبشہ سے آئے ہوئے وفد کی حالت کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ اہل حبش آیات قرآن عظیم سنتے ہیں تو اس کے اثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے ہیں اور کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے اس پر، پس تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں سے لکھ دے۔ اور جس نے انھیں حق کی تصدیق کرنے پر عار دلائی اس سے کہتے ہیں کہ ہم کیوں نہ ایمان لائیں اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور کیوں نہ امید رکھیں کہ ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں یا نیکوں

لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا

اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔ اور کھاؤ جو کچھ

رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

تمھیں اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تمھیں ایمان ہے۔ ف۲

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا

اللہ تمھیں نہیں پکڑتا تمھاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے

عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا

جنھیں تم نے مضبوط کیا تو ایسی قسم کا بدلا دس مسکینوں کو کھانا دینا اپنے گھر والوں کو جو

تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ

کھلاتے ہو اس کے اوسط میں سے یا انھیں کپڑا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے

کے زمرہ میں داخل فرمائے پس اللہ نے ان کے اس کہنے سے جنت عطا فرمائی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی نیکوں کا بدلا ہے اور کفر کرنے والے ہماری آیتیں جھٹلانے والے دوزخی ہیں (تنبیہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: کہ شاہدین سے مراد امت محمدیہ یعنی صحابۂ کرام ہیں جنھوں نے توحید و رسالت و قرآن کی تصدیق کی اور قیامت کے دن وہ سب امتوں پر شاہد ہوں گے۔
کما قال تعالی: ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرة:١٤٣]

(آیت ٨٧/٨٨) ٢۔ آیت شان نزول اس کی یہ ہے کہ جب صحابۂ کرام نے ترک دنیا کی تعریف اور عبادت و ریاضت کی فضیلت سنی تو بعض صحابہ نے دن کو روزہ رکھنے اور رات کو قیام کرنے، خصی ہونے، عورتوں کے پاس نہ جانے، خوشبو نہ لگانے، گوشت و چکنائی نہ کھانے، بستر پر نہ سونے، ٹاٹ کمبل کے کپڑے پہنے، رہبانیت اختیار کرنے، دنیا کی لذتیں ترک کرنے کا فیصلہ کیا اور ان چیزوں کے چھوڑ دینے کی قسم کھائی تو یہ آیت نازل ہوئی (جلال وغیرہ) اور حضور نے انھیں تنبیہ فرمائی کہ وہ ایسا نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک جماعتِ صحابہ کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے ایسا ارادہ کیا تھا پس حضور نے ان سے فرمایا: کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور بی بیوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت کو اختیار کیا وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت کو اختیار نہ کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (رواہ ابن أبي حاتم ابن كثير)
معالم و سراج میں ہے کہ وہ دس صحابہ تھے جنھوں نے عثمان بن مظعون کے کے گھر جمع ہو کر مذکورہ بالا چیزوں کو ترک کرنے کی قسم کھائی تھی۔
(١) حضرت ابوبکر (٢) حضرت علی (٣) ابن مسعود (۴) ابوذر غفاری (۵) سلمان فارسی (٦) سالم (٧) معقل ابن مقرن (٨) مقداد ابن اسود (٩) عبداللہ ابن عمرو بن عاص (١٠) عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔ جب حضور کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے عثمان سے پوچھا انھوں نے اقرار کیا تو حضور نے فرمایا: مجھے اس کا حکم نہیں ہوا ہے۔ پھر فرمایا تمہارے نفسوں کا تم پر حق ہے پس تم روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو اور قیام بھی کرو اور سوؤ بھی کہ میں بھی قیام کرتا ہوں۔ باقی مثل قول ابن عباس ہے اور یہ زیادہ ہے کہ میں گوشت اور چربی کھاتا ہوں۔ پھر حضور نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: اس قوم کو کیا ہوا ہے کہ انھوں نے ایسا ارادہ کیا ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ میں تمہیں رہبان بننے کا حکم نہیں کرتا ہوں کہ میرے دین میں گوشت ترک کرنا اور عورتوں کے پاس نہ جانا اور خانقاہوں میں گوشہ نشین ہونا نہیں آیا ہے

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا

تو تین دن کے روزے یہ بدلا ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت

اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا

کرو اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو۔ ف۳ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں

عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ

اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ

تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوے میں اور تمہیں

اور جب حضرت عثمان نے خصی ہونے کی اجازت چاہی تو فرمایا: جو خصی ہو یا خصی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ پھر راہب بننے کی اجازت مانگی تو فرمایا: میری امت کی رہبانیت مسجدوں میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا ہے۔ کہ اگلے لوگوں نے اپنے نفس پر تشدد کیا پس ان کے ساتھ تشدد کیا گیا اور وہ ہلاک کیے گئے۔ ترمذی وابن ابی حاتم کی حدیث میں آیا ہے کہ ان کے علاوہ بھی بعض لوگوں نے عورتوں سے الگ رہنے گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم وہ ستھری چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں حرام نہ ٹھہراؤ یعنی انہیں حرام نہ سمجھو یا حرام چیز کی طرح ان سے پرہیز نہ کرو یا حلال شئ میں حرام چیز ملا کر کل کو حرام نہ کرو یا قسم کھا کر نذر مان کر انھیں اپنے اوپر حرام نہ بناؤ (کبیر) اور حد سے نہ بڑھو یعنی ان کے کھانے میں زیادتی، کمی نہ کرو یا یہ کہ جو چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انھیں حلال جانو کھاؤ پیو اور جو حرام کی ہیں انہیں حرام جانو ان کے کھانے پینے سے بچو کہ حد سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے پھر تاکید فرماتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے تمہیں حلال و پاک روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تمہیں ایمان ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ حلال وہ ہے جو حلال طریق سے حاصل کیا جائے۔ اور طیب وہ ہے جو غذا کیا جائے اور جو غذا نہ کیا جاتا ہو جیسے راکھ مٹی وغیرہ وہ مکروہ ہے [معالم] اسی قبیل سے چونہ، بیٹگیر و، پنڈول، کچی ٹھیکری وغیرہ ہیں کہ ان کا بلا ضرورت کھانا یا ضرورت سے زائد کھانا مکروہ ہے، بہرحال خدا کی نعمتوں لذیذ چیزوں سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ کہ حضور کو خوشبودار اور میٹھی چیزیں اور عورتیں محبوب تھیں اور گوشت کھایا کرتے تھے جیسا کہ حدیث حبب الی میں آیا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ حضور مرغی کا گوشت اور فالوذا کھایا کرتے تھے اور حلوہ اور شہد محبوب رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مسلمان شیریں ہے شیرینی کو محبوب رکھتا ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے کہا: میں نے بستر پر سونا حرام کیا ہے۔ فرمایا سوؤ اور قسم کا کفارہ ادا کرو اور یہ آیۃ پڑھی۔ [سراج] اسی قسم کی اور روایات بھی ہیں۔

(آیت ۸۹) ۳۔ شان نزول:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب گزشتہ آیت نازل ہوئی تو ان صحابہ کو جنھوں نے ترک لذائذ پر قسم کھائی تھی اپنی قسم کی فکر ہوئی اور حضور سے آکر عرض کیا کہ اب ہم کیا کریں ہم تو قسم کھا چکے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] اور انھیں قسم کا کفارہ دینے کا حکم ہوا۔ اور قسم کی تین قسمیں بیان فرمائی گئیں (۱) لغو (۲) منعقدہ) (۳) غموس۔ ان تینوں قسموں کی تعریف اور حکم سورہ بقرہ میں گزرا ہے کہ غلط فہمی سے قسم کھانے کو یمین لغو کہتے ہیں وہ معاف ہے اس میں مواخذہ نہیں ہے۔

ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے ؟اور حکم مانو اللہ کا

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا

اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو، پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔ ف۴ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے

جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ

ان پر کچھ گناہ نہیں ہے جو کچھ انھوں نے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں کریں پھر

اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے ف۵ اے

اور عمداً کسی قسم کھانے کو یمین منعقدہ کہتے ہیں، اس میں قسم توڑنے پر کفارہ دینا لازم ہوتا ہے اور دس فقیروں کو متوسط درجہ کا دونوں وقت پیٹ بھر کر سالن ترکاری سے کھانا کھلانا ہے جیسا کہ اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہوں اور وہ ان کے لے لیے مباح کر دیا جائے اور جو دیا جائے تو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو وغیرہ دیا جائے اور اس کی قیمت بھی دینا جائز ہے اور ایک ہی فقیر کو دس روز دینا بھی جائز ہے یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ یا دس غریبوں کو اکثر بدن ڈھکنے کے قابل متوسط درجہ کا بطور تملیک کپڑا دینا ہے جیسے کرتا پائجامہ یا چادر اور پائجامہ (کما روی عن ابن عمر) یا ایک غلام یا باندی آزاد کرنا ہے جو بالکل مجنون یا اندھا یا دونوں ہاتھ پاؤں کٹا ہوا یا مفلوج نہ ہو۔ یہ کفارۂ قسم ہے اس کا دینا قسم توڑنے پر واجب ہوتا ہے قسم توڑنے سے پہلے دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں۔ اور غلام میں مسلمان ہو نا شرط نہیں ہے۔ تو جو ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز نہ پائے یعنی ان کے دینے پر قادر نہ ہو تو تین دن متواتر روزہ رکھے جیسا کہ قرات مشہورہ حضرت عبد اللہ بن مسعود میں ہے یہی قول امام صاحب کا ہے۔ اور عمداً جھوٹی قسم کھانے کو یمین غموس کہتے ہیں کہ وہ قسم کھانے والے کو گناہ میں غرق کر دیتی ہے۔ اس میں کفارہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے کہ وہ بہت بڑا گناہ ہے توبہ واستغفار ہی سے معاف ہوسکتا ہے لیکن جو کوئی نیک کام کرنے یا برے کام سے باز رہنے کی قسم کھائے تو اسے قسم پوری کرنا چاہیے اور جو نیک کام نہ کرنے یا بد کام کرنے کی قسم کھائے تو اسے قسم توڑ دینا اور قسم کا کفارہ دینا واجب ہے۔ جیسا کہ حدیث من حلف علی یمین آیا ہے یہی آیت کا مطلب ہے جو ترجمہ سے واضح ہے۔ تفسیر احمدی میں زاہدی سے منقول ہے کہ اگلی امتوں سے یمین لغو میں مواخذہ ہوتا تھا اور کفارہ نہ تھا، اس امت مرحومہ پر سے لغو میں مواخذہ اٹھالیا گیا اور منعقدہ میں رفع گناہ کیا گیا ہے گویا یہ ان پر تخفیف وآسانی کی گئی ہے جیسا کہ اور بہت سی باتوں میں تخفیف وآسانی فرمائی گئی ہے۔ ذلک فضل اللہ۔

(آیت ۹۰ تا ۹۲) ۴۔ شان نزول ایک بار حضرت عتبان ابن مالک نے چند صحابہ کی دعوت کی جن میں حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی تھے، چوں کہ اس وقت تک شراب قطعی طور سے حرام نہیں کی گئی تھی اس لیے بعد کھانا کھانے کے شراب پلائی گئی حضرت سعد نے حالت نشہ میں ایک شعر پڑھا جس میں انصار کی مذمت تھی اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت سعد پر حملہ کیا جس سے ان کا سر پھٹ گیا مجلس میں گڑ بڑ مچ گئی۔ اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوئی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر خدمت

تھے انھوں نے دعا کی الٰہی شراب کے بارے میں مفصل حکم نازل فرما کہ اب تو مسلمانوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور شراب کو ہمیشہ کے لیے حرام فرمایا گیا۔

تنبیہ: شراب کو ایک دم حرام نہ کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اہل عرب کا بچہ بچہ اس کا اس قدر عادی تھا کہ بغیر اس کے ان کی زندگی دشوار تھی۔ ایک دم اسے ترک کر دینا بہت دشوار تھا اس لیے وہ بتدریج حرام فرمائی گئی۔ اور یہ تیسری آیت اس کی حرمت کی ہے۔ اس سے پہلے دو آئتیں ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾ الخ [البقرة:۲۱۹] اور ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ الخ [النساء:۴۳] گزر چکی ہیں اور اس کے ساتھ انصاب و ازلام کو یہ ظاہر کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی اور شراب کی حرمت برابر ہے جیسا کہ بزار و ابن حبان کی حدیث میں ہے شراب پینے والا بت پوجنے والے کے مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں تم ان سے بچتے رہو تا کہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو تم میں بیر اور دشمنی ڈالتا اور شراب اور جوئے میں تمہیں مشغول کر کے اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے کیا تم اس سے باز آئے۔ یعنی تم اس سے باز رہو اور اللہ و رسول کا حکم مانو اور ہوشیار رہو اس کے بعد اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھلا حکم پہنچا دینا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے رب! ہم اس سے باز آئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس وقت ابوطلحہ کے گھر میں دعوت شراب تھی اور میں پلا رہا تھا کہ منادی نے ندا لگائی لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ شراب حرام ہوگئی۔ پس خدا کی قسم لوگوں نے یہ سن کر شراب کو منہ نہ لگایا اور ابوطلحہ نے مجھ سے کہا کہ شراب کو گلی میں پھینک آؤ۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب بہتی پھرتی تھی [مواہب] ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس آیت کو سن کر ان لوگوں نے جن کے منہ سے پیالے لگے ہوئے تھے علاحدہ کیے اور منہ میں کی شراب اگل دی اور پیٹ میں کی شراب قے کر کے نکال دی اور کہا: اے اللہ! ہم اس سے باز آئے [اکسیر] اس آیت سے جوئے اور شراب کی حرمت قطعیہ ثابت ہے۔ اور اس کی حرمت کو متعدد تاکیدوں سے بیان کیا گیا ہے وہ قطعاً یقیناً مسلمانوں کے سب فرقوں کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔

تنبیہ: شراب امام اعظم کے نزدیک انگور اور کھجور کے شیرہ کا نام ہے۔ جو بہت زیادہ جوش دیا گیا ہو اور اس کے پھین نکال کر پھینک دیے گئے ہوں پس وہ حرام لعینہ و نجس العین، نجاست غلیظہ مثل پیشاب کے ہے، اس کا قلیل و کثیر سب برابر ہے اور اس کو حلال جاننے والا کافر ہے اور وہ مال متقوم نہیں ہے اور اس کے تلف کر دینے والے پر ضمان نہیں اور اس کا بیچنا، خریدنا اس سے نفع اٹھانا حرام ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری کی جائے گی اگر چہ نشہ نہ ہو۔ [احمدی] بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! شراب حرام ہوئی اور وہ انگور اور کھجور اور گیہوں اور شہد اور جو سے بنتی ہے اور وہ عقل کھو دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شراب ان ہی پانچ چیزوں کی اس وقت بنا کرتی تھی تو وہ انھیں پانچ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی بلکہ جس زمانہ میں جس چیز سے بنائی جاتی ہو اور وہ عقل کو کھو دینے والی ہو، بری بھلی بات میں تمیز نہ رہے وہ شراب ہے اور اس کا پینا باتفاق فقہاے کرام حرام ہے اگر چہ ذرا سی ہو نشہ نہ لائے۔ اور کلیہ اس میں حدیث "کل مسکر حرام" ہے۔ یعنی ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے خواہ وہ پینے کی ہو یا کھانے کی۔ یوں ہی مخدر چیزیں بھی حرام ہیں جیسے بھنگ، چرس، افیون پوست وغیرہ کہ حدیث ابوداؤد میں ہر مسکر و مخدر سے نہی فرمائی گئی ہے [مواہب] اور حدیث میں ہے شراب پر اور شراب کے پینے پلانے والے پر اور خریدنے والے اور اسے بیچنے والے اور بنانے والے اور بنوانے اور اس کے لانے اور منگوانے والے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ شراب پینے والے کو قیامت کے دن دوزخیوں کا پسینہ پلایا جائے گا۔ تیسری حدیث میں ہے کہ دنیا میں جس نے شراب پی اور توبہ نہ کی اس پر عقبیٰ کی شراب حرام ہوگی [معالم بسندہ] اور شرابی جنت میں داخل نہ ہوگا [نسائی]

(آیت ۹۳) ۵۔ شان نزول:۔ جب شراب حرام ہوئی اور اس کے مفاسد بیان کیے گئے، تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اس کی حرمت سے پہلے جو لوگ اسے پی چکے ہیں اور جو اس حال میں شہید ہوئے کہ ان کے پیٹ میں شراب تھی ان کا کیا حشر ہوگا، انہوں نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ

ایمان والو! ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا ایسے بعض شکار سے جس تک

اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچیں کہ اللہ پہچان کرادے ان کی جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں پھر اس کے

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

بعد جو حد سے بڑھے اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ اے ایمان والو! شکار

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا

نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلا یہ ہے کہ ویسا ہی

قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

جانور مویشی سے دے تم میں کے دو ثقہ آدمی اس کا حکم کریں یہ قربانی ہو کعبہ کو پہنچتی

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ

یا کفارہ دے چند مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے کہ اپنے کام کا وبال چکھے،

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اللہ نے معاف کیا جو ہو گزرا اور جو اب کرے گا اللہ اس سے بدلا لے گا اور اللہ غالب ہے

ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ

بدلا لینے والا۔ ف۲ حلال ہے تمہارے لیے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کو

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ

اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار جب تک تم احرام میں ہو، اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف

اس کی بابت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی [معالم وابن کثیر] مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر حرام ہونے سے پہلے شراب پینے اور جوئے کا مال کھانے کا کچھ گناہ نہیں ہے۔ جب کہ وہ خدا سے ڈریں اور ایمان قائم رکھیں، اور نیک کام کریں، پھر ڈریں اور ایمان قائم رکھیں، پھر ڈریں اور نیک رہیں، اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے، یعنی انہیں ثواب دیتا ہے۔

تنبیہ: پہلے تقوے سے مراد جملہ محرمات سے بچنا ہے اور دوسرے تقوے سے مراد اس پر قائم رہنا ہے، اور تیسرے تقوے سے جملہ محرمات سے بچنا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اول سے مراد کفر سے بچنا ہے اور دوسرے سے تمام کبائر سے بچنا ہے۔

(آیت ۹۴/۹۵) ۲۔ شان نزول:۔ جب سنہ ۶ھ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معہ صحابۂ کرام احرام باندھ کر عمرہ کرنے چلے راہ میں مقام حدیبیہ پر ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش وہاں کے وحشی چرند پرند بھیج کر کی جو مسلمانوں کی چھاؤنی میں

بیخوف وخطر گھس گھس آتے تھے اوران کے سروں پر منڈلاتے تھے اوران کے کھانے پینے کی چیزیں خراب کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، مگر وہ بوجہ احرام انھیں شکارنہیں کرسکتے تھے۔تب یہ آیت نازل ہوئی۔[رواه ابن أبي حاتم عن مقاتل]اور ﴿یا ایّھا الّذِینَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ﴾ [المائدة:۹۵] کی معالم میں یہ شان نزول لکھی ہے۔کہ ابوالیسر نے حالت احرام میں ایک وحشی گدھا شکار کیا تھا۔اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔اور سراج میں ہے کہ حضرت قتادہ نے عمرۂ حدیبیہ میں وحشی گدھا مارا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی۔مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ تمھیں ضرور ایسے بعض شکاروں سے آزمائے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچیں۔یعنی جن کو تم اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکو اور نیزوں سے شکار کرسکو اور یہ آزمائش ایسی تھی جیسے کہ اصحاب ایلہ کی ہفتہ کے دن بکثرت مچھلیاں بھیج کر کی گئی تھی مگر وہ امتحان میں فیل ہوئے اور مسلمان امتحان میں پاس ہوئے۔اور یہ اس لیے تھی کہ اللہ ان لوگوں کی پہچان کرادے جو اس سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور اس کے خوف سے شکار نہیں کرتے ہیں۔اس ممانعت کے بعد جو کوئی حد سے بڑھے گا، شکار کرے گا اس کے لیے دردبھرا عذاب ہے۔اے ایمان والو! حالت احرام میں تم شکار نہ مارو خواہ وہ ماکول جانور ہو یا غیر ماکول۔اور تم میں سے قصداً جو شکار مارے تو اس کے بدلے ویسا ہی مویشی پالتو جانور دے جس کو دو ثقہ ماہر آدمی تجویز کریں کہ وہ اس کی مثل ہے جیسا کہ بعض صحابہ کرام سے مختلف اوقات میں شکار کے مثل جانور تجویز کرنا مروی ہے۔مگر امام اعظم کے نزدیک مثل سے اس کی قیمت مراد ہے، یعنی دو آدمی ثقہ اس کی جو قیمت تجویز کریں پھر اس قیمت کا جانور خرید کر خانہ کعبہ بھیجا جائے یا اس کا کھانا خرید کر جتنے مسکینوں کو وہ پورا ہو جائے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو چھوارے وغیرہ دیے جائیں یا اس کے بقدر روزے رکھیں جائیں اور جو نصف صاع سے کم ہو یا کم بچے تو اسے صدقہ کردے یا اس کے بدلے بھی ایک روزہ رکھے کہ ''او'' تخییر کے لیے ہے اختیار ہے کہ تینوں باتوں میں سے ایک کرے۔[احمدی] کل کھانا ایک فقیر کو دینا یا نصف صاع چند فقیروں کو دینا روا نہیں ہے اور درندہ غیر ماکول کی قیمت بکری کے برابر ہے وہ بکری سے کتنا ہی بڑا ہو خواہ ہاتھی ہو اور چڑیا ٹیٹری وغیرہ غیر مماثل میں ربع صاع صدقہ کرے اور یہ صدقہ ماں باپ دادا اور اولاد اور زوجہ کو دینا روا نہیں۔(درمختار) اور یہ بدلہ کا جانور کعبہ کو پہنچتا ہوا ہو یعنی وہاں جاکر ذبح کیا جائے اور فقیروں کو بانٹ دیا جائے، نہ اس جگہ ذبح کیا جائے جہاں شکار مارا ہو۔یا اس کے کفارہ میں چند فقیروں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کا وبال چکھے، سزا بھگتے اللہ نے اس سے پہلے کا کیا ہوا معاف کیا اور جو اَب کرے گا اللہ اس سے آخرت میں بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلا لینے والا۔

تنبیہ: جمہور علما کے نزدیک محرِم کو حالت احرام میں کسی اہلی، وحشی، بری جانور کو مارنا یا اس کے مارنے کی طرف کسی کو اشارہ کرنا روا نہیں ہے۔اگر ایسا کرے گا تو اس پر اس کی جزا لازم ہوگی خواہ اسے عمداً مارا ہو یا خطا سے ہر صورت میں کفارہ لازم آئے گا۔اور ہر بار کے شکار کا جدا جدا کفارہ لازم ہوگا۔مگر اس درندے کے مارنے کا کفارہ لازم نہ ہوگا جس نے اس پر حملہ کیا ہو اور اس نے اسے مار ڈالا ہو۔اور پالے ہوئے وحشی جانور کے ذبح کرنے پر بھی کفارہ دینا لازم ہے۔اور ایک دو جوں مارنے میں مٹھی بھر ناج صدقہ کرنا مستحب ہے اور تین سے زیادہ مارنے پر نصف صاع صدقہ کرے۔اور جنگلی کٹ کھنا کتا اور بھیڑیا اور سانپ، بچھو اور چیل، کوا اور چوہا مارنا جائز ہے، حدیث میں انھیں حل و حرم میں مارنا روا فرمایا ہے اور بعض نے کٹ کھنے کتے اور بھیڑیے میں شیر چیتا وغیرہ درندے جانور بھی داخل کیے ہیں یہی قول زید ابن مسلم اور سفیان ابن عیینہ کا ہے۔اور مچھر، پسو، مکھی، چیچڑی، کھٹل، جھنگر، چھپکلی، گرگٹ، بر بیٹی، کچھوا، نیولہ، بھنگا، پتنگا، کھجورہ وغیرہ حشرات الارض کا مارنا معاف ہے اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔[درمختار وغیرہ] حدیث مذکورہ سے تمام موذی جانوروں کے مارنے کا جواز ثابت ہے۔[سراج وبیضاوی] اور غیر محرم کا شکار ہوا جانور محرم کو کھانا حلال ہے اگر محرم نے اس کے شکار میں اعانت و دلالت نہ کی ہو۔

تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ

تمھیں اٹھنا ہے۔ اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا باعث کیا

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

اور حرمت والے مہینے اور حرم کی قربانی اور گلے میں علامت آویزاں جانوروں کو، یہ اس لیے کہ تم یقین کرو کہ اللہ جانتا ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور یہ کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ جان رکھو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى

کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان۔ رسول پر نہیں

الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ

مگر حکم پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو۔ تم فرمادو

لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا

کہ ستھرا اور گندہ برابر نہیں اگرچہ تجھے گندے کی کثرت بھائے تو اللہ سے

(آیت ۹۶) ۷۔ گزشتہ آیت میں محرِم کو شکار مارنے کی مطلقا ممانعت فرمائی تھی۔ بحری و بری کی قید نہیں لگائی تھی اس آیت میں اس کو متعین کیا گیا ہے اور بحری جانور کو حالت احرام میں شکار کرنے اور اسے کھانے کو حلال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دریا کا شکار اور اس کا کھانا حالت احرام وغیر احرام میں تمہارے لیے حلال ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے اور خشکی کا شکار حالت احرام میں تم پر حرام ہے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے۔

تنبیہ: صید البحر سے دریائی جانوروں کا شکار مراد ہے۔ اور دریائی جانور وہ ہیں جو دریا میں پیدا ہوتے اور رہتے ہیں، خشکی میں زندہ نہیں رہ سکتے جیسے مچھلی وغیرہ تو جو جانور خشکی میں پیدا ہوتے ہیں اور دریا میں رہتے یا خشکی اور پانی دونوں میں رہتے ہیں وہ دریائی جانور نہیں ہیں۔ ان دریائی جانوروں میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سواء مچھلی کے کوئی جانور حلال نہیں بلکہ جو مچھلی دریا میں خود مر کر پانی پر تیر آگئی وہ بھی حرام ہے جسے طافی کہتے ہیں۔ ابن کثیر نے بروایت مردویہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مچھلی تم شکار کرو اور وہ مر جائے اسے کھاؤ اور جو مردہ مچھلی طافی دریا میں ہے اسے نہ کھاؤ۔ اور امام شافعی کے نزدیک سوائے مینڈک کے سب دریائی جانور حلال ہیں، اور جو " طعامہ " کی ضمیر " صید " کی طرف راجع کی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دریا کے شکار کیے ہوئے جانوروں میں جو ماکول ہوں انھیں کھاؤ جیسے مچھلی اور غیر ماکول سے نفع اٹھاؤ۔ اور جو "طعامہ" کی ضمیر "بحر" کی طرف راجع کی جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ دریا کا شکار بھی حلال ہے اور دریا کا طعام بھی حلال ہے یعنی وہ مچھلیاں، جو دریا چڑھاؤ کے وقت انھیں کنارے پر ڈال گیا ہو اور مر گئی ہوں، جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دریا کا پانی پاک ہے اور اس کا مرا ہوا جانور حلال ہے یہی حضرت عمر وابوبکر وزید ابن ثابت اور ابوایوب وغیرہ صحابہ اور بعض تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہے اور سعید ابن جبیر وسدی وسعید ابن مسیب سے مروی ہے: کہ صید البحر سے تازہ مچھلی اور طعام البحر سے نمک مل کر خشک کی ہوئی مچھلی مراد ہے، اور حضرت قتادہ کہتے ہیں: کہ طعام البحر

اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ڈرتے رہو اے عقل والو کہ تم فلاح پاؤ۔ ف۸ اے ایمان والو!

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ

ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر انھیں اس وقت پوچھو گے کہ

يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ انھیں معاف فرما چکا ہے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا

تم سے اگلی ایک قوم نے انھیں پوچھا پھر ان سے منکر ہو بیٹھے۔ ف۹

جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ

اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا

ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر

سے دریائی نمک مراد ہے۔ [سراج وغیرہ]

(آیت ۹۷تا۱۰۰) ۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ادب کے گھر کو یعنی کعبہ کو لوگوں کے لیے قیام کا باعث کیا ہے وہاں ان کے دین ودنیا کے کام حج وتجارت وغیرہ درست ہوتے ہیں اور اس میں داخل ہو کر امن وچین سے رہتے ہیں اور ہر شئ آسانی سے بہم پہنچتی ہے اور ان کے لیے حرمت والا مہینہ یعنی ذی الحجہ یا حرمت والے سب مہینے (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) اور حرم کی قربانی کے جانور اور پہچان کے لیے ان کے گلے میں پڑے ہوئے قلادے قیام کا باعث کیے کہ وہ قتل وغارت سے محفوظ رہتے ہیں اور ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔ باقی ترجمہ۔

تنبیہ: ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جو خانہ کعبہ میں قربانی کے لیے بھیجا جائے خواہ وہ بکری ہو یا اونٹ، گائے اور بدنہ صرف اونٹ، گائے کو کہتے ہیں اور قلادہ اس پٹے کو کہتے ہیں جو چمڑہ وغیرہ کا جانور کے گلے میں پہچان کے لیے ڈالا جاتا ہے کہ یہ خانہ کعبہ کی ہدی ہے۔

(آیت ۱۰۱/۱۰۲) (۹) شان نزول میں اس کی مختلف روایات ہیں خلاصہ ان کا یہ ہے کہ بعض لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آکر فضول سوال کیا کرتے تھے بے فائدہ باتیں پوچھا کرتے اور کبھی ایسی باتیں پوچھتے تھے جن کا ظاہر کرنا انھیں برا معلوم ہوتا، ان کے ظاہر کرنے سے ان کا نقصان ہوتا ان پر شاق گزرتا جیسا کہ سراقہ ابن مالک نے آیت حج کے نازل ہونے پر پوچھا: کیا ہر سال فرض ہے؟ حضور نے کچھ جواب نہ دیا، پھر دوسری بار پوچھا جواب نہ دیا۔ جب تیسری مرتبہ پوچھا تب فرمایا: ہر سال فرض نہیں ہے، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اسے نہ کر سکتے مجھ سے وہ باتیں نہ پوچھو جو میں نے چھوڑ دی ہیں کہ تم سے پہلے لوگ بہت سوال کرنے ہی سے ہلاک ہوئے۔ اور جیسے کہ حضور نے فضول سوال کرنے سے غصہ میں آکر فرمایا مجھ سے جو سوال کروگے اس کا جواب دوں گا تو ایک شخص نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ حالاں کہ وہ دوسرے کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ اور دوسرے نے پوچھا میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا: دوزخ میں۔ اور کسی نے پوچھا میری اونٹنی گم ہوگئی ہے کہاں ہے؟ غرض کہ اسی قسم کے سوالات کرنے کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور

يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ

نرے بے عقل ہیں۔ اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف

قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا

کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ

يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ

کچھ جانیں نہ راہ پر ہوں۔ اے ایمان والو! تم اپنی فکر

أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ

رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو، تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے

جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم کرتے تھے۔ ف اے ایمان والو!

ایسے سوال کرنے اور کرید کرید کر باتیں پوچھنے کی انھیں ممانعت فرمائی گئی کہ نزول قرآن کے وقت ایسی باتیں نہ پوچھو اگر پوچھو گے تو بیان کی جائیں گی اور وہ بعد کو تمہیں بری معلوم ہوں گی اور تمہاری رسوائی اور مشقت میں پڑنے کا باعث ہوں گی جیسا کہ اپنا ٹھکانا پوچھنے والے کو جواب ملا اور اسے برا معلوم ہوا وہ شاید کوئی منافق تھا۔ اور باپ کا پوچھنے والا حرامی نکلا اور رسوا ہوا، اور حج سے سوال کرنے والوں کو فرمایا: کہ اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور تم مشقت میں پڑتے عمل نہ کر سکتے جیسا کہ ان سے اگلوں نے اسی قسم کے سوالات اپنے انبیاء سے کیے تھے پھر وہ ان کے جوابات پر عمل نہ کر سکے، کافر ہو گئے۔ جیسا کہ قوم ثمود نے ناقہ کا سوال کیا پھر وہ منکر ہو گئے۔ اور قوم موسیٰ نے "ارنا اللہ جھرۃ" کہا اس کے وبال میں مبتلا ہوئے۔ اور قوم عیسیٰ نے نزول مائدہ کا سوال کیا پھر اس کی تکذیب کی، آیت میں اہل ایمان فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اس قسم کے سوالات کیے جب وہ دے دیے گئے تو منکر ہو گئے پس تم ایسے سوال نہ کرو۔ [خازن] اور جو باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کی ہیں انھیں نہ پوچھو کہ وہ تمہارے لیے معاف ہیں، پوچھنے سے وہ تم پر لازم ہو جائیں گی پھر تم اس پر عمل نہ کر سکو گے، برا سمجھو گے۔

تنبیہ: یہ سوال کرنے کی ممانعت بھی ہمارے لیے رحمت ہے کہ بے فائدہ سوال کر کے مشکل میں نہ پڑیں اور ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں جو بیان نہیں کی گئی ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جس کے سوال کرنے کے سبب سے حرام نہ کی ہوئی چیز لوگوں پر حرام کی گئی۔ انھی کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے قیل وقال اور اضاعۃ مال اور بکثرت سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور نے اغلوطات غلطی میں ڈالنے والے مسائل پوچھنے سے منع فرمایا ہے۔ جامع الاصول کی حدیث میں ہے کہ حضور سے بعض چیزیں پوچھی گئیں تو فرمایا: حلال وحرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام یا حلال فرمایا ہے اور جس سے خاموش رہا ہے وہ معاف شدہ چیزوں سے ہے انھیں پوچھ کر تکلیف میں نہ پڑو۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو چیزیں اللہ نے بیان نہیں فرمائی ہیں انھیں نہ کرید و نہ کھلواؤ [خازن]

(آیت ۱۰۳ تا ۱۰۵) (۱۰) شان نزول: پہلے فضول باتیں پوچھنے کی ممانعت فرمائی گئی تھی اب اپنی طرف سے چیزوں کی حلت و حرمت قائم کرنے اور باپ دادا کے طریقہ پر چلنے کی ممانعت فرمائی جاتی ہے جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے اور منع کرنے اور اللہ کے حکم کی طرف بلانے پر جواب دیتے تھے کہ ہمیں اپنے باپ دادا کا طریقہ کافی ہے۔ اور شان نزول ﴿یایھا الذین امنوا﴾ کی بقول مجاہد وسعید

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ

تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے وصیت کرتے وقت

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى

تم میں کے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو جب تم ملک میں سفر کو

الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ

جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد روکو

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا

وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں کچھ شک پڑے ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں گے

قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ

اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں۔ پھر اگر

ابن جبیر یہود ونصاریٰ ہیں کہ ان کا گمراہ ہونا ضرر نہ دے گا جب کہ تم راہ پر ہو گے اور کہا گیا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کا کفر پر رہنا گراں تھا اور وہ ان کے مسلمان ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور ان سے فرمایا گیا کہ تم ان کی فکر نہ کرو، اپنی اصلاح کرو تمہیں ان کا گمراہ ہونا ضرر نہ دے گا۔ [خازن ومدارک]

تنبیہ: بخاری کی حدیث میں ہے کہ ''بحیرہ'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا دودھ بتوں کے لیے وقف کیا جاتا تھا اور پہچان کے لیے اس کا کان چیر دیا کرتے تھے۔ اور ''سائبہ'' اس جانور کو کہتے تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اس سے کوئی کام خدمت نہ لیتے تھے جس کو اردو میں ''بجار'' کہتے ہیں۔ اور ''وصیلہ'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کے پہلا اور دوسرا بچہ مادہ پیدا ہوتا تھا اسے متبرک سمجھ کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور ''حامی'' اس اونٹ کو کہتے تھے جس کے نطفہ سے متواتر دس بچے پیدا ہوتے تھے اسے بھی کام کاج سے آزاد کر دیتے تھے۔ [جلال] اس کے علاوہ بھی بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کے معنی بیان کیے گئے ہیں اور وہ اونٹ ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ گائے بکری کو بھی بحیرہ اور سائبہ وغیرہ بناتے تھے۔ اور یہ باتیں اور بدعتیں ان میں زمانہ جاہلیت سے ابتدائے اسلام تک تھیں اور وہ عرب میں عمر ابن لحی کے وقت سے رائج ہوئی تھیں اور وہی ان کا اور بت پرستی کا عرب میں پھیلانے والا تھا۔ [معالم وغیرہ] پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا خیال رد فرمایا کہ اللہ نے بحیر وسائبہ ووصیلہ وحامی کو مقرر ومشروع نہیں کیا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے یہ تم اللہ پر افترا کرتے ہو کہ وہ اللہ کا مقرر کردہ ہے اور یہ جو تم اپنے باپ دادا کی تقلید کو کافی بتاتے ہو تو کیا تمہارے جاہل باپ دادا کی تقلید ہی تمہارے لیے کافی ہے؟ یعنی نہیں۔ پھر مسلمانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ تم اپنی فکر رکھو، اپنی اصلاح کرتے رہو جب تم راہ پر ہو گے تو اہل کتاب وغیرہ گمراہ لوگ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

تنبیہ: ﴿اولو کان اٰباؤھم﴾ الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جاہل، بے علموں، گمراہوں کی تقلید نہ کی جائے علمائے مجتہدین و مجتہدین کی تقلید کی جائے یہاں یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ آیت میں صرف اپنے نفس کی اصلاح کو لازم کیا گیا ہے نہ دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کو، آیت میں دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرنا بھی داخل ہے بلکہ ان کی اصلاح اصل میں اپنی ہی اصلاح ہے۔ حاکم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ حضور سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا: ایک دوسرے کو اچھی باتیں کرنے کا حکم دو اور بری باتوں سے

عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ

پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے تو ان کی جگہ دو اور کھڑے ہوں ان میں سے کہ اس گناہ یعنی جھوٹی گواہی نے

الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ

ان کا حق لے کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے زیادہ قریب ہوں تو اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى

ان دو کی گواہی سے اور ہم حد سے نہ بڑھے، ایسا ہو تو ہم ظالموں میں ہوں۔ یہ قریب تر ہے

اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ

اس سے کہ گواہی جیسی چاہیے ادا کردیں یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جائیں

اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

ان کی قسموں کے بعد اور اللہ سے ڈرو اور حکم سنو اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔ ف۱۱

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمھیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں

منع کرو یہاں تک کہ جب تم لوگوں کو بخل کرتے اور خواہش نفس کا تابع اور دنیا میں مشغول اور ہر شخص کو اپنی اپنی رائے پر عمل کرتے دیکھو تو صرف اپنے نفس کی اصلاح لازم پکڑو اور انھیں چھوڑ دو۔ [جلال ومعالم] حضرت ابن مسعود وابن عمر وابوسعید خدری وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اس آیت کا یہ زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں تم لوگوں کو نیک کام کی ہدایت کرو گے اور وہ نہ مانیں گے پس اس وقت تم اپنے نفس کی اصلاح مدنظر رکھو یوں ہی حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ان پر یہ آیت پڑھی گئی تو انہوں نے فرمایا: یہ اس کا زمانہ نہیں ہے لیکن عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے اور وہ نہ مانا جائے گا پس اس وقت تم اپنے نفسوں کو لازم پکڑو یعنی ان کی اصلاح کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں کو یہ شبہہ پیدا ہوا تھا مگر انھوں نے ان کا شبہہ دفع فرمانے کے لیے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کے معنی غلط سمجھے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ گناہ کا کام کرتے کسی کو دیکھیں گے اور وہ اسے منع نہ کریں گے تو اللہ ان پر ایسا عذاب بھیجے گا جو سب پر عام ہوگا [سراج] اور ابن کثیر نے بعض صحابہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے ہے جب کہ نصیحت کا اثر نہ ہو۔ پس حدیث وآثار مذکور سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قادر نہ ہونے یا اس کا اثر نہ ہونے کے وقت اسے ترک کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تمام آیتوں سے زیادہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تاکید ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ فرمایا ہے یعنی اپنے دین والوں کی مسلمانوں کی اصلاح کرو انھیں اچھی باتیں بتاؤ بری باتوں سے باز رکھو [خازن]

(آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸) (۱۱) شان نزول:۔ ان آیات کی بہت بڑی ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ قبیلہ بنی سہیم کا ایک آزاد شدہ غلام بدیل نامی کچھ مال لے کر تجارت کرنے ملک شام کو گیا، اس مال میں ایک چاندی کا کٹورہ سونے کا کام کیا ہوا بھی تھا جو بادشاہ شام کے لیے لے چلا تھا، اس کے ساتھ تمیم داری وعدی ابن بداء عیسائی تاجر بھی تھے، راہ میں بدیل بیمار ہوگیا اور آخر وقت جب اس نے کسی مسلمان کو نہ

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔ جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کر

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ

میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی

النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا

اور انجیل اور جب [تو] مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا

فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ

تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی، اور تو مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب

تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ

تو مُردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس

وقف لازم

دیکھا تو اس نے اپنا تمام مال مع کٹورے کے ان عیسائیوں کو سپرد کیا اور وصیت کی کہ وہ مدینہ پہنچ کر میرے وارثوں کو دے دیں اور مال کی فہرست چھپا کر سامان میں رکھ دی۔ عیسائیوں نے مدینہ پہنچ کر اس کا مال اس کے وارثوں کو دے دیا اور کٹورہ چرا کر ایک ہزار درہم کو بیچ ڈالا۔ بدیل کے وارثوں نے عیسائیوں پر کٹورہ کا دعویٰ کیا جو دربار رسالت میں پیش ہوا، حضور نے ثبوت طلب کیا، چوں کہ ان کے پاس کوئی گواہ نہ تھا اس لیے حضور نے عیسائیوں کو قسم دلائی وہ قسم کھا گئے مقدمہ خارج کر دیا گیا، اس وقت یہ آیت لمن الآثمین تک نازل ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ کٹورہ ایک سنار کے پاس برآمد ہوا، اس سے پوچھا گیا اس نے کہا کہ یہ کٹورہ تمیم وعدی نے میرے ہاتھ ہزار درہم میں بیچا ہے، اس اثنا میں تمیم مسلمان ہو گیا تھا اس نے پانچ سو درہم اپنے حصے کے بدیل کے وارثوں کو ادا کر دیے تھے اور سب حال ظاہر کر دیا تھا اور فہرست بھی مل گئی تھی پھر بھی عدی نے اقرار نہ کیا تو دوبارہ مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا تو یہ آیت ﴿فان عثر﴾ الخ نازل ہوئی تو بحکم حضور بعد نماز عصر عمرو ابن عاص و مطلب ابن ابی رفاعہ کو جو بدیل کے قریب تر رشتہ دار تھے قسم دی گئی کیوں کہ وہ منکر تھے انھوں نے کھڑے ہو کر قسم کھا کر کہا کہ ہماری قسم عدی کی قسم سے زیادہ قابل اعتبار ہے، ہمارے علم میں میت نے ان کے ہاتھ کٹورہ نہیں بیچا ہے اور نہ ہبہ کیا ہے، اس پر عدی سے پانچ سو درہم دلائے گئے مگر ہاتھ نہ کاٹا گیا کہ چشم دید کوئی گواہ نہ تھا۔ یہ قصہ مفسرین نے بروایت بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ بالفاظ مختلفہ مع زیادتی و کمی کے لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم مرتے وقت سفر میں وصیت کرنا چاہو تو دو معتبر شخص اپنوں یا غیروں کو گواہ بنالو۔ پھر مر جانے کے بعد اگر وارثوں کو وصیت میں کچھ شک ہو تو ان دونوں گواہوں کو ٹھہرا کر ان سے بعد نماز عصر قسم لو اور وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ میت نے یوں ہی وصیت کی تھی اور ہم جھوٹی قسم کسی کے لیے نہ کھائیں گے اگر چہ وہ ہمارا قریبی رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی نہ چھپائیں گے اور اس کے بدلے کچھ مال نہ لیں گے اگر ہم ایسا کریں تو خود ہم گنہگاروں میں ہیں۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے مثلاً مال میں خیانت کی اور وہ ان کے پاس نکلا تو کہا کہ ہم نے اسے

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، بولے ہم ایمان لائے

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ [ابن مریم]

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ

کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے کہا

اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا

اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ

اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر

میت سے خریدا ہے، میت ہمیں اسے دے گئی تھی یا اس کی وصیت کر گئی تھی اور جھوٹی قسم کھائی تو ان کی جگہ دو گواہ جو میت کے قریبی رشتہ دار ہوں اور وصیت میں مستحق ہوں کھڑے ہو کر کہیں کہ پہلے گواہوں کی جھوٹی گواہی سے ہمارا حق مارا گیا ہے اور ہمیں نقصان پہنچا ہے اور یہ دونوں گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم حد سے نہیں بڑھے ہیں جھوٹ نہیں بولے ہیں اگر ایسا ہو تو ہم ظالموں میں سے ہیں یہ پچھلے گواہوں کی گواہی زیادہ قریب ہے، اس کے جیسی کہ گواہی ادا کرنا چاہیے یا زیادہ قریب اس کے کہ وہ اپنی قسم رد ہونے کے خوف سے صحیح گواہی دیں۔

تنبیہ: آیت میں وصیتوں کا حکم باقی ہے اور شاہدوں کا منسوخ ہے یوں ہی غیر دین والوں کی شہادت کا حکم منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان کم ہونے کی وجہ سے خصوصاً سفر میں مسلم پر غیر مسلم کی شہادت جائز تھی۔ [سراج] اور یہاں شہادت سے قسم مراد ہے اور گواہوں سے وصی مراد ہے اور ہر نماز کے بعد قسم لینا روا ہے مگر نماز عصر کے بعد قسم لینا اولیٰ ہے کہ اس وقت دن و رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ تمام دین والے عصر کے وقت کی عظمت کرتے تھے اور اس وقت جھوٹی قسم کھانے سے بچتے تھے، اسی لیے مفسرین نے نماز کے ساتھ عصر کی قید لگائی ہے جیسا کہ اس معاملہ میں حضور نے بعد عصر منبر کے پاس قسم لی اور یہی حضرت عباس و دیگر تابعین سے مروی ہے۔ اور منکم سے دو مسلمان عادل گواہ مراد ہیں خواہ وہ کنبہ قبیلہ کے ہوں یا غیر کنبہ قبیلہ کے ہوں اور من غیر کم سے غیر مسلم مراد ہیں جب کہ کوئی مسلمان آدمی نہ ملے۔ شیخ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و نیز دیگر تابعین سے اس کی یہی تفسیر روایت کی ہے اور بعض نے منکم سے کنبہ قبیلہ والے اور من غیر کم سے غیر کنبہ قبیلہ والے مراد لیے ہیں مگر ہوں مسلمان کہ مسلمان پر غیر مسلم کی شہادت بالاجماع صحیح نہیں۔ اور آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قسم کو سخت کرنے کے لیے متبرک مقامات اور اوقات و زمان میں قسم لینا چاہیے جیسے مسجد، جامع مسجد، خانہ کعبہ، نماز کے بعد، عصر کے وقت وغیرہ۔

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا

گواہ ہو جائیں عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی اے اللہ! اے رب ہمارے! ہم پر

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً

آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو، ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور

مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا

تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں اسے

عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ

تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ

سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا ف۱۲ اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے

قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو، اللہ کے سوا عرض کرے گا

الربع — ع ۱۵ / ۵

(آیت ۱۰۹ تا ۱۱۵) (۱۲) ان آیات میں انبیا علیہم السلام کو قیامت کے دن جمع فرمانے اور ان سے ان کی امتوں کا جواب پوچھنے اور بنی اسرائیل کی نافرمانی وکفرانِ نعمت کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرما کر ان سے ان کی امتوں کو ملامت کرنے کے لیے پوچھے گا کہ امتوں نے تمھیں کیا جواب دیا تھا جب تم نے ان سے ایمان لانے کو کہا تھا تو رسول ادباً عرض کریں گے کہ ہم تیرے علم کے مقابلہ میں کچھ نہیں جانتے ہیں تو ان کی تمام کھلی اور چھپی باتوں کا جاننے والا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے یہی معنی فرمائے ہیں کہ ہمیں ان کا تجھ جیسا علم نہیں ہے تو ان کی ظاہر کی ہوئی اور چھپا کر کی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور ہم ان کی صرف ظاہر کی ہوئی باتوں کو جانتے ہیں تو تیرا علم ہمارے علم سے زیادہ اتم واکمل ہوا ہمارا علم تیرے علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہوا۔ [خازن] یا وہ "لَا عِلْمَ لَنَا" اس وجہ سے کہیں گے کہ حول قیامت کی وجہ سے امتوں کا جواب ان سے ذہول ہو جائے گا ذہن سے اتر جائے گا۔ جب اس سے سکون ہو گا تو وہ اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے کہ انھوں نے ایسا اور ایسا کیا تھا اور کہا تھا۔ شیخ ابن کثیر نے اس کو پسند کیا ہے اور یہی حضرت حسن بصری ومجاہد وسدی سے بروایت ابن جریر وابن ابی حاتم مروی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یاد کرو یعنی شکر کرو جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر و میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب کہ میں نے پاک روح جبرائیل سے تیری مدد کی کہ وہ ہر وقت تیرے ساتھ رہتے اور تجھے تعلیم کرتے تھے تو بچپن اور جوانی کی حالت میں لوگوں سے ایک سا کلام کرتا تھا اور جب تجھے کتاب یعنی لکھنا اور حکمت یعنی فہم وفراست اور توراۃ وانجیل سکھائی اور جب بناتا تھا تو میرے حکم سے مٹی سے پرند کی سی مورت اور اس میں میرے حکم سے پھونک مارتا تھا پس وہ اڑنے لگتی تھی اور تو میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اچھا کرتا تھا اور جب مردوں کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تیرے قتل سے باز رکھا آسمان پر اٹھا لیا اور جب تو ان کے پاس معجزات لے کر آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور جب ہم نے حواریوں یعنی

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی اگر میں نے

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ

ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہوگا، تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے،

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ

بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔ میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو مجھے تو نے حکم دیا تھا

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ

کہ اللہ کو پوجو، جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب، اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں

اصحاب عیسیٰ کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور شہد کی مکھیوں کے دل میں ڈالا گیا تھا، تو وہ بولے ہم ایمان لائے اور تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ! کیا تیرا رب ایسا کرے گا کہ آسمان سے ہم پر خوان اتارے تو عیسیٰ نے ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو ایسا سوال کرنے سے اگر تم مسلمان ہو تو وہ بولے ہم یہ اس لیے چاہتے ہیں کہ خوان میں سے تبرکات کھائیں اور ہمارے دل کو اطمینان ہو اور ہمارے علم و یقین میں زیادتی ہو اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ جان لیا کہ ان کا یہ سوال زیادتی علم کے لیے ہے نہ از روئے عناد و سرکشی تو انھیں تین روزے رکھنے کا حکم فرمایا اور کہا: جب تم روزے رکھو گے اور افطار کر کے اللہ سے سوال کرو گے تو اللہ تمہیں دے گا پس انھوں نے روزے رکھ کر مائدہ کا سوال کیا تب عیسیٰ علیہ السلام نے غسل فرما کر دو رکعت نماز پڑھ کر اور سر جھکا کر رو کر دعا فرمائی [خازن، سراج] اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ دن ہمارے لیے اور ہمارے اگلے پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری قدرت اور میری نبوت پر نشانی ہو تو اللہ نے عیسیٰ سے فرمایا: کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر جو کوئی تم میں سے اس کے اترنے کے بعد کفر کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دوں گا پس فرشتے آسمان سے خوان لے کر اترے جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں پس انھوں نے انھیں خوب سیر ہو کر کھایا۔ [قاله ابن عباس رضى الله تعالى عنه] ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آسمان سے خوان اترا جس میں روٹیاں اور گوشت تھا انھیں حکم کیا گیا کہ اس میں چوری نہ کریں اور نہ کل کے لیے بچا کر رکھیں پس انھوں نے چوری کی اور بچا کر رکھا تو اس کی سزا میں وہ مسخ کیے گئے سور، بندر بنا دیے گئے۔ [جلال] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوان ایک ہی دن نازل نہیں ہوا تھا بلکہ چند روز تک نازل ہوتا رہا پھر ان کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اس کا آنا بند ہوا۔ بیضاوی نے روایت نقل کی ہے کہ خوان چالیس روز تک صبح کو آتا زوال تک رہتا سب امیر و غریب اس سے کھاتے تھے۔ اور روایت کی گئی ہے کہ خوان سرخ رنگ کا تھا دو بادلوں میں اترا تھا وہ اسے اترتا دیکھ رہے تھے کہ وہ ان کے سامنے رکھا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رو کر دعا کی اے اللہ! ہمیں شاکرین سے کر اور اس خوان کو ہمارے لیے رحمت بنا نہ عذاب۔ پھر وضو فرمایا اور نماز پڑھی اور روئے پھر اسے بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر کھولا تو اس میں بھنی ہوئی مچھلی بغیر سنے اور کانٹے کی تھی جس سے چکنائی بہتی تھی اور اس کے سر کے پاس نمک اور دم کے پاس سرکہ اور اس کے آس پاس قسم قسم کی سبزیاں سوائے گندنے کے رکھی تھیں اور پانچ روٹیاں تھیں ایک پر شہد، دوسری پر زیتون، تیسری پر گھی، چوتھی پر مکھن، پانچویں پر قدید تھا۔ تو شمعون نے حضرت عیسیٰ سے کہا: کہ یہ طعام دنیا ہے یا آخرت؟ فرمایا: ان دونوں میں سے نہیں ہے بلکہ خدا نے اسے اپنی قدرت سے ایجاد

وقف النبي صلى الله عليه وسلم

27 B

فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ
ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ
حاضر ہے۔ اگر تو انھیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ
تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۗ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ
ان کا سچ کام آئے گا، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے،

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ
اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اور یہ ہے بڑی کامیابی۔ اللہ ہی کے لیے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۗ وَهُوَ
آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾ ع
ہر چیز پر قادر ہے۔ ف۱۳

ع ٦ / ٥ / ٢

کیا ہے۔ کھاؤ جو تم نے مانگا تھا اور شکر کرو اللہ! اسے اپنے فضل سے زیادہ کرے گا اور دیر تک رکھے گا۔ تو ان ناشکروں نے اس کے علاوہ دوسرا معجزہ چاہا تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اے مچھلی! اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا پس وہ پھڑکی، پھر جیسی تھی ویسی ہی ہونے کا حکم دیا تو وہ بھنی ہوئی مچھلی ہو گئی پھر خوان اٹھ گیا تو انھوں نے نافرمانی کی پس مسخ کیے گئے روایت طویل ہے [سراج و بیضاوی] ابن جریر نے حضرت عمار سے روایت کی ہے کہ خوان میں جنت کے میوے بھی تھے۔ اور حسن بصری و مجاہد کہتے ہیں کہ خوان نازل نہیں ہوا تھا بلکہ وعید شدید کے باعث وہ اپنے سوال سے پھر گئے تھے کہ شاید اس کے اترنے کے بعد کوئی کفر کرے اور سب عذاب میں مبتلا ہوں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ اترا تھا اسے ملائکہ گھیرے ہوئے تھے اس پر ہر قسم کے کھانے سوائے گوشت کے تھے۔ اور کہا گیا ہے جو کھانا چاہتے تھے اس پر ملتا تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ جہاں کہیں ہوتے صبح و شام وہ ان پر نازل ہوتا۔ [مدارک] وفیه اقوال اُخر. حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ سب سے زیادہ عتاب قیامت کے دن منافقوں اور اصحاب مائدہ پر ہوگا۔ [خازن وغیرہ]

تنبیہ: ﴿تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا﴾ کے یہ معنی ہیں کہ ہم اور ہمارے بعد آنے والے اس روز خوشی منائیں، اس کی تعظیم و تکریم کریں، نماز پڑھیں۔ وہ خوان ہفتہ کے دن ان پر اترا تھا اسی لیے نصاریٰ ہفتہ کے دن کو معظم سمجھتے ہیں۔ [خازن]

(آیت ۱۱۶ تا ۱۲۰) (۱۳) آیات گزشتہ میں وہ احسانات ذکر کیے گئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیے تھے جن سے صاف ظاہر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہ تھے اور نہ خدا کے بیٹے تھے بلکہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ ان آیات میں وہ سوال و

جواب ذکر کیے گئے ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالی اور عیسی علیہ السلام کے درمیان ہوں گے ان سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بندہ ورسول خدا ہونا ثابت ہے اور نصاریٰ کا اس میں صریح رد ہے اور یہ سوال و جواب تمام خلق کے سامنے نصاریٰ کو رسوا اور ملامت کرنے کے لیے کیے جائیں گے۔ مطلب اس کا ترجمہ سے ظاہر ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ حضور نے قول ابراہیم علیہ السلام رب انهن اضللن اور قول عیسیٰ علیہ السلام ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ الخ [المائدة:۱۱۸] پڑھا اور پھر رو کر عرض کی "اللهم امتی امتی" پس اللہ تعالی نے حضرت جبریل کو بھیج کر رونے کا سبب پچھوایا جبریل نے آ کر پوچھا اور جا کر عرض کیا تو اللہ تعالی نے فرمایا: جا کر محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے کہدے ﴿انا سنرضيك فی أمتك ولا نسوك﴾ ہم تمہیں تمہاری امت کے معاملہ میں راضی و خوش کر دیں گے ناراض و ناخوش نہیں کریں گے۔ نسائی کی حدیث میں ہے کہ حضور اس آیت کو رات بھر کھڑے پڑھتے رہے۔ ابن ابی حاتم وبغوی نے بھی ایسے ہی روایت کی ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ١٦٥ رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحمت والا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ

سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں

الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ

اور روشنی پیدا کی اس پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ وہی ہے

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى

جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد کا حکم رکھا اور ایک مقرر وعدہ اس کے یہاں ہے

عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ

پھر تم لوگ شک کرتے ہو۔ اور وہی اللہ ہے آسمانوں کا اور زمین کا

یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ

اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے۔ ف۱۴ اور ان کے پاس

(آیت ۱تا۳) (۱۴) پوری سورت رات میں مکہ میں نازل ہوئی سوائے چھ آیات کے وہ مدنی ہیں تین آیت ﴿وما قدروا اللہ﴾ سے آخر تک اور تین آیت ﴿قل تعالوا﴾ سے آخر تک اور حضور نے اسے رات ہی میں لکھوایا اور اس کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے اس کے آس پاس تسبیح پڑھتے تھے۔ [رواہ طبرانی کذا روی، عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہما] حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور نے تسبیح کہی اور فرمایا اس کے ساتھ اس کثرت سے فرشتے آئے کہ آسمان ڈھک گیا۔ [رواہ الحاکم وغیرہ] اور بیہقی نے انس ابن مالک سے اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ اس سورت کے ساتھ ایک گروہ ملائکہ کا آیا تھا جس سے مشرق و مغرب بھر گیا تھا اور ان کی تسبیح کی آواز سے زمین گونج گئی تھی اور حضور سبحان اللہ العظیم کہتے ہوئے سجدہ میں گئے۔ ایک روایت میں ہے جو سورہ انعام پڑھتا ہے، اس کے لیے ستر ہزار فرشتے جو اس کے ساتھ آئے تھے اس رات و دن استغفار کرتے ہیں [رواہ لبغوی خازن وغیرہ] قرطبی کہتے ہیں کہ مشرکوں کو قائل کرنے اور اہل بدعت کا رد کرنے اور منکرین حشر و نشر کے سامنے استدلال پیش کرنے لیے یہ سورت اصل ہے۔ متکلمین نے اسی پر اصول دین قائم کیا ہے اور عقائد اسلامیہ کا اس سے استخراج کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سورت دو خصوصیتوں کے ساتھ مخصوص ہے ایک تو یہ کہ ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے، دوسری یہ کہ وہ ایک دم نازل ہوئی۔ اس آیت میں اکثر غیر مسلم فرقوں کا رد ہے۔ مطلب اس کا ترجمہ سے ظاہر ہے۔ کعب احبار فرماتے ہیں: کہ یہ آیت اول و آخر آیت توراۃ ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اسے حمد سے شروع فرمایا او، حمد ہی پر ختم فرمایا ہے اس سے بندوں کی تعلیم مقصود ہے کہ وہ یوں کہا کریں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. اور ظلمات سے رات اور نور سے دن مراد ہے [سدی] اور کہا گیا ہے کہ ظلمات سے جہل اور نور سے علم یا کفر و ایمان یا جنت و نار مراد ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے آسمان کو زمین سے پہلے اور ظلمت کو نور سے پہلے اور جنت کو نار سے پہلے پیدا فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے خلق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور کی روشنی ڈالی پس جس نے یہ

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا

کوئی بھی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بے شک انہوں نے

بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا تو اب انہیں خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی جس پر

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ

ہنس رہے تھے۔ کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی

قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا

سنگتیں کھپادیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور

السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ

ان پر موسلا دھار پانی بھیجا اور ان کے نیچے نہریں بہائیں

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

تو انہیں ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت اٹھائی۔ ف۱۵

نور پایا اس نے ہدایت پائی اور جس نے نہ پایا گمراہ ہوا۔ [معالم] اور خلقکم میں اولاد آدم سے خطاب ہے کہ ان کے باپ آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے اور وہ ان کی نسل ہیں تو وہ بھی مٹی سے پیدا ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مٹھی خاک سے جو تمام زمین سے لی گئی تھی، پیدا فرمایا پس ان کی اولاد موافق زمین کے سرخ وسیاہ وسفید اور نرم وسخت اور پاک ونجس ہوئی۔ [رواہ الترمذی وابوداؤد] اور ''اجل'' سے وقت مقررہ پیدا ہونے اور مرنے اور قیامت قائم ہونے کا مراد ہے۔ علی اختلاف الاقاویل [خازن]

(آیت ۴ تا ۶) (۱۵) یہ آیت اگرچہ اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم اس کا عام ہے ہر سرکش ومعاند اور جاہل کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کے پاس جو قرآن کی آیات اور قدرت الٰہی کی نشانیاں آئیں تو ان میں انھوں نے غور نہیں کیا اور ان سے اعراض کرتے ہیں پس جب ان کے پاس حق آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلایا تو اب انھیں خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی جس پر وہ ہنس رہے تھے اور جس کی تکذیب کررہے تھے یعنی اس کی سزا ان پر ظاہر ہوا چاہتی ہے جس پر وہ ہنس رہے تھے کیا انھوں نے اپنے سفروں میں نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپادیں یعنی کتنی امتیں ہلاک کردیں جنھیں ہم نے زمین میں وہ عروج دیا تھا جو تمھیں نہ دیا اور ہم نے ان پر موسلا دھار یعنی پے در پے پانی برسایا اور ان کے نیچے ندیاں بہائیں یعنی ہر قسم کی انھیں قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں پھر انھیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا۔ اور ان کے بعد دوسری امت پیدا کی۔

تنبیہ: ''قرن'' اصل میں زمانہ کو کہتے ہیں اس کی مدت میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ سو برس کا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انس بن مالک یا عبداللہ ابن بشر سے فرمایا تو ایک قرن یعنی سو برس زندہ رہے گا پس وہ سو برس زندہ رہے۔ اور مراد اس سے اہل زمانہ ہیں یعنی اس زمانہ کی امتیں قومیں جیسا کہ حدیث ''خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِىْ'' کا مفہوم ہے۔ تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی بہت سی امتیں، قومیں ہلاک وبرباد کردیں جن کا نشان بھی نہ رہا جیسے قوم نوح، قوم لوط، قوم عاد وثمود وغیرہ۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا

جب بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو۔ اور بولے

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ

ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر

لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ

انھیں مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہہ رکھتے

مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

جس میں اب پڑے ہیں۔ ف۱۶ اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹا کیا گیا تو وہ

(آیت ۷ تا ۹) (۱۶) شان نزول:- چوں کہ کفار مکہ محسوس پرست تھے جو چیز آنکھوں کے سامنے نہ ہوتی اسے تسلیم نہ کرتے اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت میں انھیں شبہہ تھا کہ اگر وہ سچے نبی ہوتے تو ان پر ایک بار لکھی لکھائی کتاب ظاہر ظہور فرشتے لے کر آتے یہ تھوڑی تھوڑی خفیہ طور سے آنا اور فرشتے کا سامنے نہ آنا قابل یقین نہیں ہے۔ چنانچہ نضر ابن حارث اور عبداللہ ابن امیہ اور نوفل ابن خویلد نے صاف طور سے حضور سے کہا کہ ہم آپ کی نبوت کی اس وقت تصدیق کریں گے جب آپ خدا کی طرف سے مکمل لکھی ہوئی کتاب لے کر آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس کی تصدیق کریں اور آپ کی نبوت کی شہادت دیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور انھیں جواب دیا گیا [سراج وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے نبی! اگر ہم ان کی خواہش کے موافق کاغذ پر لکھا ہوا اتارتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھوتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے اور تعنت وعناد کی وجہ سے اسے کھلا جادو بتاتے جیسا کہ شق القمر میں انھوں نے کہا۔ اور کہا انھوں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا کہ ان کی تصدیق کرتا اور ہم یقین کرتے۔ اس کے جواب میں فرمایا: اور اگر ہم ان کی خواہش کے موافق فرشتہ اتارتے اور وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو ان کا کام تمام ہو گیا ہوتا ہلاک کر دیے گئے ہوتے پھر انھیں معذرت اور توبہ کرنے کی مہلت نہ ملتی جیسا کہ اگلی امتوں کو ان کا سوال پورا کرنے اور ایمان نہ لانے کے بعد مہلت نہ دی گئی فوراً ہلاک کر دیے گئے یا یہ کہ فرشتہ آتا تو فرشتے کی صورت دیکھتے ہی ہلاک ہو جاتے مہلت نہ پاتے کہ ان میں فرشتے کو دیکھنے کی تاب نہ ہوتی۔ اور جو ہم فرشتہ کو رسول بناتے جب بھی ہم اسے مرد ہی کی صورت بناتے تا کہ وہ اس کے دیکھنے پر قادر ہوتے۔ جیسا کہ حضرت جبرئیل حضور کی خدمت میں بصورت دحیہ کلبی آئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے اور حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کے پاس فرشتے آدمی کی صورت میں آئے اور حضور جبرئیل کی اصلی صورت دیکھ کر چیخ کر بے ہوش ہو گئے تب بھی وہ اس پر وہی شبہہ کرتے جو اب کر رہے ہیں اور کہتے کہ یہ ہماری طرح بشر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر فرشتہ بصورت اصلی آتا تو وہ اس کے دیکھنے کی تاب نہ لاتے فوراً مر جاتے تو اس کے بھیجنے کا کچھ فائدہ نہ ہوتا تکمیل اغراض نہ ہوتی اور جو بشکل بشر آتا تو بھی اس پر یہی شبہہ کرتے اور اسے اپنے مثل بشر سمجھتے اور حسد وعناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سِيْرُوْا

جو اُن سے ہنستے تھے ان کی ہنسی انہیں کو لے بیٹھی تم فرمادو

فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ

زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ تم فرماؤ

لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قُلْ لِّلّٰهِ ۗ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ

کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟ تم فرماؤ اللہ کا ہے، اس نے اپنے کرم کے ذمے پر

الرَّحْمَةَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ اَلَّذِيْنَ

رحمت لکھ لی ہے بے شک ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کچھ شک نہیں، وہ

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ

جنھوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی ایمان نہیں لاتے۔ اور اسی کا ہے جو کچھ بستا ہے رات اور دن میں

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

اور وہی ہے سنتا جانتا۔ وقف لازم تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں؟ وہ اللہ جس نے

(آیت ۱۰ تا ۱۳)(۱۷) ان آیات میں حضور کو تسلی دی جارہی ہے اور صبر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور کفار کو مرعوب کرنے کے لیے فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! تم کفار کے ہنسی مذاق اڑانے پر صبر کرو بددل نہ ہو کہ تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹا کیا گیا تھا، ہنسی مذاق اڑایا گیا تھا تو ان سے ہنسی مذاق کرنے والوں کی ہنسی مذاق کرنے کا وبال انھیں پر پڑا کہ ہلاک کیے گئے۔ ایسے ہی تمہاری ہنسی مذاق کرنے والوں کا وبال انھیں پر پڑے گا کہ ہلاک کیے جائیں گے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا تم ان سے فرمادو کہ اے کافرو! تم ذرا زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں اور ہنسی اڑانے والوں کا کیا انجام ہوا عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے ان کی بستیاں ویران ہوئیں پس عبرت پکڑو۔ باقی ترجمہ پڑھیے

تنبیہ: آیت میں "کتب" بمعنی "فرض" نہیں ہے کہ اللہ تعالی پر کوئی چیز فرض نہیں ہے بلکہ بمعنی "قضی" ہے، یعنی اللہ تعالی نے بطور فضل واحسان کے اپنی ذات پر رحمت مقدر ومقرر کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب اللہ نے خلق کو پیدا کیا تو ایک کتاب لکھی اور اسے عرش پر اپنے پاس رکھا اس میں ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ [بخاری ومسلم] دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ نے جس وقت آسمان وزمین پیدا کیے تو سو رحمتیں پیدا فرمائیں ان میں سے ایک حصہ دنیا والوں کو ملا جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصہ آخرت کے لیے رکھیں ہیں جن سے قیامت کے دن بندوں پر رحم فرمائے گا۔ [بغوی ومسلم] ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت حضور کے سامنے آئی جو اپنے بچے کو تلاش کرتی تھی جب وہ ملا تو اس نے اسے اپنی چھاتی سے چپٹا لیا اور اسے دودھ پلایا، پس حضور نے صحابہ سے فرمایا کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈالے گی؟ عرض کی نہیں۔ تو فرمایا: اللہ اپنے بندوں پر اس عورت سے زیادہ رحم کرنے والا ہے یعنی وہ انھیں کیسے آگ میں ڈالے گا۔ [بخاری ومسلم] اسی لیے اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس نے کافروں نافرمانوں کو ڈھیل دے رکھی ہے کہ ان پر عذاب نازل نہیں کرتا ہے سزا نہیں دیتا ہے اور توبہ قبول فرماتا ہے تاکہ اس کی رحمت کی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ

آسمان و زمین پیدا کیے اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے

اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

کہ سب سے پہلے گردن رکھوں اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ

تم فرماؤ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اس

يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ

دن جس سے عذاب پھیر دیا جائے ضرور اس پر اللہ کی مہر ہوئی اور یہی کھلی کامیابی ہے۔ [اور] اگر

يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

تجھے اللہ کوئی برائی پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے۔

فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ

تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ

اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔ ۱۸ تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی؟ تم فرماؤ

طرف متوجہ ہوں۔ اور اس آیت سے ثابت ہے کہ آدمی جب سیاحت کرے تو غافلوں کی طرح نہ کرے بلکہ اگلے لوگوں کے آثار دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرے اور ان میں غور وفکر کرے۔

(آیت ۱۴ تا ۱۸) (۱۸) شان نزول:۔ مقاتل کہتے ہیں جب کفار قریش نے حضور سے کہا کہ تم اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آؤ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [خازن وسراج] اور حضور کو حکم فرمایا گیا کہ تم ان سے کہہ دو کہ کیا میں اس اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں جس نے زمین وآسمان پیدا کیے اور وہ مخلوق کو کھلاتا ہے اور خود کھانے سے پاک ہے۔ باقی ترجمہ پڑھیے

تنبیہ: آیت میں خطابات حضور کو اس لیے کیے گئے ہیں کہ ان سے امت حضور مستفید ہو اور ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الانعام:۱۴] طمع مشرکین قطع کرنے کے لیے کہا گیا ہے جیسا کہ انھوں نے حضور سے دین آبائی کی طرف پھر آنے کی تمنا کی تھی۔ اور ولی سے مراد معبود ہے یعنی میں اللہ کے سوا غیر کو معبود نہیں بناؤں گا۔ [بیضاوی] اور ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ الخ [الانعام:۱۷] کے معنی یہ ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا جو مقدر ہو چکا ہے وہی ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: اے لڑکے! تو جب جو کچھ مانگ اللہ ہی سے مانگ اور اللہ ہی سے مدد چاہ اور جان لے کہ اگر تمام دنیا جمع ہو کر نفع پہنچانا یا نقصان دینا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ نے تیری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ [ترمذی] اور یہ خطاب اگرچہ حضور کو ہے لیکن عام ہے ہر شخص کو شامل ہے۔

اللّٰهُ ۚ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

کہ میں اس سے تمھیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ

اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

اور خدا ہیں؟ تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور [بے شک میں] بیزار ہوں ان سے جن کو

تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ

تم شریک ٹھہراتے ہو۔ جن کو ہم نے کتاب دی اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

ع ۲ ۸

جنھوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لاتے۔ ف۱۹ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون

(آیت ۱۹،۲۰)(۱۹) شان نزول:۔ایک بار قریش مکہ نے حضور سے کہا کہ تم نبی ہونے کا تو دعوی کرتے ہو مگر اس کی کوئی شہادت نہیں رکھتے ہو ہم نے اہل کتاب سے بھی تمہاری بابت دریافت کیا انھوں نے بھی انکار کیا اب تم اس پر کوئی شہادت لاؤ۔[جلال و معالم] علاوہ اس کے حاتم ابن زید وغیرہ۔نے بھی حضور سے پوچھا تھا کہ کیا تمہارے نزدیک بجز خدا کے کوئی معبود نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں سوا خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور میں یہی پیغام لے کر آیا ہوں اور اسی کی تبلیغ کرتا ہوں اسی کی بابت یہ آیات آخر رکوع تک نازل ہوئیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان سے فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے اللہ کی ہے وہ میرے،اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن اس لیے وحی کیا گیا ہے، اتارا گیا ہے کہ میں بذریعہ اس کے تمھیں عذاب الٰہی سے ڈراؤں اور جن وانس میں سے جسے یہ قرآن پہنچے اسے عذاب الٰہی سے ڈراؤں تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم ان سے فرماؤ کہ میں تو یہ گواہی نہیں دیتا ہوں وہ ایک ہی خدا ہے اور میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ پھر اہل مکہ کے قول کی تکذیب وتردید کی جاتی ہے کہ اہل کتاب اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ توریت وانجیل میں ان کی نعت مرقوم ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن سلام مدینہ آئے اور ایمان لائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے انھیں یہ آیت پڑھ کر سنائی اور معرفت کی بابت پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اے عمر! میں نے حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ بیٹے سے زیادہ انھیں پہچانتا ہوں کہ بیٹے میں شبہہ خیانت زوجہ ہوتا ہے اور حضور میں وہ بھی نہیں۔[سراج وغیرہ] اور مراد اس سے علمائے یہود ونصاری ہیں اور اللہ کی شہادت یہ ہے کہ اس نے اپنے نبی کی تصدیق آیات ومعجزات سے فرمائی اور شہادت جیسے بقول ہوتی ہے ایسے ہی بفعل ہوتی ہے بلکہ بعض شہادت فعلی شہادت قولی سے اقوی ہے۔اور اس سے یہ ثابت ہے کہ شیٔ کا اطلاق اللہ تعالی پر روا ہے کہ شیٔ موجود کو کہتے ہیں نہ معدوم کو اور اللہ موجود ہے پس شیٔ ہوا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ شیٔ ہے نہ اور اشیا کی طرح۔[مدارک] اور ومن بلغ میں دلالت ہے اس پر کہ حضور کی بعثت عام ہے عرب ہی پر منحصر نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ہے بعثت الی کل احمر و اسود میں ہر سرخ وسیاہ یعنی عرب وعجم کی طرف بھیجا گیا ہوں اور اس میں دلیل ہے کہ احکام قرآن موجوین وقت نزول وغیر موجودین کو عام ہیں۔ مجاہد کہتے لا نذر کم سے مراد اہل عرب ہیں اور ومن بلغ سے اہل عجم ہیں۔ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور نے سب شام وروم وفارس

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے، بے شک ظالم فلاح نہ پائیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ

اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے، کہاں ہیں تمہارے وہ شریک

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا

جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ بولے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ

ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

اور گم گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے۔ ف اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ

وجبش وغیرہ کو خط لکھے اور انھیں اللہ کے دین کی طرف بلایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کو قرآن پہنچا گویا اسے حضور نے بالمشافہ انذار کیا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے جس کو قرآن پہنچا گویا اس کو حضور نے ابلاغ کیا بعض احادیث میں ہے کہ میری طرف سے تبلیغ کرو اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تروتازہ ہے وہ شخص جس نے مجھ سے کوئی بات سنی پھر اسے ویسے ہی لوگوں کو پہنچایا۔ [ترمذی ومواہب وغیرہ]

(آیت ۲۱ تا ۲۴) (۲۰) یہ پہلی آیت کا تکملہ ہے اس میں کفار کو ظالم کہا گیا ہے اور ظالم کو دو قسم کا فرمایا گیا ہے۔ ایک تو وہ جو اللہ پر افترا کرتے ہیں اپنی خواستہ اور ایجاد کی ہوئی باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور عزیر وعیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں، اور بحیرہ وسائبہ وصیلہ کو خدا کا حرام کیا ہوا کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو احکام الٰہی کی تکذیب اور حق کا انکار کرتے ہیں یہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاسکتے ہیں، اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ذکر فرمائیے جس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے بطور ملامت کہیں گے، کہاں ہیں تمہارے وہ شریک یعنی جھوٹے معبود جن کو تم شریک خدا بتاتے تھے اب وہ آکر تمہاری شفاعت کریں۔ تب وہ کوئی بات نہ بنا سکیں گے سوائے اس کے کہ کہیں گے ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہ تھے۔ دیکھو اے نبی! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور گم گئیں ان سے وہ باتیں جو بناتے تھے کہ ہمارے بت ہماری شفاعت ومدد کریں گے۔ مجاہد فرماتے ہیں: کہ جب اللہ خلق کو جمع فرمائے گا اور مشرک مسلمانوں پر رحمت الٰہی دیکھیں گے تو آپس میں کہیں گے آؤ شرک سے انکار کریں شاید موحدوں کے ساتھ ہماری بھی نجات ہو جائے۔ پس جس وقت اللہ ان سے پوچھے گا ﴿اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ﴾ الخ تو وہ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا﴾ الخ پس ان کے منہ پر مہر کردی جائے گی اور ان کے اعضاء جوارح ان پر شہادت دیں گے۔ [مدارک] یوں ہی ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ان سے آکر ایک شخص نے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے ایسا ہی جواب دیا۔ [مواہب]

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ

اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ

تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں اور وہ

يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

اس سے روکتے اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ

شعور نہیں۔ ف۲۱ اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں

وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ

اور اپنے رب کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور مسلمان ہو جائیں۔ بلکہ ان پر کھل گیا

مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا

جو پہلے چھپاتے تھے اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے

(آیت ۲۶/۲۵)(۲۱) شان نزول:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار ابو جہل و ابو سفیان و عتبہ و شیبہ وغیرہ سرغنۂ کفار کہیں جمع ہو کر جا رہے تھے راہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کی آواز ان کے کان میں آئی تو کچھ دیر کھڑے ہو کر سنتے رہے، بعد کو نضر ابن حارث سے کسی نے پوچھا کیوں جی کچھ سمجھ میں آتا ہے جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھ رہے ہیں؟ نضر منہ بگاڑ کر بولا لب تو ہلتے نظر آ رہے ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بول رہے ہیں اور ہوگا بھی کیا پچھلوں کی کہانیاں ہوں گی جو میں تمہیں سنایا کرتا ہوں۔ کہ نضر عرب کا داستان گو تھا۔ تو ابو سفیان بولا بعض باتیں اس کی حق ہیں تو ابو جہل نے کہا ہرگز ایسا نہ کہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [مدارک ومعالم] مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے یعنی سنتا ہے جب کہ تم قرآن پڑھتے ہو اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیا ہے کہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ ہے گرانی و بہرا پن جو انھیں حق بات سننے اور قبول کرنے سے منع کرتا اور روکتا ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھیں گے تب بھی وہ ان پر عناداً ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ تمہارے حضور آتے ہیں تو تم سے جھگڑتے ہیں اور عناداً کہتے ہیں: کہ نہیں ہے یہ قرآن مگر اگلوں کی داستانیں اور وہ لوگوں کو اس کے ماننے سے منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور وہ ایسا کرنے سے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں انھیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اور انھیں سے دوسری روایت میں ہے کہ آیت ﴿يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ﴾ [الانعام:۲۶] ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ لوگوں کو حضور کی ایذا رسانی سے منع کرتے تھے اور خود عار کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ جب حضور نے ان سے ایمان لانے کو کہا تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا یعنی ایمان لے آتا۔ مگر روایت اول اولیٰ و اصح ہے۔ محمد ابن حنفیہ اور سدی و ضحاک کا یہی قول ہے کہ وہ کفار مکہ کے حق میں اتری ہے۔ اور مجاہد و قتادہ بھی یہی کہتے ہیں اور ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ [معالم وغیرہ]

عنه وانهم لكذبون ﴿٢٨﴾ وقالوا ان هى الا حياتنا الدنيا وما

ع کیے گئے تھے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ اور بولے وہ تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اور

نحن بمبعوثين ﴿٢٩﴾ ولو ترى اذ وقفوا على ربهم قال

یں اٹھنا نہیں اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے فرمائے گا

اليس هذا بالحق قالوا بلى وربنا قال فذوقوا العذاب

یا [یہ] حق نہیں؟ کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب کی قسم، فرمائے گا تو اب عذاب چکھو

بما كنتم تكفرون ﴿٣٠﴾ قد خسر الذين كذبوا بلقاء الله حتى

بدلا اپنے کفر کا۔ بے شک ہار میں رہے وہ جنھوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ

اذا جاءتهم الساعة بغتة قالوا يحسرتنا على ما فرطنا

جب ان پر قیامت اچانک آگئی بولے ہائے افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں

فيها وهم يحملون اوزارهم على ظهورهم الا ساء ما يزرون ﴿٣١﴾

تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں ارے ۲۲ کتنا برا بوجھ اٹھائے ہیں

وما الحيوة الدنيا الا لعب ولهو وللدار الاخرة خير للذين

اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بے شک پچھلا گھر بھلا ان کے لیے جو

يتقون افلا تعقلون ﴿٣٢﴾ قد نعلم انه ليحزنك الذى

ڈرتے ہیں تو کیا تمھیں سمجھ نہیں۔ ف۲۲ ہمیں معلوم ہے کہ تمھیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ

(آیت ۲۷ تا ۳۲)(۲۲) اس آیت میں عذاب الٰہی کی ہیبت، جہنم کی حالت، کفار کی حسرت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مطلب ترجمہ سے ظاہر ہے کہ جب کفار آگ پر ٹھہرائے جائیں گے تو ایسا کہیں گے۔ الخ اور خطاب حضور سے ہے اور ﴿وقالوا ان هى﴾ الخ منکرین حشر و نشر کا مقولہ ہے۔ یا یہ کہ اس کا عطف عادوا پر ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ اگر وہ دنیا میں واپس کیے جاتے تو پھر شرک کرتے اور حشر و نشر کا انکار کرتے۔ [مدارک و ابن کثیر] اور ﴿وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ﴾ [الانعام:۳۱] کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی قبروں سے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے اٹھیں گے اس طرح کہ ان کے گناہ قبیح و بدبودار صورت میں ان کے سامنے آئیں گے اور ان پر سوار ہوں گے اور وہ انھیں لادے ہوئے آئیں گے۔ [رواہ ابن ابی حاتم عن السدی] اور ﴿یا حسرتنا﴾ کے یہ معنی ہیں کہ وہ دوزخ میں اپنے ٹھکانے دیکھ کر غمگین ہوں گے۔ جیسا کہ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے مرفوعا روایت کی ہے۔ [مواہب] اور حیات دنیا سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے نزدیک حیات مشرکین ہے نہ حیات مومنین کہ حیات دنیا کفار پر وبال ہوگی اور حیات مومنین سبب حصول سعادت ہوگی اور یہ جواب ہے ان کے قول ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ [الانعام:۲۹] کا۔

يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

کہہ رہے ہیں تو وہ تمھیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے

يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

انکار کرتے ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے صبر کیا اس

كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ

جھٹلانے اور ایذائیں پانے پر یہاں تک کہ انھیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور

جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ

تمھارے پاس رسولوں کی خبریں آ ہی چکی ہیں اور اگر ان کا منھ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ

تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ

فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ

پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے! تو ہرگز

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ

نادان نہ بن۔ مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا

اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے ف٢٣ اور بولے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری ان کے رب کی طرف سے

(آیت ٣٣ تا ٣٦) (٢٣) شان نزول: ایک بار ابوجہل نے حضور کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے محمد! صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہم نے کبھی تم سے کوئی بات جھوٹی نہ سنی اس لیے ہم تمہیں جھوٹا نہیں کہتے ہیں بلکہ تم جو دین و کتاب لائے ہو اسے جھوٹا سمجھتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] اور حضور کو تسلی دی گئی اور صبر کی ہدایت کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تمہیں کفار کا جھٹلانا غم میں ڈالتا ہے تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ اللہ کی اور اس کی آیات کا انکار کرتے ہیں کہ خدا کے رسولوں کی تکذیب خدا کی تکذیب ہے۔ اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے ہیں جیسے کہ تم جھٹلائے گئے۔ پس انھوں نے کفار کے جھٹلانے اور ایذا دینے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آئی اور ان کی قوم ہلاک کی گئی۔ پس تم بھی ان کی تکذیب کرنے اور ایذا دینے پر صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تمہاری مدد کرے۔ کما قال تعالی: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ [غافر:٥١] اور اللہ کی باتیں کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آ ہی چکی ہیں جو تمہاری تسکین کے لیے کافی ہیں باوجود اس کے اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر گراں ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ کوئی حکم کرے۔ اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر اکھٹا کر دیتا۔ پس تم نادان نہ بنو تمہارا ان کے ایمان لانے پر حریص ہونا اور ان کے ایمان لانے کی طمع میں معجزہ چاہنا کوئی نفع

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے لیکن ان میں بہت نرے جاہل

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

ہیں اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں اڑتا ہے

اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

مگر تم جیسی امتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف

يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ

اٹھائے جائیں گے ف۲۴ اور جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾

اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے رستے ڈال دے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی

نہ دے گا کہ تمہارے بلانے کو تو وہی قبول کریں گے جو سمجھتے اور سنتے ہیں یعنی مومن نہ یہ مردہ دل جن کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے ان مُردوں کو تو اللہ ہی قیامت کے دن اٹھائے گا پھر وہ اس کی طرف ہانکے جائیں گے اور اپنے اعمال کی جزا پائیں گے۔

تنبیہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ابو جہل نے حضور سے کہا: کہ ہم تجھے نہیں جھٹلاتے ہیں لیکن جو تو لایا ہے اسے جھٹلاتے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [حاکم] ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ ایک بار ابو جہل نے حضور سے مل کر مصافحہ کیا جب لوٹا تو اس سے کسی کافر نے پوچھا کہ آج تم نے اس بے دین سے مصافحہ کیوں کیا؟ تو ابو جہل نے کہا کہ واللہ میں جانتا ہوں کہ وہ نبی ہے مگر ہم لوگ عبد مناف والوں کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں۔ زہری وغیرہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو طویل ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ابو جہل وغیرہ سردار ان قریش حضور کو جھوٹا نہیں جانتے تھے محض خاندانی عناد اور حسد کی وجہ سے قرآن و رسالت کے منکر تھے۔

(۲۴) (آیت ۳۷/۳۸) یہ آیات سابقہ کے مضمون کا تکملہ ہے مطلب یہ ہے کہ اور کفار نے کہا کہ ان پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری جس سے ان کی تصدیق ہوتی مثل ناقہ، عصا اور مائدہ کے۔ اے نبی! تم ان سے فرماؤ کہ اللہ ایسی نشانی اتارنے پر بھی قادر ہے مگر ان میں کے بہت سے لوگ جاہل ہیں انھیں اس کی حکمت معلوم نہیں ہے کہ اس طرح معجزہ ظاہر کرنے سے ایمان بالغیب نہیں رہتا ہے اور پھر ان پر ایمان نہ لانا ان کا انکار کرنا باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ اور نہیں ہے کوئی زمین پر چلنے والا اور اپنے پروں سے اڑنے والا مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں اور خدا کی نشانی ہیں ان میں غور و فکر کرنا ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔ ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہیں رکھا ہے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے ان سے حساب لیا جائے گا یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والے جانور نے بے سینگ والے جانور کو مارا ہو گا تو ان کے درمیان بھی فیصلہ کیا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کونوا ترابا تم سب مر کر مٹی ہو جاؤ۔

تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا

اور کو پکارو گے؟ اگر سچے ہو بلکہ اسی کو پکاروگے تو وہ اگر چاہے جس پر

تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى

اسے پکارتے ہو اسے اٹھالے اور شریکوں کو بھول جاؤ گے ف۲۵ اور بے شک ہم نے

اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ

گڑگڑائیں تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑائے ہوتے لیکن

قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا

ان کے تو دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے۔ پھر جب انہوں نے بھلا دیا

ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ

جو نصیحتیں ان کو کی گئیں تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر

اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

جو انھیں ملا تو ہم نے اچانک انھیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔ تو جڑ کاٹ دی گئی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ

ظالموں کی اور سب خوبیوں سراہا اللہ رب سارے جہاں کا ف۲۶ تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ

ع ۴/۱۰

(آیت ۳۹ تا ۴۱) (۲۵) یہ آیت بھی مضمون سابق کا تکملہ ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب کہ کفار نے حضور سے کہا کہ تمہاری سچائی پر خدا کی طرف سے کوئی آیت و معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا مثل ناقۂ صالح اور عصائے موسیٰ اور مائدۂ عیسیٰ علیہم السلام کے، اور کہتے تھے: ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا﴾ الخ [الاسریٰ: ۹۰] ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہائے گا۔ مطلب یہ ہے: جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں حق بات سننے سے، اور گونگے ہیں حق بات کہنے سے، کفر کی اندھیریوں میں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے جسے چاہے سیدھی راہ چلائے۔ اے نبی تم اہل مکہ سے فرماؤ کہ بتاؤ تو اگر اللہ کا عذاب دنیا میں تم پر آئے یا یکایک قیامت آجائے جو عذاب پر شامل ہے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کے لیے پکارو گے اگر تم قول میں سچے ہو (نہیں) بلکہ اللہ کو پکارو گے پس وہ اگر سختی کو دور کرنا چاہے گا تو دور کر دے گا۔ اور دوسرے شریکوں کو اس وقت بھول جاؤ گے نہ پکارو گے۔

(آیت ۴۲ تا ۴۵) (۲۶) یہ بھی مضمون سابق کا تکملہ ہے یعنی ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انھوں نے انھیں جھٹلایا تو ہم نے انھیں وبا و قحط وغیرہ کی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ کہیں وہ عاجز ہو کر گڑگڑائیں توبہ کریں ایمان لائیں۔ پس وہ ہمارا عذاب

اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾
تمہیں یہ چیزیں لادے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منھ پھیر لیتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ
تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا

اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ
سوا ظالموں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾
تو جو ایمان لائے اور سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ نہ کچھ غم

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾
اور جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں انھیں عذاب پہنچے گا بدلا ان کی بے حکمی کا۔ ف ۲۷

آنے پر کیوں نہ گڑگڑائے کہ اس سے محفوظ رہتے لیکن ان کے دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں ان کے کام بھلے کر دکھائے پھر جو نصیحتیں انھیں کی گئی تھیں انھیں بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے غافل کرنے کے لیے کھول دیے یہاں تک کہ وہ جب خوش ہوگئے اور اترا گئے تو ہم نے انھیں یکا یک پکڑ لیا تو وہ بے آس ہو کر رہ گئے تو ان کی جڑ کاٹ دی گئی یعنی سب ہلاک کر دیے گئے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ حدیث میں ہے کہ جب تو دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو باوجود گناہ کرنے کے دنیا کی چیزیں حسب خواہش اس کے دیتا ہے تو وہ استدراج ہے اور یہ آیت پڑھی [رواہ احمد] یعنی بتدریج اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔
زہری نے ﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [الانعام:۴۴] کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ ہم نے دنیا کی ہر چیز انھیں آسانی سے دے دی۔
تنبیہ: آخر میں ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ رسولوں اور مومنین کو تعلیم دینے کے لیے فرمایا گیا کہ جب انھیں ظالموں کافروں کے شر سے محفوظ کر دیا جائے اور ان پر سے مصیبت و بلا دور کر دی جائے تو وہ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ کہیں خدا کا شکر کریں کہ شر اعدا سے محفوظ رکھنا اور بلا و مصیبت کو دفع کرنا بھی خدا کی نعمت ہے۔
(آیت ۴۶ تا ۴۹) (۲۷): ان آیات میں توحید و الوہیت کے دلائل بیان فرمائے گئے ہیں مطلب ترجمہ سے ظاہر ہے۔
تنبیہ: ﴿انظر﴾ کے مخاطب اگر چہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں لیکن ہر دیکھنے والا اس میں داخل ہے کہ وہ دلائل وحدانیت والوہیت میں جو طرح طرح سے بیان کیے گئے ہیں غور کر کے اللہ کی وحدانیت والوہیت کا اقرار کرے اور ایمان لائے مگر وہ اس سے اعراض کرتے تھے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب الٰہی سے ظالم لوگ ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ مگر بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدوں کے ساتھ نیک بھی ہلاک ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکوں کے لیے وہ وقت فتنہ کا ہوتا ہے اور وہ ہلا کی ان کے لیے رحمت ہوتی ہے اور بدوں کے لیے عذاب۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ

تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ

لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِی

تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ

اندھے اور انکھیارے تو کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنھیں خوف ہو کہ

يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ

اپنے رب کی طرف یوں اٹھائے جائیں کہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہو نہ کوئی سفارشی اس امید پر کہ

يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ

وہ پرہیزگار ہوجائیں۔ ف۲۸ اور دور نہ کرو انھیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ

اس کی رضا چاہتے ہیں تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور

حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ

ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔ اور یوں ہی

(آیت ۵۰/۵۱)(۲۸) شان نزول: جب مشرکین قریش نے ضد اور مکابرہ کے طور پر ایسے معجزے طلب کرنا شروع کیے جو محض بے فائدہ تھے۔ کسی نے کہا کہ مکہ کو وسیع کر دیجیے، کسی نے کہا کہ کوہ صفا سونے کا کر دیجیے، کسی نے کہا کہ ہمیں اتنی دولت دے دیجیے کہ ہم غنی ہوجائیں۔ تو ان کے رد میں یہ آت نازل ہوئی۔ [سراج وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان سے فرمادو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں کہ ان میں سے تمھیں تمہاری خواہش کے موافق دیدوں، اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جانتا ہوں کہ تمہاری گزشتہ وآئندہ کی خبریں بتاؤں۔ کہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ آپ ہمیں ہمارے نفع ونقصان کی خبروں سے آگاہ کیا کیجیے تا کہ ہم ان کا انتظام کرلیا کریں، اور یہ نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں جو ان کی طرح کام کروں۔ کہ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا، بازار میں پھرتا ہے اور نکاح کرتا ہے۔ میں تو وحی کا تابع ہوں اس کے مطابق کرتا ہوں۔ اے نبی! تم ان سے کہہ دو کیا اندھے اور انکھیارے برابر ہوجائیں گے۔ تم اس میں غور کیوں نہیں کرتے کہ وہ برابر نہیں ہو سکتے ہیں اور اس قرآن سے انھیں ڈراؤ جنھیں خوف ہو کہ وہ اپنے رب کی طرف اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا حمایتی ہوگا نہ سفارشی تا کہ وہ پرہیزگار ہوجائیں۔

تنبیہ: اندھے اور انکھیارے سے مراد عالم وجاہل یا کافر ومومن یا گمراہ وہدایت پائے ہوئے ہیں۔ اور "بغتة" سے یکا یک غفلت میں اور "جهرة" سے اعلانیہ عذاب کا آنا مراد ہے۔ اور ابن عباس اور حسن کے نزدیک رات میں یا دن میں عذاب کا آنا مراد ہے۔ اور نفی شفاعت سے بغیر اذن الٰہی شفیع ہونا مراد ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرة: ۲۵۵] اس پر دلالت کرتا ہے۔ [معراج ومعالم]

فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ

ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لیے فتنہ بنایا کہ مالدار کا فر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو۔ ف۲۹ [اور] جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو

بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ

ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام، تمہارے رب نے اپنے ذمۂ کرم پر رحمت لازم کر لی ہے کہ

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ

تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے

فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ

تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل بیان فرماتے ہیں اور اس لیے کہ مجرموں کا رستہ

(آیت ۵۲/۵۳)(۲۹) شان نزول:۔ کفار مکہ نے جب حضور سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ اپنی مجلس میں بلال وعمار وسالم وغیرہ غربائے مسکین کو نہ آنے دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں اور آپ کی باتیں سنیں ممکن ہے کہ ہم انھیں سن کر ایمان لے آئیں کہ ہمیں ان ذلیلوں کے ساتھ بیٹھتے عار وشرم آتی ہے اور ان کے پسینے کی بدبو ہمارا دماغ خراب کرتی ہے۔ حضور نے ان کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ میں خدا کے مسلمان بندوں کو اپنے پاس آنے سے منع نہیں کر سکتا ہوں تب انھوں نے کہا کہ اچھا ایک دن ہمارے لیے اور ایک دن ان کے لیے مقرر کر دیجیے۔ اس درخواست کو مان لینے کی حضرت عمر نے آرزو کی اور اسے مان لینے کی طرف حضور کا بھی کچھ رجحان ہوا اور حضرت علی کو ساتھ لے کر ایک گوشہ میں جا بیٹھے پس یہ آیت نازل ہوئی تب حضور نے ان کی درخواست رد فرمائی۔ حضرت سلمان وخباب کہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے حق میں یعنی فقرائے مسلمین کے حق میں نازل ہوئی پس اس روز سے حضور ہمارے گھٹنے سے گھٹنہ ملا کر بیٹھا کرتے تھے۔ [سراج وغیرہ] مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کرو جو صبح وشام اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں تم سے ان کے اعمال کا اور ان سے تمہارے اعمال کا کچھ حساب نہ ہوگا۔ باوجود اس کے اگر تم انھیں اپنے سے دور کرو تو یہ انصاف سے بعید ہے، اور یوں ہی ہم نے ان میں سے ایک دوسرے کے لیے فتنہ یعنی آزمائش بنا دیا ہے۔ کہ مال دار کافر غریب مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہی ہیں وہ لوگ جو ہم میں سے جن پر اللہ نے احسان کیا ہے۔ اور اللہ ان کے رد میں فرماتا ہے: کیا اللہ حق ماننے والوں کو نہیں جانتا ہے، ضرور جانتا ہے اور انھیں ہدایت کرتا ہے تم اپنی دولت کے گھمنڈ میں انھیں ذلیل وحقیر سمجھتے ہو اور طعنہ دیتے ہو کہ انھیں کو اللہ نے اپنے احسان کے لیے منتخب کیا ہے کیا ایسے ہی لوگ خدا کے انعام واحسان کے مستحق ہیں۔ معالم میں روایت ہے کہ حضور نے ان کے حق میں فرمایا: کہ اے فقرائے مہاجرین! تمہیں قیامت کے دن نور تام کی خوش خبری ہو تم جنت میں امیروں سے پہلے داخل ہو گے۔ حضرت ابن عباس ومجاہد کہتے ہیں کہ صبح وشام سے نماز فجر وعصر مراد ہے اور انھیں سے دوسری روایت میں ہے کہ اس سے پانچوں وقت کی نماز مراد ہے اور نماز فجر وعصر کو تشریفاً خاص کیا گیا ہے۔ اور ﴿ ما عليك حسابهم ﴾ الخ کے یہ معنی ہیں ان کے اعمال کا تم پر اور تمہارے اعمال کا ان پر بوجھ نہ ہوگا باز پرس نہ ہوگی۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ [الانعام:۱۶۴]

تنبیہ: اس آیت سے عصمت انبیا علیہم السلام پر طعن کرنے والوں کا دلیل پکڑنا غلط ہے کہ حضور نے فقرائے مسلمین کو اپنے پاس

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

ظاہر ہو جائے ف۳۰ تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انھیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو

اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ

تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر

الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ

نہ رہوں۔ تم فرماؤ میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو، میرے پاس نہیں

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

جس کی تم جلدی مچا رہے ہو حکم نہیں مگر اللہ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر

الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ

فیصلہ کرنے والا۔ تم فرماؤ اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں

وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ

تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا اور اللہ خوب جانتا ہے ستمگاروں کو۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انھیں

اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا

وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے

آنے سے روکنے کا ارادہ دینی مصلحت اور کفار کے ایمان لانے کی غرض سے کیا تھا نہ انھیں ذلیل وحقیر سمجھ کر استخفافا کیا تھا۔ گویا حضور نے جانب مصلحت کو ترجیح دے کر اور اولی سمجھ کر ایسا کرنا چاہا تھا جواز قبیل ترک اولی ہے نہ کہ ترک واجبات سے [سراج]

(آیت ۵۵/۵۴)(۳۰) شان نزول:۔ جب کفار مکہ نے بذریعہ ابوطالب حضور سے وہ درخواست کی جو شان نزول آیت اول میں مذکور ہے اس وقت حضور کی خدمت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے انھوں نے عرض کی: کاش حضور ایسا کرتے اور دیکھتے کہ کفار قریش کیا کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالی نے پہلی آیت میں ایسا کرنے کی ممانعت فرمائی جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو ہوئی تو انھوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کیا اور کہا کہ پہلے مجھ سے نادانی سے غلطی ہوگئی تھی معاف فرمایا جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [ابن جریر بروایت عکرمہ ملخصا وفی نزولہ روایات آخر] مطلب یہ ہے کہ رب تمہارے حضور ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے حاضر ہوں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام ہے تمہارے رب نے اپنے فضل وکرم سے اپنے ذمہ پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کرلے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور سنور جائے تو بے شک۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ہم یوں ہی آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ تم پر ظاہر ہو جائے۔ گویا حضرت عمر کا عذر قبول فرمایا گیا اور ان پر مہربانی کی گئی اور فقرائے مہاجرین کو سلامتی اور رحمت الٰہی کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

تنبیہ: سلام سے مراد یا تو اللہ کا سلام پہنچانا مراد ہے۔ یا ابتدائے بسلام مراد ہے کہ ان کا دل خوش ہو۔ [مدارک] عکرمہ کہتے ہیں کہ حضور انھیں دیکھتے ہی پہلے سلام کرتے تھے۔ [خازن]

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ

اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں

مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ

لکھا نہ ہو (۳۱) اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ

ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ

پھر تمھیں دن میں اٹھاتا ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف تمھیں پھرنا ہے

يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ

پھر وہ بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر، اور

عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ

اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف، سنتا ہے! اسی کا حکم ہے

(آیت ۵۶ تا ۵۹) (۳۱) یہ مجرموں کے طریق کار کی وضاحت ہے جو گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان سے فرماؤ کہ میں ان چیزوں کے پوجنے سے منع کیا گیا ہوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ اور میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا اگر چلوں گا تو بہک جاؤں گا اور سیدھی راہ پر نہ رہوں گا میں تو اپنے رب کی روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے اختیار میں وہ شی یعنی عذاب نہیں ہے جس کی تم جلدی مچاتے ہو جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ: ﴿إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [الانفال: ۳۲] یعنی اگر تم سچے ہو تو آسمان سے ہم پر پتھر برساؤ یا عذاب الیم لاؤ۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے وہ حق فرماتا ہے اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے فرما دیجیے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جن کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا یعنی فیصلہ ہو گیا ہوتا تم پر عذاب نازل ہوتا جس کی تم جلدی کرتے ہو اور ہلاک ہو گئے ہوتے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے کہ ان میں کون اور کس وقت مستحق عذاب ہے اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں وہی انھیں جانتا ہے اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ درخت سے گرتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور زمین میں جو دانہ ہے اور جو خشک و تر چیز ہے وہ روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے یعنی ہر شی کو وہ جانتا ہے اور وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

تنبیہ: ''مفاتح الغیب'' سے مراد یا تو غیب کے خزانہ ہیں جن کی طرف پہنچنا بغیر تائید الٰہی ناممکن ہے جیسا کہ طبری نے سدی سے روایت کی ہے اور واحدی نے کہا ہے: کہ مفاتح جمع مفتح بفتح المیم مصدر ہے بمعنی فتح یعنی فتوح الغیب اللہ ہی کے پاس ہے جس پر چاہتا ہے غیب کی باتیں فتح فرماتا ہے۔ یا وہ جمع مفتاح بکسر المیم ہے اور اس سے بطور استعارہ خزانہ غیب کی کنجیاں مراد ہیں اور وہ اللہ کے پاس ہیں یعنی جس طرح بغیر کنجی کے قفل کھولنا اور خزانہ میں داخل ہونا ممکن نہیں ہوتا ہے اسی طرح غیب کا علم بغیر تعلیم الٰہی حاصل نہیں ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ جمیع معلومات کا عالم ہے بغیر اس کے بتائے کوئی نہیں جان سکتا ہے۔ [کمالین] اور اس سے علوم خمسہ مراد ہیں جو آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل

وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ

اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچاوے تو ہم ضرور

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

احسان مانیں گے تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم

تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ

شریک ٹھہراتے ہو ف۳۲ تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ

یا تمہارے پاؤں کے تلے سے یا تمہیں بھڑا دے مختلف گروہ کر کے اور ایک کو دوسرے کی سختی

بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ

چکھائے دیکھو ہم کیونکر طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو ف۳۳ اور اسے جھٹلایا تمہاری

عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ الخ [لقمان:۳۴] میں مذکور ہیں۔ [کما رواہ البخاری] اور کتاب مبین سے لوح محفوظ مراد ہے یا علم الٰہی۔ [سراج] اور ﴿وما تسقط من ورقة﴾ کے یہ معنی ہیں کہ جو پتہ درخت سے گرتا ہے اور جو اس پر باقی رہتا ہے ان سب کی تعداد اور گرنا نہ گرنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اور حبة سے مراد وہ دانہ ہے جو زمینوں میں ہے۔ [معالم]

(آیت ۶۰ تا ۶۴) (۳۲) یعنی اللہ وہی ہے جو رات کو سوتے وقت تمہاری روحیں قبض کرتا ہے۔ الخ ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: رات کو روحیں قبض کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص کے ساتھ ایک ایک فرشتہ ہے جو اس کے سوتے وقت اس کی جان پکڑ لیتا ہے پھر اس کو اگر چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے تو چھوڑ دیتا ہے ورنہ قبض رکھتا ہے۔ [رواہ ابن مردویہ وابن کثیر] اور ﴿یرسل علیکم حفظة﴾ سے مراد یا تو وہ فرشتے ہیں جو نامۂ اعمال لکھتے ہیں یا وہ فرشتے ہیں جو بنی آدم کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں اور توفته رسلنا سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ملک الموت کے ساتھ ہوتے ہیں اور وہ بدن سے روح نکال کر حلق تک لاتے ہیں پھر ملک الموت اسے قبض کرتا ہے اور وہ فرشتے وقت میں جلدی یا دیر نہیں کرتے ہیں۔ کذا روی عن ابن عباس اور "ویعلم ما جرحتم" جملہ معترضہ ہے۔ [ابن کثیر]

(آیت ۶۵) (۳۳) یعنی اے نبی تم کفار مکہ سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے۔ آگے ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: اوپر سے عذاب پہنچنے کے یہ معنی ہیں کہ آسمان سے ان پر پتھر برسائے، بجلی گرائے طوفان باد و باران بھیجے۔ جیسے قوم نوح ولوط و عاد و ثمود کے ساتھ کیا گیا۔ اور پاؤں کے تلے سے عذاب آنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ زمین میں دھنسا دیے یا دریا میں غرق کر دیے جائیں جیسا کہ فرعون وقارون کے ساتھ ہوا۔ اور بعض کو بعض سے بھڑا دینے اور سختی چکھانے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں پھوٹ ڈالے اور آپس میں لڑا کر ہلاک کرے۔ حدیث میں ہے کہ یہ اخیر لفظ نازل ہوئے تو حضور نے فرمایا یہ زیادہ آسان ہے۔ یعنی آپس کے جدال وقتال

مُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ

نے اور یہی حق ہے، تم فرماؤ میں تم پر کچھ کڑوڑا نہیں ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے

سُوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ

عنقریب جان جاؤگے۔ اور اے سننے والے جب تو انھیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو

نْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ

سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے

لَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ اور پرہیزگاروں پر ان کے

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ

حساب سے کچھ نہیں ہاں نصیحت دینا، شاید وہ باز آئیں ف۳۴ اور چھوڑ دو ان کو

اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ

جنھوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انھیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن سے نصیحت دو

الخ نازل ہونے پر حضور نے اللہ کی پناہ چاہی۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے امت میں جدال وقتال واقع نہ ہونے کی دعا فرمائی تو منع فرمایا گیا۔[جلال] کا عذاب۔ عذاب الٰہی سے ہلکا ہے۔[ابن عباس] اور اس سے پہلے الفاظ یعنی ﴿قل هو القادر﴾

(آیت ۶۶ تا ۶۹) (۳۴) یہ گزشتہ آیات کا تتمہ ہے اور اس میں کفار اور نافرمانوں کے پاس جانے اور بیٹھنے کی اس وقت تک ممانعت ہے جب تک وہ آیات قرآن کا ہنسی مذاق اڑاتے رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تمہاری قوم نے قرآن وعذاب کو جھٹلایا حالاں کہ وہ حق ہے اور وہ عذاب الٰہی کے منکر ہوکر پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا آپ ان سے فرمادیجیے کہ میں تمہارا محافظ نہیں ہوں میں تو صرف احکام الٰہی پہنچانے والا ہوں۔ ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اسی وقت وہ واقع ہوتی ہے اور اسی میں سے عذاب ہے جب اس کا وقت آئے گا تو تم پر واقع ہوگا اور اس کے واقع ہونے کو عنقریب تم جان لوگے۔ مقاتل کہتے ہیں: کہ ہر خبر کا جو اللہ نے دی ہے ایک وقت مقرر ہے اس میں وہ بلا تاخیر واقع ہوگی۔ اور کلبی کہتے ہیں: کہ ہر قول وفعل کی حقیقت ہے دنیا میں یا آخرت میں پس جو دنیا میں ہوگا اسے عنقریب تم جان لوگے اور جو آخرت میں ہوگا وہ بھی عنقریب تم پر ظاہر ہوگا۔[معالم] پھر فرمایا: اور جب ہماری آیتوں میں پڑنے والوں یعنی ان کا ہنسی مذاق بنانے والوں کو دیکھو تو ان سے منہ پھیر لو اور ان کے پاس نہ جاؤ جب تک کہ وہ دوسری بات میں نہ پڑیں یعنی اور باتیں نہ کریں اور جو کہیں تمھیں شیطان بھلادے اور بھول کر ان میں بیٹھ جاؤ تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو فوراً ان کے پاس سے اٹھ آؤ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا: کہ اگر ہم ان کے پاس نہ بیٹھیں گے تو انھیں نصیحت کیسے کریں گے اور مسجد میں نماز وطواف کس طرح کرسکیں گے کہ وہ مسجد ہی میں تو ہر وقت ایسی باتیں کرتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔[جلال وغیرہ عن ابن عباس] اور انھیں رخصت عطا فرمائی گئی کہ وہ نماز وطواف اور وعظ ونصیحت وتبلیغ اسلام کے لیے اس حال میں بھی ان کے پاس جاسکتے ہیں۔ اور فرمایا گیا کہ پرہیزگاروں پر ان کا کچھ حساب نہیں ہے سوا انھیں نصیحت کرنے کے شاید کہ وہ قرآن کا مذاق اڑانے سے باز آئیں۔

نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ

کہ کہیں کوئی جان اپنے کیے پر پکڑی نہ جائے اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی اور اگر

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لیے جائیں، یہ ہیں وہ جو اپنے کیے پر پکڑے گئے

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا

انھیں پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب، بدلا ان کے کفر کا۔ ف۳۵ تم فرماؤ کیا ہم

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ

اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے نہ برا اور الٹے پاؤں پلٹا دیے جائیں بعد

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ

اس کے کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطانوں نے زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے، اس کے

اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ادھر آ، تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے

تنبیہ: آیت میں خطاب اگرچہ حضور سے ہے مگر تمام افراد امت اس میں داخل ہیں اور ہر مسلمان کے لیے حکم ہے کہ وہ کافروں، بے دینوں، گمراہوں، فاسقوں کی مجالس میں نہ شریک ہوں ان سے دور رہیں۔ خصوصا عوام دین کی باتوں سے ناواقف لوگ تو قطعی ان کی صحبت میں نہ بیٹھیں اور نہ ان کی باتیں سنیں۔ تفسیر احمدی وغیرہ میں ہے کہ ظالمین کا لفظ کافر، فاسق، بدعتی، گمراہ سب کو شامل ہے اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔

تنبیہ: آج کل کے وہابیہ، رافضیہ، خارجیہ، نیچریہ، وغیرہ گمراہ فرقوں کا بھی یہی حکم ہے اور وہ بھی تحت آیۂ کریمہ داخل ہیں ان کی مجالس میں بھی شریک ہونا منع ہے اگر بھول کر ان میں بیٹھ جائے تو یاد ہونے پر ان کے پاس سے اٹھ آئے۔ ایسا ہی آیت ﴿اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ﴾ الخ [النساء:۱۴۰] میں حکم فرمایا گیا ہے: یعنی جب تم اللہ تعالی کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور ہنسی بناتے سنو تو ان کے پاس نہ بیٹھو۔ بعض نے آیت مذکورہ کو اس آیت سے منسوخ بتایا ہے صحیح یہ ہے کہ وہ محکم ہے اور جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے کی اباحت بشرط وعظ و نصیحت ہے۔ [سراج وغیرہ]

(آیت ۷۰)(۳۵) یہ آیات بھی گزشتہ آیات کی کڑی ہیں اور ان میں بھی کفار کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے اے نبی! تم ان لوگوں کو چھوڑ دو ان کی طرف توجہ نہ کرو جنھوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنالیا ہے اور انھیں دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈال دیا ہے۔ بیضاوی نے اس کے یہ معنی لکھے ہیں کہ انھوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا دین بنالیا ہے جس سے ان کو کوئی نفع نہ ہوگا نہ جلدی نہ دیر میں۔ جیسے بتوں کی پوجا کرنا، بحیرہ و سائبہ کو حرام ٹھہرانا۔ باقی ترجمہ پڑھیے۔

تنبیہ: آیت میں خطاب حضور سے ہے کہ وہ ان سے اعراض کریں اور ان کے استہزاء و تکذیب کی پرواہ نہ کریں، اپنے فرض منصبی کو ادا کیے جائیں۔ قتادہ و سدی کہتے ہیں کہ یہ اعراض آیت سیف سے منسوخ ہے اور مجاہد کہتے ہیں: کہ وہ مخرج تہدید میں نکلا ہے پس

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ

اور ہمیں حکم ہے کہ ہم اس کے لیے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہان کا اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرو اور

الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وہی ہے جس کی طرف تمھیں اٹھنا ہے اور وہی ہے جس نے آسمان و زمین ٹھیک بنائے

بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ

اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا، ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی، اس کی بات سچ ہی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن

یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ

صور پھونکا جائے گا ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔ ف٣٦ اور یاد کرو

قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ بے شک میں تمھیں اور تمہاری قوم کو

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

ان کے نزدیک آیت محکم ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد اس سے ترک معاشرت ومخالطت ہے نہ انذار وتخویف۔ "وذکر بہ" اس پر دلالت کرتا

ہے۔[خازن]

(آیت ۷۱تا۷۳)(۳۶) شان نزول: جب مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم دین اسلام چھوڑ کر ہمارے دین کی طرف پھر
آؤ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔[سدی] اور یہ بھی روایت بیان کی گئی ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اپنے باپ سے
بتوں کی عبادت کرنے کو کہا تو یہ آیت اتری۔[سراج] مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان سے فرماؤ کہ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں۔تا آخر ترجمہ۔
تنبیہ: یہاں شیاطین سے غول بیابانی مراد ہے جو مسافر کو جنگل میں آواز دیتا ہے اور راہ سے بھٹکاتا ہے اور وہ راہ بھٹک کر حیران
و پریشان ہو کر بھوک، پیاس کی تکلیف سے ہلاک ہوتا ہے۔ یہ مثال ہے اس کی جو چند رفیقوں کے ساتھ ہو اور اسے غول بیابانی بہکائے اور
اس کے ساتھی سیدھی راہ کی طرف پکاریں پس وہ حیران ہو کہ کس طرف جائے۔ اگر غول بیابانی کی آواز پر جاتا ہے تو بھٹک کر ہلاک ہوتا ہے
اور جو اپنے ساتھیوں کی آواز پر چلتا ہے تو راہ پاتا ہے اور سلامت رہتا ہے۔ اسی طرح مشرک لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے ہیں اور ان کو
مسلمان ساتھی سیدھی راہ اسلام کی طرف بلاتے ہیں اگر وہ مشرکوں کی راہ اختیار کرتا ہے تو ہلاک ہوتا ہے اور جو مسلمانوں کی راہ اختیار
کرتا ہے تو سلامت رہتا ہے۔ اور صور سے مراد قرن ہے جو بشکل سینگ ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے ایک اعرابی نے حضور سے صور کو پوچھا
فرمایا وہ قرن ہے اس میں پھونکا جائے گا۔[رواہ البغوی بسندہ] صور میں حضرت اسرافیل دو بار پھونکیں گے پہلی بار پھونکنے سے خلق مر
جائے گی اور دوبارہ پھونکنے سے زندہ ہوگی۔[رواہ احمد وغیرہ] اور ایک روایت میں ہے کہ تین بار پھونکیں گے۔ اول میں خلق بے ہوش
ہوگی۔ دوبارہ میں مرے گی۔ سہ بارہ میں زندہ ہوگی۔ طبرانی کی حدیث میں نفخہ صور سے لے کر حشر تک کی تمام کیفیت مفصل ذکر کی گئی ہے
جو دیگر حدیث میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے وارد ہوئی ہے مگر اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے۔

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا

اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے

رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا

میرا رب ٹھہراتے ہو؟ پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے۔ پھر جب چاند چمکتا دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ

بولے اسے میرا رب بتاتے ہو؟ پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انھیں

الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ

گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا

لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ

جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔ ف۳۷

(آیت ۷۴ تا ۷۹) (۳۷) یعنی اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: تا آخر ترجمہ

تنبیہ: ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے دو نام تھے آزر اور تارخ، امام بخاری نے تاریخ میں کہا ہے ابراہیم ابن آزر تھے۔ اور توراۃ میں ان کا نام تارخ تھا اس بنا پر ان کے دو نام ہوئے جیسے یعقوب و اسرائیل ایک ہی شخص کے دو نام تھے، ابن جریر و ابن کثیر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ابراہیم کے باپ کا لقب آزر تھا اور نام تارخ تھا، بہر حال آیت میں ان کے باپ کو آزر فرمایا گیا ہے۔ [خازن] اور امام زرقانی نے شرح مواہب میں کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے چچا کا نام تھا۔ آیت میں مجازاً انھیں باپ کہا گیا ہے۔ رئیس المفسرین ابن عباس و مجاہد و سدی و ابن جریج سے یہی منقول ہے۔ اور یہی راجح و صحیح ہے، حضرت مترجم سیدنا اعلیٰ حضرت نے اسی کو ترجیح دی اور آپ کی یہی تحقیق ہے۔ اور ابن منذر نے تاریخ میں لکھا ہے: ﴿مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ﴾ [الانعام: ۷۵] کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح ہم نے ابراہیم کو ان کے باپ کی گمراہی اور شرک کی برائی دکھائی اسی طرح ہم نے انھیں آسمان و زمین کی بادشاہی یعنی مخلوق ارضی و سماوی اور ظاہر و پوشیدہ چیز دکھائی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے سامنے ساتوں آسمان پیش کیے گئے پس انھوں نے انھیں اور ان میں جو کچھ ہے دیکھا یہاں تک کہ عرش و کرسی اور جنت میں اپنا مقام دیکھا پھر ساتوں زمین پیش کی گئیں پس انھوں نے انھیں اور ان میں جو کچھ ہے دیکھا۔ [سراج] اور یہ اس لیے کیا گیا کہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر عین الیقین کے مرتبہ پر پہنچیں اور خدا کی وحدانیت پر ان سے استدلال پکڑیں۔ [مدارک] اور یہ جملہ معترضہ ہے اور "فلما جنّ" کا عطف "قال" پر ہے۔ یعنی پھر جب ان پر رات کا اندھیرا ہوا تو انھوں نے ایک تارا دیکھا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ تارا زہرا تھا یا مشتری تھا تو انھوں نے اپنی قوم کو تنبیہ کرنے اور ان کا اعتقاد بدلنے کے لیے کہا: تم اپنے گمان میں اسے میرا رب ٹھہراتے ہو۔ الی آخر ترجمہ . یہ مکالمہ حضرت ابراہیم کا اپنے چچا آزر سے اس وقت ہوا ہے جب وہ بڑے ہوئے اور باپ نے اپنے دین کی ترغیب دینا شروع کی کہ اس سے پہلے وہ نمرود کے خوف سے کسی غار یا تہ خانہ میں چھپا

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا

اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو وہ تو مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں

تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ

جنھیں تم شریک بتاتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔ اور میں تمہارے شریکوں سے کیونکر ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ

اللہ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ

امان کا زیادہ سزاوار کون ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں

بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ

کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے

اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے۔ ف۳۸

کرپالے گئے تھے۔ کہ نمرود کو نجومیوں نے خبر دی تھی کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے زوال کا باعث ہوگا تو اس
نے اسی روز سے مردوں کو عورتوں سے علاحدہ رہنے اور نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ حضرت ابراہیم اسی سال پیدا ہوئے
اور چھپا کر پرورش کیے گئے۔ ان کے پیدا ہونے اور پرورش پانے اور بڑے ہو کر والدین سے مکالمہ کرنے کا قصہ طویل ہے اس میں اور
بہت سی باتیں ہیں جو سراج وغیرہ میں مذکور ہیں۔ نمرود اور اس کی قوم بت پرست وستارہ پرست تھی اور آزر بت بنا کر بیچا کرتا تھا۔ جب
ابراہیم بڑے ہوئے تو انھیں بھی آزر نے بت بیچنے کو دیے آپ انھیں لے کر بازار میں گئے اور آواز لگائی کہ کون انھیں خریدتا ہے جو نہ نفع
دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ تو انھیں ان سے کسی نے نہ خریدا تو صبح کو انھیں نہر پر لے گئے اور قوم کی ہنسی بنانے کے لیے ان کے منہ پانی میں
ڈبوئے اور ان سے کہا کہ پانی پیو۔ [سراج ومعالم]

(۳۸) (آیت ۸۰تا۸۳) یہ گزشتہ آیات کے مضمون کا تتمہ ہے۔ یعنی جب حضرت ابراہیم کی قوم ان کے روشن دلائل سن کر
لاجواب ہوئی تو بطور ہٹ دھرمی کے ان سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر تم ہمارے معبودوں کو نہ مانو گے اور برا کہو گے تو وہ تمھیں
غارت کردیں گے۔ اس کا جواب حضرت ابراہیم نے جو انھیں دیا اسے اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ پڑھیے ترجمہ

تنبیہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پر گراں گزری اور انھوں نے حضور سے کہا: ہم میں کون سا ایسا ہے جس نے اپنی جانوں
پر ظلم نہ کیا ہو۔ تو حضور نے فرمایا: ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو اس سے مراد شرک ہے جیسا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: ﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] [رواہ البغوی والبخاری ومسلم]

وقف لازم

ع ۱۵

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ

اور ہم نے انھیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو

قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ

راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ

اور ہم ایسا ہی بدلا دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

ہمارے قرب کے لائق ہیں۔ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى

فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انھیں چن لیا اور

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

سیدھی راہ دکھائی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا۔ یہ ہیں جن کو ہم نے

الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا

کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لیے ایک ایسی

قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انھیں کی

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا

راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو ف۳۹ اور

(آیت ۸۴ تا ۹۰) (۳۹) مطلب آیت کا ترجمہ سے ظاہر ہے شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے: کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی رضا جوئی کے لیے تمام عزیز واقارب سے رشتہ قرابت توڑا، یار دوستوں کو چھوڑا، دنیا سے منہ موڑا صرف ایک خدا کے ہو رہے تو اللہ تعالی نے انھیں طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اپنا خلیل بنایا دین و دنیا کی بزرگی عطا فرمائی کہ انھیں انبیا کی اولاد میں کیا اور ان کی اولاد میں نبی کیے اور بڑھاپے میں بانجھ عورت حضرت سارہ کے بطن سے ستھرا بیٹا یعنی اسحاق عطا کیا اور جب والدین نے اس کا شکریہ بارگاہ الٰہی میں ادا کیا تو اللہ تعالی نے انھیں ایک صالح پوتا یعنی یعقوب عنایت فرمایا اور انھیں نبوت عطا فرما کر اپنا وعدہ پورا کیا۔ اسی کا ذکر

ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ چوں کہ آیت میں بلا کسی ترتیب کے بعض انبیا علیہم السلام کو ذکر فرمایا گیا ہے لہذا ہم اسی طرح ہر ایک کا مختصر نسب وحال مزید آگاہی کے لیے تحریر کرتے ہیں بلا ترتیب ذکر کرنے کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ (۱) حضرت ابراہیم حضرت عیسیٰ سے دو ہزار برس پہلے عراق کے شہر بابل میں زمانہ نمرود میں پیدا ہوئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے حران میں آئے وہاں سے یروشلم میں آئے بلاد شام ومصر وعرب میں بھی سیاحت کی۔ آپ کی اولاد عرب وشام میں پھیلی۔ حضرت اسماعیل سے عرب کی قومیں اور حضرت اسحاق سے شام کی قومیں بنی اسرائیل وغیرہ ہیں۔ ملک شام میں وفات پائی اور وہیں قبر ہے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس بعد پیدا ہوئے اور دو سو برس کی عمر پائی۔ (۲) حضرت اسحاق حضرت ابراہیم کے چھوٹے بیٹے حضرت سارہ کے بطن سے ملک شام میں پیدا ہوئے وہیں ایک سو اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ (۳) حضرت یعقوب ابن اسحاق کنعان میں پیدا ہوئے وہیں وفات پائی۔ (۴) حضرت نوح از اولاد آدم جن کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کہ بعد طوفان انھیں کی اولاد میں سب ہوئے۔ (۵) حضرت داؤد ابن ایشا نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ جالوت کو انھیں نے قتل کیا تھا اور اس کی جگہ بادشاہ ہوئے تھے جس کا قصہ آیت: ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ﴾ [البقرة:۲۵۱] کے تحت گزر چکا ہے۔ ان کی عمر سو سال کی ہوئی چالیس برس بادشاہت کی ان کا زمانہ عہد موسوی سے ۹۶ برس بعد تھا۔ (۶) حضرت سلیمان بن داؤد نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے اور جن ہوا ان کے تابع فرمان تھی۔ ان دونوں نے بحکم الٰہی بیت المقدس بنایا حضرت داؤد نے اس کی بنیاد قائم کی اور حضرت سلیمان نے اسے پورا کیا۔ تیرہ برس کی عمر میں بادشاہت ملی۔ ان کی عمر ۵۳ برس کی ہوئی۔ حضور سے ۱۰۰۷ برس پہلے تھے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ روئے زمین کے بادشاہ دو مومن سلیمان ذوالقرنین اور دو کافر بخت نصر ونمرود ہوئے ہیں۔ (۷) حضرت ایوب بن اموس حضرت اسحاق کی اولاد میں پانچویں پشت سے تھے ان کی ماں حضرت لوط کی بیٹی تھیں ان کے باپ حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے ان کی عمر ترانوے برس کی ہوئی اور ستر برس کی عمر میں بیماری میں مبتلا ہوئے اور تین یا سات یا تیرہ سال مبتلا رہے۔ (۸) حضرت یوسف حضرت یعقوب کے لڑکے دوسری بیوی سے تھے کنعان میں پیدا ہوئے جب سوتیلے بھائیوں نے انھیں کنوئیں میں گرایا تو وہ بارہ سال کے تھے پھر غلام بنا کر بیچا بتقدیر الٰہی وزیر مصر بنے پھر مصر کے بادشاہ ہوئے۔ اسی برس کی عمر میں باپ سے ملے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی حضرت موسیٰ سے چار سو برس پہلے ہوئے۔ ان کا قصہ سورہ یوسف میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔ (۹) حضرت موسیٰ ابن عمران حضرت یعقوب کی اولاد میں چوتھی پشت سے تھے بنی اسرائیل کے نبی تھے ان کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی۔ ابراہیم سے ۵۶۵ برس بعد ہوئے تھے۔ (۱۰) حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی تھے یہ دونوں حضرات مصر میں پیدا ہوئے۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر ملک شام چلے گئے قوم وادی تیہ میں چالیس سال سرگرداں رہی، آپ نے وہیں راہ میں وفات پائی۔ (۱۱) حضرت زکریا دو گزرے ہیں اور دونوں نبی تھے، ایک حضرت عیسیٰ سے پانچ سو برس پہلے ہوئے ہیں جنھوں نے واقعہ بخت نصر کے بعد دوبارہ ہیکل بنائی تھی۔ اور دوسرے زکریا بن ارون جن کے لڑکے حضرت یحییٰ تھے اور قریب عہد عیسوی تھے۔ جب انھیں بیٹے کی بشارت دی گئی تھی تو ان کی عمر بانوے برس کی تھی انھیں یہود نے قتل کیا تھا۔ (۱۲) حضرت یحییٰ ابن زکریا جو حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ بڑے ان کے ہم عصر تھے کفار نے انھیں قتل کیا تھا۔ (۱۳) حضرت عیسیٰ ابن مریم خدا نے انھیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا تھا اس لیے وہ ماں کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور قیامت کے دن انھیں کی طرح سب لوگ ماں کی طرف منسوب کر کے پکارے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذریت میں لڑکی کی اولاد بھی داخل ہے۔ (بیضاوی) عبدالملک سے روایت ہے کہ یحییٰ ابن بصر حجاج کے پاس بیٹھے تھے حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر آیا تو حجاج بولا: وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریت میں نہ تھے۔ تو یحییٰ نے کہا: تو جھوٹا ہے اس نے کہا کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو یحییٰ نے یہ آیت: ﴿ و عیسیٰ ﴾ تک پڑھی کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ عیسیٰ اپنی ماں کی نسبت سے ذریت ابراہیم میں تھے تو حجاج نے مانا۔ [رواہ الحاکم وبیہقی وغیرہ] بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت فرمایا: ((ابنی هذا سید)) یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ فقہ میں اس پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ اگر کسی نے اپنی ذریت کے لیے کوئی وصیت یا وقف یا ہبہ کیا تو اس میں

لڑکی کی اولاد بھی داخل ہوگی۔[مواہب] (۱۴) حضرت الیاس ابن یاسین حضرت ہارون کے بھتیجے اور حضرت اسحاق کی اولاد میں تھے، بخت نصر سے پہلے تھے، مگر اسی زمانے میں کہیں روپوش ہوگئے اور آج بھی باحیات ہیں، یہ اور حضرت خضر علیہما السلام روئے زمین میں گشت فرماتے اور بندگان خدا کی مدد فرماتے ہیں، ہر سال حج بیت اللہ کو جاتے ہیں اور وہاں آب زمزم پیتے ہیں جو غذا کی جگہ پورے سال ان کو کام دیتا ہے۔(۱۵) حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے ہاجرہ کے بطن سے تھے ان کی عمر ۱۳۷ برس کی ہوئی وقت وفات حضرت ابراہیم وہ اٹھانوے برس کے تھے۔(۱۶) حضرت یسع ابن اخطوب جو حضرت الیاس کے شاگرد تھے ان کے قائم مقام ہوئے تھے بعض نے انھیں خضر کہا ہے اور ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔(۱۷) حضرت یونس ابن متی جو حضرت مسیح سے آٹھ سو برس پہلے تھے۔ اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے، ان لوگوں نے نافرمانی کی، آپ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کے لیے بددعا کی، عذاب آنے میں دیر ہوئی اور یہ اس سے پہلے ہی بستی چھوڑ کر چلے آئے کہ عذاب آنے والا تھا، دریا کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوگئے کہ بستی سے دور چلے جائیں، کشتی تھوڑی دور جاکر ڈوبنے لگی تو ملاح نے کہا کشتی میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر جارہا ہے، وہ فوراً دریا میں کود جائے ورنہ سب لوگ ڈوب جائیں گے، انھوں نے دل میں سوچا میں اللہ رب العزت کے حکم کے بغیر اپنی بستی سے چلا ہوں، میں ہی اپنے آقا کا بھگوڑا غلام ہوں، لہٰذا یہ دریا میں کود گئے اور انھیں مچھلی نگل گئی، ایک سال سے لے کر چالیس سال تک اس کے پیٹ میں رہے علی اختلاف اقوال۔ جب مچھلی نے آپ کو کنارے پر لاکر اگل دیا تو آپ کا جسم اتنا نرم ونازک ہوگیا تھا کہ دھوپ برداشت نہیں کرسکتا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے فوراً ایک کدو کا درخت اگ آیا جس کے بڑے بڑے پتوں نے آپ پر سایہ کیا، جب آپ تندرست ہوگئے تو اپنی بستی کی طرف روانہ ہوئے، وہاں جاکر دیکھا تو سب لوگ خوش وخرم اور آرام سے تھے، معلوم ہوا کہ آپ کے جانے کے بعد جیسے ہی عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو تمام اہل بستی نے فوراً باہر نکل میدان میں توبہ واستغفار کی اور حضرت یونس علیہ السلام کا پیغام حق قبول کیا، پھر وہ عذاب کے آثار یکسر ختم ہوگئے اور جبھی سے ہم سب سکون وآرام سے ہیں۔(۱۸) حضرت لوط ابن ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اور ﴿قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ﴾ [الانعام:۸۹] سے ابن عباس کے نزدیک انصار مراد ہیں اور حسن وقتادہ کے نزدیک انبیاء مذکورین مراد ہیں اور یہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سب کی اقتدا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہدایت میں ان کی اقتدا کرنا مراد ہے۔ بخاری کی روایت میں بھی یہی آیا ہے۔ یعنی جو طریقہ ہدایت ان انبیا نے اختیار کیا تھا وہی آپ بھی اختیار کریں۔ اور بعض کے نزدیک ان کے طریقہ پر صبر وتحمل اور اصول دین میں ان کی اقتدا کرنا مراد ہے۔ یعنی آپ بھی انھیں اصول دین پر چلیے اور انھیں کی طرح صبر وتحمل سے کام لیجیے۔ اور بعض کے نزدیک صرف توحید میں ان کی اقتدا کرنا مقصود ہے۔ اور محی السنہ نے اس سے ان کی سنت وسیرت مراد لی ہے یعنی ان کے طریقہ پر چلیے ان کی عادت وخصلت اختیار کیجیے۔

تنبیہ: علمائے کرام نے اس سے حضور کی افضلیت مطلقہ پر استدلال کیا ہے کیوں کہ ہر نبی کسی نہ کسی صفت کے ساتھ مخصوص تھا اور حضور کو ان سب کی اقتدا کا حکم فرمایا گیا تو ان سب کے اوصاف وکمالات کا حضور کی ذات میں جمع ہونا ضروری ہوا اور حضور مجمع جمیع صفات کمالیہ ہوئے اور مجموعہ کی فضیلت ہر ہر جز پر ظاہر ہے۔[سراج] اور ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ﴾ [الانعام:۹۰] میں دلیل ہے کہ حضور تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے اور آپ کی دعوت تمام خلق کو عام تھی۔[خازن]

تنبیہ: اس آیت میں اٹھارہ انبیا علیہم السلام کے نام ذکر فرمائے گئے ہیں علاوہ ان کے سات پیغمبروں کے نام قرآن عظیم میں اور ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت شعیب، حضرت ذی الکفل، حضرت ہود، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہم اجمعین۔ جو کل پچیس ہوئے ان پر تفصیلا اور باقی پر اجمالا ایمان لانا واجب ہے۔

رُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں

ءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى

ا تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لیے

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ

یت جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا لیے ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپا لیتے ہو اور تمھیں وہ سکھایا جاتا ہے

ا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ

نہ تم کو معلوم تھا نہ تمھارے باپ دادا کو، اللہ کہو پھر انھیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں

یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ

ھیں کھیلتا ف اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو آگے تھیں اور اس لیے کہ

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ

تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں

(آیت ۹۱) (۴۰) شان نزول عکرمہ اور سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ یہ آیت مالک ابن صیف یہودی کے حق میں اتری جو بہت موٹا اور تو ند یلا تھا۔ ایک بار حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر خواہ مخواہ کی حجتیں کرنے لگا تو حضور نے اس سے فرمایا: تجھے اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی، سچ بتا تو نے توریت میں یہ پڑھا ہے کہ اللہ موٹے عالم کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ یہ سن کر وہ غصہ ہو کر بولا خدا نے کوئی کتاب کسی نبی پر نازل نہیں کی ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کی قوم نے اسے اس کہنے پر سرزنش کی اور اسے اپنے جریت سے علاحدہ کر دیا اور کعب ابن اشرف کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ [رواہ البغوی] اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ وہ یہود کے حق میں اتری ہے کہ انھوں نے آسمان سے کتاب نازل ہونے سے انکار کیا تھا۔ مترجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے دوسری روایت میں ہے کہ آیت کا نزول قریش کے حق میں ہوا۔ ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور مجاہد نے اس کی تائید کی ہے کہ یہودی آسمان سے کتاب نازل ہونے کے منکر نہ تھے بلکہ قریش منکر تھے۔ اور یہ سورت و آیت مکی ہے نہ کہ مدنی۔ تطبیق اس کی یہ ہے کہ قریش یہود ہی کے سکھائے پڑھائے تھے جو یہود کہتے تھے وہ قریش کہتے تھے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ یہود نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی یعنی انھوں نے اللہ کو پورے طور سے نہ پہچانا۔ یا اللہ کی عظمت کا پورے طور سے اندازہ نہ کیا اگر وہ اللہ کو پورے طور سے پہچانتے اور اس کی عظمت کو جانتے تو ایسا نہ کہتے، کہ اللہ کے نزدیک کتاب نازل کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے، ان کا یہ کہنا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا ہے محض غلط و بے دلیل ہے۔ اے نبی! تم ان سے الزام دینے کے لیے پوچھو کہ جو کتاب موسیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے لائے تھے وہ کس نے اتاری تھی؟ جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنائے ہیں۔ یعنی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے اس میں سے جو کچھ مطلب کے موافق ہوتا ہے ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتیں چھپا لیتے ہو جو مطلب کے موافق نہیں ہوتیں۔ جیسے بعثت نبی آخر الزماں کی خبریں اور ان کی نعت و حلیہ و آیۂ رجم وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے زمانہ میں یہود نے توریت کے متفرق اجزاء کر لیے تھے جو اجزاء اپنے

بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ ف۴۱ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ

اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی اور جو

قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ

کہے ابھی میں اتارتا ہوں ایسا جیسا خدا نے اتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم

غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ

موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ

تمھیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلا اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے

وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے۔ اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمھیں

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ

پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال متاع ہم نے تمھیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ

مطلب کے موافق ہوتے تھے انھیں لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور جو اپنے مطلب کے خلاف ہوتے تھے انھیں لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے شاید حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ انھیں اوراق میں سے چند ورق لا کر حضور کے سامنے پڑھنے لگے تھے جس کو سن کر حضور ان پر غصہ ہوئے تھے۔ [حقانی] اس سے توریت کو متفرق اجزاء کر لینے کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ [بیضاوی] اسی پر قرآن کو قیاس کر لیا جائے کہ اس کو بھی متفرق اجزا کرنا ممنوع و ناجائز ہوگا۔ پھر فرمایا اور تمھیں وہ سکھایا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا تم ان سے کہہ دو کہ وہ اللہ نے اتاری تھی پھر انھیں ان کی بیہودگی میں کھیلتا چھوڑ دو۔

(آیت ۹۲) (۴۱) اوپر کی آیت میں یہود کے قول کو الزامی طور سے رد کیا گیا تھا اس آیت میں تصدیقی طور سے رد کیا جاتا ہے۔ کہ اور یہ برکت والی کتاب قرآن عظیم جو ہم نے اپنے محبوب پر اتاری ہے تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اس لیے اسے اتارا کہ تم ڈر سناؤ اہل مکہ کو اور اس کے آس پاس جہاں بھر کی بستیوں میں رہنے والوں کو اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔

تنبیہ: بعض نادانوں کا اس آیت سے یہ شبہہ کرنا اور کہنا کہ حضور کی بعثت صرف مکہ و اطراف مکہ کے رہنے والوں کے لیے تھی غلط ہے۔ کہ حضور تمام جہان کے لیے مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ دوسری آیات سے ثابت ہے اور اس آیت میں بھی مکہ اور اس گرداگرد سے کل عالم مراد ہے۔ اسی لیے اسے ام القری سب بستیوں کی ماں فرمایا گیا ہے کہ وہ جہاں بھر کا قبلہ اور تمام جہان کی بستیوں سے زیادہ عظمت والا اور سب کا سردار وسط دنیا میں واقع ہے۔ اور تمام اعمال میں نماز کو اس لیے خاص کیا ہے کہ وہ عماد دین اور علم ایمان ہے جو اس کی حفاظت کرے گا وہ سائر اعمال کی حفاظت کرے گا۔ [مدارک]

شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کا تم اپنے میں ساجھا بتاتے تھے بے شک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی

وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ

اور تم سے گئے جو دعوے کرتے تھے بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

زندہ کو مردہ سے نکالے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا یہ ہے اللہ

فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ

تم کہاں اوندھے جاتے ہو تاریکی چاک کر کے صبح نکالنے والا اور اس نے رات کو چین بنایا اور سورج

وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ

اور چاند کو حساب یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا۔ ق۴۲ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے

النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ

تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہم نے نشانیاں مفصل بیان کر دیں

(آیت ۹۳ تا ۹۶) (۴۲) شان نزول:۔ میں اس کی مختلف اقوال ہیں ابن جریر وابن اثیر اور محی السنہ نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ﴿فمن اظلم﴾ سے ﴿کذبا﴾ تک مالک ابن صیف کے بارے میں اتری ہے۔ کہ اس نے اللہ پر افترا کیا تھا کہ اس نے کسی آدمی پر کتاب نازل نہیں کی ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ مسیلمہ کذاب کے حق میں نازل ہوئی کہ اس نے حضور کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور گمان کرتا تھا کہ اس پر وحی آتی ہے اور حضور کے پاس اس نے دو قاصد بھیجے تھے حضور نے ان سے پوچھا تم اسے نبی جانتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں تو حضور نے ان سے فرمایا: کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ رسول کو قتل نہیں کرتے ہیں تو میں تمہیں قتل کرتا۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے ہاتھوں میں دو کنگن پڑے ہیں پس میں نے ان کی تعبیر کی کہ میرے بعد دو جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک کو مسیلمہ اور دوسرے کو عنسی کہا جائے گا چنانچہ حضور کی تعبیر صحیح ہوئی کہ حضور کے سامنے دونوں ہوئے اور عنسی حضور کے سامنے وفات سے دو روز قبل فیروز کے ہاتھ سے مارا گیا حضور نے اس کے مارے جانے کی خوش خبری صحابہ کو سنائی اور مسیلمہ زمانہ صدیق اکبر میں وحشی قاتل حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا [سراج] اور اس سے آگے ﴿ما انزل الله﴾ تک سدی کے نزدیک عبداللہ بن سعد کا تب وحی کے حق میں نازل ہوئی کہ جب آیت ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ﴾ الخ نازل ہوئی تو حضور نے اس سے لکھوانی شروع کی جب حضور نے خلقا آخر لکھوایا تو اس کے منہ سے اس کے آگے حضور کے فرمانے سے پہلے اتفاقیہ ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ [المؤمنون:۱۴] نکل گیا تب حضور نے فرمایا ہاں یہی اترا ہے لکھو۔ اس پر عبداللہ اترا گیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی اترتی ہے اور جو وہ خود گڑھتے ہیں تو میں بھی ایسا قرآن بنا سکتا ہوں اور مرتد ہو کر مدینہ سے چلا گیا اور قریش سے مل گیا۔ پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق اتری ہے کہ وہ قرآن عظیم کے معارضہ کا دعوی کرتا تھا اور کلام الٰہی کے مقابلہ میں تک بندی کرتا تھا جیسے ﴿وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا﴾ [الذاریات:۱] میں اس نے والطاحنات طحنا فالعاجنات عجنا

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ

علم والوں کے لیے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے

وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ

اور کہیں امانت رہنا بے شک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والے کے لیے اور وہی ہے

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا

جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے

مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا

اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے،

قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

پاس پاس گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار

فالخابزات خبزا جیسا بیہودہ کلام بنایا تھا۔ اور آیت ﴿ولقد جئتمونا﴾ بھی اسی ملعون کے متعلق نازل ہوئی۔ بہر حال اس آیت کریمہ کے حکم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالی پر کوئی جھوٹ افترا کرے یا مدعی نزول وحی ہو یا کلام الٰہی کا مقابلہ کرے خواہ وہ اس زمانہ کا ہو یا اس کے بعد ہو جیسے قادیانی، کہ سبب خاص مانع عموم حکم نہیں کذا قال العلماء [سراج] مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا نبی ہونے کا دعوی کیا یا یہ کہا کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالاں کہ اس پر وحی نہیں آئی اور کہے کہ میں بھی قرآن کی مثل اتارتا ہوں قرآن کی مانند بنا سکتا ہوں جیسا کہ وہ کہتے تھے ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا﴾ [الانفال: ۳۱] ان ظالموں کی دیکھو جب کہ یہ موت کی جانکنی کی سختیوں میں پھنسے ہوں گے اور موت کے فرشتے ان کی طرف عذاب دیتے یا روح قبض کرنے کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوں گے اور ان سے کہیں گے کہ نکالو اپنی جانیں کہ ہم انہیں قبض کریں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلے میں اس کے جو تم اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ اور اس کی آیتوں پر ایمان لانے سے تکبر کرتے تھے اور ان سے کہا جائے گا۔ باقی ترجمہ پڑھئے۔ روایت کیا گیا ہے کہ کفار کی روحیں جسم میں پھیل جائیں گی اور نکلنے سے انکار کریں گی تو انھیں فرشتے ماریں گے یہاں تک کہ وہ نکلیں گی۔ [جامع البیان] حضرت ابن عباس کے نزدیک غمرات الموت سے سکرات موت مراد ہے اور ملائکہ سے موت کے فرشتے مراد ہیں اور ان کی طرف ہاتھ پھیلانے سے عذاب دینے کے لیے ہاتھ پھیلانا مراد ہے۔ [ابن کثیر ضحاک] اور تنہا خدا کے سامنے جانے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ حساب کے لیے لائے جائیں گے تو ان کے ساتھ ان کا مال و اولاد وغیرہ کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [الانعام: ۹۴] سے یہ مراد ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار ننگے بدن، ننگے پاؤں، بے ختنہ پیدا کیا تھا ایسے ہی ہمارے پاس آؤ گے۔ یہی احادیث میں آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد عورتیں سب ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور شرم نہ کریں گے؟ فرمایا: وہ وقت بہت سخت ہوگا کوئی کسی کی طرف نظر نہ کرے گا۔ [بخاری و مسلم] اور مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ نکالنے کے یہ معنی ہیں کہ دانہ، گٹھلی، نطفہ سے جو مردہ ہے۔ زندہ بچہ اور لہلہاتا پودا پیدا کرتا ہے اور زندہ آدمی و جانور سے نطفہ، انڈا جو مردہ ہے نکالتا ہے۔

مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ

کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ، اس کا پھل دیکھو جب پھلے اور اس کا پکنا، بے شک

فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ

اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔ ۴۳ اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اسی نے ان کو بنایا

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں جہالت سے، پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

بے کسی نمونے کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

عورت نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ یہ ہے اللہ

رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى

تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو اور وہ

(آیت ۹۷ تا ۹۹) (۴۳) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم کی نیرنگی اور دنیا کی چیزوں کی طرح بطرح پیدائش دکھا کر اپنی شان قدرت دکھائی ہے اور اپنی ربوبیت والوہیت کو ثابت فرمایا ہے۔ پڑھیے ترجمہ. حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک مستقر سے مراد ماں کا پیٹ ہے اس میں بچہ ٹھہرتا ہے اور مستودع سے مراد باپ کی پیٹھ ہے کہ اس میں نطفہ امانت رہتا ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عباس نے پوچھا کیا تو نے نکاح کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ تو فرمایا: آگاہ رہ کہ جو تیری پیٹھ میں امانت ہے اسے عنقریب اللہ نکالے گا [سراج ومعالم] اور ابن مسعود نے اس کا عکس فرمایا ہے اور انھیں سے ایک روایت میں ہے کہ مستقر دنیا اور مستودع آخرت ہے۔ وفيه اقوال آخر۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو ایک تو سماے دنیا کی زینت کے لیے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ﴾ [الملک: ۵] دوسرے شیاطین کے رجم کے لیے پیدا فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ [الملک: ۵] تیسرے اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ ان سے بَرّی و بحری سفر کی تاریکیوں میں راہ ڈھونڈو کہ اکثر نادان جنگل پہاڑوں میں راہ نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہوتے تھے اور جاننے والے راہ یاب ہوتے تھے۔ پس اس قدر ستاروں کی چال جاننا اور ان کا علم حاصل کرنا جائز ہے جس سے خشکی وتری میں راہ پہچان لے سمت قبلہ جان لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اے لوگو! تم ستاروں سے خشکی وتری میں راہ ڈھونڈنا سیکھو پھر اپنے وہموں کو روکو کہ یہ ستارے آسمان کی زینت اور شیاطین کو رجم کرنے اور راہ ڈھونڈنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جس نے ان تینوں باتوں کے سوا کوئی اور اعتقاد ان کی نسبت کیا وہ گمراہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ فرمایا حضور نے: تم ستاروں سے اس قدر سیکھو جس سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ ڈھونڈ لو پھر باز رہو۔ [رواه الخطیب وابن مردویه] سوا اس کے اور باتوں کے لیے نجوم میں پڑنے ان میں نظر کرنے کی حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔

كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ

چیز پر نگہبان ہے آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطے میں ہیں

وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ

اور وہی ہے نہایت باطن پورا خبردار۔ ف۴۴ تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِىَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ

تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا تو اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں۔ اور ہم اسی طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ

آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھے ہو اور اس لیے کہ اسے علم والوں پر واضح کر دیں۔ اس پر چلو

مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

جو تمھیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منھ پھیر لو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور اللہ چاہتا تو وہ شریک نہیں کرتے اور ہم نے تمھیں ان پر نگہبان نہیں کیا اور تم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے نجوم میں نظر کرنے کی ممانعت فرمائی۔ [رواه الخطيب وابن مردويه] حضرت عائشہ وابو ہریرہ سے بھی ایسی ہی مرفوعا روایت ہے، حضرت ابن عباس سے مرفوعا روایت ہے کہ جس نے نجوم سے علم اقتباس کیا اس نے جادو سے ایک جز اقتباس کیا۔ [رواه ابو داؤد وابن شيبه] مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ستاروں کو انھیں تین باتوں کے لیے پیدا فرمایا ہے کفار و مشرکین کی طرح ان کی تاثیرات کا قائل ہونا مطرنا بنوء كذا کہنا گمراہی ہے اور انھیں مؤثر حقیقی سمجھنا انھیں پوجنا کفر ہے۔ العياذ بالله.

(آیت ۱۰۰ تا ۱۰۳) (۴۴) ان آیات میں ﴿وجعلوا لله﴾ سے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ عَلِيْم﴾ تک کفار کا رد ہے پھر اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت اور قدرت کا بیان ہے۔ کلبی کہتے ہیں کہ آیت ﴿وجعلوا لله﴾ زندیقوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ انھوں نے خالقیت میں اللہ کے ساتھ ابلیس کو شریک کیا اور کہا کہ اللہ خالق نور ہے اور اچھی چیزیں پیدا کرنے والا ہے اور ابلیس خالق ظلمت ہے اور بری چیزیں پیدا کرنے والا ہے۔ پس خدا خالق خیر ہے اور ابلیس خالق شر ہے ﴿تعالى الله عن قولهم علوا كبيرا﴾ اور یہ آیت دلیل قاطع ہے کہ مخلوق شریک خدا نہیں ہوسکتی ہے۔ [سراج] یہی مذہب مجوس کا ہے کہ وہ خالق خیر کو "یزدان" اور خالق شر کو "اہرمن" یعنی شیطان کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفار نے جنوں کو شیاطین کو اللہ کا شریک ٹھہرایا حالاں کہ اللہ نے انھیں بنایا ہے تو وہ کیسے اللہ کے شریک ہوسکتے ہیں۔ اور انھوں نے اپنی جہالت سے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں کہ یہود نے عزیر کو اور نصاری نے مسیح کو اللہ کا بیٹا اور بعض عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔ اللہ پاک و برتر ہے ان کی ان باتوں سے۔ وہ بے کسی نمونہ کے آسمان و زمین بنانے ولا ہے اس کے بچہ کہاں سے ہوا کہ اس کے عورت ہی نہیں ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور سب کچھ جانتا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے وہ ہر شئ کا بنانے والا ہے پس اسی کی عبادت کرو، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے سب آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتی ہیں اور اس کے احاطہ میں سب آنکھیں ہیں یعنی اس کی کنہ ذات کو ہر آنکھ نہیں گھیر سکتی ہے اور وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے،

سب کی حقیقت سے آگاہ ہے ہزاروں بھیدوں سے خبردار ہے اور وہی ہے پورا باطن اور پورا خبردار۔ اور یہ از قبیل لف ونشر ہے یعنی ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ [الانعام:۱۰۳] کے مقابل "اللطیف" ہے۔ اور اس کی علت کی مثل ہے اور ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ [الانعام: ۱۰۳] کے مقابل "الخبیر" ہے اور اس کی علت کے مثل ہے۔ ورآیت کے یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کو سب آنکھیں نہیں دیکھتی ہیں کہ وہ نہایت لطیف ہے احاطہ بصر میں نہیں آتا ہے اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے اس لیے کہ خبیر ہے ہر شئ باریک سے باریک چیز کو دیکھنے والا ہے اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ [بیضاوی ومدارک] حاصل یہ ہے کہ وہ اس قدر لطیف ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھتا ہے اور وہ سب کو دیکھتا ہے جیسے بینائی کہ کوئی اسے نہیں دیکھتا ہے اور وہ سب کو دیکھتی ہے یا وہ انتہائے لطافت کی وجہ سے کسی کو دکھائی نہیں دیتا ہے اور وہ خبیر ہونے کی وجہ سے سب کو دیکھتا ہے۔

تنبیہ: آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ میں نفی ادراک ہے نہ کہ نفی رویت کہ رویت وادراک میں یہ فرق ہے کہ ادراک اس رویت کو کہتے ہیں جس میں بینائی شئ مرئی کو چاروں طرف سے احاطہ کرے اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے۔ اور رویت محض کسی شئ کے دیکھنے کو کہتے ہیں خواہ احاطہ کرے یا نہ کرے اس کی حقیقت سے آگاہ ہو یا نہ ہو تو بغیر احاطہ کے رویت ہو سکتی ہے اور باوجود رویت کے نفی ادراک ممکن ہے۔ جیسے کہ مومنوں کو ذات وصفات باری تعالیٰ کا علم ہونے کے باوجود آیت ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ [طٰہٰ:۱۱۰] میں احاطہ علمی کی نفی کی گئی ہے۔ اور حدیث لا احصی ثناء علیک میں باوجود ثنا کے احاطہ ثنا کی نفی کی گئی ہے۔ حضرت سعید ابن مسیب ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بینائیاں اس کا احاطہ نہیں کر سکتی ہیں۔ حضرت عطا کہتے ہیں کہ بینائیاں اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کسی کی بینائی اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہیں دیکھ سکتی ہے آخرت میں دیدار کرے گی۔ حضرت عکرمہ سے جب ایک شخص نے آیت کا مطلب پوچھا تو فرمایا کیا تم آسمان کو نہیں دیکھتے ہو؟ سائل نے کہا ہاں تو فرمایا کیا تم پورے آسمان کو اپنی نگاہ سے گھیر لیتے ہو۔ یعنی اگر تو گھیر نہیں سکتا ہے تو دیکھ سکتا ہے گویا نفی احاطہ نفی رویت کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ خود حضور نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ تمام مخلوق جمع ہو کر خدا کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے [رواہ ابن ابی حاتم] اور اگر بالفرض آیت میں نفی رویت ہی مراد ہو تب بھی اس کے آگے ابصار ہے اور ابصار سے بالاتفاق جمیع ابصار مراد ہیں اور تمام ابصار کی نفی رویت بعض بصر کی نفی رویت کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ تمام انسان عالم نہیں ہیں تو یہ جملہ سچا ہے مگر اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ کوئی انسان عالم نہ ہو۔ یہی صورت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کہ اس میں تمام آنکھوں کی رویت کی نفی ہے اس سے بعض آنکھوں کے دیکھنے کی نفی نہیں نکلتی ہے بلکہ اس کا اثبات ہوتا ہے کہ سب آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتی ہیں بعض دیکھ سکتی ہیں۔ جیسے قیامت کے دن مومن اسے دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھیں گے جیسا کہ آیت ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ـ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ [القیٰمۃ:۲۲،۲۳] میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے چہرے قیامت کے دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھیں گے اور بخاری ومسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ تم عنقریب اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو اور کافر اس سے محجوب ومحروم ہوں گے ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ [المطففین:۱۵] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کہ جب ایک قوم اپنے کفر کی وجہ سے رویت سے محروم ہوگی تو ثابت ہوا کہ دوسری قوم اپنی اطاعت وایمان کی وجہ سے اسے دیکھے گی۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کہ اگر مومن کو قیامت کے دن اپنے رب کی رویت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کفار کو حجاب سے عار کیوں دلاتا۔ [سراج] اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول اجتہادی ہے رویت دنیا پر محمول ہے نہ رویت آخرت پر کہ رویت آخرت کی وہ خود قائل تھیں بلکہ ان کے قول سے رویت فی الآخرۃ کی نفی ثابت ہی نہیں ہوتی ہے۔ یہی تمام صحابہ وتابعین وائمہ وعلما کا عقیدہ ہے اور اہل سنت کا مذہب ہے کہ قیامت کے روز مومنین خدا کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ بخلاف فرقہ معتزلہ ورافضیہ و خارجیہ کے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اسے محال بتاتے ہیں۔ اگر رویت الٰہی محال ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی رویت کی التجا نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ اپنی رویت کو پہاڑ کی طرف دیکھنے پر معلق نہ کرتا۔

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا

اُن پر کروڑے نہیں۔ ف۴۵ اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ

اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے یوں ہی ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیے ہیں پھر انھیں اپنے رب کی

مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

طرف پھرنا ہے اور وہ انھیں بتا دے گا جو کرتے تھے۔ ف۴۶ اور انھوں نے اللہ کی قسم کھائی

(آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷) (۴۵) جب اللہ تعالی مشرکین کا رد اور اپنی ذات وصفات و وحدانیت والوہیت کو واضح کر چکا تو اب بطور نتیجہ واتمام حجت کے فرماتا ہے کہ اے نبی تم ان سے فرما دو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تو جس نے انھیں دیکھا اور ان میں غور کیا اور ان پر ایمان لایا تو اس نے اپنے بھلے کو ایسا کیا کہ اس کا ثواب اسے ملے گا اور جو ان سے اندھا ہوا یعنی انھیں نہ دیکھا نہ ان میں غور کیا وہ گمراہ ہے اور اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں کہ تمہارے اعمال کی حفاظت کروں میں تو ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح ہم طرح طرح کی آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور اس لیے کہ کافر کہیں کہ تم تو اہل کتاب سے پڑھے ہوئے ہو یا تم نے اگلی کتابیں پڑھی ہیں یہ انھیں میں سے لائے ہو اور اس لیے کہ ہم علم والوں پر واضح کر دیں۔ اے نبی! تم اس پر چلو جو اللہ کی طرف سے تم پر وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ اور ان کے کہنے کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور اگر خدا چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔ اور ہم نے تمھیں ان پر نگہبان نہیں کیا ہے کہ تم ان کے اعمال کی سزا دو اور تم ان پر ذمہ دار نہیں ہو کہ ایمان لانے میں ان پر جبر کرو۔ (یہ حکم قبل حکم قتال تھا)

تنبیہ: جب حضور نے باوجود بے پڑھے لکھے ہونے کے کفار کے سامنے قرآن پڑھا اور صحیح صحیح غیب کی خبریں انھیں سنائیں۔ تب انھیں کچھ نہ بن پڑا تو یہ کہنے لگے کہ تم نے یہ یہود سے پڑھا سیکھا ہے یا اگلی کتابوں میں سے لائے اور ہمارے سامنے بیان کرتے ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضور قرآن پڑھتے تو کفار کہتے کہ یہ تم نے یسار و جبر رومی غلاموں سے جو قیدیوں میں آئے ہیں سیکھا ہے۔ اسے ہم پر پڑھتے ہو اور اسے خدا کی طرف سے آیا ہوا بتاتے ہو۔ اور فراء کہتے ہیں کہ وہ اسے یہودیوں سے سیکھا ہوا بتاتے تھے [معالم]

(آیت ۱۰۸) (۴۶) شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ جب آیت ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الأنبياء:۹۸] نازل ہوئی تو مشرکوں نے حضور سے کہا کہ اے محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز رہو ورنہ ہم بھی تمہارے معبودوں کو برا کہیں گے بس یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ مسلمان بتوں کو برا کہا کرتے تھے۔ بس اللہ نے انھیں اس سے منع فرمایا۔ اور سدی کہتے ہیں کہ جب سرداران قریش نے ابوطالب سے جا کر کہا کہ تم اپنے بھیجے کو ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے منع کر دو ورنہ ہم اس کے معبود کو برا کہیں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم] ممکن ہے کہ دونوں واقعات شان نزول ہوں۔ بہرحال اس میں مسلمانوں کو مشرکوں کے معبوں کو برا کہنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کہیں وہ از روئے تعدی و بے علمی کے خدا کو برا نہ کہیں اور فرمایا گیا ہے کہ یہ کافر اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں تم انھیں گالی نہ دو برا نہ کہو کہ وہ لوٹ کر اپنی زیادتی جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے۔ ہم نے یوں ہی ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیے ہیں پھر انھیں اپنے رب کی طرف پھیرنا ہے وہ انھیں بتا دے گا جو وہ کرتے تھے اور اس کی جزا دے گا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اپنے ماں باپ کو گالی نہ دو۔ صحابہ نے عرض کی کوئی اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا فرمایا دوسرے کے باپ کو گالی دے گا وہ لوٹ کر اس

اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے، تم فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں

وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ

اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔ ع

کے باپ کو گالی دے گو یا یہ دوسرے کے باپ کو گالی دینا اپنے باپ کو گالی دینا ہوگا۔ یہ آیت وحدیث دلیل ہے کہ جو طاعت اور نیک کام معصیت اور برے کام کی طرف پہنچائے اس سے فتنہ وفساد پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہوا سے ترک کرنا واجب ہے۔ [سراج] زجاج کہتے ہیں کہ یہ حکم قبل حکم قتال کے تھا اور ابن انباری کہتے ہیں کہ یہ حکم مکہ میں کمزور ہونے کی وجہ سے تھا جب مسلمانوں میں قوت آگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(آیت ۱۰۹/۱۱۰) (۴۷) شان نزول:۔ ایک بار قریش نے حضور سے کہا: کہ تم کہتے ہو موسیٰ کو عصا دیا گیا تھا جو دشمن کے مقابلہ میں اژدھا بن جاتا تھا اور رات میں چراغ کا کام دیتا تھا، اور عیسیٰ، اندھے، کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے، مردہ زندہ کرتے تھے، صالح نے پتھر سے اونٹنی دودھ دیتی ہوئی نکالی تھی تم بھی کوئی معجزہ دکھاؤ تو حضور نے فرمایا تم کیا معجزہ چاہتے ہو تو وہ بولے کہ کوہ صفا سونے کا ہو جائے اور ہمارے بعض مردے زندہ کرو کہ ہم تمہارے بارے میں ان سے پوچھیں یا ہمیں فرشتے دکھاؤ جو تمہاری شہادت دیں تو حضور نے ان سے فرمایا: اگر ایسا ہو تو تم میری تصدیق کرو گے ایمان لاؤ گے تو انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم سب ضرور ایمان لائیں گے تو حضور نے دعا فرمائی۔ تب حضرت جبرئیل نے آکر کہا اللہ تعالی فرماتا ہے ہم تمہاری دعا سے معجزہ ضرور ظاہر کریں گے۔ لیکن معجزہ ظاہر ہونے کے بعد اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم انھیں ہلاک کر دیں گے۔ پس حضور نے اپنی قوم کی ہلاکی پسند نہ فرمائی اور خاموش ہو رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ معالم، قال الشیخ ابن کثیر وله شواهد، بعض روایات میں کوہ صفا کو سونے کا کر دینے کے سوا بھی اور باتیں چاہیں تھیں جیسا کہ مکہ کو وسیع کر دینا، چشمہ نکالنا۔ مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ نے اپنی پوری کوشش سے قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس نشانی معجزہ جیسا وہ چاہتے ہیں آیا تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے تم اے نبی ان سے فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں وہ جب چاہتا ہے انھیں ظاہر فرماتا ہے میرے قبضہ میں نہیں ہیں میں تو ڈرانے والا ہوں اور تمہیں کیا خبر ہے کہ جب وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ ایمان نہ لائیں گے اس کو تو خدا ہی جانتا ہے اور ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو حق کے سمجھنے اور دیکھنے سے پھیر دیتے ہیں۔ پس وہ ایمان نہ لائیں گے جیسا کہ پہلے معجزات پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے ﴿كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [الانعام:۱۱۰] کے یہ معنی بیان فرمائیں ہیں کہ پہلی بار سے دار دنیا مراد ہے اگر وہ دار آخرت سے دار دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے جیسا کہ مرنے سے پہلے دنیا میں ایمان نہ لائے تھے کہ ہم نے ان کے دل اور آنکھیں حق دیکھنے اور حق قبول کرنے سے پھیر دی ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ [الانعام:۲۸] یعنی اگر وہ دنیا میں لوٹائے جائیں تو بھی جس شیٔ سے منع کئے گئے تھے وہی کریں گے۔ [سراج]